سنہری چٹان

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

اس وقت تک لکھے جانے والے خاص نمبروں میں سب سے بڑے خاص نمبر کا پہلا حصہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، دوسرا حصہ انشاء اللہ آئندہ ماہ آپ پڑھیں گے۔

یہ خاص نمبر ۴۴ دنوں میں لکھا گیا۔ گیارہ ناولوں کے برابر اس کے صفحات ہیں۔ اس لحاظ سے کل قیمت ۱/۵۰، روپے بنتی ہے، لیکن صرف اور صرف ۶۳/۰۰ روپے قیمت رکھی گئی ہے۔ پہلے حصے کی ۲۷/۰۰ روپے اور دوسرے کی ۳۶/۰۰ روپے صرف۔ وہ بھی ان حالات میں جب کہ کاغذ کی قیمت نے ایک بار پھر چھلانگ لگائی ہے اور مجھے ایک دھکا اور لگایا ہے... میں نے نہ جانے کس طرح کس ہمت سے اس دھکے کو برداشت کیا ہے۔ یقین جانیں، سر سے پیر تک ہل کر رہ گیا ہوں۔

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔۔ سانس اُوپر کا اُوپر اور
نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ آپ کا
خیال دامن گیر ہوا اور قیمت میں خاص اضافہ نہ کر سکا۔
لیکن صرف اس خاص نمبر کی حد تک۔ آیندہ ہر ناول
۵۰/- روپے کا ہوا کرے گا، اگر آپ کو منظور نہیں تو پھر مجھے
لکھ دیں کہ کیا کروں۔ ادارہ بند کر دوں یا ناولوں کے
صفحات کم کر دوں۔ حالات یہ ہیں (آپ کسی بھی
سٹال پر کھڑے ہو کر اس کا ثبوت ملاحظہ فرما سکتے
ہیں) تین سو صفحات کی کتاب کی قیمت ۲۳، ۲۴
روپے رکھی جا رہی ہے، دو سو صفحات کی کتاب سولہ
اور سترہ روپے کی۔ ان حالات میں اگر میں خاص نمبر
کی قیمت کا حساب لگاؤں تو قیمت ۱۰۰/- روپے سے
زائد بنے گی۔ جب کہ ان کتابوں کی کتابت بھی
آپ کے اس ادارے کی کتابت سے گھٹیا ہے۔ زبان
اور بیان بھی کمزور اور اندر تو جو کچھ مواد آ رہا ہے،
اس کے بارے میں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔
کیوں کہ خطوط کے ذریعے ایک ایک بات کی اطلاع مجھے
دینا آپ نے اپنا اخلاقی فرض سمجھا ہے، اور یہ ایک
بہت خوش آیند بات ہے۔

سوچ رہا ہوں۔ کچھ اس بار مارکیٹ میں ملنے
والے ادب پر بھی بات کر ڈالوں۔ اکثر خطوط میں
اس چیز کا ذکر ہوتا ہے، لیکن میں مصلحت کی بنا
پر ایسے خطوط شائع نہیں کرتا۔ یہ سوچ کر رہ جاتا ہوں
کہ یار لوگ اسے کاروباری چکر خیال کریں گے۔
لیکن آج میں چند جملے کہے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔
وہ بھی ان لکھنے والوں کو نہیں۔ اپنے قارئین کو
آپ صرف اور صرف صحت مند ادب پڑھیں۔ غلط
مواد والا ادب ہرگز ہرگز نہ پڑھیں۔ یہ صرف آپ کا
ہی نہیں۔ آپ کے والدین کا ہی نہیں۔ آپ
کے خاندان کا ہی نہیں، پورے مُلک کا نقصان ہو
گا۔ گندے لٹریچر کی وجہ سے بُرائیوں میں مبتلا ہو
سکتے ہیں۔ بُرائیوں میں مبتلا کرنے میں گندا لٹریچر
بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔ اس کے لیے میں آپ
کو ایک سُنہری اصول بتا دیتا ہوں۔ اگر آپ اس
سُنہری اصول کو پلّے باندھ لیں گے تو پھر کبھی غلط
کتاب کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ آپ صرف اور
صرف وہ کتاب خریدیں یا کرائے پر لیں۔ جو
سب گھر والوں کو پڑھ کر سُنانے میں شرم محسوس

ذکر ہی — اور اگر کوئی ناول یا کتاب پڑھ کر
سُنانا آپ کے بس کی بات نہ ہو تو پھر ایسی
کتابیں گھر میں لانا بھی نہیں چاہیے — بلکہ
گھر سے باہر بھی نہیں پڑھنا چاہیے — کیوں کہ
اس طرح آپ کی شخصیت پر بُرا اثر ضرور پڑے گا
اور اس کا بُرا اثر پورے گھر پر اور پورے گھر
کا پورے مُلک پر —

شاید آپ یہ کہنے کے لیے پر تول رہے ہوں
کہ میں نے تو خُشک باتیں شروع کر دیں —
نہیں — یہ خُشک باتیں نہیں، بلکہ بہت کام کی
باتیں ہیں اور کام کی باتیں اگر خُشک بھی ہوں
تو خُشک میوہ جات سمجھ کر ہضم کر جائیں —

چلیے اب ہم موضوع بدل لیتے ہیں۔ خاص نمبر
اگرچہ دو جلدوں میں اور دو ماہ میں شائع ہو گا —
ایک حصّہ بیس نومبر کو دُوسرا بیس دسمبر کو — لیکن
بعض — بہت ہی شوقین — اور دیوانے قسم کے
قارئین کی فرمائش پر — اور کچھ اپنی بھی مرضی
کی وجہ سے اس کی کچھ جلدیں ایک ہی جلد
کی صُورت میں بھی تیار کرائی گئی ہیں —

یعنی اگر آپ اسے بطور یادگار اپنے گھر کی
لائبریری میں ایک جلد کی صُورت میں رکھنا پسند
کریں تو یہ بھی ممکن ہے۔ ایسی جلدیں اگر
آپ کو کسی سٹال پر نہ ملیں تو آپ ۶۰/- روپے
کا منی آرڈر بھیج کر ہم سے براہِ راست منگوا سکتے
ہیں —

آپ کہیں گے، اس مرتبہ آپ کو عجیب سوجھی،
بلکہ غریب سوجھی۔ بھئی بات دراصل اس طرح
ہوئی کہ پچھلی مرتبہ خاص نمبر سے پہلے "خطرناک
دن" والا ناول چار حصّوں پر مشتمل تینوں پارٹیوں
کا مشترکہ لکھا گیا — اس کا ایک ہلکا سا تعلق
بڑے خاص نمبر "باطل قیامت" سے بھی قائم ہو
گیا — اس مرتبہ جب نومبر کے ناول لکھنے بیٹھا تو
ایک خیال آیا — یہ کہ کیوں نہ چار ناولوں کی
بجائے اس بار ایک میڈیم خاص نمبر ایک جلد میں
شائع کیا جائے، بلکہ اس میڈیم خاص نمبر کی
کہانی اس میں ختم نہ ہو — اسی میں شروع
ہو کر آئندہ بڑے خاص نمبر میں مکمل ہو — اس
طرح ایک تو یہ ہو گا، یہ ناول میری زندگی کا

سب سے بڑا ناول بن جائے گا۔ دُوسرے یہ ہوگا کہ دُنیا بھر میں بچّوں کا یہ سب سے ضخیم ناول بھی ہوگا اور تیسرے یہ ہوگا کہ بچّوں کی اس خواہش کہ اب آپ ۱۰۰۰ صفحات کا خاص نمبر لکھیں۔ کو بھی مَیں پیچھے چھوڑ جاؤں گا اور ۱۰۰۰ کی بجائے ۴۰۰۰ صفحات کا ناول ان کے لیے لکھ ماروں گا۔

یہ تھا وُہ خیال جس نے مجھے گھیر لیا، اپنے شکنجے میں لے لیا۔ مَیں نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی، لیکن خوف زدہ تھا کہ کیا مَیں اتنا بڑا ناول لکھ سکوں گا۔ واقعات میں ربط رکھ سکوں گا۔ میں نے اس خوف سے پیچھا چھڑانے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اگرچہ مَیں اب ناول مکمل کر چکا ہُوں، لیکن یہ خوف اب بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ ہے نا بے وقوف خوف۔ اب آپ کہ اُٹھیں گے۔ لیجیے۔ خوف بھی بھلا بے وقوف ہو سکتا ہے۔ بھئی ہونے کو اس دُنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔

مُتفرق سلسلہ شروع کر کے مَیں نے اوکھلی میں سر دے لیا ہے۔ اور اب موسلوں سے ڈر رہا ہُوں۔ یہ ایک دُوسری بے وقوفی ہے میری۔ لگتا ہے۔ سر تا پا

بے وقوف ہوں۔ ویسے یہ بات آ بیل مجھے مار والی بھی ہے۔ مَیں نے خود ہی تو یہ سلسلہ شروع کیا۔ اب اگر یار لوگ مُجھے دھڑا دھڑ مسودات بھیج رہے ہیں تو اس میں ان کا کیا قصور۔ ہاں قصور ہے تو اتنا کہ پہلے کبھی کچھ نہیں لکھا اور ناول شائع کرانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ایک ایک سیڑھی چڑھ کر ہی چھت پر پہنچتا ہے آدمی۔ مَیں نے بچّوں کے لیے ۱۹۵۸ء میں پہلی کہانی لکھی تھی۔ جو ایک رسالے میں شائع ہوئی۔ ۱۹۷۲ء تک میں کہانیاں لکھتا رہا، وُہ مختلف رسائل میں چھپتی رہیں۔ اور اس طرح سَو کے قریب کہانیاں شائع ہو گئیں۔ اس وقت کہیں جا کر مَیں نے بچّوں کا ایک ناول لکھنے کی جرأت کی تھی، وُہ بھی ایک پبلشر کے کہنے پر۔ یہ کہانی آپ "میری کہانی" میں پڑھ ہی چکے ہیں۔ جس طرح لوگ راتوں رات مال دار بننے کے خواب دیکھتے ہیں۔ آپ اس طرح راتوں رات مصنّف بننے کے خواب نہ دیکھیں۔ سچ کچے سو میٹھا ہو۔ یہ میٹھی میٹھی باتیں مسودات ارسال کرنے والوں کو کڑوی کڑوی تو ضرور لگی ہوں گی۔ اگر کڑوی لگی ہیں تو پھر ثابت ہو گیا کہ یہ باتیں ہیں سچی۔

کیوں کہ کڑوا سچ ہی ہوتا ہے۔ جھوٹ نہیں۔

انجمنِ دعوتِ فکر و عمل میں شرکت اس وقت وقت کی اہم ضرورت ہے۔ جو لوگ اس میں شرکت کر چکے ہیں، مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ان لائنوں کے ذریعے میں ایک ہی وقت میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزا دے۔ آمین!

اسلام دشمن لوگ مجھے اکثر و بیشتر خطوط لکھتے رہتے ہیں افسوس وہ اپنے خطوط پر پتا نہیں لکھتے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ان میں سے صرف چند ایک پتا لکھتے ہیں۔ بھلا میں ان کے خطوط کا جواب کس طرح دے سکتا ہوں۔ وہی کوئی ترکیب بتا دیں، میں تو فرزانہ اور فرحت کی خدمات بھی حاصل کر چکا ہوں وہ بھی اس کا کوئی حل نہ بتا سکیں اور سر پیٹ کر رہ گئیں۔ ویسے میرے ٹوٹے پھوٹے دماغ میں ایک ترکیب آئی تو ہے۔ ایسے لوگ کچھ پیغام رساں کبوتر پال لیں۔ اپنا خط کبوتر کے پنجے میں باندھا اور اسے میری طرف روانہ کر دیا۔ میں اپنا جواب انہیں اسی طرح بھیج دیا کروں گا۔ اس طرح میں ان کے

پتے سے بھی بے خبر رہوں گا اور وہ جواب سے محروم بھی نہیں رہیں گے۔ خاص طور پر ان دنوں عیسائی حضرات بہت چیں بچیں ہو رہے ہیں۔ اللہ ان سب کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔ ویسے آپ میری ترکیب سن کر کہیں سر تو نہیں دھننے لگے۔

فرزانہ اور فرحت کے کان تو نہیں کاٹ گیا ہوں۔ اچھا بس۔ اب زیادہ نہ مسکرائیے، کیونکہ ۱۴۰۰ صفحات کے اس ناول میں آپ مسکرا مسکرا اور ہنس ہنس کر تھک جائیں گے۔ بالکل بے دم ہو جائیں گے۔ اس لیے میں کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو دو باتیں میں بالکل نہ مسکرانا پڑے اور مسکراہٹوں کا خزانہ آپ محفوظ رکھ لیں۔ ہو سکتا ہے، آپ اس سلسلے میں بہت سخی ہوں، بہت فراخ دل ہوں اور مسکراہٹوں کے سٹاک کی آپ کے پاس کوئی کمی نہ ہو اور دل ہی دل میں کہہ رہے ہوں کہ ۱۴۰۰ صفحات کا تو کیا۔ اگر ۴۰۰۰ صفحات کا خاص نمبر بھی پڑھنا پڑ جائے تو بھی ہمارا مسکراہٹوں کا ذخیرہ ختم نہیں ہو گا۔ آپ ہیں کس خیال میں۔

خیال کے لحاظ سے میں واقعی بہت کمزور واقع ہوا ہوں۔ کسی خیال کا ایک ہلکا سا تھپیڑا بھی مجھے ہلا ڈالتا

ہے۔ اور میں خود کو خزاں زدہ پتے سے بھی کمزور محسوس کرنے لگتا ہوں۔ انسان میں رکھا ہی کیا ہے۔

ملک کے حالات ابھی تک جوں کے توں ہیں۔ اخبارات میں کروڑوں کے غبن کی خبریں ہمیں وحشت زدہ کیے دے رہی ہیں۔ یا اللہ اس ملک پر رحم فرما۔ اسے چوروں، غاصبوں، ظالموں، اقتدار کے بچاریوں سے محفوظ فرما ___ آمین! آپ سب سچے دل سے کہیں، آمین!

پچھلی مرتبہ "باطل قیامت" کے سلسلے میں ایک خاص احتیاط لکھی تھی میں نے۔ اس مرتبہ بھی یہی کہوں گا۔ ناول پڑھ کر ناول کا پلاٹ کسی کو نہ بتائیں۔ ورنہ آپ دوسروں کا مزا کرکرا کر دیں گے اور آپ جانتے ہی ہوں گے کہ کرکرا مزا مزے دار نہیں ہوتا۔ نہ ہی خاص نمبر کے آخری صفحات الٹ پلٹ کر دیکھیں۔

انعامی سکیم پہلے ہی تبدیل کی جا چکی ہے۔ اس بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اب آپ ناول میں ڈوب جائیں، لیکن اس بار تو آپ لمبے ہی ڈوبیں گے۔ یہ لمبا ڈوبنا آپ کو مبارک ہو!

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ___
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ___
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ___
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ___
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

لمبا چکر

"ایک شرط آپ مان لیں، ایک مَیں مان لیتا ہُوں گا۔"
یہ پہلا جملہ تھا جو اُس نے اندر آنے کے بعد بولا
تھا۔ شوکی برادرز نے اسے حیرت بھری نظروں سے
دیکھا، پھر شوکی نے کہا :
"پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ تشریف رکھیے، دوسری
بات یہ ہے کہ معمّوں میں باتیں نہ کریں، ہم بہُت ہی
سیدھے سادے آدمی ہیں۔"
"جی ہاں! بالکل جلیبی کی طرح سیدھے۔" آفتاب بول
پڑا ___
"چُپ! جلیبی اتنی سیدھی نہیں ہوتی۔" مَیں نے اُسے
ڈانٹ دیا، پھر اجنبی کی طرف مُڑا :
"ہاں تو مَیں کیا کہ تھا آپ سے؟"
"اوہ! تو آپ اتنی جلدی بھول گئے کہ آپ مجھ سے

کیا کر رہے تھے؟" اس نے حیرت بھری نظروں سے کہا
اور پھر اچانک دروازے کی طرف مُڑا:

"ارے! تو کیا آپ جا رہے ہیں؟" اشفاق گھبرا گیا۔

"تو اور کیا کروں۔ مَیں دراصل غلط جگہ آ گیا ہوں۔"

"اوہ! آپ کو کہاں جانا تھا؟" اشفاق نے چونک کر
کہا۔

"شوکی برادرز کے پاس۔" اُس نے مُنہ بنایا۔

"تب تو آپ بالکل ٹھیک پہنچے ہیں۔"

"نہیں! یا تو آپ لوگ شوکی برادرز نہیں ہیں اور اگر
ہیں تو پھر آپ کے بارے میں جو باتیں مجھ تک پہنچی
ہیں۔ وہ سِرے سے غلط ہیں، بلکہ بالکل غلط ہیں۔" اُس
نے جل بُھن کر کہا۔

"شاید آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ ویسے میں
آپ کو روکوں گا نہیں۔" شوکی نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"جس آدمی کی یادداشت تیز نہ ہو۔ وہ کبھی بھی ایک
اچھا جاسُوس نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کی یادداشت کا بغیر
کسی پروگرام کے امتحان ہو گیا ہے۔"

"لیکن اگر مَیں یہ بات ثابت کر دوں کہ میری یادداشت
بہت تیز ہے تو۔"

"تب۔ مَیں رُک سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر سُنیے۔ آپ آج سے پانچ سال پہلے
نو جون کو جیل گئے تھے۔"

"کیا!!!" وہ بُری طرح اُچھلا۔ آنکھیں حیرت اور خوف
سے پھیل گئیں۔

"آپ پر ایک شخص کے قتل کا الزام تھا، لیکن پھر
ناکافی ثبوت کی بنا پر عدالت نے آپ کو بری کر دیا۔
مَیں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"اُف! اب تو مجھے رُکنا ہی پڑے گا۔" اُس نے کہا
اور دھم سے کُرسی میں گر گیا۔

"کیوں! کیسی رہی۔" شوکی مُسکرایا۔

"بہت حیرت انگیز۔ ویسے کیا آپ کو یہ بھی یاد ہے
کہ مجھ پر کس آدمی کے قتل کا الزام تھا؟"

"ہاں! محکمہ سُراغ رسانی کے ایک انسپکٹر کا۔ اور ان
کا نام انسپکٹر جانباز تھا۔"

"اُف! مَیں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پانچ سال گزرنے
پر یہ بات کسی کو یاد ہو گی۔ دراصل مَیں پانچ سال
تک مُلک سے باہر رہا ہوں۔ یعنی جیل سے رہا ہونے
کے فوراً بعد مُلک سے چلا گیا تھا اور چند دن پہلے

ہی آیا ہوں — کیا آپ میرا نام بھی بتا سکتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں — آپ کا نام ماروت ہے۔"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے اور اب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، آپ کی شہرت بلاوجہ نہیں ہے۔"

"چلیے خیر۔ آپ نے یہ بات تو مانی۔ اب مہربانی فرما کر اپنی پرانی بات کی طرف لوٹ آئیے — لیکن بات معموں میں نہ کریں۔"

"اچھا! میں کوشش کروں گا۔ یہ دیکھیے۔ یہ کیا چیز ہے۔" اس نے کوٹ کی جیب میں سے کچھ نکالتے ہوئے کہا۔ جب اس نے وہ چیز میز پر رکھ دی تو میں بولا:

"یہ ایک چیک بک ہے۔"

"شکریہ — یہ واقعی ایک عدد چیک بک ہے۔ اس کے اوپر والے چیک پر رقم آپ اپنے ہاتھ سے لکھ دیں، وہ رقم اس کام کا معاوضہ ہو گی — جو میں آپ کو ادا کروں گا۔"

"آپ نے کام نہیں بتایا۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

"اب میں اپنا پہلا جملہ دہرانے پر مجبور ہوں۔ ایک شرط آپ مان لیں، ایک میں مان لیتا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"پتا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" شوکی نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"صرف اور صرف یہ کہ آپ چیک میں جتنی جی میں آئے رقم لکھ لیں، میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ دوسری طرف میں آپ سے کچھ بھی کام لوں۔ آپ اعتراض نہیں کریں گے۔"

"خبردار بھائی جان۔" آفتاب چلّا اٹھا۔

"کیا بات ہے بھئی — خیر تو ہے۔" شوکی گھبرا گیا۔

"یہ — یہ صاحب — یعنی مسٹر ماروت ہمیں کسی جال میں پھانسنا چاہتے ہیں — ہمیں جکڑ لینا چاہتے ہیں۔"

"چُپ رہو — میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔" شوکی نے جل کر کہا۔

"جی ہاں! یہ بات تو ہمیں بھی معلوم ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"کون سی بات؟" شوکی نے آنکھیں نکالیں۔

"یہ کہ آپ اتنے —"

"اچھا بس — مجھے پہلے ان سے بات کرنے دو۔" شوکی نے تلملا کر کہا اور پھر ماروت کی طرف مڑا:

"دیکھیے مسٹر ماروت — اگر ہم آپ کی شرط مان لیں اور

آپ ہمیں حکم دیں کہ جاؤ۔ جا کر فلاں آدمی کو قتل کر آؤ،
تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"میں ایسا کوئی کام نہیں لوں گا۔ یعنی قانون جس
میں آڑے آئے۔"

"تب مجھے یہ سودا منظور ہے۔" شوکی نے فوراً کہا۔

"بھائی جان۔ خبردار۔ میں ایک بار پھر کہے دیتا ہوں۔"
آفتاب نے تیز آواز میں کہنا چاہا۔

"ہاں ہاں! میں جانتا ہوں۔ تم ایک بار پھر یہی کہے
دیتے ہو۔ کیا تم نے آج تک کوئی ایسا گاہک دیکھا۔
جس نے چیک بک ہمارے سامنے رکھی ہو۔"

"نن۔ نہیں۔" آفتاب ہکلایا۔

"تب پھر تیل دیکھو۔ تیل کی دھار دیکھو۔ مسٹر ماروت
کہہ چکے ہیں۔ یہ ہم سے کوئی غیر قانونی کام نہیں لیں گے۔"

"ہاں بالکل۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اور میں اپنے وعدے
سے پھروں گا نہیں۔"

"شکریہ۔ لائیے۔ میں رقم لکھ دوں۔"

یہ کہہ کر شوکی نے چیک بک اپنی طرف سرکا لی اور
قلم نکال کر اس پر رقم لکھنے لگا۔ اشفاق، اخلاق اور
آفتاب نے بے چین ہو کر اس کی طرف دیکھا، لیکن وہ تو

نہایت پُر سکون انداز میں رقم لکھ رہا تھا۔ رقم لکھ کر
اُس نے ماروت کی طرف چیک بک سرکا دی:

"اب اس پر دستخط آپ کر دیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" ماروت نے کہا اور دستخط کر دیے،
پھر چیک کاٹ کر شوکی کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ نے رقم دیکھ لی۔ میں نے کتنی لکھی ہے۔"

"دیکھنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے کہا۔

"پھر بھی ہم چاہتے ہیں۔ آپ دیکھ لیں۔"

"خیر۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو دیکھ لیتا ہوں۔" یہ کہہ
کر اس نے چیک پر نظر ڈالی اور بولا:

"ٹھیک ہے۔ آپ نے پانچ لاکھ روپے لکھے ہیں۔"

"جی ہاں! آپ کو اعتراض تو نہیں۔" شوکی بولا۔

"اعتراض کیسا۔ یہ تو پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔ کہ
نہ میں اعتراض کروں گا، نہ آپ اعتراض کریں گے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب آپ کی باری ہے۔ آپ
فرمائیں۔ ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"میں اپنا کام چوبیس گھنٹے کے بعد بتاؤں گا۔ پہلے
آپ لوگ تیاری کر لیں۔ آپ کو ایک دو دراز سفر کرنا
ہے، وہ بھی میک اپ میں۔"

"ملک سے باہر تو نہیں جانا۔" میں نے چونک کر کہا۔
" نہیں ۔ لیکن سفر طویل ضرور ہوگا۔ اور وہاں جا کر
شاید ایک یا دو ماہ تک رہنا پڑے گا ۔ اس لیے مناسب
تیاری کر لیں ۔ ٹھیک چوبیس گھنٹے کے بعد میں پھر آپ
کے دفتر میں موجود ہوں گا ۔ اس دوران آپ یہ چیک
بھی کیش کرا لیں ۔ تاکہ آپ کو ہر طرح اطمینان ہو جائے۔"
یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔
" جانے سے پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دے
سکتے ہیں ؟" شوکی بول اُٹھا ۔
" کوشش کروں گا کہ جواب دے سکوں۔" اس نے کہا۔
" پانچ سال پہلے محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر جانباز
قتل ہوئے تھے ۔ آپ پر ان کے قتل کا مقدمہ چلا تھا۔
اور آپ عدالت سے بری کر دیے گئے تھے ۔ میں یہ جاننا
چاہتا ہوں کہ کیا آپ نے انھیں قتل کیا تھا؟"
" اس معاملے سے اس معاملے کا کوئی تعلق نہیں۔"
اس نے کہا اور دفتر سے باہر نکل گیا۔
وہ بت بنے بیٹھے رہے ۔ اور نہ جانے کب تک
بیٹھے رہتے ۔ اگر ان کی والدہ کی آواز سنائی نہ دیتی :
" آخر کب تک شوکی ۔ کب تک ۔"

" جی ۔ کیا مطلب ؟" وہ چونکے ۔
" کب تک یوں بت بنے بیٹھے رہو گے ؟"
" اوہ ہاں ! واقعی ۔ یوں بت بن کر بیٹھے رہنے سے تو
کوئی کام نہیں چلے گئے ۔"
" تم نے پانچ لاکھ کا چیک لکھ کر عقل مندی کا ثبوت
نہیں دیا شوکی۔" اُن کی والدہ اندر آتے ہوئے بولیں۔
" تو پھر امی جان ۔ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا ؟" شوکی
نے جلدی سے پوچھا۔
" کم از کم ایک کروڑ کا تو لکھتے ۔" وہ بولیں۔
" ارے باپ رے ۔ امی جان ۔ ایک کروڑ کا ۔"
آفتاب چلا اُٹھا۔
" ہاں ! جب وہ اپنے منہ سے کہ رہا تھا کہ جتنی چاہے
رقم لکھ لو۔"
" یہ پانچ لاکھ کا چیک ہی کیش ہو جائے تو بڑی
بات ہے امی جان۔" شوکی نے کہا۔
" اگر کیش نہیں ہوگا تو تم کون سا اس کے لیے
کام کرو گے۔" والدہ نے منہ بنایا۔
" خیر ۔ اب کیا ہو سکتا ہے ۔ اب تو میں لکھ چکا۔"
شوکی بولا ۔

"اور اُلجھن یہ ہے کہ وُہ کام نہیں بتا کر گیا۔"

"اس کے لیے ہمیں چوبیس گھنٹے تک انتظار کرنا پڑے گا، لیکن ہم یہ چوبیس گھنٹے انتظام کرنے میں نہیں گزاریں گے۔ آؤ چلیں۔" شوکی نے جلدی سے کہا۔

"میں سمجھ گئی شوکی۔ تم سیدھے اپنے انکل کاشان کی طرف جاؤ گے۔" ان کی والدہ مسکرائی۔

"آپ نے ٹھیک سمجھا۔ ہم اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

انسپکٹر کاشان نے انھیں نظر بھر کر دیکھا، پھر بولا:

"ضرور کوئی اہم کام آ پڑا ہے۔ ورنہ تم میرے پاس کہاں آتے ہو۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے انکل۔" شوکی مسکرا دیا۔

"خیر کہو۔ کیا معاملہ ہے؟"

"پانچ سال پہلے نو جون کو محکمہ سُراغ رسانی کے ایک انسپکٹر جانباز قتل ہوئے تھے۔ ان کے قتل کے الزام میں ایک شخص ماروت کو گرفتار کیا گیا تھا، لیکن ثبوت کافی نہ ہونے کی بنا پر اسے رہا کر دیا گیا تھا۔ کچھ یاد ہے انکل؟"

"ہاں! یاد آتا جا رہا ہے۔" انسپکٹر کاشان نے کہا۔

"شکریہ انکل۔ ہم اس کیس کی فائل کا مطالعہ کرنا

چاہتے ہیں۔ ویسے کیا اس قتل کا سُراغ مل گیا تھا اور قاتل پکڑا گیا تھا؟"

"نہیں۔ کیس کو دفتر داخل کر دیا گیا تھا۔"

"شکریہ۔ ہم اس دفتر داخل کیس کا مطالعہ کرنے کے خواہش مند ہیں۔"

"لیکن کیوں شوکی۔ بات کیا ہے؟" انسپکٹر کاشان نے حیران ہو کر پُوچھا۔

"یہ شخص۔ ماروت ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمارے دفتر میں موجود تھا۔"

"اوہو۔ اچھا۔" وُہ چونکا۔

"جی ہاں! یہ ہم سے کوئی عجیب و غریب کام لینا چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں اس کام کے پانچ لاکھ روپے دے بھی دیے ہیں۔"

"کیا کیا۔ پانچ لاکھ۔" انسپکٹر کاشان چلّایا۔

"ہاں! پانچ لاکھ روپے۔" شوکی مُسکرایا۔

"مم۔ میں۔ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔" انسپکٹر کاشان نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"نہیں انکل۔ آپ کیوں دیکھیں خواب۔ خواب دیکھیں آپ کے دشمن۔" آفتاب نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں

کہا۔

"مم۔ میں تمام عمر ملازمت کر کے بھی پانچ لاکھ جمع نہیں کر سکتا۔ اور۔ اور تم نے ایک دن میں کما لیے۔" انسپکٹر کاشان نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہم یہاں پانچ لاکھ کی نہیں ۔ مسٹر ماروت کی بات کر رہے ہیں۔ ہم سوچ رہے ہیں۔ کہیں وہ ہمیں کسی قتل کے معاملے میں نہ پھنسا دے۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ آخر وہ تم سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟"

"ابھی اس نے یہ نہیں بتایا۔ وہ کل بتائے گا۔ ابھی اس نے ہمیں تیاری کرنے کے لیے کہا ہے، کیوں کہ ہمیں ایک دور دراز کا سفر کرنا ہوگا۔"

"ضرور کوئی لمبا چکر ہے۔" انسپکٹر کاشان بڑبڑائے۔

"اس نے کہا ہے۔ کہ ہم کسی قانونی شکنجے میں نہیں آئیں گے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ وہ تمھیں پھنسا کر خود غائب ہو گیا تو تم کیا کر لو گے اس کا۔"

"لیکن انکل۔ ہم اتنے بچے نہیں ہیں۔"

"خیر۔ یہ تمھارا معاملہ ہے۔ تم جانو۔ میں تو وہ

فائل منگوا دیتا ہوں۔" انسپکٹر کاشان نے کندھے اچکائے۔

تھوڑی دیر بعد وہ چاروں فائل کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ مطالعے کے بعد جو چند باتیں ان کے علم میں آئیں، وہ یہ تھیں:

انسپکٹر جانباز اپنے گھر میں مردہ پائے گئے تھے۔ ان کے سینے میں خنجر مارا گیا تھا۔ خنجر پر کسی کی انگلیوں کے نشان نہیں تھے۔ ان کی ڈائری غائب پائی گئی تھی۔ جب کہ وہ ڈائری لکھنے کے بہت پابند تھے۔ دفتر کے ساتھیوں اور گھر والوں نے تفتیش کرنے والوں کو بتایا تھا کہ ایک شخص ان سے ان دنوں کئی بار ملاقات کر چکا ہے۔ اور وہ ایک پر اسرار سا آدمی ہے۔ انھوں نے اس کا حلیہ بھی لکھوایا تھا۔ انسپکٹر جانباز کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہوں پر جب اس حلیے کے آدمی کو تلاش کیا گیا تو ایک ہوٹل میں انھیں ماروت ملا۔ جب ماروت کو گھر کے افراد اور دفتر کے ساتھیوں کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے تصدیق کی کہ یہی شخص انسپکٹر جانباز سے ملتا جلتا تھا۔ خود ماروت نے بھی اقرار کیا، بعد میں انسپکٹر جانباز کے کمرے کی چند چیزوں سے ماروت کی انگلیوں کے نشانات بھی مل گئے، لیکن یہ ثبوت

قتل کے لیے کافی ثابت نہ ہو سکے۔ سرکاری وکیل
کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہ کر سکا۔ ماروت سے یہ پُوچھا
گیا تھا کہ اس کا انسپکٹر جانباز سے ملنا جلنا کس سلسلے
میں تھا۔ تو اس نے بتایا کہ وُہ شطرنج کھیلنے کا شوقین
تھا۔ ماروت کو بھی شطرنج کا بہت شوق ہے۔ اس
شوق کی وجہ سے دونوں میں مُلاقات ہوئی تھی اور وُہ
شطرنج بھی کھیلتے تھے، لیکن قتل کی رات ماروت نے
اپنی موجودگی ایک دُوسرے شہر میں ثابت کر دی تھی،
وہاں اس کا ایک دوست رہتا تھا۔ جس کا نام مفتی خالد
تھا۔ مفتی خالد نے عدالت میں گواہی دی تھی کہ اس رات
ماروت اس کے ساتھ تھا اور ساری رات شطرنج کھیلتے
رہے تھے۔ اس گواہی کو عدالت جھٹلا نہ سکی۔ اور اسے
رہا کر دیا گیا۔

شوکی نے مفتی خالد کا پتا نوٹ کر لیا اور پھر وُہ اُٹھ
کھڑے ہوئے:

"کیوں بھئی۔ کیا نتیجہ نکالا؟"

"مفتی خالد سے ملے بغیر ہم کوئی رائے قائم نہیں
کر سکتے۔ اور اس سے ملاقات کے لیے جانا۔ اب ہمارے
لیے بہت مشکل ہو گیا ہے۔ کیوں کہ سفر بہت لمبا ہے،
اور چوبیس گھنٹے سے پہلے ہم واپس نہیں آ سکیں گے،
جب کہ ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد ماروت صاحب ہمارے دفتر
آ دھمکیں گے۔"

"تو پھر۔ فیصلہ کیا کیا ہے تم نے؟" انسپکٹر کاشان
نے پُوچھا۔

"یہی کہ اس معاملے کو ذہن میں رکھ کر ہم اس
کے لیے کام شروع کر دیتے ہیں۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

"میری ایک درخواست ہے شوکی۔" انسپکٹر کاشان بولے۔

"درخواست۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل۔ آپ حکم کریں۔"

"وُہ جو کام تم سے لینا چاہے۔ جانے سے پہلے مجھے
اس کی تفصیل بتا دینا۔"

"جی بہتر۔ ہم کوشش کریں گے۔"

"میں بہت اُلجھن محسوس کر رہا ہوں شوکی۔" انسپکٹر
کاشان نے کہا۔

"یہ آپ کی محبت ہے انکل۔ بہرحال بہت بہت شکریہ۔"

دُوسرے دن ٹھیک اسی وقت ماروت ان کے دفتر
میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر ناخوشگوار تاثرات
تھے۔ کُرسی پر بیٹھتے ہی اس نے کہا:

"معاہدے کی خلاف ورزی کی مجھے امید نہیں تھی۔"

ہر پہلو سے جائزہ لیتے ہیں۔" شوکی نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"لیکن مَیں کہہ چکا تھا کہ اُس معاملے کا اِس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اگر ہم نے چھان بین کر لی تو کیا حرج ہو گیا۔ ہم فارغ ہی تو تھے۔"

"مَیں نے چوبیس گھنٹے تیاری کے لیے دیے تھے۔"

"اور دیکھ لیں ہم ہر طرح تیار ہیں۔ میک اَپ بھی کر چکے ہیں۔"

"مَیں دیکھ چکا ہوں۔ میک اَپ مہارت سے نہیں کیا گیا؛ تاہم کام چل جائے گا۔ وہاں آپ لوگوں کو کوئی جانتا بھی نہیں۔"

"تب پھر میک اَپ کی کیا ضرورت تھی۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"احتیاط اچھی چیز ہے۔ خیر۔ مَیں پہلی خلاف ورزی کو معاف کرتا ہوں۔ خیال رہے۔ اب کوئی خلاف ورزی نہ ہو، ورنہ۔" یہ کہتے وقت اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ معاہدہ ختم۔ آپ کو میرے پانچ لاکھ روپے

چائے پانی

اُنھوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، پھر شوکی نے کہا:

"آپ کا مطلب ہے۔ ہم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔"

"ہاں بالکل! کیا آپ لوگ انسپکٹر کاشان سے نہیں ملے تھے۔"

"بالکل ملے تھے۔ اور کیوں نہ ملتے۔ آخر وہ ہمارے انکل ہیں۔"

"یہ بات نہیں۔ آپ ان سے انسپکٹر جانباز کے قتل کے سلسلے میں ملے تھے۔ آپ نے پانچ سال پہلے کے کیس کی فائل نکلوا کر پڑھی۔ آخر آپ لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"ہم جب کوئی کیس ہاتھ میں لیتے ہیں تو اس کا

واپس دینا ہوں گے۔ چیک کیش کرا لیا یا نہیں؟"

"آپ کام کیا کرتے ہیں؟" شوکی نے جیسے اس کا سوال سنا ہی نہیں۔

"شاید آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ میرے پاس اتنی دولت کہاں سے آگئی؟"

"چلیے یہی سمجھ لیں۔"

"تو پھر سن لیں۔ اس سوال کا بھی موجودہ معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"خیر۔ اب فرمائیں۔ جانا کہاں ہے؟ اور کس طرح جانا ہے؟"

"میں جہاز کی سیٹیں بک کرا چکا ہوں۔ فکر نہ کرو۔ آپ لوگوں کو شہر جلبان جانا ہے۔"

"کیا کہا۔ شہر جلبان۔" وہ ایک ساتھ بولے۔ چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔

"ہاں! ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ روانہ ہونا ہے۔ ورنہ جہاز نکل جائے گا۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ ہم اپنے کسی دوست عزیز کو فون بھی نہیں کر سکتے۔"

"اب نہیں۔ شہر جلبان کا نام سننے سے پہلے کر سکتے

تھے۔"

"لیکن وہاں جا کر بھی تو ہم فون کر ہی سکتے ہیں۔"

"یہ بھی معاہدے کی خلاف ورزی ہو گی۔ اب آپ صرف اور صرف مجھ سے فون پر بات کریں گے۔ جب تک میرا کام مکمل نہیں ہو جاتا، اس وقت تک آپ کسی سے کوئی رابطہ قائم نہیں کریں گے۔"

"یہ تو آپ نے بڑی کڑی شرط لگا دی۔" شوکی نے منہ بنا کر کہا۔

"مجبوری ہے۔ کام زیادہ لمبا ثابت نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے چند دن لگیں۔ یا پندرہ بیس دن لگ جائیں، آپ کے گھر والوں کو معلوم ہی ہے۔ کہ آپ کہیں جا رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم معاہدہ کر چکے ہیں۔ اب اس پر عمل بھی کریں گے۔"

"اپنا سامان اٹھا کر میری کار کی ڈکی میں رکھ دیں۔ یہ لفافہ جیب میں رکھ لیں۔ اس میں لکھی ہدایات پر عمل کرنا ہے۔"

پانچ منٹ بعد وہ اس کی کار میں ایرپورٹ کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ مارے بے چینی کے ان کا

بُرا حال تھا۔ وہ انسپکٹر کاشان کو فون بھی نہیں کر سکے
تھے۔ چلتے وقت والدہ یا والد سے بھی کوئی لفظ نہیں
کہہ سکے تھے۔ بس ہاتھ کے اشارے سے الوداع ضرور
کہی تھی انھیں۔

جہاز میں بیٹھنے کے فوراً بعد انھوں نے لفافہ
نکالا۔ اسے چاک کیا اور اندر سے کاغذ نکالا۔ اس پر لکھا
تھا:

"ہدایات شہر جلبان میں ہی ملیں گی۔"

"معاملہ حد درجے پُر اسرار ہوتا جا رہا ہے۔ یعنی
جلبان پہنچنے سے پہلے ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہاں
جا کر کرنا کیا ہے۔" شوکی نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ہُوں! اور شہر جلبان آج کل اہمیت اختیار کر گیا
ہے۔ ارے۔ وہ دیکھو۔"

ان کی نظریں جہاز کے ایک مسافر پر جم گئیں۔
ان کی آنکھوں میں چمک دوڑ گئی۔ وہ فوراً اُٹھے اور اس
مسافر کی طرف لپکے۔

"السلامُ علیکم پروفیسر صاحب۔"

"کک۔ کون۔ ہائیں۔ آواز تو شوکی کی ہے۔ ارے کہیں
تم میک اپ میں تو نہیں ہو۔"

"جج۔ جی ہاں!"

"اس کا مطلب ہے۔ تمھیں بھی وہ چٹان کھینچ کر لے
جا رہی ہے۔ وہ سُنہری چٹان۔"

"جج۔ جی نہیں انکل۔ یہ بات نہیں ہے۔"

"ٹھہرو بھئی۔ یُوں بات نہیں بنے گی۔ تم اپنی سیٹوں
پر چلو۔ میں تمھارے ساتھ والے مسافر سے سیٹ تبدیل
کرنے کی درخواست کرتا ہوں، پھر بیٹھ کر باتیں ہوں
گی۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" شوکی نے چہک کر کہا۔

ایک دُوسرے کے ساتھ بیٹھنے کے بعد انھوں نے
پروفیسر عقلان کو اپنی کہانی سُنائی:

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔ تم چٹان کے سلسلے میں
نہیں جا رہے۔"

"جج۔ جی نہیں۔"

"جب کہ میں خاص طور پر اس چٹان میں دلچسپی
لے رہا ہُوں۔"

ان کی آنکھوں کے سامنے چند دنوں کے اخبارات
گھومنے لگے۔ چند دن پہلے اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی
تھی۔ شروع میں اس خبر کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی

گئی، لیکن پھر جب اخبارات نے مسلسل خبریں لگانا شروع کیں تو ہر کوئی متوجہ ہو گیا۔ پہلی خبر یہ تھی:

"شہر جلیان میں ایک عجیب چٹان اُبھر آئی۔ شہر جلیان کے پہاڑی علاقوں پر رہنے والے باشندوں نے شہر میں آکر اطلاع دی کہ پہاڑوں کے درمیان ایک چٹان اُبھر آئی ہے۔ اس جیسی چٹان انھوں نے دیکھی نہ سُنی۔"

یہ تھی وہ خبر۔ جس کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ دی۔ دُوسرے دن پھر ایک خبر شائع ہوئی:

"شہر جلیان میں اُبھر آنے والی چٹان اہمیت اختیار کر گئی۔ معلوم ہوا ہے کہ کل جس چٹان کو دیکھا گیا تھا۔ اس کے آس پاس کے رہنے والوں نے بتایا ہے کہ رات کے وقت وہ چٹان چمکتی ہے۔ رات چاند نہیں نکلا تھا۔ آسمان پر گہرے بادل بھی تھے۔ لہٰذا خوب تاریکی تھی۔ اس تاریکی میں لوگوں نے اس چٹان کو چمکتے دیکھا۔ اس میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔"

یہ خبر پڑھ کر بے شمار لوگ اس چٹان کو دیکھنے

کے لیے گئے۔ پھر رات کو بھی لوگوں نے اسے دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ اور اس طرح خبروں پر خبریں لگنا شروع ہو گئیں۔ پھر شہر کے ماہرین نے اس چٹان کو چیک کرنے کا پروگرام بنایا۔ شہر کے ماہرین کی سمجھ میں جب کچھ نہ آیا تو پھر مُلک کے ماہرین وہاں پہنچے، ان کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آیا تو دُوسرے مُلکوں کے ماہرین بُلائے گئے۔ لیکن ابھی تک وہ چٹان ایک معمہ بنی ہوئی تھی۔ اور اب پروفیسر عقلان وہاں جا رہے تھے، جو اپنے مُلک کے بڑے سائنس دان تھے۔ اور اتفاق سے شوکی برادرز کو بھی جانا پڑ گیا تھا، لیکن وہ چٹان کے چکر میں نہیں۔ ماروت سے معاہدے کے چکر میں جا رہے تھے۔

"لیکن پروفیسر صاحب۔ آپ کا اس چٹان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دیکھنے کے بعد شاید میں کچھ بتا سکوں۔"

"شکریہ۔ ہمیں ضرور بتائیے گا۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ ہماری منزل بھی ایک ہے۔ وہاں بھی ساتھ ہی رہیں گے۔"

"شاید ایسا نہ ہو سکے۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں! تم لوگوں کو تو اس پُر اسرار آدمی کی ہدایات پر عمل کرنا ہے۔"

"جی ہاں! پتا نہیں۔ اس کا کیا معاملہ ہے۔ اور وہ ہم سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔"

"یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم ہو گا۔"

اور آخر دو گھنٹے کے بعد وہ جہاز سے اتر رہے تھے۔ جوں ہی وہ باہر نکلے۔ ایک سیاہ لباس والا ان کی طرف بڑھا:

"شوکی برادرز؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں! ہم ہی ہیں۔"

"لیکن مجھے تو بتایا گیا تھا کہ آپ چار ہوں گے۔"

"جی ہاں! یہ ہمارے ہم سفر ہیں۔ یہ اپنے راستے پر جائیں گے، ہم اپنے راستے پر۔" یہ کہ کر شوکی ان کی طرف مڑا:

"آپ کون سے ہوٹل میں ٹھہریں گے انکل؟"

"ہوٹل سب رنگ۔ جو یہاں کا سب سے اچھا، سب سے بڑا اور شہرت یافتہ ہوٹل ہے۔"

"شکریہ۔ ہم وہیں آپ سے ملیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے، بڑھنے سے پہلے انھوں نے ایک نظر سیاہ لباس والے پر ڈالی۔

"آپ کی تعریف؟" شوکی بولا۔

"میں شامل خان ہوں۔"

"شامل۔ کس چیز میں شامل؟" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ میرا نام ہے۔" اُس نے مُنہ بنایا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"مسٹر ماروت کا پیغام آپ لوگوں کے نام۔" یہ کہ کر اُس نے ایک لفافہ انھیں دے دیا۔ اس میں سے نکلنے والے کاغذ پر لکھا تھا:

"مسٹر شامل کی ہدایات پر عمل کریں۔"

"چلیے جناب ہدایات دیجیے۔"

"پہلے آپ کو میرے ساتھ ہوٹل چلنا ہے۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ کون سے ہوٹل چلنا ہے؟"

"ہوٹل سب رنگ۔"

"ارے۔ ہمیں بھی اسی ہوٹل جانا ہے۔ تب تو ہم انھیں بھی ساتھ لے جا سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ اب یہاں آپ لوگ کسی سے بھی کوئی

تعلق نہیں رکھیں گے۔ بس اپنے کام سے کام رکھیں گے۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آخر ہم انسان ہیں۔"

"انسان ہونے کے ناطے۔ آپ دوسروں سے مل سکتے ہیں، رسمی بات چیت کر سکتے ہیں، لیکن کھل مل نہیں سکتے۔"

"لیکن اگر کوئی ہمارا دوست یا واقف مل گیا تو؟" اشفاق نے فوراً کہا۔

"اسی لیے تو مسٹر مادوت نے آپ کو یہاں میک اپ میں آنے کی ہدایات دی ہیں۔"

"اوہ۔ خیر۔ ہم کوشش کریں گے کہ کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

ہوٹل سب رنگ میں داخل ہوتے وقت انھوں نے چاروں طرف ایک نظر ڈالی، لیکن پروفیسر عقلان کہیں بھی نظر نہیں آئے ۔۔۔

"میرے پیچھے چلے آئیں۔ آپ کے کمرے بک ہیں۔" انھوں نے شامل خان کی آواز سنی۔

شامل خان انھیں ہوٹل کی تیسری منزل کے کمرہ نمبر ۲۰۹ میں لے آیا۔ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد اس نے ایک اور لفافہ جیب سے نکالا اور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا:

"اب اس کو پڑھ لیں۔"

انھوں نے لفافہ چاک کیا، ہدایت نامہ اندر سے نکالا اور پڑھنے لگے ۔۔۔

"ڈیر شوکی برادرز!

ہوٹل سب رنگ کے اس کمرے میں بیٹھے آپ میری ہدایات پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے اخبارات میں اس چٹان کے بارے میں تو پڑھ ہی لیا ہوگا۔ جو اس شہر کے پہاڑی علاقے میں ابھری ہے۔ بس میں اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں، ایک ہفتے کے اندر اندر اس کی حقیقت مجھے بتا دیں، ورنہ پانچ لاکھ روپے واپس کرنا ہوں گے۔ آپ پر میرے جو اخراجات ہو رہے ہیں، ان کا حساب الگ دینا ہوگا۔ یہی میرا آپ سے معاہدہ ہے۔ چٹان کے بارے میں میں ہر وہ بات جاننا چاہتا ہوں جو کوئی ماہر بھی معلوم کرے۔ یا آپ خود جو بھی معلوم کر سکیں۔ اتنا اور سن لیں۔ میں ایک خاص وجہ سے اس شہر میں نہیں آ سکتا، ورنہ چٹان کے بارے میں میں خود ہی تحقیقات کر لیتا۔ آپ لوگوں نے اب تک

جس کام کو بھی ہاتھ میں لیا ہے، اسے کرکے چھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا، امید ہے، آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔

ماروت۔"

پیغام پڑھ کر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر میں شامل خان کی طرف مڑا:

"مسٹر شامل خان۔ میرے ایک سوال کا جواب دیں۔"

"پوچھیے۔" اس نے کہا۔

"اگر ہمارے خیال میں یہاں کوئی ایسا شخص ہے۔ جو اس چٹان کے بارے میں کچھ معلوم کر سکتا ہے۔ یا ہمیں بتا سکتا ہے۔ تو کیا ہم ایسے شخص سے بھی نہیں مل جل سکتے؟"

"ضرور ملیں جلیں، لیکن گھل مل نہیں سکتے۔"

"پتا نہیں۔ ملنے جلنے اور گھلنے ملنے میں کیا فرق ہے؟" اخلاق نے منہ بنایا۔

"تعلق نہ بڑھائیے۔ بس۔" شامل خان نے کہا۔

"ہم اپنے طور پر کام کرنے کے عادی ہیں۔ اس بارے میں کوئی پابندی قبول نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے انداز سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے ہمیں کچھ لوگوں سے گھلنا ملنا ہی پڑے گا۔ اگر آپ لوگوں کو یہ منظور نہیں تو پھر اپنے پانچ لاکھ روپے واپس لے لیں۔ یہ رہا آپ کا چیک۔ اور جو اخراجات ہم پر مزید ہوتے ہیں، ان کا بھی حساب بتا دیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" شامل خان دھک سے رہ گیا۔

"اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ پانچ لاکھ روپے دے کر ہمیں خرید لیا ہے تو آپ کی خوش فہمی ہے۔ ہمیں تو کوئی دس کروڑ بلکہ دس ارب یا کھرب میں بھی نہیں خرید سکتا۔ ہم کام اپنی مرضی اور طریقے کے مطابق کرنے کے عادی ہیں۔" شوکی جذباتی انداز میں کہتا چلا گیا۔

"خیر۔ آپ یہ چیک رکھ لیں۔ میں مسٹر ماروت سے رابطہ قائم کرکے آپ کو بتاؤں گا کہ انھوں نے آپ کو کہاں تک اجازت دی ہے۔"

"جی نہیں۔ آپ ابھی اور اسی وقت رابطہ قائم کریں۔" شوکی نے سخت لہجے میں کہا۔

شامل خان نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا، پھر کمرے میں رکھے فون کو اپنی طرف کھسکا کر نمبر

ڈائل کرنے لگا۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد سلسلہ ملا:

"ہیلو سر۔ آپ کا خادم شامل خان عرض کر رہا ہوں، جی۔ جی ہاں۔ پہنچ گئے ہیں اور اب یہ شرط عاید کر رہے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے تفصیل دہرا دی۔ پھر دوسری طرف کی بات سن کر ریسیور رکھ دیا۔ اور ان کی طرف مڑا، اس کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی:

"مسٹر ماروت نے آپ کی شرط ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اور چیک واپس لینے کی اجازت دے دی ہے۔ تاہم انھوں نے باقی ماندہ اخراجات آپ کو معاف کر دیے ہیں۔"

"شکریہ۔ ہم معاف کرانے کے عادی نہیں ہیں۔ آپ حساب لگا کر بتائیں۔"

"میں نے تو سنا تھا۔ آپ نے چیک کیش کرا لیا۔"

"ہمیں چیک کیش کرانے کی اتنی جلدی نہیں تھی۔" شوکی مسکرایا۔

"اچھا خیر۔ اب تک آپ پر نو ہزار روپے خرچ آ چکا ہے۔ اس ہوٹل کے قیام سمیت۔"

"نو ہزار۔ بس اتنی سی بات۔ آفتاب۔ تمھاری جیب میں اس وقت کل کتنا خزانہ ہے؟"

"جی۔ تین روپے پچھتر پیسے۔" اس نے فوراً کہا۔

"کیا بات کرتے ہو بھائی۔" شوکی پریشان ہو کر لمحے بعد "آپ نے مجھے کب ہدایت کی تھی کہ چلتے وقت سفر خرچ بھی ساتھ لینا ہے۔"

"اشفاق۔ تمھاری جیب کیا کہتی ہے؟"

"کہہ رہی ہے۔ مجھ سے چھے روپے ستر پیسے سے زیادہ کی اُمید نہ رکھنا۔ ورنہ مایوسی ہو گی۔"

"اخلاق۔ تم تو کوئی حوصلہ افزا بات بتا دو۔"

"میرے پاس گیارہ روپے پچاس ہیں، لیکن آپ اپنی جیب کیوں نہیں ٹٹولتے۔" اخلاق نے منہ بنایا۔

"ٹٹول کر کیا کروں گا۔ معلوم ہی ہے۔ اس میں کُل ایک سو ایک روپے ہیں۔"

"پھر۔ اب کیا ہو گا؟"

"ہونا کیا ہے۔ مسٹر ماروت کی شرائط کے مطابق کام کرو۔" شامل خان بول اٹھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نو ہزار روپے کا اُدھار کر لیں۔ ہم اپنے شہر پہنچ کر ادا کر دیں گے۔"

"خیر۔ یوں ہی سہی۔" اس نے کہا اور وہ چیک لے کر جیب میں رکھ لیا، پھر اُٹھتے ہوئے اس نے کہا:

ڈائل، یہ کمرہ ایک ہفتے کے لیے بُک کرایا گیا ہے۔ چوں کہ نو ہزار روپے آپ دیں گے، اس لیے آپ اس کمرے میں ایک ہفتے تک رہ سکتے ہیں۔"

"شکریہ جناب۔" شوکی بولا اور شامل خان کمرے سے نکل گیا۔

"یہ۔ یہ کیا ہوا؟" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ یہ شرط بھی رکھے گا۔ خیر کوئی بات نہیں انکل عقلان تو یہیں ہیں۔ ہم ان سے مل لیتے ہیں۔ کام چل جائے گا۔" یہ کہہ کر شوکی نے کاؤنٹر سے رابطہ قائم کیا اور بولا:

"تھوڑی دیر پہلے ہی پروفیسر عقلان یہاں تشریف لا چکے ہیں، مہربانی فرما کر ان کے کمرے کا نمبر بتا دیں۔"

"انھوں نے اپنے شہر سے روانہ ہونے سے پہلے کمرہ بُک کرا لیا تھا۔ ان کے کمرے کا نمبر ۲۰۸ ہے۔ لیکن ابھی وہ تشریف نہیں لائے۔"

"کیا فرمایا۔ تشریف نہیں لائے۔ جہاز سے تو وہ ہمارے ساتھ ہی اُترے تھے۔"

"بھلا میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"خیر۔ ہم تھوڑی دیر بعد فون کریں گے۔"

پندرہ منٹ بعد انھوں نے پھر فون کیا۔ آدھ گھنٹے بعد پھر فون کیا، لیکن دو گھنٹے گزرنے پر بھی پروفیسر عقلان نہ آئے۔ اب تو انھوں نے پیروں تلے سے زمین نکلتے محسوس کی۔ پروفیسر عقلان ایرپورٹ سے تو ان سے بھی پہلے روانہ ہوئے تھے۔

"اس کا مطلب ہے۔ وہ راستے میں کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہیں۔" اشفاق بولا۔

"اللہ نہ کرے۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"ہمیں معلوم کرنا چاہیے۔" شوکی بڑبڑایا، پھر اس نے بیرے کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ جلد ہی بیرا اندر داخل ہوا:

"ہمارے ایک ساتھی ہمارے ساتھ ہی جہاز سے اُترے تھے۔ انھیں یہیں آنا تھا۔ ہم الگ الگ سواری میں ایرپورٹ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ ابھی تک یہاں نہیں پہنچے۔ جب کہ دو گھنٹے گزر چکے ہیں۔ ہم یہاں بالکل نئے ہیں۔ اب ہم کیا کریں؟"

"پولیس میں رپورٹ درج کرائیں۔ یا پھر جاسا سے ملاقات کریں۔"

"جاسا۔ کیا مطلب؟" شوکی نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"جاسا یہاں کا مشہور ترین ادارہ ہے۔ اس قسم کے کام منٹوں میں انجام دے ڈالتا ہے۔ پولیس اپنے طریقوں کے مطابق کام کرتی ہے اور اس کام میں ہفتوں لگا دیتی ہے۔ لہٰذا لوگ جاسا کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ وہ کوئی پرائیویٹ جاسوسی قسم کا ادارہ ہے۔"

"ہاں! یہی سمجھ لیں۔ بس انہیں فیس دینا پڑتی ہے اور پولیس والوں کو رشوت۔"

"لیکن ہمیں رپورٹ تو پھر بھی درج کرانا ہوگی۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ جاسا اگر آپ کا کام کر دے تو یہی بہت کافی ہو جائے گا، پولیس اس کے کاموں میں کوئی خلل نہیں ڈالتی۔" اس نے کہا۔

"گویا وہ پولیس سے زیادہ مقبول اور کامیاب ہے۔"

"صرف زیادہ نہیں۔ بہت زیادہ۔"

"بہت بہت شکریہ۔ پہلے ہم پولیس میں رپورٹ درج کرائیں گے، پھر جاسا سے ملاقات کریں گے، اس کا دفتر کہاں ہے؟" شوکی نے پوچھا۔

"جس ٹیکسی ڈرائیور سے بھی کہیں گے۔ پہنچا دے گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ بس ہمیں یہی معلوم کرنا تھا۔"

بیرا چلا گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"پتا نہیں کیا چکر ہے۔ جو شخص پانچ لاکھ روپے دے کر ہمیں یہاں لایا۔ وہ ذرا سی بات پر پیچھا چھڑا گیا۔ یہ امید ہرگز نہیں تھی۔" اشفاق نے کہا۔

"چھوڑو۔ ہمیں کیا۔ ہمیں تو اب انکل عقلان کی فکر کرنی چاہیے۔ آخر وہ کہاں ہیں۔"

"آؤ پھر۔ پہلے پولیس اسٹیشن چلیں۔"

"اور پیسے خرچ کرتے وقت یہ بھی سوچ لیں کہ ہمارے پاس قریباً ایک سو روپے ہیں۔"

"اس بات کا خیال تو اب ہر وقت رہے گا۔"

وہ ہوٹل سے باہر نکلے، ایک ٹیکسی پکڑی اور پولیس اسٹیشن پہنچے۔ دروازے پر ایک پولیس کانسٹیبل چوکس کھڑا تھا۔ ہم اندر داخل ہونے لگے تو اس نے غرا کر کہا:

"کس سے ملنا ہے؟"

"ایک رپورٹ درج کرانے آئے ہیں۔ گم شدگی کی رپورٹ۔"

"کیا کچھ سامان گم ہو گیا ہے؟"

"سامان نہیں — ہمارے انکل۔"

"کیا وہ دودھ پیتے بچے ہیں؟"

"دودھ پیتے بچے تو سبھی ہوتے ہیں۔" آفتاب مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" اس نے بھنّا کر کہا۔

"پیدا ہونے کے بعد ہر بچہ دودھ ہی پیتا ہے۔ کھانا نہیں کھانے لگتا۔" آفتاب نے کہا۔

"سیدھے چلے جاؤ۔" اس نے ناخوش گوار لہجے میں اشارہ کیا۔

وہ سیدھے چلتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوئے، یہاں ایک صاحب اکڑے بیٹھے تھے۔ دروازے کے باہر سٹول پر ایک کانسٹیبل موجود تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"گم شدگی کی ایک رپورٹ لکھوائیں گے ہم۔"

"کون گم ہو گیا ہے؟"

"جی ہمارے انکل۔" میں نے کہا اور جلدی جلدی تفصیل بتانے لگا۔

"چائے پانی ہے پاس؟" اندر بیٹھا آفیسر منہ بنا کر بولا۔

"چائے پانی بھی کوئی ساتھ لیے پھرتا ہے۔" اشفاق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم لوگ کسی نئی دنیا سے تو نہیں آئے؟"

"جی نہیں تو — اسی ملک کے ہیں۔"

"پھر چائے پانی کا مطلب کیوں نہیں سمجھتے — اس ملک میں رہنے والا تو بچہ بچہ بھی چائے پانی کا مطلب جانتا ہے۔"

"اچھا — آپ اس چائے پانی کی بات کر رہے ہیں۔" شوکی چونکا۔

"ہاں بالکل!"

"چائے پانی یہاں کتنے میں مل جاتا ہے؟"

"تین سو روپے لگ جائیں گے آپ کے۔"

"ہمارے پاس صرف ایک سو روپے ہوں گے۔"

"چلتے پھرتے نظر آؤ۔ ایک سو روپے میں تو ایک جانور کی گم شدگی کی رپورٹ بھی درج نہیں کی جاتی۔ اور تم تو۔" اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔

اسی وقت ایک جیپ اندر داخل ہوئی تھی۔ محرر کے منہ سے نکلا:

"اوہ — آئی جی صاحب — یہ آج کدھر نکل آئے صبح صبح۔"

یہ کہتے ہی وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر ایڑیاں بجنے کی آواز گونج اُٹھی:

"موقع اچھا ہے بھائی جان۔" آفتاب نے کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ ہم اس موقعے سے فائدہ ضرور اُٹھائیں گے۔"

اتنے میں آئی جی صاحب اندر آ گئے۔ ایک نظر انھوں نے ہم پر بھی ڈالی:

"یہ کیا کہتے ہیں؟"

"گم شدگی کی رپورٹ درج کرانے آئے ہیں سر۔"

"پھر۔ کر لی۔"

"جج۔ جی نہیں سر۔ ابھی ابھی تو آئے ہیں۔"

"یہ کم نہیں رہے ہیں سر۔ تین سو روپے چائے پانی کی بات کرتے ہیں۔" شوکی نے فوراً کہا۔

"کیا کیا۔ یہ میں نے کیا سنا ہے جمالی۔"

"جج۔ وہ۔ اب میں کیا عرض کروں۔"

"صرف۔ تین سو روپے میں۔ ایک گم شدگی کی رپورٹ درج کرو گے جمالی تم۔ تب تو چل چکا کام۔ عقل سے کام لو۔ ریٹ اتنے نہ گراؤ۔ انسان کی گم شدگی کی رپورٹ کم از کم پانچ سو روپے لے کر درج کیا کرو۔"

"بہت بہتر سر۔" جمالی نے فوراً کہا۔

اور وہ دھک سے رہ گئے۔ آخر شوکی بولا:

"آؤ بھئی چلیں۔ ہم انھیں خود ہی تلاش کر لیں گے۔"

جمالی اور آئی جی نے کھا جانے والی نظروں سے انھیں دیکھا اور وہ تیز تیز قدم اُٹھاتے باہر آ گئے۔

"ہمیں جاسا ہی جانا ہو گا۔"

"اس کی فیس تو ان سے بھی زیادہ ہو گی۔"

"ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے۔ آخر ہم بھی تو لوگوں کے کیس مفت حل کر دیتے ہیں۔"

اور انھوں نے پھر ایک ٹیکسی پکڑی:

"جاسا چلیں بھئی۔" شوکی نے کہا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ پندرہ منٹ بعد ایک بہت لمبی چوڑی عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔

"یہی جاسا کا دفتر ہے۔"

"شکریہ۔ آپ کا کتنا بل بنا؟"

"جی۔ سترہ روپے۔"

سترہ روپے اسے دے کر وہ دفتر میں داخل ہوئے، ایک شخص نے خوش دلی سے ان کا استقبال کیا، جب انھوں نے اپنی آمد کا مقصد بتایا تو اس نے کمرہ نمبر نو

ہیں جاننے کے لیے کہا۔

کمرہ نمبر نو میں ایک خوش پوش آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا:

"فرمائیے۔ ہمارا ادارہ آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ ہم یہاں اجنبی ہیں۔ عجیب و غریب حالات میں یہاں پہنچے ہیں، دوسری اور اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنے انکل کو گم کر بیٹھے ہیں۔ کیا آپ مکمل حالات سننا پسند کریں گے یا اس سے پہلے ہی اپنی فیس وغیرہ بتائیں گے؟"

"پہلے مختصر حالات سنا دیں، میں نے ضرورت محسوس کی تو مکمل حالات بھی سن لوں گا۔" اس نے کہا۔

شوکی نے تمام حالات مختصر طور پر سنا دیے۔

اس کے خاموش ہونے پر وہ بولا:

"تو کیا۔ آپ بھی سراغ رساں قسم کی کوئی چیز ہیں؟"

اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ج۔ جی ہاں! لیکن ہم یہاں چوں کہ اجنبی ہیں اور مالی الجھنوں کا شکار بھی ہیں، اس لیے۔"

"ہوں! میں سمجھ گیا۔ ہم آپ کے انکل کو صرف دو گھنٹے میں تلاش کر سکتے ہیں، لیکن فیس کے معاملے میں ادارہ کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔"

"ہمارے انکل ایک معروف سائنس دان ہیں۔ جب آپ انھیں تلاش کر دیں گے تو ہم آپ کی فیس بھی ادا کر دیں گے۔ کیوں کہ وہ فوری طور پر ادائیگی کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔"

"ہاں! اس پر بات کی جا سکتی ہے، لیکن یہ صورت چوں کہ ادھار کی ہو گی، اس لیے فیس دوگنا ہو گی اور اس کام کے آپ سے صرف بیس ہزار روپے وصول کیے جائیں گے۔ اگر آپ کو منظور ہو تو ہم کام ابھی اور اسی وقت شروع کر دیتے ہیں۔ آپ یہیں تشریف رکھیے گا۔ پل پل کی خبریں بھی آپ کو ملتی رہیں گی۔" اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے، ہمیں منظور ہے۔" شوکی نے کہا۔

اسی وقت کمرے میں ایک آواز گونجی:

"مسٹر کورم۔ ان لوگوں کا کیس تم حل نہیں کرو گے۔ انھیں میرے پاس بھیج دو۔"

"او کے سر۔" کورم نے فوراً کہا۔ اور ان کی طرف مڑا:

"مسٹر جاسا بذاتِ خود آپ کا کیس حل کریں گے۔"

اس کے لہجے سے حیرت صاف جھلک رہی تھی۔

"لیکن آپ اس بات پر کیوں حیران ہیں؟"

"اس لیے کہ مدت ہوئی۔ مسٹر جاسا نے خود کیس حل کرنا چھوڑ دیے۔ اب تمام کیس ان کے کارندے حل کرتے ہیں۔"

"ہوں! یہ سن کر ہمیں بھی حیرت ہوئی۔" اشفاق نے فوراً کہا۔

"آپ کمرہ نمبر ۲۱ میں چلے جائیں۔ وہاں مسٹر جاسا تشریف فرما ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ!" شوکی نے کہا اور چاروں اٹھ کھڑے ہوئے۔

کمرہ نمبر ۲۱ کے دروازے پر دو مسلح آدمی موجود تھے۔ انھوں نے ہمیں دیکھتے ہی کہا:

"مسٹر جاسا آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"شکریہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور پھر چاروں کمرے میں داخل ہوئے۔

اندر بالکل سفید بالوں والا، بھرے بھرے جسم کا ایک آدمی شاہانہ کرسی پر بیٹھا تھا، لیکن وہ بوڑھا نہیں تھا۔ قریباً جوان آدمی تھا۔

"تشریف رکھیے۔" اس نے خوش اخلاق آواز میں کہا۔

وہ میز کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"تو آپ کو اپنے انکل کی تلاش ہے اور ان کا نام پروفیسر عقلان ہے۔ آپ لوگ آج کے جہاز سے ایک ساتھ آئے ہیں، لیکن وہ ہوٹل سب رنگ تک نہیں پہنچے، جبکہ دو گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا ہے۔"

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

"آپ کے نام کیا ہیں؟"

"ہم شوکی برادرز ہیں۔"

"میں سن چکا ہوں۔ آپ نے مسٹر کورم کو اپنا یہی نام بتایا تھا، لیکن اگر آپ کا نام یہی ہے تو آپ کے چہرے وہ نہیں ہو سکتے۔ یا پھر آپ سرے سے شوکی برادرز نہیں ہو سکتے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ آپ میک اپ میں ہیں۔ لیجیے شوکی برادرز کے چہرے سامنے لگی سکرین میں دیکھیے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میز میں نصب بٹنوں میں سے ایک بٹن دبا دیا۔ سامنے لگی سکرین فوراً روشن ہو گئی۔ اس پر پہلے شوکی کی تصویر نمودار ہوئی۔ پھر باری باری ان تینوں کی دکھائی دی۔ یہ دیکھ کر شوکی پکار اٹھا:

"ہم واقعی میک اپ میں ہیں۔"

"تو میرا خیال ٹھیک نکلا۔ آپ کے منہ سے آپ کا نام سُن کر ہی میں نے آپ لوگوں کو یہاں بلانے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"ہوں۔ آپ تو کمال کے آدمی ہیں اور آپ کا ادارہ واقعی بہت تیز ہے۔"

"ہم نے معلومات حاصل کرنے کے لیے بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ اور بیلتے رہتے ہیں۔ اب آپ تفصیل سے حالات مجھے سُنائیں۔ آپ میرے ہم پیشہ ہیں۔ میں آپ سے کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔ اور بہت جلد آپ کے انکل آپ کے پاس ہوں گے۔"

شوکی نے پوری تفصیل سُنا دی۔ جاسا غور سے سُنتا رہا، پھر اس نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ اب آپ لوگ اطمینان سے بیٹھ جائیں اور میرا کمال دیکھیں۔" یہ کہہ کر اس نے فون پر ایک بٹن دبایا اور بولا:

"ہیلو نوٹنگی۔ حلیہ نوٹ کرو۔" یہ کہہ کر اس نے پروفیسر عقلان کا حلیہ لکھوایا، پھر بولا:

"یہ صاحب آج کی فلائٹ سے اُتر کر ٹیکسی میں سوار

ہوئے تھے۔ انھیں ہوٹل سب رنگ پہنچنا تھا، لیکن نہیں پہنچ سکے۔ خیال ہے کہ انھیں اغوا کیا گیا ہے۔ میں دو گھنٹے کے اندر اندر انھیں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں، اغوا کرنے والے کو بھی۔ سمجھے۔"

"جی۔ ہاں۔ بالکل سمجھ گیا۔ میں اسی وقت اپنی فوج کو اس کام پر لگا رہا ہوں۔" آواز سُنائی دی اور جاسا نے فون بند کر دیا۔

اچانک میز پر رکھے ایک فون سیٹ کی گھنٹی بجی، جاسا نے ریسیور اُٹھا لیا، پھر جُوں ہی اس نے دُوسری طرف کی بات سُنی۔ اس کا رنگ اُڑتا نظر آیا۔

بیروں کا تحفہ

ایک منٹ تک وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا، پھر اس نے کہا:

"تم نے مجھے کوئی اچھی خبر نہیں سنائی۔ خیر دیکھا جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اور ان کی طرف مڑا:

"کیا آپ نے کوئی بری خبر سنی ہے۔"

"ہاں!" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اور آپ وہ خبر سن کر بہت پریشان بھی ہو گئے ہیں۔" شوکی بولا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور آپ جلد پریشان ہو جانے والے آدمی ہرگز نہیں ہیں۔" شوکی بولا۔

"مسٹر شوکی۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"یہ کہ وہ خبر ہمارے گم شدہ انکل کے بارے میں ہی ہے۔"

"آپ کا یہ اندازہ بھی درست ہے۔"

"کیا آپ ہمیں نہیں بتائیں گے کہ وہ خبر کیا ہے؟"

"ابھی نہیں۔ آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔ بہتر ہو گا کہ آپ انتظار گاہ میں چلے جائیں۔ مجھے کچھ ضروری کام انجام دینا ہیں۔" اس کا لہجہ روکھا ہو چلا تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ ویسے جانے سے پہلے میں ایک اندازہ اور بیان کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور وہ کیا؟" اس نے چونک کر شوکی کی طرف دیکھا۔

"یہ کہ شاید آپ پروفیسر عقلان کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"مسٹر شوکی۔ آپ انتظار گاہ میں جائیں۔ میں دو گھنٹے بعد آپ کو بلاؤں گا۔ ایک بات ضرور کہے دیتا ہوں۔ میں نے پروفیسر عقلان کی تلاش کا کام اپنے تیز ترین کارکن ٹونگی کے حوالے کیا ہے۔ اور اس وقت

جو پیغام مجھے ملا ہے۔ وہ نوٹنگی کی طرف سے نہیں تھا۔"

"اس کے باوجود۔ تھا پروفیسر صاحب کے بارے ہیں۔"

"ہاں! اس سے انکار نہیں کروں گا۔ بس آپ جائیں اور یہ اطمینان رکھیں کہ ہم کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔"

دروازے پر موجود آدمی نے انھیں ایک دُوسرے کمرے میں پہنچا دیا۔ اس کمرے کے دروازے پر انتظار گاہ لکھا تھا۔ اندر اور کوئی نہیں تھا۔

"معاملہ اُلجھتا نظر آتا ہے۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے۔ ہمیں پروفیسر صاحب کے لیے اب خود ہی میدان میں نکلنا پڑے گا۔"

"لیکن کیسے۔ تنگ دستی کے عالم میں ہم کیا کر سکیں گے۔" اشفاق نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

"یہی میں سوچ رہا ہوں۔ کاش پروفیسر صاحب ہمارے ساتھ ہوٹل آ جاتے۔"

"ہمارے سمجھ میں تو مسٹر ماروت کا رویہ ہی نہیں آ رہا تھا۔ کہ یہ دُوسری پریشانی لاحق ہو گئی۔" اخلاق نے منہ بنا کر کہا۔

"کیوں نہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ اب یہ دو گھنٹے بھی کیوں ضائع کیے جائیں۔" اشفاق نے تجویز پیش کی۔

"نہیں۔ اس طرح جاسا کو تکلیف ہو گی۔ وہ بلا معاوضہ ہمارے لیے کوشش کر رہا ہے۔ آج کے دور میں کون کسی کے لیے اتنا کرتا ہے۔" شوکی نے انکار میں سر ہلایا۔

ٹھیک دو گھنٹے بعد جاسا نے انھیں اپنے کمرے میں بلایا، اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ انھیں دیکھتے ہی بولا:

"مجھے افسوس ہے شوکی برادرز۔ میں آپ کے کام نہ آ سکا۔ میرے آدمی بُری طرح ناکام ہو گئے ہیں، پروفیسر عقلان کا کہیں کوئی پتا نہیں چل سکا۔"

"تت۔ تو کیا ہم جائیں؟"

"ہاں! اب آپ لوگ یہاں ٹھہر کر کریں گے بھی کیا۔ اتنا ہے کہ میں ابھی اپنی کوشش جاری رکھوں گا اور اگر کچھ کام بنا تو ہوٹل سب رنگ میں فون کر دوں گا۔ ابھی تو آپ وہاں ایک ہفتہ تک ہیں ہی۔"

"جی ہاں! یہ تو ہے۔"

"تو پھر جائیں۔"

وہ وہاں سے نکل کر پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور ہوٹل سب رنگ پہنچے۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر انھوں

نے اپنی نقدی کا جائزہ لیا۔ ان کے پاس اب صرف
پچاس کے قریب روپے تھے۔ اور ابھی انھیں دوپہر کا
کھانا بھی کھانا تھا۔ اچانک شوکی نے بیرے کو بلانے
کے لیے گھنٹی بجائی۔ ایک منٹ بعد ہی بیرا کمرے میں
داخل ہوا:

"آپ اپنا نام بتانا پسند کریں گے۔"

"میں چھوٹے خان ہوں۔" اس نے کہا۔

"ن۔ نہیں تو۔ آپ تو کافی لمبے ہیں۔"

"لیکن میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا ہوں۔" اس
نے منہ بنایا۔

"اچھا خیر۔ ہم آپ کو چھوٹے خان کہ لیتے ہیں۔
اگرچہ یہ نام ہمارے حلق سے نہیں اترے گا۔" آفتاب بولا۔

"آپ کا حلق ہے یا کوئی۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ شوق سے میرے حلق کو برا
بھلا کہ سکتے ہیں۔"

"مسٹر چھوٹے خان۔ یہ بتائیں۔ آپ کے ہوٹل میں
کچھ بیروں کی جگہیں خالی ہیں۔"

"کچھ بیروں کی۔ یہاں تو ہر وقت بیروں کی ضرورت

رہتی ہے۔ بلکہ یوں کہ لیں کہ بیرے تو یہاں چراغ
لے کر ڈھونڈو تو بھی نہیں ملتے۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں جناب۔ یہ چراغ لے
کر ڈھونڈنے کا کون سا زمانہ ہے۔ ارے صاحب۔
کم از کم آپ ٹیوب لائٹ کا ہی نام لے دیتے۔" اشفاق
نے منہ بنایا۔

"آپ نے یہ بات کیوں پوچھی؟" بیرے نے دلچسپی
لیتے ہوئے کہا۔

"ہم اس ہوٹل کو چند بیروں کا تحفہ دینا چاہتے
ہیں۔"

"اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ وہ بیرے کہاں
ہیں۔ جلدی بتائیں۔ میں انھیں ابھی اور اسی وقت بیرے
رکھوا دیتا ہوں۔"

"شکریہ جناب۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ جناب۔ یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے حیران
ہو کر کہا۔

"میرا مطلب ہے۔ وہ ہم ہی ہیں۔ جو ہوٹل میں
بیرے لگنا چاہتے ہیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ آپ نے تو ابھی

آج ہی ایک ہفتے کا کرایہ ادا کیا ہے۔" بیرا حیران رہ گیا۔

"اس وقت ہم پانچ لاکھ کے مالک تھے۔ اب صرف پچاس روپے کے۔ یہ پچاس روپے بھلا کب تک چلیں گے۔"

"کک۔ کیا آپ۔۔ نے پانچ لاکھ روپے جوئے میں ہار دیے؟" وہ بوکھلا کر بولا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بات بہت الجھی ہوئی ہے۔ اس وقت ہم آپ کو نہیں سمجھا سکتے۔ دیکھیے کیا ہمیں ایک ہفتے کا کرایہ واپس مل سکتا ہے؟"

"جی نہیں۔ یہ ہمارے ہوٹل کے اصول کے خلاف ہے۔ آپ اپنے گھر سے رقم کیوں نہیں منگا لیتے۔ کیا وہاں بھی کچھ نہیں ہے۔"

"منگانے کو تو ہم بہت کچھ منگا سکتے ہیں، لیکن ہم اپنی بے چارگی کی کہانی اپنے شہر نہیں پہنچنے دیں گے۔ بیرے بن جائیں گے۔"

"مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن یہاں کام ذرا سخت ہوتا ہے۔ پورے آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔"

"رہائش کا کیا بنے گا؟"

"رہائش کی فکر نہ کریں۔ ہوٹل کی طرف سے کوارٹر ملے گا۔"

"تب پھر ہمارا کام کرا دیں۔"

"آئیے۔ میں آپ کو مینجر کے کمرے میں لے چلوں۔" اس نے کہا۔

پانچ منٹ بعد وہ ہوٹل سب رنگ کے مینجر کے سامنے بیٹھے تھے۔ بیرے نے مختصر طور پر ان کے بارے میں بتایا تو مینجر بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ مینجر نے چونک کر بیرے کی طرف دیکھا اور بولا:

"دیکھو بھئی۔ کون ہے؟"

بیرے نے جا کر دیکھا اور پھر ان کی طرف منہ کر کے بولا:

"ایک صاحب۔ فوری ضرورت کے تحت آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا۔ آنے دو انہیں بھی۔" مینجر نے منہ بنا کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ دوسرے ہی لمحے اس نے کہا:

" معاف کیجیے گا مینجر صاحب ۔ میں نے آپ کے کام میں خلل ڈالا ۔ لیکن مجھے ان لوگوں سے ایک ضروری بات کہنا تھی ۔"

" آپ کا مطلب ہے ۔ ان صاحبان سے ۔" مینجر نے گھبرا کر کہا ۔

" جی ہاں ! ان سے ۔"

" کہیں آپ کا تعلق کسی ہوٹل سے تو نہیں ۔" اس نے گھبرا کر کہا ۔

" جی نہیں ۔ یہ مجھے جانتے ہیں ۔ میرا نام شامل خان ہے ۔"

" خیر ۔ کہیے ۔ کیا کہنا ہے آپ کو ؟"

" مسٹر شوکی ۔ بیرا لگنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آپ پانچ لاکھ روپے وصول کر لیں ۔ وہ چیک یہاں سے بھی کیش کرایا جا سکتا ہے ۔ آپ عیش سے رہیں گے ۔ بس آپ مسٹر مارووت کی ہدایات پر عمل کرتے رہیں ۔"

" شکریہ ۔ ہم اپنے طریقے کے مطابق کام کرنے کے عادی ہیں ۔"

" تو کیا بیراگیری بھی اپنے طریقے کے مطابق کریں گے ۔" اس نے جل کر کہا ۔

" بیراگیری ہمارا کام نہیں ۔ لہٰذا ان کی ہدایات کے مطابق کام کریں گے ۔"

" جیسے آپ کی مرضی ۔ میں جا رہا ہوں ۔ ہاں ۔ ایک بات مینجر صاحب ۔ آپ سے کہنا چاہوں گا ۔ اور وہ یہ کہ یہ لوگ دراصل پرائیویٹ جاسوس ہیں ۔"

" اوہ ۔ اوہ ۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے ۔" مینجر نے پُرجوش انداز میں کہا ۔

" جی ۔ کیا مطلب ؟" شامل خان دھک سے رہ گیا ۔

" مطلب یہ کہ ہمارے بیرے اگر جاسوس قسم کے ہوں تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے ۔"

" آپ جانیں ۔" شامل خان نے کندھے اچکائے اور پھر کمرے سے نکل گیا ۔

کمرے میں چند سیکنڈ کے لیے خاموشی چھا گئی ۔ پھر مینجر نے کہا :

" میں آپ کو اپنے ہوٹل میں ضرور ملازم رکھوں گا ، لیکن پہلے اپنے بارے میں تفصیل سے بتائیں ۔ اور اس شخص کا کیا معاملہ ہے ۔ یہ بھی بتا دیں ۔"

" جی بہتر !" شوکی نے کہا اور پھر ساری تفصیل سنا دی ۔

"اوہ — تو یہ بات ہے۔"

"جی ہاں — بات تو یہی ہے — اب آپ دیکھ لیں — ہمیں بیرا رکھنا ہے یا نہیں؟"

"آپ پسند کریں تو میں آپ کو قرض دے سکتا ہوں، آپ اپنے شہر جا کر لوٹا دیجیے گا۔"

"نہیں جناب — اب تو ہم بیرا بن کر ہی یہاں وقت گزاریں گے — فارغ اوقات میں اپنے انکل کو تلاش کریں گے۔"

"ٹھیک ہے — لیکن آپ اخبارات کو اس گم شدگی کے بارے میں کیوں نہیں بتاتے — اگر وہ اتنے مشہور آدمی ہیں تو اخبارات ان کے بارے میں نمایاں خبریں شائع کریں گے اور اس طرح حکومت خود توجہ دے گی۔"

"ہم یہ کام بھی کریں گے — لیکن شاید — ہمارے انکل اس طرح بھی نہیں مل سکیں گے۔"

"کیوں — یہ کیا کہا آپ نے؟" مینجر نے حیران ہو کر پوچھا —

"اس لیے کہ ہم مسٹر جاسا سے مل چکے ہیں — وہ بھی ہمارے انکل کو تلاش نہیں کرا سکا۔"

"اوہو اچھا — وہ تو ان کاموں کا بہت ماہر ہے —"

"ہاں! لیکن ہمارے معاملے میں اس کی مہارت دھری کی دھری رہ گئی۔" شوکی نے کہا۔

"تو پھر — اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"ہم بیرے بننا چاہتے ہیں — کیا یہاں تنخواہ ہر روز دی جاتی ہے؟"

"تنخواہ ہفتہ وار دی جاتی ہے۔" اس نے کہا — پھر جلدی سے بولا:

"لیکن آپ کو ہم ایڈوانس بھی دے سکتے ہیں۔"

"شکریہ!"

"میں متعلقہ کلرک کو بلاتا ہوں — چھوٹے خان — تم جاؤ —"

چند منٹ بعد ان کے نام ایک رجسٹر میں لکھے جا چکے تھے — پھر انھیں ہیڈ بیرا کے حوالے کر دیا گیا — ہیڈ بیرے نے انھیں ڈیوٹی سمجھا دی —

دو گھنٹے بعد وہ ہال میں ڈیوٹی دے رہے تھے، لیکن ان کی ڈیوٹی دور دراز کی میزوں پر لگائی گئی تھی — جہاں بہت کم لوگ بیٹھتے تھے، کیوں کہ وہ

ابھی بالکل نئے تھے —

اچانک انھوں نے ہوٹل کے دروازے میں سے ایک عجیب آدمی کو اندر داخل ہوتے دیکھا —

رسی والا

اس کا حلیہ عجیب سا تھا۔ سر پر ایک بہت چوڑا ہیٹ، آنکھوں پر بڑے بڑے شیشوں کی عینک جس نے اس کے آدھے چہرے کو ڈھانپ لیا تھا۔ ہیٹ بھی اس کے چہرے کو کافی حد تک چھپائے ہوئے تھا۔ رہ گیا چہرے کا نچلا حصّہ۔ وہاں ننھی سی ڈاڑھی تھی — اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ بھی تھا۔ پتلون اور کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی ایک نظر پورے ہال پر ڈالی اور پھر دُور دراز کی ایک میز کی طرف بڑھنے لگا — اتفاق کی بات، وہ میز شوکی کے ذمّے تھی — جوں ہی وہ بیٹھا، شوکی اس کے سر پر آ موجود ہوا:

"حکم جناب" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"سانس تو لینے دو۔"

"او کے سر" اس نے مسکرا کر کہا اور پیچھے ہٹ گیا۔

چند منٹ بعد اس نے ہاتھ کے اشارے سے شوکی کو قریب بلایا:

"جی فرمائیے"

"میں سانس لے چکا ہوں۔"

"خوشی کی بات ہے۔" شوکی بولا۔

"اب تم میری کیا خدمت کر سکتے ہو؟"

"جو آپ فرمائیں۔"

"مجھے بہترین قسم کی شراب چاہیے۔"

"ہمارے ہاں شراب نہیں ملتی جناب۔" شوکی نے پہلی بار منہ بنا کر کہا۔

"تم نے منہ کیوں بنایا۔ یہ بات تو بیراگیری کے اصول کے خلاف ہے۔"

"ایسا کرنے پر مجھے میرے مذہب نے مجبور کیا۔" شوکی نے پہلے کی نسبت زیادہ منہ بنا کر کہا۔

"کیا تم مسلمان ہو؟"

"الحمد للہ۔" شوکی بولا۔

"تمہاری تو شکایت کرنا پڑے گی۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہے

تو کر دیں شکایت۔ لیکن یہ سن لیں۔ آج ہماری ملازمت کا صرف پہلا دن ہے۔" شوکی نے کہا۔

"مجھے اس سے کیا۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ کو اس سے کیا۔ ہمدردی تو انسانوں کو انسانوں سے ہو سکتی ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیا میں جانور ہوں۔" وہ دھاڑا۔ اس کی دھاڑ سے پورا ہال لرز اٹھا۔

"ہم۔ میں نے یہ نہیں کہا جناب۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میں کہتا ہوں۔ اپنے مینجر کو بلاؤ۔"

"جی بہتر!" شوکی نے کہا اور مینجر کے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ آفتاب کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے دبی آواز میں کہا۔

"اس پر سے ایک لمحے کے لیے بھی نظر نہ ہٹانا۔"

"فکر نہ کریں۔ یہ کام میں پہلے ہی کر رہا ہوں۔" آفتاب نے ہونٹ ہلائے۔ شوکی اس سے پہلے ہی کئی قدم آگے جا چکا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا مینجر کے کیبن میں داخل ہوا:

"خیر تو ہے شوکی۔"

"کیا آپ نے اس شخص کی دھاڑ نہیں سُنی سر؟"

"اس کیبن میں ہال کی آوازیں نہیں آتیں۔ بات کیا ہے؟"

شوکی نے بات بتا دی۔

"تمہیں منہ نہیں بنانا چاہیے تھا شوکی۔ ہماری گاہکی خراب ہوتی ہے۔"

"میں نے شراب کا نام سُن کر منہ بنایا تھا سر۔ یہ میرا مذہبی فرض تھا۔"

"اوہ۔ تو تم مذہبی آدمی بھی ہو۔" مینیجر چونکا۔

"میں مذہبی پہلے ہوں۔" شوکی نے کہا۔

"پھر تو مشکل ہے مسٹر شوکی۔" مینیجر نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مشکل ہے؟"

"اس ہوٹل میں مُلازمت۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ ہمیں فارغ کر دیجیے۔"

"فارغ ہی ہیں۔ ابھی آپ لوگوں کو کام کرتے دیر ہی کتنی گزری ہوگی۔"

"شکریہ۔ لیکن مجھے آپ کو ساتھ لے کر اس گاہک تک تو جانا ہی ہوگا۔ اس کے بعد ہم آپ کے دیئے ہوئے یہ لباس اُتار دیں گے۔" شوکی نے بیرے کے لباس کی طرف اشارہ کیا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ آؤ چلیں۔"

مینیجر اس کے ساتھ باہر نکلا اور ہال میں پہنچ کر اس گاہک کی طرف بڑھنے لگا۔ نزدیک پہنچ کر اس نے نہایت نرم گرم آواز میں کہا۔

"جی فرمائیے۔ میں حاضر ہوں۔"

"آپ نے ہوٹل کے لیے نہایت غلط بیروں کا انتخاب کیا ہے۔"

"کبھی کبھار ایسی غلطی ہو جاتی ہے جناب۔"

"تو آپ کو اس بیرے کی غلطی معلوم ہو چکی ہے۔"

"اس نے شراب کے نام پر منہ بنایا تھا۔ یہی بات ہے نا سر۔"

"صرف یہی نہیں۔ بلکہ اس نے مجھے جانور کہا ہے۔"

"کیا!!" مینیجر نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! جناب۔ پوچھ لیجیے۔ آپ کے پاس تو کھڑا ہے۔"

"کیوں شوکی۔"

"بات جس طرح ہوئی تھی۔ میں بتا دیتا ہوں سر۔"

یہ کہہ کر شوکی نے تفصیل دہرا دی۔

"مطلب تو پھر یہی نکلتا ہے شوکی جو انھوں نے کہا ہے۔"

"اگر یہی نکلتا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم چاروں ابھی اور اسی وقت ہوٹل سے جا سکتے ہو۔"

"ہوٹل سے تو آپ نہیں نکال سکتے۔" شوکی مسکرایا۔

"کیا مطلب۔ میں۔ یعنی اس ہوٹل کا مینجر اور تم لوگوں کو ہوٹل سے نہیں نکال سکتا۔" مینجر نے تلملا کر کہا۔

"جی ہاں! اگرچہ ہم بیرے ہیں، لیکن اس ہوٹل کا کمرہ نمبر دو سو نو ایک ہفتے کے لیے ہمارے نام بُک ہے۔"

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ خیر۔۔۔ تم اب بیرے تو نہیں رہ سکتے۔"

"شکریہ۔ ہم کسی اور ہوٹل میں کوشش کر لیں گے۔" شوکی نے بھنّا کر کہا۔

"امید ہے۔ اب آپ کی شکایت دور ہو گئی ہوگی۔" مینجر نے اس گاہک کی طرف جھک کر کہا۔

"شکریہ مینجر صاحب۔"

"تم لوگ جاؤ بھئی۔" مینجر ان کی طرف مڑا۔

"کیوں آفتاب۔ کیا ہم اوپر چلیں؟"

"نہیں بھائی جان۔ ہم فی الحال اوپر بھی نہیں جا سکتے، یہ صاحب میری سمجھ میں نہیں آئے۔" آفتاب مسکرایا۔

"کیا مطلب۔ میری سمجھ میں نہیں آئے۔ ارے۔ تمھیں کہ کون رہا ہے کہ ان کو سمجھو۔ جاؤ۔ پہلے جا کر خود کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"جب سے پیدا ہوئے ہیں، اسی کوشش میں مصروف ہیں۔" آفتاب مسکرایا۔

"کس کوشش میں؟" مینجر نے حیران ہو کر کہا۔

"خود کو سمجھنے کی۔ لیکن آج تک سمجھ نہیں سکے۔ پتا نہیں ہم کیا بلا ہیں۔"

"ضرور ان لوگوں کا دماغ خراب ہے۔ پہلے مجھے جانور کہا اب خود کو بلا کہ رہے ہیں۔" گاہک بولا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ آج کے بعد یہ اس ہوٹل میں بیرے کے طور پر نظر نہیں آئیں گے۔"

اس وقت تک قریباً سارا ہال ہی ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ لوگ کھانا پینا اور اپنی باتیں بھول گئے تھے۔

"لیکن جناب۔ فکر کرنے کی باری اب آپ کی ہے۔" آفتاب نے مینجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کس کی — میری — میں کیوں کروں فکر۔ فکر کریں میرے دشمن — یا پھر تم کرو فکر — کشی اور ملازمت کی۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"نہیں جناب! آپ کو فکرمند ہونا پڑے گا — مَیں جو کہ رہا ہوں۔"

"آفتاب — کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہو۔" اشفاق نے اسے ڈانٹا۔

"کک — کیا کروں بھائی جان — مجبور ہوں — حالات نے مجبور کر دیا ہے۔"

"پتا نہیں — تم کیا کہ رہے ہو۔"

"ان صاحب کی نیت ٹھیک نہیں۔" آفتاب بولا۔

"لو — اب میری نیت میں انھیں فتور نظر آنے لگا — بیرے آپ نے خوب چُن کر رکھے — جو نیتوں کا حال بھی جان لیتے ہیں۔" گاہک نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہم نے آپ کی نیت میں فتور جان نہیں لیا، بلکہ دیکھ لیا ہے۔" آفتاب نے چہک کر کہا۔

"یہ ایک اور کہی — نیت کا فتور بھلا تم نے کن آنکھوں سے دیکھ لیا — یا کون سی عینک استعمال کی اس کام کے لیے۔" اس نے جل بھُن کر کہا۔

"انھی آنکھوں سے — اگر میں اپنی بات کو ثابت نہ کر سکا تو جو سزا چور کی، وہ میری۔"

"وہ تو تمھیں ویسے بھی ملنی چاہیے۔"

"چلیے — اگر مَیں اپنی بات ثابت نہ کر سکا تو دوگنا سزا۔"

"اجازت ہے — تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟" مینجر نے اُلجھن کے عالم میں کہا — کیوں کہ اچانک اسے یاد آ گیا تھا کہ شوکی برادرز صرف اس کے بیرے نہیں — پرائیویٹ سُراغ رساں بھی ہیں۔

"ہماری بات سُن کر یہ حضرت فرار ہونے کی کوشش کریں گے، پہلے اس کا انتظام ہو جانا چاہیے کہ یہ بھاگ نہ سکیں۔"

"کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہو — ہوٹل سے نکلنا پڑ رہا ہے خود کو اور کہ رہے ہیں مجھے — مَیں بھلا کیوں بھاگ نکلوں گا یہاں سے۔"

"ہاں بالکل — یہ کیوں بھاگیں گے۔" مینجر نے جلدی سے کہا —

"چلیے خیر — اگر یہ بھاگ نکلے تو ذمّے دار ہم نہیں ہوں گے — یوں سہی۔" شوکی نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں ہاں — ٹھیک ہے — تم لوگ کہنا کیا چاہتے ہو۔" منیجر نے جل بھن کر کہا۔

"چلو آفتاب — کہو — کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"آپ — آپ نہیں کہیں گے بھائی جان۔"

"بھئی میں تو منیجر صاحب کو بلانے چلا گیا تھا۔"

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا — خیر — میں ہی کہے دیتا ہوں۔"

"کہنے کے لیے کچھ ہو تو کہو بھی۔"

"اب ہم مزید طعنے نہیں سن سکتے — لیجیے — سنیے — ان صاحب نے ہوٹل کی میز کے نچلی طرف کوئی چیز چپکائی ہے، چپکائی جانے والی چیز کوئی بم بھی ہو سکتی ہے۔"

"کیا — نہیں۔" منیجر اچھل پڑا۔

گاہک کا رنگ اڑتا نظر آیا — اچانک وہ اچھلا اور پھر اس نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی — لیکن پھر منہ کے بل گرا — شوکی نے یک دم اپنی ٹانگ آگے کر دی تھی —

"اسے سرکاری ٹانگ کہتے ہیں۔" وہ بولا۔

"پکڑ لو اسے — جانے نہ پائے۔"

بیروں کی فوج اسے پکڑنے کے لیے دوڑی — اس وقت تک وہ اٹھ کر پھر دوڑ لگا چکا تھا — بیرے اس کے گرد جمع ہو گئے — وہ بری طرح چکرانے لگا — فرار ہونے کی کوشش میں اس نے چند بیروں کو زخمی بھی کر دیا — وہ میزوں پر سے برتن اور بوتلیں وغیرہ اٹھا اٹھا کر مار رہا تھا — اور بیرے خوف زدہ انداز میں کبھی پیچھے ہٹتے، کبھی آگے بڑھتے — اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے — یہاں تک کہ کئی بیروں کے چہروں سے خون نکلتا نظر آیا — یہ صورتِ حال دیکھ کر منیجر پریشان ہو گیا:

"اف — یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"ہم نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا، لیکن آپ نے ہماری ایک نہ سنی — اور اس کی ہر ایک سنی۔" شوکی نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہم — مجھے بہت افسوس ہے شوکی۔" منیجر نے کہا۔

"اب افسوس کا کیا فائدہ — بلا وجہ اتنے آدمی زخمی ہوئے اور ابھی نہ جانے کتنے اور زخمی ہوں گے — اس پر بھی پتا نہیں — یہ پکڑا جاتا ہے یا نہیں۔"

"ہم — میں پولیس کو فون کیوں نہ کروں۔"

"اس وقت تک یا تو یہ فرار ہو چکا ہوگا — یا گر چکا ہوگا۔" آفتاب بولا۔

"تب پھر — تم لوگ ہی کچھ کرو۔"

"اچھی بات ہے — ابھی لیجیے۔"

اُنھوں نے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا ہی تھا — کہ اچانک ہال میں ایک آواز گونجی:

"سب لوگ ہٹ جائیں — اس وحشی کو میں تنہا پکڑوں گا۔"

یہ آواز سُن کر سب کے سب ایک لمحے کے لیے رُک گئے — آواز کی طرف مُڑے — ہال کے دروازے میں ایک لمبے قد کا آدمی کھڑا تھا — اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مُسکراہٹ تھی — شاید وہ ابھی ابھی ہال میں داخل ہوا تھا — اور اس نے یہ خیال کیا تھا کہ بیروں کو مارنے والا کوئی چور اچکا یا ڈاکو قسم کا آدمی ہے، اس آدمی کے ہاتھ میں ایک رسی تھی — وہ رسی کو گھما رہا تھا — رسی اس کے سر کے گرد گھوم رہی تھی — ایک بار پھر اس کی آواز گونجی:

"سب لوگ اس کے آس پاس سے ہٹ جائیں — اس کا راستا چھوڑ دیں — یہ خود بخود میری طرف آئے گا۔"

نہ جانے اس کی آواز میں کیا اثر تھا — تمام بیرے اس کے آس پاس سے ہٹ گئے —

"یہ — یہ اس گاہک کا ساتھی بھی ہو سکتا ہے — یہ چال بھی ہو سکتی ہے — اس کو بچا لے جانے کی۔" مینجر نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں جناب — آنے والا شخص اس کا ساتھی ہرگز نہیں ہے۔" شوکی مُسکرایا۔

"تم یہ بات اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو۔"

"بعض باتیں میں واقعی بہت یقین سے کہہ سکتا ہوں، لیکن مجھے خود معلوم نہیں ہوتا کہ اتنے یقین سے کیوں کہہ رہا ہوں۔" شوکی نے شوخ آواز میں کہا۔

"پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو۔"

"ادھر دیکھیے جناب — ادھر — کیا ہو رہا ہے۔" شوکی بولا۔

مینجر تو اُدھر ہی دیکھ رہا تھا — اس کی نظریں رسی والے پر جمی تھیں — اچانک اس نے رسی ایک ہاتھ سے چھوڑ دی — وہ تیر کی طرح اس گاہک کی طرف آئی اور اس کی ٹانگوں کے گرد لپٹتی چلی گئی — ساتھ ہی لمبے آدمی نے رسی کو ایک جھٹکا دیا — گاہک دھڑام سے گرا — اس کے ہاتھ رسی کے بل کھولنے کے لیے پورا زور لگانے لگے — لیکن رسی تو کچھ اس زور سے لپٹ گئی تھی کہ باوجود کوشش کے — اس کا ایک بل

بھی نہ کھول سکا۔

"نہیں کھلے گی بچو۔ نہیں کھلے گی۔"

"دیکھا جناب۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ یہ صاحب اس کے ساتھی نہیں ہیں۔"

اب بیرے پھر اس گاہک کی طرف بڑھے اور انہوں نے اسے چھاپ لیا۔ اور ایسے میں جب بیرے اسے رگڑے ڈال رہے تھے۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا:

"وق۔ وقت۔ کیا ہوا ہے۔"

مَیں آگیا ہُوں

"بھائی۔ تُمھارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ مار پڑ رہی ہے، اور پُوچھ رہے ہو۔ کیا وقت ہوا ہے۔" شوکی نے اس کے نزدیک پہنچتے ہوئے کہا۔

"جلدی بتاؤ۔ کیا وقت ہوا ہے؟" وہ چلّایا۔

"اوہو۔ ایسی کیا جلدی پڑ گئی ہے۔" آفتاب گھبرا گیا۔

"میں کہتا ہوں۔ مجھے وقت بتاؤ۔" وہ حلق پھاڑ کر بولا۔

"بس۔ بتا دیں بھئی۔ اس کو وقت بتا دیں۔ کہیں یہ پاگل نہ ہو جائے۔" شوکی گھبرا گیا۔

"تو آپ خود کیوں نہیں بتا دیتے۔ گھڑی تو آپ کے ہاتھ پر بھی ہے۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ انیس بج کر چونسٹھ منٹ ہوئے ہیں۔" شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"کیا کیا — انیس بج کر چونسٹھ منٹ۔" کئی آوازیں اُبھریں،
ان آوازوں میں بلا کی حیرت بھی شامل تھی — شاید
آج تک کسی نے یہ وقت نہیں بتایا ہوگا — ساتھ ہی
سب نے اپنی اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھا — پھر کسی نے
چیخ کر کہا:

"غلط — بالکل جھوٹ — تمھیں تو ٹائم دیکھنا بھی نہیں
آتا — رات کے آٹھ بج کر چار منٹ ہوئے ہیں۔"

"کمال ہے۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

"کہاں ہے کمال — ہمیں تو کہیں نظر نہیں آیا۔" ایک
گاہک نے جلدی سے کہا۔

"آپ کس کمال کی بات سمجھے ہیں جناب؟"

"آپ نے اپنے دوست کی۔" وہ بولا۔

اور ہال کے لوگ ہنسنے لگے — ادھر گرنے والا ابھی
تک اپنی ٹانگوں کو رسی کے بلوں سے آزاد کرانے کے
لیے زور لگا رہا تھا — وقت سن کر اس نے کہا:

"کیا کہا — آٹھ بج کر چار منٹ ہو گئے ہیں —
ارے باپ رے — بم پھٹنے میں صرف ایک منٹ باقی
ہے — صرف ایک منٹ۔"

"بم — کون سا بم؟" لوگ چلّائے۔

"تت — تو تم نے میز کے نیچے واقعی بم چھپایا ہے۔"
آفتاب چلّایا۔

"ہاں — اب میں دوڑ نہیں سکتا — ایک منٹ میں
سارا ہوٹل بھی خالی نہیں ہو سکتا — اگر تم ہوٹل کو بچانا
چاہتے ہو تو جلدی سے میری ٹانگیں کھول دو۔"

"ارے باپ رے۔" رسی والے نے گھبرا کر کہا اور اس
کی طرف لپکا۔

"ٹانگیں نہ کھولیں — اسے اٹھا کر بم کے پاس پہنچا
دیں — تاکہ یہ بم کو بے کار کر دے — ٹانگیں کھولنے کی
صورت میں یہ بم بیکار نہیں کرے گا، بھاگنے کی کوشش
کرے گا، کیوں کہ اس کا مقصد تو صرف اور صرف ہوٹل
کو اڑانا ہے۔" شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" رسی والے نے کہا اور
پھر جھک کر اسے دونوں ہاتھوں پر اُٹھا لیا، پھر بولا:

"اس — اس کی میز کون سی ہے؟"

"وہ رہی۔" یہ کہ کر شوکی میز کی طرف دوڑا۔

فوراً ہی رسی والے نے اسے میز کے پاس پہنچا
دیا — اور وہ میز کے نیچے گھس گیا — آدھ منٹ بعد اس
نے کہا:

" اب کوئی خطرہ نہیں — میں نے بم کو بے کار کر دیا ہے "

" لیکن مسٹر — تم تو نہیں بچ سکو گے اب — آخر تم اس ہوٹل کو کیوں اڑانا چاہتے تھے ؟"

" مم — میں — میں " وہ ہکلا کر رہ گیا۔

" اسے پولیس کے حوالے کرنا ہوگا " یہ کہ کر مینجر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

" ہاں — مسٹر — تم ہوٹل کو کیوں تباہ کرنا چاہتے تھے ؟"

" میں — میں ایک پیشہ ور تخریب کار ہوں — ہوٹل شارڈا کے مینجر نے میرے ذمے یہ کام لگایا تھا — مجھے انھوں نے اس کام کے بیس ہزار روپے دیے تھے "

" لیکن ہوٹل شارڈا کے مینجر کو اس ہوٹل سے کیا دشمنی ہے ؟"

" وہ میں بتاتا ہوں " مینجر ان کی طرف آتے ہوئے بولا —

" جی فرمائیے "

" ہوٹل شارڈا ہمارے ہوٹل کے مقابلے میں بالکل ناکام جا رہا ہے — جب کہ پیسے انھوں نے ہم سے بھی زیادہ خرچ کیے ہیں — بس اس نے سوچا — کیوں نہ ہوٹل

کو ہی اڑا دیا جاتے "

" اوہ — یہ تو بہت گندی سوچ ہے — اس طرح نہ جانے کتنے آدمی بھی ہلاک ہوتے "

" ہاں ! اب اس پر مقدمہ چلے گا — ارے ہاں — اس کارنامے کے اصلی ہیرو آپ لوگ ہیں — آپ نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ اس شہر کے لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے — میں ہوٹل کے مینجر کو فون کرتا ہوں — وہ آ کر آپ کے انعام کا اعلان کریں گے "

" یہ کام ہم نے کسی انعام کے لالچ میں نہیں کیا — ان گنت انسانی جانوں کا معاملہ تھا اور پھر خود ہماری جانوں کا بھی — اس لیے ہم کسی انعام کے حق دار نہیں ہیں — دوسرے یہ کہ اس کارنامے میں ان کا بھی حصہ ہے " شوکی نے ڈبے والے کی طرف اشارہ کیا۔

" ہاں ! یہ بھی عین وقت پر آ گئے — ورنہ شاید یہ تخریب کار فرار ہو جاتا اور بم پھٹ جاتا "

" بالکل — اصلی کارنامہ انھی کا ہے "

" اس کا فیصلہ میں کروں گا " ہال میں ایک آواز گونجی —

سب لوگوں نے آواز کی طرف دیکھا — ایک بھاری بھرکم

آدمی دیوار کے ساتھ والی میز پر بیٹھا نظر آیا۔

"ارے ۔۔ شملی صاحب ۔۔ آپ یہیں تشریف رکھتے ہیں۔"

"شملی صاحب ۔۔ کیا یہ مسٹر شامل خان کے بھائی ہیں؟" آفتاب کے منہ سے نکلا۔

"کون شامل خان؟" مینجر نے چونک کر کہا۔

"ارے صاحب ۔ وہی ۔ جو آپ کے دفتر میں ہم سے ملنے آیا تھا۔"

"گولی مارو اسے ۔۔ یہ تو ہمارے ہوٹل کے مالک ہیں مسٹر شملی۔"

"اوہ ۔۔ ارے ۔۔ ہائیں۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! میں اس ہوٹل کا مالک ہوں اور کوئی کنجوس آدمی ہرگز نہیں ہوں ۔۔ لوگوں نے بلا وجہ مجھے کنجوس مشہور کر دیا ہے ۔۔ میں ان چاروں بیروں کے لیے پانچ سو روپے کے انعام کا اعلان کرتا ہوں ۔ اور یہ جو بعد میں آئے ہیں ۔۔ ان کے لیے ایک سو روپے کا۔"

"بھئی واہ ۔۔ مزا آ گیا۔" رسی والا بولا۔

"آپ ۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں سر ۔ سارا ہال سن رہا ہے۔" مینجر نے گھبرا کر کہا۔

"ہائیں ۔ سارا ہال سن رہا ہے ۔ تو پہلے کیوں نہ بتایا ۔ میں دراصل پانچ سو نہیں ۔ پانچ ہزار کہنا چاہتا تھا ۔ زبان پھسل جاتی ہے میری ۔۔ اور اس کم بخت زبان نے ہی مجھے کنجوس مشہور کر دیا ہے ۔ اور ہاں! ان صاحب کے لیے ایک ہزار روپے کا انعام۔"

"آپ ۔ آپ یہ کیا کر رہے ہیں سر ۔ ان لوگوں نے آپ کا چار کروڑ روپے کا ہوٹل بچایا ہے ۔ اور ان گنت انسانی جانیں بھی ۔ یہ انعام آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔"

"اوہ ۔ تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا ۔ خیر ۔ میں ان چاروں کے لیے پچاس ہزار روپے اور ان صاحب کے لیے دس ہزار روپے کے انعام کا اعلان کرتا ہوں۔"

"مہربانی فرما کر نظرِ ثانی کریں ۔ یہ انعام بھی آپ کی شان کے مطابق نہیں ہے۔"

"میں سمجھ گیا مسٹر راون شام ۔ آپ شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں ان کے لیے ایک لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کروں اور ان صاحب کے لیے بیس ہزار کا ۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔" اس نے مینجر سے کہا۔

"دیکھ لیں ۔ یہ بات سارے شہر میں گشت کرے گی۔"

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے، لیکن یہ بات تو میں بھول ہی گیا تھا۔ ایک تو میں بھولنے بہت لگ گیا ہوں۔ ہاں بھئی۔ دو لاکھ اور چالیس ہزار۔"

"چالیس نہیں جناب پچاس۔ تاکہ برابر کا حصہ ہو جائے۔"

"چلو خیر۔ یوں ہی سہی۔ تم چیک لکھ دو۔ میں دستخط کر دوں گا۔"

"نہیں جناب۔ بہت ہو چکی۔ ہم انعام و نعام نہیں لیں گے۔ یہ کام کسی انعام کے لالچ میں نہیں کیا گیا۔" شوکی نے بلند آواز میں کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" رسی والے نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ انعام نہ لیں۔" شملی نے منہ بنا کر کہا۔

"بس مسٹر شملی۔ یہ ہماری مرضی ہے۔ آپ ہمیں زبردستی انعام نہیں دے سکتے۔" شوکی نے کہا۔

"جی ہاں۔ بالکل نہیں دے سکتے۔" رسی والے نے فوراً کہا۔

"بھئی دیکھ لیں۔ اور اچھی طرح سوچ لیں۔ اڑھائی لاکھ روپے کی رقم تھوڑی نہیں ہوتی۔" شملی نے کہا۔

"سوال تھوڑی یا زیادہ کا نہیں۔ اصول کا ہے۔ ہم نے یہ کام ملازم ہونے کی صورت میں کیا ہے۔ اگر ہم ہوٹل کے ملازم نہ ہوتے تو ضرور انعام لے لیتے۔" شوکی بولا۔

"لیکن یہ صاحب تو ہوٹل کے ملازم نہیں ہیں۔" شملی نے رسی والے کی طرف دیکھا۔

"ان کی بات آپ ان سے پوچھیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ میں اپنی بات کا جواب خود دے سکتا ہوں۔ دراصل میں کوئی غریب آدمی نہیں ہوں کہ انعام لوں۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"اچھا۔ ہم لوگ آپ لوگوں کو انعام دینے کا خیال دل سے نکال دیتے ہیں۔ بس۔ اب تو خوش ہیں آپ۔"

"جی ہاں شکریہ۔" شوکی نے کہا اور رسی والے کے قریب پہنچ گیا۔

"ہم آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور کریں۔"

وہ رسی والے کو دور دراز کی میز پر لے آئے۔ بیٹھنے کے بعد شوکی نے کہا:

"آپ کا نام منور علی خان تو نہیں؟"

"گگ - کیسے جانا - میرا تو چہرہ کیا ہر چیز بدلی ہوئی ہے - رنگ رُوپ تک بدل گیا ہے - اور ایسا ایک خوف ناک جنگل میں ہوا - لیکن - حیرت کی بات یہ ہے کہ اس خوف ناک جنگل میں ایک بار میں نے پہلے بھی کچھ دن گزارے تھے - اس وقت تو کچھ نہیں ہوا تھا - اس بار وہاں کی آب و ہوا کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے - ارے - مگر - میں بھی کتنا احمق ہوں - پُوچھنے والی بات تو یہ تھی کہ آپ لوگ مجھے کس طرح جانتے ہیں - اور لگ گیا اپنی باتیں کرنے۔"

"کوئی بات نہیں۔" شوکی نے اس مرتبہ اپنی آواز میں بات کی - اُس سے پہلے وہ قدرے بدل کر بات کرتا رہا تھا -

"ہائیں - یہ آواز تو شوکی کی ہے - لیکن نہیں بھئی، آپ کا چہرہ تو شوکی والا نہیں ہے - ہُوں - میں سمجھ گیا آپ کی آواز میرے ایک عزیز کی آواز سے بہت ملتی ہے - ان کا نام دراصل شوکی ہے۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہی ہے۔" آفتاب بولا۔

"ارے - یہ کیا - یہ آواز تو مکھن کی ہے۔"

"جی ہاں! آپ نے ٹھیک فرمایا۔" اشفاق بول اُٹھا -

"اُف مالک - یہ کیا چکر ہے؟" منوّر علی خان گھبرا گئے۔

"چکر بہت دل چسپ ہے۔" اخلاق چہکا۔

"ہائیں ہائیں - آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے - آپ چاروں کی آوازیں میرے چار عزیزوں سے حد درجے ملتی جلتی ہیں - لیکن آپ کی شکل صورت ہرگز ان جیسی نہیں - ہاں قد و قامت ضرور ان کے برابر ہے۔"

"لیکن جناب - ان چہروں پر میک اپ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"اوہ - تت - تت - تم شوکی - کیا تم واقعی شوکی آدرز ہو۔"

"خیال تو یہی ہے۔" شوکی نے مُسکرا کر کہا۔

منوّر علی خان اچھل کر کھڑے ہو گئے، پھر وہ گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ملے - ملنے کے بعد جب کرسیوں پر بیٹھے تو انھوں نے چونک کر کہا:

"لیکن بھئی - یہ کیا - آخر تم ہیروں کے لباس میں کیوں ہو۔"

"بس انکل کیا بتائیں - حالات نے ہمیں ہیرے بننے پر مجبور کر دیا۔"

"حالات - کیسے حالات - جلدی بتاؤ۔"

اور شوکی نے انھیں تفصیل سُنا دی۔

"ہُوں! تو یہ بات ہے۔ خیر۔ اب مالی اُلجھنیں ختم اور پروفیسر عقلان کی تلاش شروع۔ ہوٹل کا کمرہ پہلے ہی ہمارے پاس ہے۔ وہ چھوٹا تو نہیں ہو جائے گا۔ میری وجہ سے۔"

"جی نہیں۔ ڈبل کمرہ ہے۔"

"بس۔ تو پھر کوئی اور کمرہ لینے کی بھی ضرورت نہیں یُوں بھی۔ ہوٹل والے اب ہم پر بہت مہربان ہیں۔"

"بالکل جناب۔ آپ کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں"

انھوں نے شملی کی آواز سُنی۔

پلٹ کر دیکھا تو وہ ان کے قریبی میز پر بیٹھا نظر آیا۔ گویا وہ ان کی ساری گفت گو سُن چکا تھا۔

"حیرت ہے۔ آپ ہماری باتیں سُن رہے تھے۔" شوکی بولا۔

"ہاں! میں نے سوچا۔ میں اپنے محسنوں کی باتیں سُن لوں۔ کہیں وہ کسی پریشانی میں تو مبتلا نہیں ہیں۔"

"نہیں جناب۔ اللہ کا شکر ہے۔" منور علی خان بولے۔

"البتہ آپ ہوٹل شارڈا والوں کی طرف سے خبردار رہیں۔"

"اب ہم تلاشی کے بغیر کسی کو اندر نہیں آنے دیں گے۔"

"کیا اس طرح آپ کی گاہکی پر بُرا اثر نہیں پڑے گا۔"

"نہیں۔ بورڈ لکھ کر لگا دیا جائے گا۔ سمجھ دار لوگ بھرپور تعاون کریں گے۔ ناسمجھ گاہکوں کی ہمیں ویسے ہی ضرورت نہیں۔"

عین اسی وقت پولیس ہوٹل میں داخل ہوئی۔ اور مسٹر شملی اُٹھ گئے۔ ایسے میں شوکی کو ایک خیال آیا۔ وہ اُٹھ کر کاؤنٹر پر گیا۔ اس نے جاسا کے نمبر ملائے۔ پھر اپنا نام بتا کر اس نے کہا:

"پروفیسر عقلان کے سلسلے میں کوئی کامیابی ہوئی جناب؟"

"نہیں مسٹر شوکی۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ہمیں بالکل ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ امید ہے، معاف فرمائیں گے۔"

"معافی مانگنے کی ضرورت نہیں مسٹر جاسا۔ ایک بات ضرور آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"فرمائیے۔"

"اس شہر میں کوئی ایسا شخص موجود ہے۔ جس سے آپ خود بھی خوف زدہ ہیں۔ اور پروفیسر عقلان صاحب

کو دراصل اسی پُر اسرار شخص نے اغوا کیا ہے۔ گویا آپ اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ مہربانی فرماکر اس شخص کا نام اور پتا بتا دیں۔ پروفیسر صاحب کو اس سے ہم خود حاصل کر لیں گے۔"

"آپ نے بالکل غلط اندازہ لگایا مسٹر شوکی۔" دُوسری طرف سے بھنّا کر کہا گیا اور ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔ شوکی مُسکرا دیا۔ ریسیور رکھ کر وہ اُن کی طرف آیا۔

"کس کو فون کیا ہے بھائی جان؟"

"مسٹر جاسا کو۔ میرا خیال ہے۔ وُہ کسی سے خوفزدہ ہے۔ اور اسی آدمی نے ہمارے انکل کو اغوا کیا ہے۔"

"اوہ۔ تو ہم پولیس کی مدد لے کر اس شخص سے معلوم کر سکتے ہیں۔ کیا نام بتایا تم نے؟"

"جاسا۔"

"یہ کیا نام ہوا؟"

"اس شہر کا بہت مشہور نام ہے۔ ارے ہاں۔ کیوں نہ ہم مسٹر شملی سے اس بارے میں بات کریں۔"

"جاسا کے بارے میں۔" شملی نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں! کیا آپ کسی طرح ہماری مدد کر سکتے ہیں؟ ہمیں مسٹر جاسا سے ایک بات معلوم کرنا ہے۔"

"بہت مشکل۔ بلکہ ناممکن۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"خیر۔ ناممکن تو اس دُنیا میں کچھ بھی نہیں۔ ہر طرف ممکن ہی ممکن نظر آتے ہیں۔" آفتاب بولا۔

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔ آپ لوگ مسٹر جاسا سے کچھ نہیں اگلوا سکتے۔"

"بہرحال! آپ ہماری مدد ضرور کر سکتے ہیں۔"

"نہیں بھئی۔ میں واقعی کچھ نہیں کر سکتا۔ جاسا اپنی مرضی کا مالک ہے۔"

"آپ ہمارے چند سوالات کے جواب ضرور دے سکتے ہیں۔"

"اگر میں جواب دے سکا تو ضرور دوں گا۔" شملی بولا۔

"تو پھر بتائیے۔ جاسا کہاں رہتا ہے؟"

"اس کی رہائش اپنے دفتر میں ہی ہے۔" اس نے بتایا۔

"کیا دفتر میں رات کو بھی کام ہوتا ہے؟"

"بالکل۔ چوبیس گھنٹے۔" اس نے کہا۔

"دفتر سے باہر ہم اس سے کہاں اور کس طرح مُلاقات کر سکتے ہیں؟"

"اسے دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ دفتر سے باہر جانا

پڑتا ہے، لیکن وہ کب کہاں جاتا ہے — یہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیا اسے دفتر سے باہر ملاقات کے لیے بلوایا بھی جا سکتا ہے؟"

"ہاں! بڑی بڑی پارٹیاں اسے بلوا بھی لیتی ہیں۔"

"اور آپ بھی بلوا سکتے ہیں — بلوا سکتے ہیں نا —"

شوکی مسکرایا —

"ہاں — آ —" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"دیکھا جناب — میں نے پہلے ہی کہا تھا — کہ آپ اس سلسلے میں مدد کر سکتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"آپ کسی بہانے اسے کسی الگ تھلگ جگہ بلا لیں۔ ہم وہاں اس سے ملاقات کر لیں گے۔"

"اور — اور اس سے یہ پوچھیں گے کہ وہ شہر کے کس آدمی سے خوف زدہ ہے۔"

"ہاں!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"یہ ایک انتہائی خطرناک کام ہوگا — وہ میرا دشمن بن جائے گا — وہ کس قدر خطرناک آدمی ہے — یہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے — وہ آپ کا بھی دشمن ہو

جائے گا۔"

"آپ سامنے نہ آئیے گا — اس جگہ صرف ہم اس کے سامنے آئیں گے۔"

"لیکن وہ سراغ لگا لے گا کہ یہ کام آپ کے لیے میں نے انجام دیا ہے۔" اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے — آپ ہمارے کام آنا ہی نہیں چاہتے۔" شوکی نے جھلّا کر کہا۔

"ن — نہیں — یہ بات نہیں — آپ نے تو مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

"لیکن ہمارا ذرا سا بھی کام نہیں کر رہے — جب کہ میں اطمینان دلا چکا ہوں کہ آپ کا نام درمیان میں آئے گا ہی نہیں۔"

"اچھا — مجھے غور کرنے کی مہلت دو۔" اس نے تنگ آ کر کہا۔

"ضرور — کیوں نہیں — آپ ضرور غور کریں۔"

شملی سوچ میں ڈوب گیا — پھر وہ ان کی میز پر اٹھ آیا — اس نے دبی آواز میں کہا:

"میرا ایک ٹھکانا ایسا ہے — جس کے بارے میں جاسا کو معلوم نہیں — میں وہاں اسے شمالی سڑک

ہُوں — فون پر بات ضرور میں کروں گا — نام مجھے اپنا
ہی بتانا ہو گا — ورنہ وُہ اسے چال سمجھے گا ، لیکن جب
وُہ آئے گا تو میں اس کے سامنے ہرگز نہیں آؤں
گا اور آپ لوگ اسے یہ بتائیں گے کہ آپ نے دھوکے
سے اسے بلایا ہے۔"

"ہمیں منظور ہے۔" شوکی نے فوراً کہا۔

"تو پھر چلیے — میں آپ کو اس ٹھکانے پر لے چلتا
ہوں — وُہ جگہ شہر سے باہر ہے۔"

"اور فون ؟"

"فون وہاں موجود ہے۔"

جلد ہی وُہ اس کی کار میں بیٹھے شہر کا رُخ کر
رہے تھے — آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد وُہ تین کمروں کے
ایک خوبصورت مکان میں داخل ہوئے :

"یہ میں نے تنہائی کے لمحات گزارنے کے لیے بنایا
ہے۔" شملی نے کہا۔

"ہُوں — واقعی بہت پُرسکون جگہ ہے۔" منور علی خان
بولے —

"آپ لوگ بیٹھیں — میں فون پر اس سے رابطہ
قائم کرتا ہُوں — اور آپ کو ایک بار پھر خبردار کرتا

ہُوں کہ یہ کام بہت خطرناک ہے — ایک تو جاسا حد
درجے خطرناک ہے — دُوسرے اس کی معلومات بہت
وسیع ہیں — شہر بھر کی خبر رکھتا ہے۔"

"فکر نہ کریں — فون کریں۔"

شملی نے سر ہلایا اور فون پر جھک گیا — تین چار
مرتبہ نمبر گھمانے کے بعد آخر سلسلہ مل گیا اور اس
نے پُرسکون آواز میں کہا :

"ہیلو مسٹر جاسا — شملی بول رہا ہوں — جی — جی
ہاں — آپ ٹھیک سمجھے — ہوٹل سب رنگ کا مالک —
آج ایک شخص نے میرے ہوٹل میں بم رکھ دیا تھا،
اللہ کی مہربانی سے اسے بم رکھتے ہوئے دیکھ لیا گیا،
اسے پکڑ لیا گیا — اگرچہ پکڑنے کے سلسلے میں بہت
ہنگامہ ہوا — بہرحال اب وُہ قانون کی گرفت
ہے — میں اس سلسلے میں آپ سے معاملہ طے کرنا
چاہتا ہوں — دراصل یہ سازش ہوٹل شارڈا کے
مینجر یا مالک کی تھی — اب میں چاہتا ہوں — وُہ آیندہ
ایسی کوئی کوشش نہ کر سکیں — لہٰذا میری نظر آپ
پر پڑی — اسی سلسلے میں فون کر رہا ہوں — لیکن
میں شہر والی کوٹھی سے نہیں بلکہ شہر کی شمالی سڑک

کے آٹھویں کلو میٹر کے پاس واقع ایک چھوٹے سے مکان سے بول رہا ہوں — میں چاہتا ہوں — آپ یہیں مجھ سے ملاقات کریں — یہ ملاقات حد درجے خفیہ ہو گی — اس لیے اس جگہ کا انتخاب کیا گیا ہے، ہاں ہاں — آپ فکر نہ کریں — آپ کی یہاں تک آنے کی علیحدہ فیس ادا کر دی جائے گی — بہت بہت شکریہ —"

یہ کہتے ہوئے شملی نے فون کا ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑا:

"جاسا آ رہا ہے — اب میں یہاں سے نکل جاتا ہوں۔"

"کیا آپ شہر جائیں گے؟"

"ہاں! جب وہ یہاں ہو گا — اس وقت میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ہوں گا — تاکہ ثبوت دے سکوں کہ اسے میں نے نہیں بلایا تھا — اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

"لیکن اگر جاسا نے اس مکان کو آپ کا مکان ثابت کر دیا۔" منور علی خان بولے۔

"فکر نہ کریں — یہ کام وہ نہیں کر سکتا — یہ مکان

میں نے اپنے ایک دوست کے نام سے خریدا ہوا ہے — اور وہ دوست ملک سے باہر رہتا ہے۔" شملی نے کہا —

"لیکن آپ کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بس — دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے یہی طریقہ میری سمجھ میں آیا تھا۔"

"خیر — ٹھیک ہے — لیکن آپ تو اپنی کار لے کر چلے جائیں گے — ہم شہر کس طرح پہنچیں گے — ارے ہاں! ٹھیک ہے — مسٹر جاسا آخر یہاں پیدل تو آئیں گے نہیں۔" شوکی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ آپ کا کام ہے — میں چلا۔" شملی نے گھبرا کر کہا — اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا — ایک منٹ بعد انھوں نے اس کی کار سٹارٹ ہونے کی آواز سنی — جلد ہی آواز ختم ہو گئی —

"لیجیے ابا — مسٹر شملی تو چلے گئے — اب آپ کا کام شروع ہوتا ہے۔"

"میرا کام — کیا مطلب؟"

"اگر آپ ہمیں نہ مل گئے ہوتے تو ہم یہ خطرناک پروگرام بنا ہی نہیں سکتے تھے۔"

"خیر۔ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"جاسا ایک انتہائی خطرناک آدمی بتایا جاتا ہے، آپ اس کو جنگل کا ایک درندہ تصور کریں اور بس۔ آپ کو اسے مکان کے اندر داخل ہوتے ہی قابو میں کرنا ہے۔ اس طرح کہ وہ بھاگ نہ سکے۔ نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکے۔ جب وہ ہمارے قابو میں آ جائے گا تو پھر ہم اس سے یہ معلوم کریں گے۔ وہ کون شخص ہے اس شہر میں۔ جس سے وہ خوف زدہ ہے۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں! ترکیب بہت زور دار ہے۔ اب تم میرا کمال دیکھنا۔" منور علی خان نے خوش ہو کر کہا۔

پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ چاروں حیرت زدہ انداز میں انھیں دیکھتے رہے۔ آخر اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ ان کی طرف مڑے اور بولے:

"اس ترکیب سے میں نے بڑے بڑے درندے بےبس کیے ہیں۔ جاسا بھی اس جال میں پھنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ زبان بھی کھولے گا یا نہیں۔ یہ میں نہیں جانتا۔"

"وہ آپ کا کام نہیں۔ ہمارا ہوگا۔" شوکی نے کہا۔

وہ انتظار کرتے رہے۔ اور آخر انھوں نے کار کی آواز سنی۔ پھر کار مکان کے نزدیک آ کر رک گئی۔

ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ آخر جاسا کی آواز سنائی دی:

"مسٹر شملی۔ میں آ گیا ہوں۔"

راز کی بات

"تشریف لے آئیے مسٹر جاسا۔ میں اندر موجود ہوں۔" شوکی نے اپنی آواز میں بھاری پن پیدا کرتے ہوئے کہا، اس نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ آواز شملی سے ملتی جلتی نکلے۔ جاسا کی آمد سے پہلے وہ دو تین بار آواز نکالنے کی کوشش کر کے دیکھ بھی چکا تھا۔

"شکریہ مسٹر شملی۔ میں آ رہا ہوں۔ آپ کے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں ہے۔"

"جی۔ جی نہیں۔" اس نے کہا۔

اور پھر قدموں کی آواز نزدیک آ گئی۔ جاسا نے بند دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا، دروازہ کھلتا چلا گیا اور جاسا نے گھر کے صحن میں قدم رکھا۔ اچانک۔ اس کے پاؤں کے گرد کوئی چیز لپٹتی چلی گئی۔

"ارے! یہ کیا۔ سس۔ سانپ۔" جاسا کے منہ سے

خوف زدہ آواز میں نکلا۔

"کیا کہا۔ مسٹر جاسا۔ سانپ۔ سانپ یہاں کہاں۔ ارے ہاں! اس جنگل میں سانپ دیکھے تو گئے ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور شوکی باہر نکل آیا:

"تت۔ تت۔ تم۔"

"جی میں۔ خادم کو شوکی کہتے ہیں اور جب میرے بھائی بھی میرے ساتھ ہوں تو ہمیں لوگ شوکی برادرز کہتے ہیں۔ ہم آپ سے مل ہی چکے ہیں۔ اور آپ ہم سے بہت پہلے سے واقف بھی ہیں۔ اس لیے آپ کو حیران نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہاں۔ لیکن۔ مسٹر شملی۔"

"ابھی ابھی میں نے ہی مسٹر شملی کی آواز میں آپ سے بات کی تھی۔"

"اوہ! لیکن یہ کیا ہے؟" اس نے پاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سانپ نہیں۔ ہمارے انکل منور علی خان کا درندوں کو پکڑنے کے لیے ایک جال ہے۔ آپ اسے آنکڑہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ جس کی ٹانگوں کے گرد یہ لپٹ جائے۔

وہ اپنا پورا زور لگا کر بھی اسے ٹانگوں سے الگ نہیں کر سکتا — یہاں تک کہ ایک گینڈا بھی ناکام ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے وقت کے مشہور ترین شکاری ہیں، لیکن وہ جانوروں کو مارتے نہیں پھرتے۔ انھیں زندہ پکڑ کر دُنیا کے بڑے بڑے چڑیا گھروں کو فروخت کرتے ہیں۔ یہ ان کا شوق بھی ہے اور پیشہ بھی۔"

"لیکن تم لوگوں نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟"

"آپ سے ایک ضروری کام ہے۔"

"ضروری کام لینے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔" جاسا نے جھلّا کر کہا۔

"پہلے ہم نے وُہ طریقہ اختیار کیا تھا جو آپ کو پسند ہے — یعنی آپ کے دفتر آئے تھے، لیکن آپ نے ہمارا کام نہیں کیا — لہٰذا ہمیں اپنی پسند کا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔"

"ہُوں — تو معاملہ وُہی ہے — پروفیسر عقلان کی گمشدگی کا —"

"جی ہاں بالکل — ہم چاہتے ہیں کہ پروفیسر عقلان ہمارے ساتھ ہوں۔"

"لیکن مَیں اس میں کیا کر سکتا ہُوں — جو کچھ میرے

بس میں تھا، کر چکا — میرے آدمی ناکام ہو گئے — اب مَیں کیا کروں۔"

"آپ ہمارے انکل کو بھول جائیے — انھیں ہم خود تلاش کر لیں گے۔"

"چلو بھول گیا — اب کیا کروں؟"

"آپ اس شہر کے کسی آدمی سے خوف زدہ رہتے ہیں — یہ بات مَیں نے آپ کے دفتر میں بیٹھ کر محسوس کی ہے — میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"پتا نہیں — اگر یہ بات ہو تو تم کیا کہتے ہو —"

"ہمیں اس آدمی کا نام اور پتا درکار ہے، کیونکہ ہمارے انکل اس کی قید میں ہیں۔"

"تم لوگوں کا خیال غلط ہے۔"

"خیال غلط ہو یا درست — آپ اس کا نام اور پتا بتا دیں —"

"افسوس! مجھے نہیں معلوم۔"

"کیا مطلب؟" شوکی نے چونک کر کہا۔

"میں کِسی آدمی سے خوف زدہ نہیں ہُوں۔" جاسا بولا۔

"تب پھر — ہم اپنے انکل کو آواز دیں گے۔" شوکی نے منہ بنا کر کہا۔

"ضرور آواز دو۔ میں تمہارے انکل کو بھی دیکھ لینا چاہتا ہوں۔"

ابھی تک جاسا کی آنکھوں میں خوف کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ پہلی مرتبہ جب [illegible] اس کی ٹانگوں میں اُلجھا، اس وقت ضرور وہ گھبرایا تھا۔

"انکل۔ تشریف لے آئیں، سیدھی انگلیوں سے گھی نکلتا نظر نہیں آتا۔"

"کوئی بات نہیں۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔" اندر سے منور علی خان کی آواز سُنائی دی۔

"ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔" جاسا نے جل کر کہا۔

"بھئی واہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے محاورات اور ضرب المثل کا دنگل ہونے والا ہو۔ خیر۔ میں بھی اس میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہوں۔ جی چاہتا ہے۔ اس زور کا رن پڑے کہ کان پڑی آواز سُنائی نہ دے۔" آفتاب نے چہک کر کہا۔

"نہیں بھئی۔ پہلے ہم کام کر لیں۔ نہ جانے انکل عقلان کس حالت میں ہوں۔" شوکی نے جلدی سے کہا۔

منور علی خان بھی اب صحن میں آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لوہے کا ایک عجیب و غریب سا آلہ نظر آ

رہا تھا۔

"یہ کیا ہے انکل؟"

"اس آلے کی مدد سے میں طاقت ور درندے کو بے بس کر دیتا ہوں اور وہ اپنا سر زمین سے لگا دیتا ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں۔ اگر مسٹر جاسا پر یہ استعمال کیا جائے تو سر زمین پر ٹکانے کی بجائے یہ زبان ہلانا شروع کر دیں گے، کیونکہ یہ ہمارا مقصد سمجھتے ہیں۔ جب کہ درندے ہماری زبان نہیں سمجھتے۔"

"بات تو آپ نے بہت پیاری کہی۔"

"میرا نام جاسا ہے۔ شہر کے اچھے اچھے لوگ میرے نام سے کانپتے ہیں۔" جاسا غرّایا۔

"کانپتے ہوں گے۔ ہم تو آپ کو اچھی طرح جانتے بھی نہیں۔ تو کانپ کر کیا کریں گے۔ کیوں بھائی جان، آپ کا کانپنے کا تو کوئی ارادہ نہیں۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں۔ سرد موسم میں کانپوں گا۔" شوکی بولا۔

"تم یہ بات لکھ لو۔ تمہاری موت نزدیک ہے۔" جاسا نے سرد آواز میں کہا۔

"اس وقت ہمارے پاس لکھنے کا بھی وقت نہیں۔
لیکن آپ فکر نہ کریں۔ ہم واپس پہنچ کر ضرور اس بات
کو لکھیں گے۔ انکل۔ اب اس آلے کو آزمانے کے
بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس سے پہلے مسٹر جاسا کو زمین پر گرانا ہوگا،
ان کے ہاتھ ابھی آزاد ہیں۔ انھیں بھی جکڑنا ہوگا۔
ورنہ یہ نقصان اُٹھائیں گے۔" منور علی خان بولے۔

"اُٹھانے دیجیے نقصان۔ آپ کو ان کے نفعے سے
کیا غرض۔"

"نہیں بھئی۔ تم غلط سمجھے۔ نقصان اُٹھانے سے میرا
مطلب چوٹ کھانا تھا۔"

"شکریہ۔ انھیں چوٹ بھی کھانے دیں۔"

"جیسے۔ تمھاری مرضی شوکی۔ لیکن یہ آلہ بہت سخت
ہے۔ یا تو یہ بول اٹھے گا۔ یا ہمیشہ کے لیے خاموش
ہو جائے گا۔"

"اوہ۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ مر جائے
گا۔"

"ہاں! امکان اسی کا ہے۔"

"اس حد تک تو ہم جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے،

کیوں کہ ہماری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم
تو بس یہ چاہتے ہیں کہ یہ اس پُراسرار آدمی کا نام اور
پتا بتا دے۔ بس اس کے بعد ہم اس سے خود مل
لیں گے۔"

"کیوں مسٹر جاسا۔ کیا پروگرام ہے؟"

"میں اس کا نام اور پتا نہیں جانتا۔" جاسا کے منہ
سے اچانک نکل گیا۔

"اس کا مطلب ہے۔ ایسے کسی پُراسرار آدمی کا وجود
ضرور ہے۔" شوکی مسکرایا۔

"ہاں! ایک پُراسرار آدمی کبھی کبھار میرے کاموں
میں رکاوٹ ڈال دیتا ہے۔ اور فون پر کہہ بھی دیتا
ہے کہ خبردار۔ اس معاملے سے الگ رہو۔ ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ کے بعد انسان کو کوئی دھمکی سننے میں آتی
ہے۔ اور کیا۔" اس نے منہ بنایا۔

"گویا وہ آپ کو دھمکی دیتا ہے۔"

"ہاں!"

"اور آپ۔ جو سارے شہر میں مشہور ہیں۔ بہت خطرناک
سمجھے جاتے ہیں۔ اس سے ڈرتے ہیں۔ اچھے بہادر ہیں

آپ ۔"

"بات بزدلی اور بہادری کی نہیں ۔ راز کی ہے۔"

"کیا مطلب ؟" وہ چونکے۔

"راز کی بات ہے ۔ ہم سمجھے نہیں۔"

"اس کے قبضے میں میرا ایک راز ہے ۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر میں اس کی کوئی بات نہ مانوں گا ۔ تو وہ اس راز کو ظاہر کر دے گا۔"

"اور اس راز کے ظاہر ہونے سے آپ کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"کاروباری ساکھ تباہ ہو سکتی ہے۔"

"ہوں ! گویا اس کے پاس آپ کے خلاف کوئی ثبوت موجود ہے۔"

"بالکل !"

"تب تو اس کی تلاش آپ کے لیے بھی مفید رہے گی۔"

"ہاں ! رہے گی ۔ لیکن میں پوری کوشش کے باوجود بھی اس کو تلاش نہیں کر سکا ۔ جب بھی میری کوشش میں تیزی آتی ہے ۔ وہ فون کر دیتا ہے ۔ کہ خبردار اس کوشش کو یہیں روک دو ۔ ورنہ راز ظاہر کر دیا جائے گا ۔ اور مجھے مجبوراً رک جانا پڑتا ہے۔"

"بات بالکل صاف ہے ۔ آپ اس کے مقابلے میں بری طرح ناکام ہیں۔"

"ہاں ! میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔"

"ارے تو ہماری خدمات حاصل کیجیے نا۔" شوکی نے چہک کر کہا۔

"کک ۔ کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ آپ یہ کیس ہم سے حل کرائیں نا۔"

"تم بھلا کیا کر سکو گے ۔ میں تو اس کے بارے میں کچھ معلوم کر نہیں سکا۔"

"اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے ۔ آپ اس راز کی کیا قیمت ادا کر سکتے ہیں۔"

"آپ وہ راز معلوم نہیں کر سکیں گے ۔ میں جانتا ہوں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اس بات کو جانے دیں ۔ سودے کی بات کریں۔"

"پچاس ہزار۔"

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"اچھا ۔ ایک لاکھ۔"

"کچھ اور آگے بڑھیے مسٹر جاسا ۔ یہ آپ کی زندگی

"ہاں! ہے تو سہی — خیر — میں آپ کو منہ مانگا انعام دوں گا، کیوں کہ میں جانتا ہوں — آپ لوگ اوّل تو اسے تلاش ہی نہیں کر سکیں گے اور اگر کر بھی لیا تو اس سے وہ راز نہیں حاصل کر سکیں گے۔"

"خیر — یہ ہمارا مسئلہ ہے — آپ کا نہیں — ایک بات اور سُن لیں — ہو سکتا ہے — وہ راز ایسا ہو — کہ ہم آپ کی بجائے قانون کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں — اس صورت میں ہم کوئی سودا نہیں کریں گے۔"

"اگر ایسی کوئی صورت ہوئی تو بھی آپ پہلے مجھے بتا تو دیجیے گا۔"

"ہاں ضرور — کیوں نہیں۔"

"تو پھر اب میری ٹانگوں کو تو آزاد کر دیں۔" جاسا نے کہا —

"پہلے ہم آپ کی تلاشی لیں گے۔"

یہ کہہ کر شوکی آگے بڑھا اور اس کی اچھی طرح تلاشی لی — اس کی جیبوں سے ایک پستول — اور دو خنجر نکلے — نقدی اور استعمال کی دوسری چیزوں کو اس نے ہاتھ نہیں لگایا —

"ٹھیک ہے انکل — آنکڑہ کھول دیں۔"

"میں تو سمجھا تھا — یہ ایک لمبا چوڑا کام ثابت ہو گا اور ان سے کچھ اگلوانے کے لیے کئی آلات کام میں لانا ہوں گے۔" منور علی خان نے منہ بنایا۔

"خیال تو یہی تھا — لیکن اس میں ہمارا کیا قصور، مسٹر جاسا نے عقل مندی کی — فوراً ہی اصل بات بتا دی — اور سچ تو یہ ہے کہ ہمیں ان کی بات پر یقین بھی آ گیا ہے — یہ واقعی کسی کی وجہ سے بہت پریشان رہتے ہیں — یہ بات ہم ان کے دفتر میں بالکل صاف طور پر محسوس کر چکے ہیں۔"

"خیر — تم جانو — میں تو ایسے معاملات کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا — ہاں جانوروں کی چالوں کو ضرور سمجھتا ہوں۔" منور علی خان بولے۔

"آپ فکر نہ کریں انکل — مسٹر جاسا ہمیں دھوکا دینے کی کوشش نہیں کریں گے، کیوں کہ انھیں خود بھی اس آدمی کی زیادہ فکر ہے۔" شوکی نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

منور علی خان آگے بڑھے اور آنکڑہ اُتار لیا — شوکی اس دوران پستول جاسا کی طرف تانے چُکا تھا —

"مسٹر جاسا — ہم آپ کو ایک تکلیف اور دیں گے۔"

"کیسی تکلیف؟"

"آپ کی کار میں شہر تک جائیں گے۔"

"مم — مجھے کوئی اعتراض نہیں" اس نے کہا۔

"پستول ہمارے پاس رہے گا اور خنجر بھی۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر چلیے۔"

انھوں نے گھر سے باہر کی طرف قدم اُٹھا دیے۔

اچانک، ان پر کوئی چیز گری۔ پل بھر کے لیے وہ گھبرا گئے۔ دُوسرے ہی لمحے انھوں نے جان لیا کہ ان پر گرنے والی چیز ایک جال تھا۔ وہ اس جال میں اُلجھ کر رہ گئے۔

"رسی کھینچتے رہو۔" ایک آواز سُنائی دی۔

اور جاسا کا رنگ اڑ گیا۔ شوکی نے فوراً اس بات کو محسوس کر لیا:

"تت — تو — تو کیا مسٹر جاسا — یہ آواز اسی کی ہے؟" اس نے سرگوشی کی۔

"ہاں!" اس کے منہ سے کھوئے کھوئے انداز میں نکلا۔

"خیر کوئی بات نہیں — یہ اچھا ہی ہوا۔ ہمیں اس کو

تلاش نہیں کرنا پڑا۔" شوکی نے مسکرا کر کہا۔

لیکن جاسا کا رنگ ابھی تک اڑا ہوا تھا۔ جلد ہی وہ جال کے اندر بُری طرح گڈمڈ ہو گئے۔ جال کو اس طرح کسا گیا تھا کہ وہ ایک دُوسرے سے چپک کر رہ گئے۔

"بہت خوب! اب اس جال کو مکان کے اندر گھسیٹ لے چلو۔" اسی آواز نے حکم دیا۔

جال کو بے دردی سے اندر کی طرف گھسیٹا جانے لگا۔ ان کے جسموں پر بُری طرح رگڑیں لگتی رہیں، لیکن انھوں نے اُف نہ کی۔ گھر کے صحن میں لا کر گھسیٹنے کا کام روک دیا گیا۔

"ان پر گیس چھڑکو۔" آواز سُنائی دی۔

اچانک سفید رنگ کا دھواں سا صحن میں پھیل گیا اور ان کے ذہن تاریکی میں ڈوبتے چلے گئے۔ ہوش آیا تو جال سے انھیں نکالا جا چکا تھا۔ البتہ وہ رسیوں سے بندھے پڑے تھے۔ لیکن جاسا کے ہاتھ پیر آزاد تھے۔

"مسٹر جاسا — میرا شکریہ ادا کرو۔ تم ان کے ساتھ بندھے ہوئے نہیں ہو۔" آواز سُنائی دی۔

"شش — شکریہ جناب۔"

"اب تم اپنی کار میں بیٹھو۔ اور سیدھے اپنے دفتر
یا گھر چلے جاؤ۔ ان کے بارے میں اگر کسی سے ذکر
بھی کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ اگر میں نے
ذکر سُنا کہ ان لوگوں کو اس مکان میں دیکھا گیا تھا
تو میں یہی خیال کروں گا کہ یہ بات تمھارے ذریعے
سے پھیلی ہے۔"

"لل۔ لیکن سر۔ ان کی یہاں موجودگی سے تو مسٹر
بھی واقف ہیں۔ انھوں نے ان کے ذریعے بھی کام
کہ مجھے یہاں بلایا تھا۔"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے۔ انھوں
خود ہی شملی کی آواز میں تمھیں فون کیا ہو۔"

"نہیں جناب۔ وہ آواز شملی کی تھی۔ میں نے ا
سے بات چیت کرنے کے بعد آواز میں فرق جان
ہے۔"

"تب۔ شملی ان کے ساتھ شریک ہے۔ اور ا
سے بھی سمجھ لیا جائے گا۔"

"شکریہ جناب۔ میرے لیے اب کیا حکم ہے؟"

"تم اپنا کام کرو۔ ان سے میں خود نیٹ لوں گا
بس کسی کو ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو۔"

"میرے ذریعے سے تو معلوم ہوگا نہیں"۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔"

"یہ۔ یہ لوگ اپنے کسی انکل عقلان کی تلاش میں
ہیں۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں۔ میں ان کی مُلاقات پروفیسر
عقلان سے ضرور کراؤں گا۔ اور یہ مُلاقات بہت دلچسپ
ہو گی۔"

"آپ جانیں۔ میں نے آپ کو خبردار کر دیا ہے۔
لہٰذا میں تو چلا۔"

جاسا تو یہ کہتے ہی مکان سے نکل گیا۔ کار میں
بیٹھنے کے بعد بھی اس نے مُڑ کر نہیں دیکھا۔ اور کار
بھی پوری رفتار سے چھوڑ دی۔

کار کی آواز ختم ہونے کے بعد آواز پھر ان کے
کانوں سے ٹکرائی۔ ابھی تک بولنے والا سامنے نہیں آیا
تھا۔ صرف اس کی آواز سُنائی دیتی رہی تھی۔ آواز مکان
کے اندرونی حصّے سے آ رہی تھی۔ البتّہ کمرے میں
اس کے آدمی ضرور موجود تھے۔ اور ان سب کے
ہاتھوں میں پستول موجود تھے، لیکن یہ پستول عجیب قسم
کے تھے۔ کم از کم انھوں نے تو اپنی زندگی میں اس

قسم کے پستول دیکھے نہیں تھے ۔۔۔

"تم لوگ یہاں کیوں رُکے ہو دوستو۔" اس بار آواز دوستانہ تھی ۔۔۔

"ہم آئے نہیں ۔ لائے گئے ہیں ۔ لیکن لانے والا ہمیں یہاں لا کر ہم سے لاتعلق ہو گیا۔"

"کیا مطلب ۔ تفصیل سے بتاؤ ۔ اور خبردار جھوٹ نہ بولنا ۔ ورنہ ۔"

"ورنہ کے بعد تو شاید آپ جاسا سے بھی کچھ نہیں کہتے۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"بھئی واہ ۔ یہ بات تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے۔"

"ہماری تو کوئی بات بھی غلط نہیں ہوتی۔" اشفاق بولا ۔۔۔

"خیر ۔ تم تفصیل بتا رہے تھے۔"

"ہاں ضرور ۔ کیوں نہیں ۔ کیوں کہ تفصیل سنانے میں اب کوئی حرج نہیں ہے۔" یہ کہہ کر شوکی نے مسٹر مادوت کا ملاقات کے لیے آنا سے لے کر یہاں تک کے تمام حالات سنا دیے ۔ اس کے خاموش ہونے پر آواز گونجی :

"یہاں تم لوگوں سے کس نے ملاقات کی تھی؟"

"شامل خان نامی آدمی نے۔"

"کیا کہا ۔ شامل خان۔" آواز میں اس بار بلا کی حیرت شامل ہو گئی ۔۔

"جی ہاں ! شامل خان ۔ لیکن یہ اس قدر حیرت کی بات کیوں ہے آپ کے لیے۔" شوکی نے بھی حیران ہو کر کہا ۔

"تم نے ایک بہت کام کی بات بتائی مسٹر شوکی، بہت کام کی۔"

"اب ہمیں کیا معلوم تھا جناب ۔ کہ یہ بات آپ کے لیے اس حد تک کام کی بات ثابت ہو گی۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"ہاں واقعی ۔ خیر ۔ اب پروفیسر عقلان سے ملاقات کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ان حالات میں اس سے اچھا خیال تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"چلو بھئی ۔ انہیں گیس سنگھاؤ۔"

"یہ کیا ۔ آپ ہر بار ہمیں گیس سنگھائیں گے" شوکی گھبرا گیا ۔

"ہاں ! مجبوری ہے۔" آواز کانوں سے ٹکرائی۔

ایک بار پھر وُہی سفید دُھواں لہرایا ۔ ہوش آیا
تو وُہ ایک شان دار قسم کے کمرے میں موجود تھے ۔
اور اس کے ایک کونے میں پروفیسر عقلان پڑے سو
رہے تھے ۔

وُہ ہڑبڑا کر اُٹھے اور پروفیسر کو جھنجوڑ ڈالا ۔
انھوں نے بھی آنکھیں کھول دیں ۔

"کک ۔ کون ۔ شوکی ۔ آخر تم میری مدد کو پہنچ ہی
گئے ۔ مجھے امید بھی یہی تھی ۔"

"ہمیں افسوس ہے انکل ۔ ہم خود بھی پھنس گئے
ہیں آپ کے ساتھ ۔ ویسے ہم برابر آپ تک پہنچنے
کی کوشش کرتے رہے ہیں ۔"

"کیا کہا ۔ تم بھی پھنس گئے ہو ۔ خیر ۔ یہ پہلے سے
تو بہتر ہے ۔ پہلے تو میں بالکل تنہا تھا ۔ اور بہت
گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا ۔ پتا نہیں ۔ یہ لوگ کیا چاہتے
ہیں ۔ اور انھوں نے مجھے کیوں قید کیا ہے ۔"

"آپ ان کے ہاتھ کس طرح لگے ؟"

"بس ۔ ٹیکسی ڈرائیور مجھے ہوٹل سب رنگ کی
طرف لے جانے کی بجائے ۔ اس عمارت کی طرف
لے آیا ۔ اور عمارت کے سامنے اس نے پستول تان

لیا ۔ میں دھک سے رہ گیا ۔ ٹیکسی وُہ عمارت کے
اندر تک لے آیا تھا ۔ باہر کا دروازہ بند کر دیا گیا ۔
اس کے بعد مجھے ٹیکسی سے اُتارا گیا ۔ اب میں کیا
جانوں ۔ یہ عمارت شہر میں کس طرف ہے ۔ ٹیکسی
کے سفر کے دوران میں نے یہ ضرور محسوس کیا تھا
کہ ٹیکسی شہر سے باہر نکل آئی ہے ۔ میں یہ دیکھ کر
چونکا بھی تھا ۔ لیکن کرتا کیا ۔ مجھے راستوں کا تو علم
تھا ہی نہیں ۔"

"کوئی بات نہیں پروفیسر صاحب ۔ اب ہم مل
کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے ۔ لل ۔ لیکن
سوال تو یہ ہے کہ اس ٹیکسی ڈرائیور کو ایسا کرنے
کی کیا ضرورت تھی ؟"

"پتا نہیں ۔ میں تو خود حیران ہوں ۔"

اب وُہ اُٹھے ۔ پہلے تو دروازے کی طرف
آئے ۔ دروازہ باہر سے بند تھا ، پھر انھوں نے کمرے
کی کھڑکیوں کا جائزہ لیا ۔ کھڑکیاں بھی جام کر دی
گئی تھیں ۔ گویا وُہ باہر جھانک بھی نہیں سکتے تھے ۔

"چلو بھئی ۔ پروگرام شروع کرو ۔" شوکی بولا ۔

"پروگرام ۔ کیا مطلب ؟"

"ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا پروگرام۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے دروازے پر ہاتھ مارنا شروع کر دیے۔ دھڑا دھڑ ہونے لگی۔ آخر قدموں کی چاپ سُنائی دی:

"دیکھا انکل — پروگرام کامیاب رہا نا۔"

"نظر تو یہی آ رہا ہے۔" وہ مُسکرائے۔

آخر دروازہ کھُلا — انھیں تین آدمی کھڑے نظر آئے — جو سر سے پیر تک سیاہ لباس میں تھے صرف آنکھوں کی جگہ سوراخ نظر آ رہے تھے — ان کے ہاتھوں میں اسی قسم کے پستول تھے۔ جو وہ پہلے دیکھ چکے تھے —

"کیا بات ہے — کیوں شور مچا رہے ہو؟"

"آپ کو اطلاع دینے کے لیے کہ ہم جاگ چکے ہیں اور ہمیں بھوک بھی بہت لگی ہے۔"

"باس تم سے دو باتیں کرنا چاہتے ہیں — اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا کہ تمھیں کھانا وانا دیا جائے یا نہیں۔"

"تب تو یہ دو باتیں فوری طور پر ہو جانی چاہییں۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"باس دس منٹ تک یہاں پہنچیں گے۔ اب اگر تم نے شور مچایا تو پھر ہم بھی اچھا سلوک نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہم نے آپ لوگوں سے کوئی بدسلوکی نہیں کی ہے۔"

"ہاں! یہ تو خیر ہے۔" پروفیسر صاحب فوراً بولے۔

"آیندہ بھی یہی ارادہ ہے، لیکن آپ شور نہ مچائیں۔"

"چلیے ٹھیک ہے — نہیں مچائیں گے شور۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ کے باس تو آ جائیں — اور ہم آپ کو یاد نہ آئیں۔"

"نہیں — باس تو خود آتے ہی آپ کے بارے میں بات کریں گے۔"

"بہت خوب — تب تو ہم ان کے لیے بہت اہم ہیں۔"

"پتا نہیں — اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

آخر وہ دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

"عجیب بات ہے — یہ شور سے اتنا کیوں گھبراتے ہیں۔"

"اس عمارت کے آس پاس اور عمارتیں بھی ہوں گی، ڈرتے ہوں گے — کہیں ہماری آوازیں ان تک نہ پہنچ جائیں۔" آفتاب بولا۔

"نہیں بھئی — یہ بات نہیں ہے — اس عمارت کے پاس

تو کیا۔ دُور دُور تک مجھے کوئی عمارت نظر نہیں آئی تھی۔"

"تب پھر۔ یہ لوگ شور سے ویسے ہی گھبراتے ہوں گے۔"

"نہیں۔ کوئی اور بات ہے۔" شوکی نے پُر اسرار انداز میں کہا۔

انھوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اور اسی وقت ایک بار پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔

باس کا ڈرائیور

وُہی تینوں۔ یا دُوسرے تینوں سیاہ پوش دروازے پر کھڑے نظر آئے:

"باس تشریف لے آئے ہیں اور آپ لوگوں سے بات چیت کرنے کے خواہش مند ہیں۔"

"شکریہ جناب۔ اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔"

وُہ ان کے آگے چلتے ہوئے ایک اور کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ کمرہ بہت بڑا تھا۔ اس میں سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک اونچی کرسی مَوجود تھی، اس کرسی پر ایک سیاہ پوش تنا بیٹھا تھا۔ دائیں بائیں طرف کی دیواروں کے ساتھ سیاہ پوش غلاموں کی طرح کھڑے تھے۔

"مسٹر شوکی۔" یہ وہی آواز تھی۔ جو وُہ پہلے مکان میں

سُنتے رہے تھے۔

"ہاں جناب۔ مَیں ہوں شوکی۔" شوکی نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"پہلے میرا پروگرام یہ تھا کہ تم لوگوں کو مَوت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ لیکن اب میں نے پروگرام تبدیل کر دیا ہے۔"

"لیکن کیوں جناب۔ آپ کو پروگرام تبدیل کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"بس۔ تم لوگوں کو مار کر مجھے کوئی بھی فائدہ نہیں۔"

"تب پھر پکڑا کیوں تھا؟"

"بس۔ غلطی کر بیٹھا۔ اب محسوس کیا۔ بلا وجہ تم لوگوں کو پریشان کیا ہے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمھیں آزاد کر دیا جائے۔ لیکن یہاں سے تم لوگوں کو آنکھیں بند کر کے بھیجا جائے گا۔ تاکہ تم میرے لیے کِسی پریشانی کا سبب نہ بن سکو۔"

"شکریہ جناب۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کو جاسا کا کون سا راز معلوم ہے۔ اور آپ اس سے بلّی چوہے کا کھیل کیوں کھیل رہے ہیں؟"

"بلّی چوہے کا کھیل کھیلنا میرا شوق ہے۔ مشغلہ ہے۔

تم ان باتوں کی طرف دھیان نہ دو۔"

"بہت بہتر جناب۔ تو کیا اب ہم یہاں سے جا سکتے ہیں؟"

"کار میں شہر تک پہنچایا جائے گا۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔"

"جاؤ بھئی۔ انھیں باعزت شہر تک پہنچا آؤ۔ یہ تمھاری گاڑی کا نمبر نہ نوٹ کرنے پائیں، سمجھ گئے۔"

"او کے باس۔"

عمارت کے اندر ہی انھیں ایک ٹیکسی میں بٹھایا گیا، پھر ٹیکسی کے شیشے چڑھا دیے گئے۔ اس وقت انھوں نے دیکھا۔ اس کے شیشے اندھے تھے اور وہ باہر کی طرف کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ تاہم۔ جوں ہی ٹیکسی روانہ ہوئی، آفتاب نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے انکل۔ پہلے خود ہی اغوا کیا۔ اب ہمیں چھوڑا جا رہا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"یہ باس میری سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید تمھاری سمجھ میں آجائے۔" پروفیسر عقلان نے منہ بنایا۔

"باس کا خیال جانے دیجیے۔ اس نے ہمارا پیچھا

چھوڑ دیا۔ ہم اس کا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس کا مطلب
ہے۔ ہم اب نئے سرے سے ہوٹل سبز رنگ جا رہے
ہیں۔"

"ہاں بالکل۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"انکل۔ ہم وہاں ایک عدد کارنامہ انجام دے
چکے ہیں۔ اور وہاں کا مینجر، مالک اور عملہ ہمارے لیے
بہت اچھے جذبات رکھتے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، لیکن وُہ کارنامہ کیا تھا؟"
شوکی انھیں بم والا واقعہ سنانے لگا۔ اس کے خاموش
ہونے پر پروفیسر صاحب مسکرا دیے۔ ایسے میں اشفاق
بول اُٹھا:

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے انکل؟"

"میں تو بھئی۔ اس چٹان کے چکر میں آیا ہوں۔
اسے بغور دیکھ کر کوئی رائے قائم کرنے کی کوشش کروں
گا اور پھر اگر تم لوگوں نے اجازت دی تو واپس چلا جاؤں
گا۔"

"یہ واپسی والی بات تو بے مزا سی ہے انکل۔"

"خیر۔ دیکھا جائے گا۔" انھوں نے کہا۔

ان کم بختوں نے تو کھانے کو بھی کچھ نہیں دیا۔

بھوک کس قدر لگی ہے۔"

"ہوٹل پہنچ کر سب سے پہلے کھانا کھائیں گے۔" انھوں
نے جواب دیا۔

اور پھر انھیں ایک سنسان سڑک پر اس ٹیکسی سے
اُتار دیا گیا۔

"یہاں سے آپ پیدل جائیں گے۔ کچھ دُور جا کر
آپ کو ٹیکسیاں نظر آنے لگیں۔" ڈرائیور نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ آپ کا نام کیا ہے جناب؟" شوکی
نے جلدی سے پوچھا۔

"ڈرائیور۔ باس کا ڈرائیور۔" وُہ ہنسا اور ٹیکسی موڑنے
لگا۔ جلد ہی وُہ ٹیکسی اڑائے لیے جا رہا تھا اور وُہ
اسے نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھ رہے تھے۔ آخر
وُہ مڑے اور تیز تیز قدم اُٹھانے لگے۔

"راستا کچھ ذہن نشین کر سکے ہو یا نہیں؟"

"جی نہیں۔ ٹیکسی نے ان گنت موڑ مڑے تھے۔
اور پھر اندھے شیشے تھے۔ کیا ذہن نشین ہو سکتا تھا؛ تاہم
اس ٹیکسی ڈرائیور اور باس کی آواز جہاں بھی سنائی دے
گی۔ ہم پہچان لیں گے۔"

"چلو خیر۔ یہ بھی بہت ہے۔ آخر ان لوگوں کا تعلق

ہوگا تو شہر سے ہی۔" پروفیسر بولے۔

"لیکن بھائی جان۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ آواز بدل کر بول رہے ہوں۔"

"باس نے تو یقیناً آواز بدل رکھی تھی، لیکن اس کے سیاہ پوش کارکنوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

پندرہ منٹ تک سفر کرنے کے بعد انھیں ایک ٹیکسی مل گئی:

"کیوں جناب۔ یہ اس طرف کون سا علاقہ ہے؟" شوکی نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جس طرف سے آپ آئے ہیں۔ اس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔" ڈرائیور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! ہم اس طرف خود نہیں گئے۔ ہمیں اغوا کر کے لے جایا گیا تھا۔"

"ارے!" اس کے منہ سے نکلا۔

"آپ نے بتایا نہیں۔" آفتاب بے تاب ہو کر بولا۔

"کیا بتاؤں۔ میں شاید کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔ اور میں ہی کیا۔ شاید کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"کسی زمانے میں۔ ان اطراف میں ایک ہندو راجا نے بھول بھلیاں بنوائی تھی۔ اس نے سارے شہر کو دعوت دی تھی کہ اس میں سے جس طرف سے داخل ہوں۔ اسی طرف سے نکل کر دکھائیں۔ لیکن سب لوگ اندر ہی چکر کھا کھا کر رہ گئے۔ پاگل ہو گئے۔ باہر نہ نکل سکے۔ اب اس بھول بھلیاں کے کھنڈرات اس طرف موجود ہیں۔ لیکن سننے میں آیا ہے کہ کچھ پُر اسرار لوگوں نے وہاں ڈیرہ جما لیا ہے۔ پولیس کئی بار ان بھول بھلیوں پر چھاپہ مار چکی ہے۔ لیکن کسی کو بھی گرفتار نہ کر سکی۔ نہ دیکھ ہی سکی۔ لیکن آپ اس طرف کہاں سے آ رہے ہیں۔"

"شاید ہم بھی اسی بھول بھلیوں سے آ رہے ہیں۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"اوہو اچھا۔ تو آپ کو اغوا کر کے ان میں لے جایا گیا تھا۔"

"معلوم یہی ہوتا ہے۔"

"پھر انھوں نے آپ کو چھوڑ کیسے دیا۔ آپ نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا یا کیا بات پیش آئی؟"

"کچھ بھی نہیں ہوا۔ بس انھیں ہم پر رحم آ گیا۔"

"حیرت ہے۔ رحم اور ان لوگوں کو آ گیا۔ ان

اطراف میں تو سُنا ہے، صرف اور صرف سفاکی کا راج
ہے۔ ظلم چلتا ہے ادھر تو۔ دلیر ترین آدمی بھی اس
طرف کا رُخ کرنے سے گھبراتا ہے۔"

"پتا نہیں پھر۔ انھوں نے ہمیں کیوں چھوڑ دیا۔"

"آپ کے رشتے دار ان کا مطالبہ پورا کرنے کے
قابل نہیں ہوں گے۔"

"اوہ۔ تو اس قسم کا کام کرتے ہیں یہ لوگ۔
پہلے اغوا، پھر مطالبات۔" شوکی نے چونک کر کہا۔

"ہاں! لیکن کچھ دنوں سے اس قسم کی وارداتیں بند
ہو گئی ہیں۔" ڈرائیور بولا۔

سوچ میں گم وہ ہوٹل سب رنگ کے دروازے
پر اُترے۔ جُوں ہی دروازے پر کھڑے نگران نے
انھیں دیکھا، لپک کر ان کی طرف آیا:

"آئیے جناب۔ تشریف لائیے۔ یہاں تو ہر طرف آپ
کے ہی چرچے ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"اور بڑے بڑے پولیس آفیسر بھی آپ سے ملاقات
کے لیے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ مسٹر راون شام
انھیں بتا چکے ہیں کہ آپ کی واپسی کے بارے میں

وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس کے باوجود وہ ڈٹے ہوئے
ہیں۔"

"ہوں! خیر۔ اب اس مرحلے سے بھی گزرنا ہوگا۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ راون شام ان کی طرف
لپکا۔ پولیس آفیسر اس کے پیچھے تھے۔

"اپنے کمرے میں چلیں گے یا ہال میں بیٹھنا پسند
فرمائیں گے۔" راون شام بولا۔

"ہال میں۔ ہم بہت بھوکے ہیں۔"

"تشریف لائیے۔"

بھلکوں کی

وہ انھیں ایک بڑی میز کی طرف لے
والے بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ایسے ہڑتک بھوکا
محرر بھی کھڑا نظر آیا۔ وہ بولا
پر کھڑا تھا۔ بس کچھ نہ پوچھیں۔ کتنے بھوکے ہیں ہم۔"

"آپ کا
ہم بھی آئیں شام مسکرایا۔ پندرہ منٹ کے اندر انھوں
پھٹ جاتا صاف کر دی۔
طرف سے مہربانی فرما کر بل منگوائیں۔ ہمیں اوپر جانے
کی بھی جلدی ہے۔"

"کچھ دیر پہلے ایک کام پڑا تھا۔ پولیس اسٹیشن گئے تھے ہم۔"

"اوہو اچھا۔ کیسا کام؟"

"اپنے انکل کی گم شدگی کی رپورٹ درج کرانا تھی۔"

"تت۔ تو" یہ کہتے وقت پولیس انسپکٹر کی نظریں محرر کی طرف اٹھ گئیں۔

اس کا رنگ اڑ گیا۔

"ہوں! میں سمجھ گیا۔ اس احمق نے رپورٹ درج نہیں کی ہو گی۔"

"ہاں اپنے لیے تو نہیں۔ دوسروں کے لیے یہ شکایت ہو گئی ہیں۔ اس طرح عوام کو بہت تکلیف ہوتی ہے، سوچ مند لوگ۔ فوراً جاسا کی طرف رخ کرتے پر اترے۔ جوں ہی دروازے انھیں دیکھا، لپک کر ان کی طرف آئے ہیں وعدہ کرتے ہیں"

"آئیے جناب۔ تشریف لائیے۔ یہاں کے ہی چرچے ہیں۔"

"ارے باپ رے" شوکی نے گھبرا کر کہا۔ کی بڑبڑایا۔

"اور بڑے بڑے پولیس آفیسر بھی آپ سے ملنے کے لیے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ مسٹر راون مسکرایا۔ انھیں بتا چکے ہیں کہ آپ کی واپسی کے بارے

"تو پھر بتائیے نا۔"

"شہر کے کمشنر تک بھی اس واقعے کی تفصیل پہنچ گئی ہے۔ انھوں نے تمام پولیس آفیسرز کو جھاڑ پلائی اور آپ لوگوں کی تعریف کی۔ پھر انھیں حکم دیا کہ سب آپ لوگوں سے ملاقات کریں۔ تو یہ دراصل کمشنر صاحب کا حکم بجا لانے کے لیے آئے تھے۔"

"اوہ! اب سمجھے ہم۔ تب تو اندر سے یہ جل اور بھن رہے ہوں گے۔"

"ہاں شاید۔ ایسی ہی بات ہو گی۔"

اسی وقت کھانا آ گیا۔ اور وہ اس پر مربھکوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

"خیریت تو ہے۔ کیا آپ کو بہت دیر تک بھوکا رکھا گیا ہے؟"

"جی ہاں! بس کچھ نہ پوچھیں۔ کتنے بھوکے ہیں ہم۔" آفتاب نے کہا۔

راون شام مسکرا دیا۔ پندرہ منٹ کے اندر انھوں نے میز صاف کر دی۔

"مہربانی فرما کر بل منگوائیں۔ ہمیں اوپر جانے کی بھی جلدی ہے۔"

"بل۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" مینجر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیوں جناب کیا ہوا؟"

"ہم آپ سے بل کس طرح لے سکتے ہیں۔"

"نہیں جناب — یہ نہیں ہوگا — بل تو آپ کو لینا پڑے گا — ہماری عزت کا وقت لد گیا۔ اب ہمارے انکل ہمارے ساتھ ہیں۔"

"خیر — آپ کی مرضی۔"

مینجر نے بیرے کو اشارہ کیا، دو منٹ بعد وہ بل لے آیا — منور علی خان نے جیب سے پرس نکالنے کی کوشش کی — اور پھر ان کا ہاتھ جیب میں ہی رہ گیا —

"کیا ہوا انکل؟"

"ہم — میرا پرس — غائب ہے۔"

"اوہ — کمال ہے — کہیں ان لوگوں نے تو نہیں نکال لیا۔"

"نہیں — ٹیکسی کا بل بھی تو میں نے اسی میں سے ادا کیا تھا ابھی۔"

"حیرت ہے۔"

"تب تو پرس کسی نے آپ کی جیب سے اڑا یا ہے۔"

"ہم — مجھے یاد پڑتا ہے — جب ہم اندر آ رہے تھے، اس وقت ایک صاحب آپ کے بالکل قریب سے گزرے تھے — یہاں تک کہ جسم سے جسم چھو گئے تھے، لیکن اس وقت میں نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی — اب یہ بات یاد آ رہی ہے — وہ صاحب بھی ہوٹل میں ہی آ رہے تھے — باہر نہیں جا رہے تھے۔" شوکی نے دبی آواز میں کہا۔

"تب — تب تو وہ شاید ہال میں ہی ہو۔" پروفیسر عقلان بولے۔

"ہاں! میں ہال کے لوگوں کا جائزہ لیتا ہوں۔" شوکی نے بالکل مدھم آواز میں کہا اور بغور چاروں طرف دیکھنے لگا — اچانک اس کی نظریں ایک آدمی پر جم گئیں — اس کا دل زور سے دھڑکا، کیوں کہ یہ بالکل وہی تھا — جو پروفیسر صاحب سے لگ کر گزرا تھا۔

"ہم — میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔" شوکی بولا۔

"بہت خوب — مجھے بتائیں — وہ ہال میں کہاں موجود ہے۔"

"وہ رہا — سرمئی لباس والا۔" شوکی نے آنکھوں کے

اشارے سے کہا۔

"تو کیا میں پولیس کو فون کروں؟"

"کہیں ہمیں شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔" آفتاب بول پڑا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ میرا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے، پرس کسی اور نے اڑایا ہو۔ اور ہم اس کے پیچھے پڑ جائیں۔ لیکن پرس اس سے برآمد نہ ہو اور پھر وہ ہمیں شرمندہ کرے۔ لہٰذا پہلے میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر شوکی اٹھا اور پُرسکون انداز میں چلتا اس کی میز کی طرف بڑھنے لگا۔ باقی لوگ اسی میز پر موجود رہے۔ البتہ ان کی نظریں اسی طرف جمی تھیں۔

میز کے نزدیک پہنچ کر شوکی نے نرم آواز میں کہا:

"میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں جناب؟"

"ضرور۔ کیوں نہیں" وہ مسکرایا۔

اب شوکی نے دیکھا۔ وہ ایک خوب صورت اور نوجوان آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، لیکن آنکھوں میں اُلجھن سی نظر آ رہی تھی۔ شوکی سامنے

والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"فرمائیے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہال میں داخل ہوئے تھے۔" شوکی نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ تو پھر۔"

"اسی وقت ہم بھی اندر داخل ہو رہے تھے۔"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔

"آپ ہمارے ایک ساتھی سے لگ کر گزرے تھے۔"

"ہو سکتا ہے۔ ایسا ہوا ہو۔ میں انکار نہیں کروں گا۔ لیکن بات کیا ہے؟"

"ہمارے اس ساتھی کی جیب میں ایک عدد پرس تھا۔ جب ہم ہوٹل کے سامنے اُترے تھے، اس وقت ٹیکسی کا بل اسی پرس میں سے ادا کیا گیا تھا۔ ہوٹل میں داخل ہونے کے بعد ہم اس میز سے اُٹھ کر کہیں نہیں گئے۔ گویا اس دوران صرف اور صرف آپ ہمارے نزدیک ہوئے تھے۔ لہٰذا میرا اندازہ ہے۔ ان کا پرس آپ نے اڑایا ہے۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔ آپ کا اندازہ یہ ہے۔"

اس نے پُرسکون آواز میں کہا۔ ذرا بھی غصّہ اس کے

چہرے پر نظر نہیں آیا تھا۔

"ہاں جناب میرا اندازہ یہی ہے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"میری تلاشی لے لیں۔ مجھے تلاشی دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"شکریہ جناب۔ یہی میں چاہتا ہوں۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ شوکی نے جلدی جلدی اس کی تلاشی لی۔ اور پھر مایوس ہو گیا۔ پرس اس کے پاس نہیں تھا۔

"نہیں جناب! میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔" اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرایا۔

شوکی بوجھل قدموں سے اپنی میز پر آ گیا:

"کیوں! شک غلط نکلا؟"

"ہاں بالکل غلط نکلا۔ پرس اس کے پاس نہیں ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ آپ لوگوں کو اب پرس کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ہوٹل آپ کا ہی ہے۔"

"یہ بات نہیں جناب۔ پرس میں ضروری کاغذات بھی تو ہیں۔"

"تب پھر پولیس کو فون کر دیتے ہیں۔ وہ خود پرس تلاش کرے گی۔"

"پولیس سے پہلے تو ہم۔ ہم۔ ہم۔"

شوکی ہم ہم کرنے لگا۔ سب نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت نظر آ رہی تھی۔

سس ---

"کک ـــ کیا ہوا بھائی جان ـــ خیریت تو ہے۔" آفتاب گھبرا گیا ـــ

"وُہ ـــ وُہ ـــ وُہ۔" شوکی ہکلا کر رہ گیا۔

"پہلے ہم ہم کر رہے تھے ـــ اب وُہ وُہ ـــ اللہ اپنا رحم فرمائے۔" مینجر نے کانپ کر کہا۔

"کیوں ـــ کیا بات ہے؟"

"یہ ـــ یہ تو پاگل پن کے آثار ہیں۔"

"نہیں ـــ ایسی کوئی بات نہیں ـــ دراصل یہ اپنی حیرت پر قابو نہیں پا سکے۔"

"تت ـــ تو کیا ـــ اب یہ پا ہی نہیں سکیں گے۔" مینجر بولا ـــ

"ایسی کوئی بات نہیں۔" اشفاق نے منہ بنایا۔

"بھائی جان ـــ آخر بات کیا ہے ـــ کچھ ہمیں بھی

تو حیران ہونے کا موقع دیں ـــ ساری حیرت خود ہی ہڑپ کر جائیں گے کیا۔" آفتاب جل گیا۔

"اوہ ہاں! واقعی ـــ تمہیں بھی حیرت میں سے حصّہ ملنا چاہیے ـــ سُنو ـــ انکل کا پرس میری جیب میں ہے"

"کیا کہا ـــ آپ کی جیب میں۔" وہ چلّا اُٹھا۔

اور آس پاس کی میزوں والے چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے ـــ ان کے چلّانے کی آواز اس نوجوان تک بھی پہنچ گئی تھی ـــ اس نے بھی حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا ـــ

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ـــ میرا پرس تمھاری جیب میں کیسے پہنچ گیا؟"

"کک ـــ کہیں ـــ ٹیکسی کا بل ادا کرنے کے بعد آپ نے پرس میرے ہاتھ میں تو نہیں تھما دیا تھا اور میں نے بے خیالی میں اپنی جیب میں رکھ لیا ہو۔"

"نہیں ـــ میں نے اپنا پرس اپنی جیب میں رکھا تھا۔" منور علی خان بولے۔

"پرس نکال کر تو دیکھو شوکی ـــ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جیب میں کوئی اور چیز ہو۔"

"جی نہیں۔" اس نے کہا اور پرس جیب سے نکال

کر ان کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ پھر جلدی سے اسے کھول کر دیکھا۔ پرس میں نقدی جوں کی توں موجود تھی۔

"پپ — پرس کی واپسی۔" آفتاب بول اُٹھا۔

"واقعی۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"تمہیں فاروق کا جملہ نہیں استعمال کرنا چاہیے۔" شوکی نے اسے ڈانٹا۔

"آپ جُملے کی بات کر رہے ہیں بھائی جان۔ ہمارے معاشرے میں تو لوگ دُوسروں کی ہر چیز بغیر کسی تکلف کے ہڑپ کر جاتے ہیں اور ڈکار نہیں لیتے۔" اخلاق بولا۔

"ان کا عمل ان کے ساتھ اور میرا عمل میرے ساتھ۔" شوکی نے کہا۔ اور پھر اس نے دبی آواز میں کہا:

"اب مَیں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ پرس اسی شخص نے اڑایا تھا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ وُہ پکڑا گیا تو اس نے تلاشی دینے کے بہانے پرس میری جیب میں منتقل کر دیا۔ تاکہ اس پر چوری کا الزام نہ لگایا جا سکے۔ اور اب ہم واقعی اس پر الزام نہیں لگا سکتے، کیوں کہ ہم یہ بات ثابت نہیں کر سکتے۔"

"تب تو یہ بہت چالاک چور ہے۔" راون شام نے حیران ہو کر کہا۔

عین اُسی وقت اُنھوں نے اُس شخص کو اُٹھتے ہوئے دیکھا۔ وُہ لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ گویا اوپر جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"شاید یہ ہوٹل میں ہی ٹھہرا ہوا ہے۔" شوکی نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"یہ بات تو مجھے بھی معلوم نہیں۔ مَیں پتا کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر مینیجر راون شام جلدی سے کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔ ادھر وُہ شخص لفٹ کے دروازے تک پہنچ چکا تھا، لیکن لفٹ اُوپر گئی ہوئی تھی۔ اسی وقت مینیجر واپس آ گیا۔ اس نے بتایا:

"جی ہاں! یہ صاحب ہوٹل میں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں، آج سے نہیں۔ ایک ہفتے سے۔ ان کا کمرہ دُوسری منزل پر ہے۔ کمرے کا نمبر ۱۱۹ ہے۔"

"میں اسے چیک کروں گا۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟" شوکی نے راون شام کی طرف دیکھا۔

"ضرور چیک کریں۔"

"ایک بات اور۔ آپ کا نام عجیب سا ہے۔ کیا آپ ہندو ہیں؟"

"ہوں نہیں — تھا ضرور — میرے ماں باپ ہندو تھے، لیکن میں مسلمان ہو چکا ہوں — یہ نام انھی کا رکھا ہوا ہے — اور میں نے بھی نہیں بدلا۔"

"جب کہ آپ کو مسلمانوں والا کوئی نام رکھ لینا چاہیے تھا۔"

"بس — مجھے اپنا یہ نام بہت پسند ہے — لیکن اگر آپ کہتے ہیں تو میں نام تبدیل کر لوں گا۔"

"ہاں! اس کی بہت ضرورت ہے — مسلمان کی پہچان بھی ضروری ہے — ہم آپ کو ہندو خیال کرتے رہے، یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"اچھا تو میں اس کو چیک کرنے کی کوشش کرتا ہوں، آپ لوگ اوپر کمرے میں چلیں۔" یہ کہہ کر شوکی اُٹھ کھڑا ہوا —

"ٹھیک ہے" پروفیسر عقلان بولے۔

وہ اُٹھ کھڑے ہوئے — شوکی دوسری منزل پر اتر گیا — وہ اپنی منزل کی طرف بڑھ گئے — برامدے میں شوکی نے دائیں بائیں دیکھا — اور پھر کمرہ نمبر ۱۱۹ کی تلاش میں قدم اٹھانے لگا — ۱۱۸ سے اگلے کمرے کے

سامنے وہ رک گیا — پھر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد جھکا اور تالے کے سوراخ سے آنکھ لگا دی — دوسرے ہی لمحے وہ بُری طرح اُچھلا — اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں — اسے اور تو کچھ نہ سوجھا — فوراً سیڑھیاں چڑھتا اوپر پہنچ گیا — اس کے ساتھی ابھی کمرے کا دروازہ ہی کھول رہے تھے — اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار دیکھ کر وہ گھبرا گئے:

"خیریت؟" منور علی خان بولے۔

"میں نے ایک خوف ناک منظر دیکھا ہے — اس کے کمرے میں۔"

"اوہ — وہ کیا؟"

"باتوں کا وقت نہیں ہے — پتا نہیں کیا چکر ہے — آئیے — جلدی کریں۔"

وہ سب سیڑھیاں اُتر کر دوسری منزل پر آ گئے اور پھر کمرہ نمبر ۱۱۹ کے سامنے پہنچ کر پہلے منور علی خان نے اندر جھانکا — ان کا بھی وہی حال ہوا — پروفیسر عقلان جھکے اور چونک کر پیچھے ہٹ آئے — اس کے بعد تو باری باری ان تینوں نے بھی اندر جھانکا۔ اچانک اندر دھما چوکڑی سی مچ گئی — اور ان کے

دل زور زور سے دھڑکنے لگے۔ کمرے میں موت اور
زندگی کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ نوجوان اکیلا تھا
اور حملہ آور چار تھے۔ شوکی نے جب اندر جھانکا تھا۔ تو
اس وقت وہ چاروں اس کی طرف پستول تانے کھڑے
تھے۔ اور اس کے ہاتھ سر سے اوپر اٹھے ہوئے
تھے۔ اس کے بعد پتا نہیں اندر کیا ہوا۔ ان کے
درمیان جنگ کس طرح شروع ہوگئی۔ اب ہر آدمی
کمرے کا منظر دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ باری باری آنکھ
لگا لگا کر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے صاف محسوس کر لیا
تھا کہ اندر کوئی ڈرامہ نہیں ہو رہا۔ حقیقت میں موت
اور زندگی کی لڑائی ہو رہی تھی۔ وہ چاروں اس نوجوان
کو ہر قیمت پر مار ڈالنے پر تُل گئے تھے۔ جب کہ نوجوان
اپنی جان بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔
— اور پھر اچانک کمرے میں سکون ہو گیا۔ اس وقت اندر
جھانکنے کی باری شوکی کی تھی۔ اس نے دیکھا۔ نوجوان
ایک خنجر ہاتھ میں لیے کھڑا تھا اور خون اس خنجر سے
ٹپک رہا تھا۔ شوکی کانپ گیا۔ شاید نوجوان نے ان
چاروں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔
پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اور چٹخنی گر گئی۔

وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹے۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ اس
کے جسم کے ننگوں حصّوں اور کپڑوں پر خون ہی خون
نظر آ رہا تھا۔ کمرے میں چار لاشیں موجود تھیں —
اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا :
"پولیس کو بلا لیجیے۔"
"کک۔ کیا آپ خود کو قانون کے حوالے کرنا چاہتے
ہیں؟"
"کیوں۔ پولیس کے حوالے کیوں۔ ان چاروں نے
میری جان لینا چاہا تھا۔ یہ مجھے قتل کر دینے پر تُل گئے
تھے۔ میں کیا کرتا۔ اور پھر یہ میرے کمرے میں مجھ
سے پہلے کس طرح داخل ہو گئے تھے۔ ان کے پاس
میرے کمرے کی چابی کہاں سے آگئی۔ اس سوال کا
جواب ہوٹل کی انتظامیہ کو دینا ہوگا۔"
"اوہ! یہ تو واقعی بہت عجیب بات ہے۔" مینجر
کے منہ سے نکلا۔
"کیا عجیب بات ہے؟"
"اگر یہ لوگ پہلے سے کمرے میں موجود تھے تو سوال
یہ ہے کہ ان کے پاس چابی کہاں سے آگئی۔ ہر
کمرے کی تین چابیاں ہوتی ہیں۔ ہوٹل میں ٹھہرنے

والا اگر تنہا ہوتا ہے تو اسے ایک چابی دی جاتی ہے،
ایک سے زائد ہوں تو انھیں دو چابیاں دی جاتی ہیں،
تیسری چابی ہر حال میں نیچے موجود رہتی ہے۔"

"تو پھر یہ دیکھیے — میری چابی یہ رہی — انھوں نے
جس چابی سے دروازہ کھولا ہے — وہ ان کے پاس سے
برآمد ہونی چاہیے، لیکن میں پولیس کی آمد سے پہلے
ان کی تلاشی نہیں لے سکتا — تیسری چابی ہمارے دوسرے
ساتھیوں کے پاس ہے — اس کا صرف اور صرف یہ
مطلب ہے کہ یہ لوگ تیسری چابی ہوٹل کی انتظامیہ
سے لے کر آئے تھے۔"

"نن — نہیں — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" راون شام نے
فوراً کہا —

"میں یہ بات ثابت کروں گا۔" نوجوان بولا۔

"ضرور — جناب ضرور — اگر آپ یہ بات ثابت کر
دیں تو ہم اپنا جرم تسلیم کریں گے اور اس جرم
کے ذمے دار کو قانون کے حوالے کریں گے۔" راون شام
نے کہا —

"سب سے پہلے تو پولیس کو فون کریں۔"

راون شام نے فون کیا — چند منٹ بعد ہی برآمدہ

پولیس والوں سے بھر گیا — پولیس کے چار جوانوں نے اس
نوجوان کو گھیرے میں لے لیا:

"میری طرف سے بے خبر رہیں — میں بھاگوں گا نہیں،
اس لیے کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا — یہ لوگ چابی
سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے — میں
اس وقت کمرے میں نہیں تھا — یہ میرا انتظار کرتے
رہے — اب مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ لوگ اندر چھپے
ہوئے ہیں — میں آیا، تالا کھولا اور اندر داخل ہو
گیا — فوراً ہی انھوں نے مجھ پر پستول تان دیے،
دروازہ اندر سے بند کر دیا — وہ تو میں انھیں جُل
دینے میں کامیاب ہو گیا — ورنہ یہ مجھے گولیوں سے
چھلنی کر چکے تھے۔"

"اور آپ نے انھیں جُل کس طرح دیا؟"

"میں نے اچانک یہ جملہ کہا — ارے ارے —
گولی نہ چلانا — بس انھوں نے دروازے کی طرف دیکھ
لیا اور میں ان پر ٹوٹ پڑا — اور انھیں مار ڈالا۔"

"اور آپ اکیلے ان چاروں پر ٹوٹ پڑے —
اور آپ نے تنہا انھیں مار ڈالا۔" انسپکٹر نے طنزیہ لہجے
میں کہا —

"ہاں جناب۔ یہی بات ہے۔"

"عدالت اس بات کو تسلیم نہیں کرے گی مسٹر۔ ان چاروں کے پاس پستول تھے۔ اور آپ کے پاس صرف ایک خنجر، آپ نے ان چاروں کو مار ڈالا۔ اور انھوں نے ایک گولی بھی نہیں چلائی۔ آخر کیوں۔ اور پھر خنجر کا آپ کے پاس کیا کام؟"

"یہ خنجر بھی میرا نہیں ہے۔ انہیں کا ہے۔ جب انھوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو میں ان پر ٹوٹ پڑا۔ ایسے میں مجھے ان میں سے ایک کی کمر میں اڑسا ہوا خنجر نظر آگیا۔ بس میں نے اس خنجر پر ہاتھ ڈال دیا۔"

"یہ سب باتیں حلق سے نہیں اتر رہیں۔" انسپکٹر نے منہ بنایا۔

"اتر جائیں گی، پہلے آپ ان کی تلاشی لیں۔ چابی والا مسئلہ حل کریں۔"

"ہاں ضرور کیوں نہیں۔ میں ہر قانونی کارروائی پوری کروں گا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر نے اپنے ایک ماتحت کو چاروں لاشوں کی تلاشی کا حکم دیا۔ ان میں سے ایک کی جیب سے ہوٹل کے کمرے کی چابی مل گئی۔

ماتحت بولا:

"چابی مل گئی جناب۔"

"اوہ!" انسپکٹر چونکا۔

"اور یہ رہی میری چابی۔" نوجوان بولا۔

"آپ کو دو چابیاں دی گئی تھیں۔" مینجر راون شام نے جلدی سے کہا۔

"دوسری چابی میرے ساتھیوں کے پاس ہے۔ وہ ابھی آتے ہی ہوں گے۔" نوجوان نے کہا۔

"گویا تینوں چابیاں پوری ہو گئیں۔ کیوں مینجر صاحب۔ اس طرح تو ان مقتولوں کے پاس انتظامیہ والی چابی ہوئی۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔" راون شام نے کہا اور نیچے فون کیا:

"ہیلو۔ کمرہ نمبر ۱۱۹ کی دفتر والی چابی کہاں ہے۔ ہوں ٹھیک ہے۔ چابی اوپر لے آؤ۔"

یہ کہہ کر راون شام نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑا:

"ہمارے پاس ہماری چابی موجود ہے۔ مرنے والوں کے پاس ان کے والی دوسری چابی تھی۔ پہلے یہ

صاحب ثابت کریں کہ ان کے ساتھیوں والی چابی ان کے پاس ہی ہے۔"

"میرے ساتھی آتے ہی ۔۔"

اسی وقت ایک آواز سنائی دی:

"سس ۔ سر ۔ سر ۔"

چوتھی چابی

اس آواز میں نہ جانے کیا تھا ۔ سبھی نے مڑ کر دیکھا ۔ اور پھر وہ چونک اٹھے ۔ ایک شخص لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور پھر اس نوجوان کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا:

"کیا ہوا جان ۔ خیر تو ہے ۔ تم اس قدر بدحواس کیوں ہو؟"

"وہ ۔ وہ ۔ ہمارے ساتھی گھر گئے۔"

"گھر گئے ۔ کہاں گھر گئے ۔ کن لوگوں نے گھیرا ہے انھیں؟" نوجوان نے پریشان آواز میں کہا۔

"جنگل میں ۔ چاروں طرف سے انھیں گھیر لیا گیا ہے ۔ میں ان کے ساتھ لڑنے پر تل گیا تھا، لیکن انھوں نے قسم دے کر مجھے آپ کی طرف بھیج دیا ۔ کہ جیسے بھی ہو ۔ میں آپ کو اطلاع دے دوں۔"

"اوہ" نوجوان بولا۔

"میں نے کچھ فاصلہ بھاگ کر اور کچھ ٹیکسی کے ذریعے طے کیا — بھاگتے بھاگتے میں بے دم ہو چکا ہوں۔ اس لیے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکا — اُمید ہے، آپ معاف فرمائیں گے۔"

"کوئی بات نہیں جان — ہاں — وہ چابی کہاں ہے — کمرے کی۔"

"چابی — کیا مطلب ؟"

"چابی کا میں کیا مطلب سمجھاؤں جان — شاید تمھارے حواس ابھی ٹھکانے نہیں آئے — میں اس کمرے کے دروازے کی چابی کی بات کر رہا ہوں — جو ہوٹل کی طرف سے ہمیں ملی تھی۔"

"ایک چابی آپ کے پاس بھی تو ہے۔" اس نے کہا —

"اوہو — بھئی — میں تمھارے والی چابی کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ میرے پاس ہے — بشرطیکہ اس بھاگ دوڑ میں کہیں گر نہ گئی ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے جلدی جلدی اپنی جیب کو ٹٹولا،

اس کا ہاتھ باہر نکلا تو اس میں ایک عدد چابی تھی :

"لیجیے سر — یہ رہی چابی — لیکن میں حیران ہوں — آپ کو تو میری بات سنتے ہی جنگل کی طرف دوڑ لگا دینا چاہیے تھی — اور آپ چابی کے چکر میں ہیں۔"

"ہاں ! مجبوری ہے — میرے ہاتھ سے یہاں چار آدمی مارے گئے ہیں — ان لوگوں کا اطمینان کرائے بغیر میں کس طرح جنگل کا رُخ کر سکتا ہوں — انسپکٹر صاحب — ملاحظہ فرمائیں — یہ رہی دوسری چابی۔"

تینوں چابیوں کو ساتھ ساتھ رکھ کر دیکھا گیا — بالکل ایک جیسی تھیں —

"اور نیچے والی چابی مینجر صاحب۔" انسپکٹر اس کی طرف مڑا —

"یہ رکھی گئی ہے جناب۔" ہوٹل کے ایک ملازم نے بھیڑ کو چیرتے ہوئے کہا — شاید وہ پیچھے رک کر بات چیت سننے لگ گیا تھا —

"کک — کیا مطلب ؟" راون شام چونکا — کیوں کہ اب چوتھی چابی بھی ان سب نے سامنے تھی :

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" راون شام نے کانپتی آواز میں کہا —

"اس کا جواب تو آپ کو ہی دینا پڑے گا۔" نوجوان بولا۔

"افسوس! میں نہیں جانتا۔ یہ چوتھی چابی کہاں سے نکل آئی۔ ہر کمرے کی صرف تین چابیاں ہوتی ہیں۔"

"ان میں سے دو آپ نے ہمیں دی تھیں۔ ایک ہوٹل کی انتظامیہ کے پاس رہی تھی۔ گویا چوتھی چابی ان حملہ آوروں نے بنوائی ہو گی۔ ہو سکتا ہے۔ انھوں نے کچھ اور کمروں کی چابیاں بھی بنوا رکھی ہوں، تاکہ وارداتیں کر سکیں۔ یہ تو اب یہاں کی پولیس کا کام ہے کہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس چوتھی چابی نے آپ کو بے قصور ثابت کر دیا ہے؛ تاہم ابھی ہمارا پوری طرح اطمینان نہیں ہوا۔ ہم آپ کو گرفتار نہیں کر رہے؛ تاہم یہ شہر چھوڑ کر آپ بلا اجازت نہیں جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ اب ہم جنگل کا رخ کر سکتے ہیں۔ جان۔ تم آرام کر لو۔ میں جاتا ہوں، مجھے کس سمت میں جانا ہو گا؟"

"نہیں سر۔ میں آرام کس طرح کر سکتا ہوں۔ میں

آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

"تو پھر آؤ۔ جلدی کرو۔"

پولیس والے انھیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ ایسے میں شوکی بولا:

"نہ جانے کیا بات ہے۔ میرا جی بھی ان لوگوں کے پیچھے جانے کو چاہ رہا ہے۔"

"تو پھر چلو۔ سوچ کیسی۔" منور علی خان بولے۔

"شاید۔ آپ کا بھی۔" شوکی کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں۔ چلو۔"

وہ بھی وہاں سے نکل کر نیچے کی طرف دوڑے۔ جب ہوٹل سے باہر نکلے۔ وہ دونوں ایک کار میں بیٹھتے نظر آئے۔ انھوں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

"دیکھو بھئی۔ بہت احتیاط سے چلنا ہے۔ ان لوگوں کو تعاقب کا شبہ نہ ہو۔"

"میں نے ایسے بہت کام کیے ہیں جناب۔ آپ فکر نہ کریں۔" ڈرائیور بولا۔

"اوہ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

تعاقب واقعی بہت احتیاط سے جاری رہا۔ آخر وہ

جنگل میں پہنچ گئے۔ ایک جگہ اگلی کار کھڑی نظر آئی۔ انھوں نے بھی بہت فاصلے پر ٹیکسی روک دی۔ اور درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھنے لگے۔ آخر ان کے کانوں میں نوجوان اور جان کی آوازیں آنے لگیں:

"نہیں بھئی۔ یہاں کسی لڑائی کے آثار نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے۔ ہمارے ساتھی بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اب وہ سیدھے ہوٹل سب رنگ پہنچیں گے، بلکہ ہو سکتا ہے، پہنچ بھی چکے ہوں۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے سر۔ تو پھر کیا خیال ہے۔ واپس چلیں۔"

"ابھی کچھ دیر اور گھوم پھر کر اپنا اطمینان کر لیں، پھر چلیں گے۔"

یہ سن کر شوکی نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ یہاں تک کہ ٹیکسی میں آ بیٹھے۔ شوکی نے بیٹھتے ہی کہا:

"واپس چلو بھئی۔ ہوٹل سب رنگ۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہوا یہاں تک آنے کا۔"

"ہاں! لیکن۔ مجھے ایک بات سوجھی ہے۔" شوکی بولا۔

"وہ کیا؟"

"ہم اس نوجوان کے کمرے کی تلاشی ضرور لے سکتے ہیں۔"

"وہاں تو پہلے ہی چار لاشیں موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں تلاشی۔ ارے باپ رے۔" آفتاب گھبرا گیا۔

"لاشیں تو اس وقت تک اُٹھائی جا چکی ہوں گی، میں تلاشی اس واسطے لینا چاہتا ہوں کہ حملہ آوروں نے آخر اس پر کیوں حملہ کیا تھا اور جنگل میں بھی کیوں اس کے ساتھیوں کو گھیرا گیا۔ وہ تو خیر ہوئی۔ اس کے ساتھی نکل گئے۔ لیکن اب ہم تو اُلجھن میں مبتلا ہو گئے نا۔ اس اُلجھن کو دور کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کے کمرے کا جائزہ لیں۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس وقت ہماری جان تمہارے ہاتھ ہے۔" پروفیسر نے منہ بنایا۔

وہ ہوٹل پہنچے۔ مینجر نے انھیں راستے میں ہی روک لیا:

"کیوں جناب۔ کیا رہا؟"

"جنگل میں تو خون خرابہ نہیں ہوا۔ البتہ ان صاحب کے ساتھی وہاں انھیں نہیں ملے۔ اب شاید وہ ان کی تلاش میں نکلیں گے۔"

"پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔ ہوٹل کی بہت بدنامی

ہو رہی ہے۔ ارے۔ کہیں یہ بھی ہوٹل شارڈا والوں کی
شرارت تو نہیں تھی"۔ راون شام چونکا۔

"نہیں جناب۔ ہوٹل والوں کی شرارت ہوتی تو اس
کے بھیجے ہوئے حملہ آور ان صاحب سے کیوں ٹکراتے۔
ہوٹل کے مالک یا مینیجر یا عملے کا کچھ بگاڑنے کی کوشش
کرتے۔"

"ہاں! یہ تو ہے"۔ وہ بولا۔

"پولیس جا چکی ہے یا ابھی اوپر ہی ہے؟"

"سب جا چکے ہیں"۔

"اور کمرہ — کمرے کو انھوں نے کس حالت میں
چھوڑا؟"

"اسے تالا لگا دیا گیا ہے — مسٹر عبداللہ اور ان کے
ساتھی اسے استعمال کر سکتے ہیں"۔

"تو ان صاحب کا نام عبداللہ ہے"۔

"جی ہاں — یہی نام ہے ان کا"۔

"ہماری آپ سے ایک درخواست ہے"۔

"فرمائیے"۔ اس نے خوش دلی سے کہا۔

"ہم اس کمرے کا بغور معائنہ کرنا چاہتے ہیں"۔

"لل — لیکن اگر مسٹر عبداللہ یا ان کے ساتھی آ گئے تو؟"

مینیجر نے گھبرا کر کہا۔

"تو بھی کوئی بات نہیں۔ ہم کہہ دیں گے کہ حملہ آوروں
کے بارے میں کوئی بات معلوم کرنے کے لیے ہم ایسا کر
رہے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ وہ بھی یہی چاہتے ہوں
گے"۔

"اچھا خیر۔ ذمے دار آپ ہوں گے"۔

"ہاں! آپ فکر نہ کریں"۔

اور مینیجر نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا —

"مسٹر راون — اور ہم نے ابھی تک آپ کا اسلامی نام
نہیں کیا — خیر ہم آپ کا نام محمد سلیمان رکھتے ہیں،
آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں"۔

"نہیں"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں تو مسٹر محمد سلیمان — آپ جائیے — ہمیں کچھ
دیر لگ جائے گی"۔

"اچھی بات ہے"۔ اس نے فکر مند ہو کر کہا۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — ہم چور
نہیں ہیں"۔

"ہاں! یہ تو میں جانتا ہوں"۔ اس نے کہا اور جانے
کے لیے مڑ گیا —

شوکی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اچانک اس نے شدید گھبراہٹ محسوس کی۔ اس کی گھبراہٹ باقی لوگوں سے چھپی نہ رہ سکی:

"کیوں! کیا بات ہے؟"

"ہم۔ میرا خیال ہے۔ کوئی ہمیں چھپ کر دیکھ رہا ہے۔"

"لیکن کون۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ گیا تالے کا سوراخ۔ ہو سکتا ہے۔ مسٹر محمد سلیمان یہ دیکھنے کی کوشش میں ہوں کہ ہم اندر کیا کرتے ہیں۔" منور علی خان بولے۔

"جی نہیں انکل۔ میں اس کمرے میں کسی کی موجودگی کو محسوس کر رہا ہوں۔ دو آنکھیں۔ بہت تیز اور حساس آنکھیں ہمیں گھور رہی ہیں۔"

انھوں نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا، لیکن کہیں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ اب وہ شوکی کی طرف مڑے۔ تو وہ بری طرح پسینے میں نہایا ہوا تھا:

"شوکی۔ تمھیں ضرور وہم ہو گیا ہے۔" پروفیسر عقلان بولے۔

"جی نہیں۔ یہ میرا وہم ہرگز نہیں ہو سکتا۔" شوکی نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"تب پھر شوکی۔ اپنی بات ثابت کرو۔" منور علی خان نے منہ بنا کر کہا۔

انھوں نے کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔ ویسے بھی یہ دو کمروں والا حصّہ تھا۔ انھوں نے اندرونی کمرہ بھی دیکھا۔ غسل خانے کو بھی چیک کیا، لیکن کہیں بھی کوئی نظر نہ آیا۔

"ہاں بھئی شوکی! اب کیا کہتے ہو۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ میں اب بھی وہی محسوس کر رہا ہوں تو آپ کہیں گے کہ میں شاید پاگل ہو گیا ہوں، اور اگر کہوں کہ نہیں میرا خیال غلط تھا تو یہ خود کو دھوکا دینے والی اور جھوٹ بولنے والی بات ہو گی۔ لہٰذا آپ مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھیں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"گویا تمھیں اب تک یقین ہے کہ کوئی ہمیں گھور رہا ہے۔"

"جی۔ ہاں۔" اس نے کہا۔

"خیر شوکی۔ ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ تمھارا دماغ چل گیا ہے، لیکن یہ کہہ سکتے ہیں، تمھیں وہم ہو گیا ہے۔"

"جب کہ ہم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔"

" خیر — نہ مانیں — میں منوانے پر بضد بھی نہیں ہوں، لیکن میری یہ بات یاد رکھیے گا — کہ آخر کار " شوکی کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اس کے ساتھیوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا — اور پھر کانپ اُٹھے — شوکی کے چہرے پر خوف کا ایک ایسا عالم تھا کہ کیا کبھی اس کے چہرے پر نظر آیا ہوگا — اس کا منہ کھل گیا تھا، آنکھیں مارے دہشت کے پھٹی پڑ رہی تھیں — جسم پتھر کے بُت کی مانند ساکت تھا — اور اس کے منہ سے ایک ہولناک چیخ نکلی — ایک ایسی چیخ جس نے انہیں لرزا دیا —

اور پھر وُہ بھی اپنی چیخوں کو کسی طرح نہ روک سکے —

جنگل کی خاک

ہوٹل سب رنگ کا مینجر ہال میں بیٹھا بے چینی کے عالم میں ان کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا، اس کی عین خواہش تھی کہ عبد اللہ یا ان کے ساتھیوں کی آمد سے پہلے پہلے شوکی برادرز باہر نکل آئیں — لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی — اسی وقت اس نے عبداللہ کے ساتھیوں کو ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا —

" ارے باپ رے " اس کے منہ سے مارے گھبراہٹ کے نکلا —

اندر آنے والوں کے جسم ردّی حالت میں تھے — ان کے کپڑے پھٹ چکے تھے — بالوں میں تنکے نظر آ رہے تھے — جسم کے ننگے حصّوں پر بھی مٹی اور کیچڑ نظر آ رہا تھا — یُوں لگتا تھا جیسے مٹی اور دھول میں لوٹ لگا کر آ رہے ہوں — ایسے میں ان کی نظر مینجر پر پڑی —

وہ مُسکرا دیے اور تیر کی طرح ان کی طرف مُڑے:

"ہیلو مسٹر راون شام۔ ہمارے ساتھی تو نہیں آئے؟" ادھیڑ عمر آدمی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"آئے تھے، لیکن پھر آپ لوگوں کے جنگل میں گھر جانے کی خبر سُن کر چلے گئے تھے۔ کیا آپ واقعی جنگل میں گھر گئے تھے؟"

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم گھر ضرور گئے تھے۔ دشمن ہمیں موت کے گھاٹ اُتار دینے پر تُل چکا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ اور ہم جنگل میں سے اس طرح نکل آئے جس طرح مکھن میں سے بال۔"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"ارے۔ منیجر صاحب۔ آپ اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ نام آپ کا ہندوؤں والا ہے۔"

"جی نہیں۔ اب میں نے اپنا نام محمد سلیمان رکھ لیا ہے۔"

"بہت خوب۔ یہ آپ نے اچھا کیا۔ آؤ بھئی چلیں۔"

"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ جنگل میں سے کس طرح نکل آئے؟" محمد سلیمان نے جلدی سے کہا۔

کیوں کہ وہ تو چاہتا تھا۔ ان لوگوں کو اس وقت تک روکے رکھے، جب تک کہ شوکی برادرز باہر نہیں آ جاتے۔

"بس۔ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل عطا فرما دی۔ ہم ایک گھنے درخت پر چڑھ گئے۔ دشمن اپنا گھیرا تنگ کرتا چلا گیا۔ لیکن۔ وہ اپنا گھیرا اس درخت سے بھی آگے تک لے گیا۔ اور اس طرح ہم ان کے گھیرے سے نکل آئے۔" ادھیڑ عمر آدمی نے جلدی جلدی کہا۔

"بہت خوب۔ یہ ہوئی نا بات۔" محمد سلیمان بولا۔ "آؤ بھئی۔ اوپر چلیں۔"

وہ لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ انھیں روکنے کے لیے منیجر کو اور کوئی بہانہ بھی نہ سوجھا۔ ابھی اُلجھن کے عالم میں بیٹھا تھا کہ ان میں سے ایک واپس آتا نظر آیا۔

"مسٹر راون۔ نن نہیں۔ سلیمان صاحب۔ ہمارے کمرے کا دروازہ نہیں کُھل رہا۔ چابی گھمانے پر تالا کھل گیا ہے، لیکن دروازہ نہیں کُھل رہا۔ اب ہم کیا کریں؟"

"چلیے! میں چل کر دیکھتا ہوں۔" اس نے پریشان

آواز میں کہا۔ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ آخر
ان کے ساتھ اوپر پہنچا، پہلے تالے کے سوراخ میں
سے اندر جھانکا۔ کمرے میں کوئی بھی نظر نہ آیا۔
اس نے سوچا، شاید شوکی باورز اندرونی کمرے میں
ہیں ؛ چنانچہ دروازے پر ہاتھ مار کر بلند آواز میں اس
نے کہا :

" اندر کون ہے۔ دروازہ کھولیں۔ ورنہ پولیس کو بلا
لیا جائے گا۔"

" ہاں ! اور کیا ؟" ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔

لیکن اندر سے کوئی جواب نہ مل سکا۔ اب تو
اس نے اور بھی زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا، لیکن
اندر ہلکی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دی :

" معلوم ہوتا ہے۔ دروازہ توڑنا پڑے گا۔" ان میں
سے ایک نے کہا۔

" ذرا دیر ٹھہریں۔ شاید اندر موجود شخص کو عقل آجائے
اور ہوٹل کا نقصان نہ ہو۔" محمد سلیمان بولا۔

" جیسے آپ کی مرضی۔ ہم تو قیامت تک ٹھہر جائیں گے۔"
ایک نے کہا۔

" نن۔ نہیں جناب۔ میں اتنا لمبا انتظار نہیں کراؤں

گا آپ کو۔" اس نے گھبرا کر کہا اور وہ مسکرا دیے۔

پانچ منٹ کی دھڑا دھڑ کے بعد آخر تنگ آ
کر دروازہ توڑنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چار بیروں کو بلایا
گیا۔ انھوں نے مل کر دروازے کے قبضے اکھاڑے،
اس طرح وہ اندر داخل ہوئے۔ دوسرا لمحہ ان کے لیے حیران
کن ترین تھا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ محمد سلیمان نے
فوراً پلٹ کر اکھڑے ہوئے دروازے کو دیکھا۔ اس کی
چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ ان کمروں سے نکلنے کا اور کوئی
راستا بھی نہیں تھا۔ کھڑکیوں اور روشن دانوں میں
سلاخیں لگی تھیں۔

" دیکھ لیجیے جناب۔ اندر تو کوئی بھی نہیں ہے۔
آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی تھی۔" مینجر نے خود کو سنبھالتے
ہوئے بات بنانے کی خاطر کہا۔

" کیا کہہ رہے ہیں جناب۔ آپ دیکھ نہیں رہے۔
چٹخنی لگی ہوئی ہے۔ تالا کھلا ہوا تھا۔ گویا کوئی شخص
اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے اندر داخل ہونے
کے بعد چٹخنی لگا دی تھی۔ اس کے بعد۔ اس کے بعد۔"
ان میں سے ایک کہتے کہتے رک گیا۔

" ہاں ہاں۔ کہیے۔ اس کے بعد کیا۔" مینجر نے طنزیہ

لہجے میں کہا۔

"تب پھر آپ ہی بتا دیں۔ چٹخنی کیوں لگی ہوئی ہے یا آپ ایسا کر کے دکھا دیں۔ ایک کمرے سے اس طرح باہر نکل کر دکھا دیں کہ دروازے کی چٹخنی لگی رہ جائے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"نن ۔۔ نہیں ۔۔ میں یہ کس طرح کر کے دکھا سکتا ہوں" محمد سلیمان نے کہا۔

"تب پھر ۔۔ ہم کیا کریں ۔۔ ہمیں یہ بتا دیں۔"

"پہلے ہمیں اندر کا اچھی طرح جائزہ لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے، اندر موجود شخص کسی طرف سے نکل گیا ہو ۔۔ ہو سکتا ہے ۔۔ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستا ہو۔"

"ضرور ۔۔ کیوں نہیں ۔۔ ضرور جائزہ لیں ۔۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

انھوں نے دونوں کمروں کا بغور جائزہ لیا، لیکن شوکی برادرز کہیں بھی نظر نہ آئے ۔۔ اچانک ان میں سے ایک نے چونک کر کہا:

"یہ ۔۔ یہ دیکھیے ۔۔ ایک رومال ۔۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں ۔۔ یہ رومال ہمارا نہیں ہے ۔۔ اس سے صاف ظاہر ہے ۔۔ کہ یہاں کوئی نہ کوئی داخل ضرور ہوا

ہے۔" یہ کہہ کر ان میں سے ایک نے دیوار کے پاس پڑا رومال اٹھا لیا۔ اس کو کھول کر دیکھا گیا۔ اس کے ایک کونے پر انگریزی کا حرف A کڑھا ہوا تھا:

"یہ ۔۔ یہ رومال ہمارا ہرگز نہیں ہے۔" ایک نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"ہوں! اب مجھے اصل بات بتانا ہی پڑے گی۔"

"کک ۔۔ کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"آپ لوگ تشریف رکھیے ۔۔ بات اتنی مختصر نہیں ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اور پھر مینجر نے ساری بات انھیں بتا دی ۔۔ کہ کس طرح چند لوگوں نے یہاں کمرہ ایک ہفتے کے لیے بک کرایا، پھر ان کے ساتھی اغوا کر لیے گئے اور وہ بے چارے ہوٹل میں بیرے لگنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر انھوں نے ایک شخص کو پکڑا جس نے بم ہوٹل کے ہال میں رکھ دیا تھا اور جا رہا تھا کہ انھوں نے شور مچا دیا۔ اس شخص کو پکڑنے میں ان کی مدد ایک شخص نے کی۔ جو ان کا ساتھی بن گیا، لیکن پھر ان کے ساتھی کا پرس کسی نے اڑا لیا۔ اور انھوں نے شک آپ کے ساتھی پر کیا جو اس وقت ہال میں موجود

تھا، لیکن آپ کے ساتھی کے پاس سے پرس برآمد
نہ ہو سکا۔ آپ کا ساتھی اپنے کمرے میں چلا گیا،
لیکن ان لوگوں کو بدستور ان پر شک رہا۔ اس
لیے وہ بھی ان کے پاس اوپر چلے گئے۔ اور آپ
لوگوں کے کمرے میں انھوں نے جھانکا تو اندر ایک
ہول ناک منظر نظر آیا۔ آپ کے ساتھی چار دشمنوں
سے موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ اور پھر
انھوں نے ان چاروں کو مار ڈالا۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلّائے۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"سنتے جائیے۔ ان لوگوں نے ہمیں یہ خوفناک بات
بتائی۔ میں پولیس کو بلانے کے سوا کیا کام کر سکتا
تھا۔ پولیس آ گئی۔ آپ کا دروازہ کھلوایا گیا تو واقعی
اندر چار لاشیں موجود تھیں۔ آپ کے ساتھی نے ثبوت
پیش کر دیا کہ وہ چاروں انھیں قتل کرنا چاہتے تھے،
اس لیے انھیں بھی ان سے لڑنا پڑا اور اس طرح
وہ مارے گئے۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ
کا ایک ساتھی یہاں پہنچ گیا۔ وہ بہت بُری حالت میں
تھا۔ اس نے بتایا کہ آپ لوگوں کو جنگل میں دشمنوں

نے گھیر لیا ہے۔ لہٰذا آپ کے ساتھی اس کے ساتھ
جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ پولیس نے بھی انھیں
نہیں روکا، کیوں کہ ان کا بڑی حد تک اطمینان ہو گیا
تھا۔ کہ ان چاروں نے واقعی ان پر حملہ کیا تھا۔
اس طرح وہ تو چلے گئے جنگل کی طرف۔ ادھر یہ لوگ
بھی ان کے پیچھے جنگل کی طرف گئے۔ لیکن آپ کے
دونوں ساتھیوں سے پہلے ہی لوٹ آئے اور مجھ سے
ان کمروں کا بغور جائزہ لینے کی درخواست کی۔ وہ
کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتے تھے۔ میں نے ان کی
ایمان دار کارروائیوں کی وجہ سے اجازت دے دی،
اور ہوٹل والی چابی انھیں دے دی۔ خود ہال میں
بیٹھ گیا۔ فوراً بعد ہی آپ لوگ آ گئے۔ اب آپ
ہی بتائیے وہ لوگ میری آنکھوں کے سامنے اندر داخل
ہوئے تھے۔ اندر سے انھوں نے چٹخنی بھی لگائی تھی،
لیکن۔ اب۔ وہ اندر نہیں ہیں۔ اس سے عجیب،
حیرت انگیز، سنسنی خیز اور خوف ناک بھلا کیا ہو سکتی ہے؟"

یہاں تک کہہ کر منیجر خاموش ہو گیا۔

وہ ہونقوں کی طرح منیجر کی طرف دیکھ رہے تھے،
اس کے خاموش ہونے پر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے

لگے —

"کیوں بھئی — کیا خیال ہے؟"

"ہم — ان — ان حالات میں کوئی کیا خیال ظاہر کرے؟" ایک نے کہا۔

"آپ نے ان میں سے کسی کا نام نہیں بتایا؟" اچانک ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"نام — ہاں — نام میں ان کے بتا سکتا ہوں — وہ کافی مشہور لوگ ہیں اور اپنے شہر میں تو ان کی بہت ہی شہرت ہے — ان کے نام"

محمد سلیمان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اسی وقت قدموں کی آواز گونجی تھی — اور پھر ان کے وہ دونوں ساتھی اندر داخل ہوئے جو جنگل کی طرف گئے تھے — انھیں اندر دیکھتے ہی نوجوان بولا:

"لو — ہم ان کی خاطر جنگل کی خاک چھانتے پھرتے رہے اور یہ مزے سے یہاں بیٹھے ہیں۔"

"ہم — مزے سے نہیں انکل — ہم تو ایک حیرت انگیز اور خوف ناک قسم کی کہانی سن رہے تھے۔"

"تو کہانی بھی تو مزے سے سنی جا سکتی ہے۔"

"ایک منٹ انکل — ذرا ہم ان لوگوں کا نام سن لیں،

جن کی ہم نے کہانی سنی ہے۔"

"یہ ایک ہی رہی — نام ان کا معلوم نہیں — اور کہانی سن بھی چکے ہیں۔"

"جی بس — کہانی اس قدر دل چسپ تھی کہ نام پوچھنے کا خیال بہت دیر بعد آیا — ہاں تو مسٹر محمد سلیمان۔"

"راون شام بھئی — تم بھول رہے ہو۔" آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"جی نہیں — ان کا نیا نام محمد سلیمان ہے — دراصل یہ پہلے ہندو تھے — پھر مسلمان ہو گئے — لیکن نام انھوں نے اپنا وہی رکھا — اب شاید کسی کے مشورے پر یہ نام بدلا ہے۔"

"انھی کے مشورے پر جن کی آپ کو کہانی سنائی ہے، اور ان کا نام شوکی برادرز ہے۔"

"کیا!!!" وہ اچھل پڑے — لیکن آنے والوں میں سے ایک بالکل بھی نہیں اچھلا —

"آپ کو یہ سن کر حیرت نہیں ہوئی ابا جان؟"

"نہیں — اس لیے کہ میں انھیں حال میں دیکھ چکا ہوں اور پہچان بھی چکا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ ہاں — انھوں نے تو اپنے پرس کی چوری کا شبہ

بھی آپ پر کیا تھا — لیکن جب پرس آپ کے پاس سے برآمد نہ ہوا تو وہ مایوس ہو گئے۔"

"ہاں! لیکن ان کا شبہ غلط نہیں تھا۔" وہ مسکرائے۔

"کیا!!!" وہ ایک بار پھر چلائے۔

"یہی بات ہے — پرس واقعی میں نے اڑایا تھا — لیکن چوری کے لیے نہیں — دراصل ان کے ساتھی کی شکل اور صورت دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی تھی — میں پرس میں سے ان کی تصویر دیکھنا چاہتا تھا — اس لیے میں اڑانا پڑا — پھر جب شوکی میرے پاس آیا تو میں نے اسے تلاشی لینے کی دعوت دی، کیوں کہ پرس واقعی میرے پاس تھا — اور اس سے پیچھا چھڑانے کا یہی طریقہ تھا کہ تلاشی کے دوران میں وہ شوکی کی جیب میں رکھ دوں۔"

"ارے!" منیجر محمد سلیمان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا — باقی بھی حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے —

"پرس شوکی کی جیب میں منتقل کر کے میں اوپر چلا گیا، کیوں کہ میں جانتا تھا — شوکی میرے پیچھے اوپر ضرور آئے گا اور میں ان سے اوپر ملاقات کر کے خود

کو ان پر ظاہر کر دوں گا — میرے اس میک اپ میں وہ مجھے بالکل بھی نہیں پہچان سکا تھا — میں اپنے کمرے میں کیا داخل ہوا — مجھ پر پہاڑ سا ٹوٹ پڑا — چار غنڈے پہلے سے ہوٹل کے کمرے میں موجود تھے، وہ اچانک مجھ پر ٹوٹ پڑے اور پستول تان لیے — مجھے ان سے لڑنا پڑا — وہ ہر قیمت پر مجھے مار ڈالنے پر تل گئے تھے — باقی کہانی تو تم سن ہی چکے ہو گے — پھر تمہارے انکل شاہد نے آکر اطلاع دی کہ تم جنگل میں گھر گئے ہو — لہٰذا میں ان کے ساتھ جنگل کی طرف چلا گیا — اور اس طرح شوکی برادرز، فیض علی خان سے میں ملاقات نہ کر سکا — اب وہ لوگ نہ جانے کہاں ہیں — منیجر صاحب — کیا آپ کو ان کی کچھ خبر ہے؟"

"یہ ہمیں ماضی کی کہانی تو سنا رہے تھے — مہربانی فرما کر آپ اس وقت کے بعد کی کہانی سن لیں جب انکل شاہد آپ کو یہاں سے جنگل کی طرف لے گئے۔"

"ہاں ضرور سنوں گا — لیکن پہلے تم یہ بتا دو کہ جنگل سے کیسے نکلے — گھیرنے والے کیا چاہتے تھے؟"

"ہم اس چٹان کو ایک نظر دیکھنے نکلے تھے، لیکن

ہم نے محسوس کیا کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔ یہ دیکھنے
کے لیے آخر اس شہر میں ہر جگہ ہمارا تعاقب کیوں ہو
رہا ہے۔ جب کہ ہم سب ابھی بھی میک اَپ میں۔
ہم جنگل میں گھس گئے۔ اور پھر ہمیں گھیر لیا گیا۔
ان لوگوں کے ارادے خطرناک تھے۔ ہم ایک گھنے درخت
پر چڑھ گئے اور وہ آگے نکل گئے۔"

"بہت خوب۔ ہاں اب بتاؤ۔ شوکی برادرز کا کیا
معاملہ ہے؟"

"نہ صرف شوکی برادرز کا۔ بلکہ ان کے ساتھ تو ابا جان
بھی ہیں۔" فرحت بولی۔

"بلکہ ایک اور ادھیڑ عمر بھی۔ بالکل ان کی عمر کے۔"
محمد سلیمان نے ان کے ادھیڑ عمر ساتھی کی طرف اشارہ
کیا۔

"ہم۔ میری عُمر کے۔ ان کے ساتھ میری عُمر کا آدمی
بھلا کون ہو سکتا ہے؟" پروفیسر غوری بولے۔

"ہو نہ ہو۔ وُہ پروفیسر عقلان ہوں گے۔ اور شاید
یہ لوگ بھی ہماری طرح اس چٹان کے چکر میں آئے
ہوں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اب انھوں نے شوکی برادرز وغیرہ کے ان کمروں

میں داخل ہونے کے بارے میں بتایا۔ پوری بات سُن
کر انسپکٹر کامران مرزا اور شاہد دھک سے رہ گئے:

"یہ۔ یہ ہم کیا سُن رہے ہیں؟"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟" شاہد بڑبڑایا۔

"ہونے کو اس دُنیا میں کیا نہیں ہو سکتا انکل۔ ہو
سکتا ہے اس کمرے میں کوئی خفیہ راستا موجود ہو۔ انھوں
نے تلاشی کے دوران وُہ راستا پا لیا ہو اور اس میں داخل
ہو گئے ہوں۔ ان کے داخل ہونے کے بعد راستا بند ہو
گیا ہو۔ اور۔ اور۔" آفتاب کہتے کہتے رُک گیا۔

"نہیں جناب۔ یہاں کوئی خفیہ راستا نہیں ہے۔"

"کیا یہ ہوٹل آپ کی نگرانی میں بنا تھا؟" انسپکٹر
کامران مرزا نے پُوچھا۔

"نہیں خیر۔ میں تو بہت بعد میں اس ہوٹل میں
مُلازم ہوا تھا۔ لیکن یہاں مجھے بہت عرصہ ہو گیا ہے،
کبھی کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی۔"

"ہوٹل کے مالک مسٹر شملی کو بلائیے۔ ہم ان سے
بات کرنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میں معلوم کرتا ہوں۔ وُہ ہیں یا نہیں۔" یہ کہ کر محمد
سلیمان نے فون کا ریسیور اُٹھا کر کسی سے بات کی۔

پھر اس نے ایک اور نمبر گھمایا۔ اور بولا:

"ہیلو سر۔ یہاں ایک انتہائی حیرت انگیز واقعہ ہو گیا ہے۔ جی ہاں۔ اسی کمرے میں۔ جس میں چار آدمی قتل ہو چکے ہیں۔ مہربانی فرما کر یہاں تشریف لے آئیں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔۔۔

"لیجیے مسٹر شملی آ گئے ہیں۔"

انھوں نے نظریں اٹھائیں۔۔۔ لمبے قد کا خوش شکل آدمی چلا آ رہا تھا۔۔۔

"فرمائیے۔۔۔ کیا معاملہ ہے؟"

"تشریف رکھیے جناب۔ کیا یہ ہوٹل آپ نے خود بنوایا تھا؟"

"جی نہیں۔ بنا بنایا خریدا تھا۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔۔۔

"اوہ! کس سے خریدا تھا؟"

"یہ ہوٹل ایک کمپنی نے تعمیر کروایا تھا۔ خود چلانے کے لیے نہیں۔ بلکہ بنا کر فروخت کرنے کے لیے۔ بنانے کے بعد اس کمپنی کی طرف سے اخبارات میں اس کی فروخت کا اشتہار شائع ہوا، میں بھی ان دنوں ایک ہوٹل خریدنے کے چکر میں تھا۔ اس طرح میں اس ہوٹل کا مالک بن گیا۔"

"آپ کے پاس ہوٹل خریدنے کے لیے اتنی دولت کہاں سے آئی؟"

"باپ دادا کی جاگیر فروخت کی تھی۔"

"شکریہ۔ اس کمپنی کا نام بھی بتا دیں۔ کیا اس شہر میں اس کا کوئی دفتر ہے؟"

"جی ہاں! بالکل ہے۔ کمپنی کا نام بلیو سٹار تعمیراتی کمپنی ہے۔ اس کا یہاں دفتر تیمور روڈ پر ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ شاید ہمیں اس کمپنی کے کاریگروں سے ملنا پڑے گا۔ جنھوں نے یہ ہوٹل تعمیر کیا تھا۔۔۔ کیونکہ بالکل ایک جیسے دو واقعات ہو چکے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"جی ہاں۔ دوسرا کون سا؟"

"دوسرا کمرے والا۔ مجھ پر جن چار آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ وہ بھی شاید دروازے کے راستے اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اندر سے ہی کہیں سے کمرے میں پہنچے تھے۔"

"اوہ۔۔۔ نہیں۔" وہ چلائے۔

"ہاں! اگرچہ ان کے پاس سے چابی بھی ملی تھی، لیکن وہ صرف نمائش کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ اور پھر ان

کے پاس چوتھی چابی کہاں سے آ گئی ۔ یہ بھی کچھ کم حیرت انگیز بات نہیں ہے ۔ خیر ۔ پہلے تو ہم خود کوئی خفیہ راستا اس کمرے میں تلاش کریں گے، کیوں کہ اس کام میں ہم لوگ بھی کسی قدر سوجھ بوجھ رکھتے ہیں ۔ آپ حضرات تشریف لے جا سکتے ہیں، لیکن اگر دل چسپی رکھتے ہیں تو بے شک یہاں ٹھہریں۔"

"بھلا اس سے دل چسپ معاملہ اور کیا ہو سکتا ہے ۔ اور پھر یہ چھے انسانوں کی گم شدگی کا معاملہ ہے" شملی نے کہا ۔

"جی ہاں! یہ تو ہے۔"

اور پھر انھوں نے خفیہ راستے کی تلاش شروع کر دی ۔ انھوں نے اپنے سبھی طریقے آزما ڈالے، لیکن خفیہ راستا نہ مل سکا ۔

اچانک انھوں نے ہلکی سی گڑگڑاہٹ سنی ۔

پائپوں کی سرگوشی

انھوں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن کہیں بھی کوئی راستا یا دروازہ نظر نہ آیا ۔ وہ دوڑ کر دوسرے کمرے میں بھی گئے، لیکن وہاں بھی کچھ نہیں تھا ۔

"آپ نے آواز سنی؟" انسپکٹر کامران مرزا نے شملی اور محمد سلیمان کی طرف دیکھا ۔

"ہاں ۔ سنی" دونوں کھوئے کھوئے انداز میں بولے ۔

"پھر آپ کا کیا خیال ہے؟"

"عقل حیران ہے ۔ خیال کیا ظاہر کریں"

"کہیں اس کمرے کے نیچے کوئی تہ خانہ تو نہیں ہے؟" آفتاب بول اٹھا ۔

"کیا بات کرتے ہو ۔ ہم ہوٹل کی دوسری منزل پر ہیں ۔ اس کمرے کے نیچے تو کوئی کمرہ ہی ہو سکتا ہے ۔"

"تب پھر۔ اس کمرے کی بغل میں کوئی خفیہ کمرہ موجود ہے۔ تعمیرات کے ماہر ایسے خفیہ کمرے بنا سکتے ہیں۔"

"اگر ایسا کوئی کمرہ یہاں ہے۔ تو میرے علم میں ہرگز نہیں ہے۔" شملی نے پُر زور لہجے میں کہا۔

"اگر یہاں کوئی ایسا کمرہ نہیں ہے اور یہ بات آپ کے علم میں نہیں ہے تو پھر اس کا مطلب سمجھتے ہیں آپ؟"

"نن۔ نہیں۔ آپ بتائیے۔"

"اس کا بالکل صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ ہوٹل آپ کا ہے، لیکن اس کے خفیہ حصّوں پر قبضہ دُوسروں کا ہے۔ اور یہ دُوسرے وُہی ہو سکتے ہیں، جنھوں نے اسے بنایا تھا۔"

"اُف مالک۔ یہ مَیں کیا سُن رہا ہُوں۔"

"آپ نے یہ کب خریدا تھا؟"

"ایک سال پہلے۔"

"خیر۔ ہم ایک کوشش اور کریں گے۔ اگر پھر بھی خفیہ راستا نہ ملا تو اس کمپنی کے دفتر جانا ہوگا۔ آپ کیا کہتے ہیں۔"

"ہمارے تو ہوش اڑتے جا رہے ہیں۔ ہم کیا عرض کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" اُنھوں نے کہا اور ایک بار پھر کمرے کو ٹھوک بجا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ وُہ کچھ اس طرح اس کام میں لگے کہ انہیں ارد گرد کا بھی ہوش نہ رہا۔ جب تھک ہار کر شملی اور محمد سلیمان کی طرف متوجہ ہوئے تو دو گھنٹے گزر چکے تھے اور ان دونوں کے چہروں پر شدید اُکتاہٹ نظر آ رہی تھی:

"اوہ! ہمیں افسوس ہے۔ ہمیں آپ کا خیال ہی نہیں رہا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"ہم بُری طرح ناکام ہو گئے ہیں۔ اور اب کمپنی کے دفتر جا رہے ہیں۔ آپ یہیں ٹھہریں گے یا ہمارے ساتھ چلنا پسند کریں گے؟"

"مسٹر محمد سلیمان کا یہاں ٹھہرنا ضروری ہے۔ مَیں آپ کے ساتھ چلتا ہُوں۔"

"تو پھر چلیے۔"

اور وُہ وہاں سے تیمور روڈ پر پہنچے۔ دفتر کھلا تھا، وہاں کے انچارج نے ان کا استقبال کیا۔ شملی کو دیکھ کر

اس نے خاص گرم جوشی کا مظاہرہ کیا:

"خیریت تو ہے مسٹر شملی؟"

"ایک عجیب و غریب معاملہ ہے۔" شملی نے کہنا شروع کیا تھا کہ انسپکٹر کامران مرزا نے ان کی بات کاٹ دی:

"میں بتاتا ہوں۔ آپ کی کمپنی نے سب رنگ ہوٹل تعمیر کیا تھا۔ یہ بات ٹھیک ہے؟"

"جی ہاں! بالکل۔"

"اور پھر ہوٹل مسٹر شملی کے ہاتھ بیچ دیا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔

"آپ کی کمپنی کے مالک کون ہیں۔ اور ان سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"وہ تو عام طور پر ملک سے باہر رہتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"یہ ہوٹل ان کی موجودگی میں بنایا گیا تھا۔ یا عدم موجودگی میں؟"

"جی۔ ان کی غیر حاضری میں ہی بنایا گیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"تب میں ان کاری گروں سے ملنا چاہتا ہوں۔ جنھوں نے ہوٹل تعمیر کیا تھا۔"

"ہم کاری گروں کو اپنے پاس ملازم نہیں رکھتے۔ ضرورت پڑنے پر ان سے ٹھیکہ کر لیتے ہیں۔"

"پھر بھی۔ جن لوگوں نے اسے بنایا۔ یا بنانے کا ٹھیکہ لیا۔ ان کے بارے میں تو کچھ بتا ہی سکتے ہیں آپ۔"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ کاری گروں کے انچارج مسٹر ماروت تھے۔ انھوں نے دن رات ایک کر کے اس ہوٹل کی تعمیر مکمل کرائی تھی۔ وہ خود بھی بہت اچھے کاری گر ہیں۔"

"مسٹر ماروت۔ ہم ان سے کہاں مل سکتے ہیں؟"

"ان دنوں ایک دور دراز شہر میں رہتے ہیں۔"

"مہربانی فرما کر ان کا پتا لکھوا دیں۔" انھوں نے بے چین ہو کر کہا، کیوں کہ معاملہ لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ انچارج نے ایک رجسٹر نکالا اور اس سے دیکھ کر مسٹر ماروت کا نام اور پتا لکھ دیا۔ پتے پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔

"کیا ہوا انکل؟" آصف بے قرار ہو کر بولا۔

"شوکی برادرز کے شہر میں رہتے ہیں مسٹر ماروت ان دنوں۔" انھوں نے کہا، پھر انچارج سے بولے:

"یہاں بھی تو ان کا کوئی ٹھکانہ ہوگا؟"

"جی ہاں! ہوٹل کی تعمیر سے پہلے انھوں نے اپنے لیے یہاں ایک مکان بنایا تھا۔ اس مکان کو اُنھوں نے فروخت نہیں کیا تھا۔ گویا اب اس پر تالا لگا رہتا ہے۔"

"اس مکان کا پتا بھی لکھ دیں۔"

انچارج نے پتا لکھ دیا اور وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب آپ کا کیا خیال ہے مسٹر شبلی؟"

"بھلا مَیں کیا کہہ سکتا ہُوں۔"

"ہُوں ٹھیک ہے۔ اب ہمیں ان مسٹر ماروت سے ملنا پڑے گا۔ پہلے ہم اس دُور دراز کے شہر فون کریں گے۔ وہاں ہمارے چند دوست رہتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے مسٹر ماروت کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔"

"اب مَیں اکتاہٹ محسوس کر رہا ہُوں۔" شبلی نے کہا۔

"تو پھر آپ اپنے ہوٹل چلیے۔ جُوں ہی کوئی کامیابی ہوئی، ہم آپ کو اطلاع دیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" شبلی نے کہا اور ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

وُہ ایک فون بوتھ میں آئے۔ انسپکٹر کاشان کو فون پر ساری بات بتائی اور پھر اسے اپنے ہوٹل کا فون نمبر بتا کر ریسیور رکھ دیا۔

"ہوٹل جانے سے پہلے ہم ایک نظر اس مکان پر ڈال لیں۔ جو ماروت نے یہاں خریدا تھا۔"

"چلیے۔" اُنھوں نے کندھے اُچکائے۔

وُہ اس پتے پر پہنچے۔ ایک چھوٹا سا خوب صورت مکان ان کے سامنے تھا، لیکن اس کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کچھ سوچ کر ساتھ والے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ جلد ہی ایک صاحب نے دروازہ کھولا:

"فرمائیے۔ مَیں کیا خدمت کر سکتا ہُوں۔"

"یہ آپ کے پڑوسی مسٹر ماروت کہاں ہیں؟"

"ایک سال سے انھیں نہیں دیکھا۔ کسی اور شہر میں رہتے ہیں۔"

"مکان اس وقت سے بند پڑا ہے؟"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔"

اور وُہ وہاں سے واپس ہوٹل روانہ ہوئے:

"آج رات ہم اس مکان کے اندر داخل ہوں گے، مجھے یہ سب کچھ بہت پُراسرار لگ رہا ہے۔"

"اور ہمارا تو مارے پریشانی اور بے چینی کے بُرا

حال ہے — نہ جانے بے چارے شوکی برادرز ، انکل منور علی
خان اور پروفیسر عقلان کس حال میں ہیں۔ اور کہاں ہیں؟"

"ہاں! اس لیے میں کہہ رہا ہوں نا کہ مجھے یہ سب کچھ
بہت عجیب لگ رہا ہے۔"

ہوٹل پہنچنے کے بیس منٹ بعد انسپکٹر کاشان کا فون
انھیں موصول ہوا۔ اس نے کہا:

"ہیلو سر۔ اس پتے پر اس نام کا آدمی رہتا ضرور
ہے، لیکن اس وقت مکان بند پڑا ہے۔ آس پاس والوں
کا کہنا ہے کہ چند دن پہلے اس کو ضرور دیکھا گیا تھا
اب معلوم نہیں کہاں ہوگا — وہ ایک پُر اسرار سا آدمی
ہے — دوسرے یہ کہ آپ نے فون شہر جلبان سے کیا ہے،
شوکی برادرز کے والدین بہت پریشان ہیں۔ انھوں نے
مجھے بتایا تھا کہ شوکی برادرز کسی کیس کے سلسلے میں شہر جلبان
گئے تھے — لیکن انھوں نے اب تک اپنی خیریت کی
اطلاع نہیں دی۔"

"ہوں ٹھیک ہے — وہ یہاں پہنچ چکے ہیں، فکر نہ کریں۔"
انھوں نے فوراً کہا۔

"شکریہ جناب۔ اور کوئی خدمت۔"

"اس مکان کی نگرانی پر ایک آدمی کو لگا دیں۔ اگر

مسٹر ماروت نظر آئیں تو انھیں چیک کریں اور مجھے بھی اطلاع
دیں۔"

"بہت بہتر۔ آپ فکر نہ کریں۔"

انسپکٹر کامران مرزا ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے:

"معاملہ الجھتا جا رہا ہے۔ ماروت وہاں سے بھی غائب
ہے — آؤ چلیں۔ اب اس معاملے میں کچھ تیزی دکھانا
ہوگی — ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے عزیز ترین ساتھیوں
سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔"

وہ ہوٹل سے نکل آئے — اسی وقت انسپکٹر
کامران مرزا کو ایک خیال آیا۔ انھوں نے ایک فون بوتھ
سے بلیو سٹار کمپنی کے دفتر فون کیا:

"ہیلو جناب — انچارج صاحب — میں انسپکٹر کامران
مرزا بول رہا ہوں — ایک اہم بات رہ گئی — کیا آپ
مسٹر ماروت کی کوئی تصویر ہمیں دکھا سکتے ہیں؟"

"جی ہاں — کیوں نہیں — فائل میں ضرور موجود ہو
گی۔"

"تو پھر ہم اسی وقت آ رہے ہیں — آپ فائل
نکلوا لیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انچارج نے کہا۔

وہ پھر کمپنی کے دفتر پہنچے۔ انچارج فائل سامنے رکھے بُت بنا بیٹھا تھا۔

"شکریہ جناب۔ آپ بہت فرض شناس آدمی ہیں مہربانی فرما کر تصویر ہمیں دکھا دیں۔" وہ بولے۔

"کیا خاک فرض شناس ہُوں ۔۔ مجھے تو آج ابھی ابھی یہ بات معلوم ہوئی کہ مَیں بہت نکما آدمی ہُوں۔"

"ارے ارے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔ مسٹر ماروت کی تصویر فائل میں سے غائب ہے۔"

"کیا!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ اس فائل میں سے تصویر کب اڑا لی گئی۔ اب فرمائیے۔ میں فرض شناس ہوں یا نہیں؟"

"ہاں! بالکل ہیں۔ اس میں آپ کا کیا قصور۔ اچھا شکریہ، آؤ بھئی چلیں۔"

"نن انکل۔ ہم ان سے مسٹر ماروت کا حلیہ تو پوچھ سکتے ہیں۔"

"وہ ہاں۔ واقعی۔ کیوں جناب۔ کیا آپ ان کا بتا سکتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے آصف کو اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے نوٹ بک نکال کر حلیہ لکھنے کے لیے تیار ہوگیا۔ انچارج کہہ رہا تھا:

"اس کا قد قدرے لمبا ہے۔ جسم دبلا پتلا، آنکھوں پر عام طور پر نظر کی عینک لگاتا ہے۔ ناک کی نوک اُبھری ہوئی۔ ڈاڑھی مونچھیں صاف، ٹھوڑی بھی کچھ لمبی سی۔ ہونٹ پتلے، آنکھیں بھوری۔ سر کے بال گھنے سیاہ۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"شکریہ۔ مسٹر ماروت دُور دراز والے شہر میں بھی نہیں ہیں۔ وہاں چند روز پہلے ضرور دکھائی دیے تھے۔"

"او ہو اچھا، لیکن بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہوں۔ آؤ بھئی چلیں۔"

رات کے ٹھیک گیارہ بجے وہ ماروت کے مکان کی دیوار کے نیچے موجود تھے، پروفیسر غوری کو وہ ہوٹل میں چھوڑ آئے تھے:

"آفتاب۔ یہ جو پائپ چھت تک جا رہا ہے نا۔ یہ تم سے کچھ کہہ رہا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا دبی آواز میں کہہ رہے تھے۔

" ان پائپوں اور درختوں میں یہ بہت بُری بات ہے
کہ مجھ سے باتیں کرنے لگے ہیں ۔ اور کمال تو یہ ہے کہ
میری باتیں ان کی سمجھ میں اور ان کی میری سمجھ میں آجاتی
ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

" اسی لیے تو میں نے یہ بات تم سے کہی ہے ۔
آصف سے کیوں نہ کہی ۔ فرحت سے کیوں نہ کہی"۔ وہ
مسکرائے ۔

"جی ہاں ! آپ بھی دراصل ہماری آپس کی باتیں
سمجھتے ہیں۔" اس نے جل کر کہا اور وہ مسکرا دیے ۔

دوسرے ہی لمحے آفتاب تیزی سے اوپر چڑھ رہا
تھا ۔ چھت پر پہنچ کر وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو
گیا ۔ پھر ایک کھڑکی میں اس کی صورت نظر آئی :

" اس طرف سے اندر آجائیں ۔ بیرونی دروازے کو
تو اندر سے بھی تالا لگا ہوا ہے۔"

وہ اندر داخل ہوئے ۔ پورے مکان میں کوئی
چیز بھی نہیں تھی ۔ صرف گرد کی تہیں جمی نہیں ۔ یہ
دیکھ کر آفتاب نے منہ بنا کر کہا :

" کھودا پہاڑ نکلا چوہا ۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

" بھئی اب ہم غیب کا علم تو جانتے نہیں ۔ اور نہ

ہم نجومی وغیرہ ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے ۔

" جی ہاں ! یہ بات بھی ہے ۔ تو پھر چلیے ۔ اب یہاں
رُک کر کیا کریں گے ۔ مجھے تو وحشت سی ہو رہی ہے۔"

" ہاں ۔ چلو۔"

" نہیں انکل ۔ ہمیں کچھ دیر کے لیے یہاں رُکنا ہو
گا۔" اچانک فرحت نے کہا۔

انھوں نے چونک کر فرحت کی طرف دیکھا ۔ اس
کی آنکھوں میں تیز چمک تھی :

" کیا نظر آگیا ؟"

" یہ مکان بھی پُراسرار لگ رہا ہے ۔ شاید ۔ یہ بھی
اس نے خود بنایا ہوگا۔" فرحت جلدی جلدی بولی ۔

" ہوں ۔ ہو سکتا ہے ۔ لیکن تمھیں یہاں پُراسراریت
کہاں نظر آ رہی ہے۔"

" ذرا اس کمرے کی چھت کی طرف دیکھیں۔"

انھوں نے ایک ساتھ نظریں اُٹھائیں ۔ چھت
بالکل گول تھی ۔ جب کہ کمرہ چوکور تھا ۔

" عجیب بات ہے ۔ چھت گول ہے ۔ اور کمرہ چوکور۔"
انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے ۔

" ہم اپنی زندگی میں کسی چوکور کمرے کی گول چھت

شاید پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔"

"یہ عجیب ضرور ہے، لیکن ہم بھلا اس بات سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔" آصف نے منہ بنایا۔

"یہ تو ہمیں غور کرنا ہوگا۔"

"اور میں غور کر چکی ہوں۔" فرحت مسکرائی۔

"کیا مطلب؟"

"ہمیں اس چھت کو گرانا ہوگا۔ یا پھر اس کمرے کی دیواروں کی لمبائی پہلے اندر سے اور پھر باہر سے چیک کرنا ہوگی۔ کیا لمبائی دونوں طرف ایک جیسی ہے یا کم و بیش۔" فرحت نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"ہم پیمائش کا سامان ساتھ نہیں لائے۔ اور نہ یہاں کوئی سیڑھی ہے۔" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

"تم غصّہ نہ کھاؤ۔ میں انتظام کر لوں گی۔" فرحت نے فوراً کہا۔

"ہاں! ٹھیک تو ہے۔" آصف مسکرا دیا۔

انسپکٹر کامران مرزا عجیب سی نظروں سے فرحت کو دیکھ رہے تھے:

"تمھارے ذہن میں کیا ہے فرحت؟"

"میرا خیال ہے۔ جب ہم اندر سے اور باہر سے دیواروں

کی پیمائش کریں گے تو ایک حیرت انگیز بات ہمارے سامنے آئے گی۔"

"اوہ!" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

آفتاب کی جیب میں سے انھیں ریشم کی ڈوری کا ایک چھوٹا سا گولا مل گیا۔ انسپکٹر کامران مرزا اور شاہد بازو جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے کندھوں پر آصف کھڑا ہوا اور آصف کے کندھے پر فرحت۔ اس طرح فرحت کا ہاتھ اندرونی حصّے کی چھت تک پہنچ گیا۔ اس نے رسی کا سرا وہاں لگا دیا۔ رسی نے جس جگہ سے فرش کو چھوا۔ اس جگہ سے آفتاب نے رسی کو پکڑ لیا۔ اب فرحت نیچے اتری۔ باہر نکل کر انھوں نے پھر یہی عمل کیا، لیکن اس بار فرحت کا ہاتھ بہت نیچے رہ گیا:

"بس ابّا۔ اب مزید کسی تجربے کی ضرورت نہیں اس چھت کے نیچے اور کمرے کی چھت کے اوپر ضرور کافی چوڑی جگہ موجود ہے۔ خفیہ جگہ۔ اس کا راستا بھی کہیں نہ کہیں سے بنایا گیا ہوگا۔ وہ راستا تو شاید ہمیں نہ مل سکے لیکن ہم اس چھت کو اکھاڑ کر حقیقت ضرور جان سکتے ہیں۔"

"ہُوں۔ لیکن اگر پہلے ہم راستا تلاش کرنے کی کوشش کر لیں تو کیا حرج ہے۔"

"کوئی حرج نہیں۔ بلکہ اس میں فائدہ رہے گا۔ ہو سکتا ہے۔ اس جیسا کوئی سسٹم ہوٹل میں استعمال کیا گیا ہو۔"

"شش۔ شاید ہم خفیہ راستے تلاش کرنے کا فن بھول چکے ہیں۔" آصف بڑبڑایا۔

"تب پھر۔ کیوں نہ ہم۔" فرحت کہہ رہی تھی کہ ایک عجیب بات ہوئی۔ ایک ہلکی سی سرگوشی ان کے کانوں میں آئی تھی۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"سرگوشی کس نے کی تھی؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جج۔۔ جی۔۔ جی۔ کم از کم میں نے تو نہیں کی۔" آصف گھبرا کر بولا۔

"اور میں نے بھی نہیں۔" آفتاب بولا۔

فرحت اور شاہد نے بھی انکار میں سر ہلایا۔ اب تو ان کی بے چینی بہت بڑھ گئی۔ اچانک فرحت نے کہا:

"ایک بات میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ یہ کہ اس سرگوشی میں اور اس گڑگڑاہٹ میں بہت مشابہت ہے، جو ہم نے ہوٹل کے کمرے میں سنی تھی۔ دراصل وہ بھی سرگوشی سی ہی تھی۔ جب کہ ہم اسے گڑگڑاہٹ سمجھے تھے۔"

"تب تو ان سرگوشیوں کا راز معلوم کرنا ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"آئے تھے اس چٹان کو دیکھنے۔ پڑ گئے دوسرے چکر میں۔ اور اب یہ چکر شاید ہی ہمیں چٹان دیکھنے کی مہلت دے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اللہ مالک ہے۔ مہلت نہیں ملے گی۔ نہیں دیکھیں گے۔" آصف نے منہ بنایا۔

"تم نہ دیکھنا۔ میں تو اسے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"چٹان پر بات بعد میں ہوگی۔ پہلے اس مکان سے تو نبٹ لو۔" فرحت بھنا اٹھی۔

اور انھوں نے چھت کی طرف سے جائزہ شروع کیا، ایک جگہ انھیں دو پائپ لگے نظر آئے۔ پائپ اوپر نیچے لگے ہوئے تھے۔

عین اسی وقت سرگوشی پھر سنائی دی۔ اور اس مرتبہ انھوں نے صاف سنا۔ کہ سرگوشی ان پائپوں نے کی تھی۔۔

خلا کا راستہ

"ارے باپ رے۔ اس مکان کے تو بھوت سرگوشی کر رہے ہیں۔" آفتاب نے کانپتی آواز میں کہا۔

"ابھی کیا ہے۔ آگے آگے دیکھنا، کیا کیا چیزیں سرگوشی کرتی ہیں۔" فرحت مسکرائی۔

"اچھا اچھا دیکھ لوں گا۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"کمرے کی چھت اور اوپر والی چھت کے درمیان کافی چوڑا خلا ہے۔ اس خلا میں کسی کو قید بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور کچھ خفیہ چیزیں بھی رکھی جا سکتی ہیں۔ اور اس کا مطلب ہے یہی طریقہ ہوٹل سب رنگ میں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے، یہ مکان بھی ماروت نامی کاریگر نے بنایا تھا اور ہوٹل سب رنگ کا کاریگر بھی وہی ہے، لیکن یہ ماروت اس وقت نہ اس شہر میں ہے، نہ شوکی برادرز کے شہر میں۔ سوال یہ ہے

کہ اب کیا کریں؟"

"اس خلا کی تلاشی لینے کے علاوہ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"خلا کا راستہ ہمیں معلوم نہیں۔ لہٰذا اس کو توڑنا ہی پڑے گا۔"

"اور رات کے وقت یہ کام اگر ہم نے شروع کیا تو ہمیں ضرور چور خیال کیا جائے گا۔ کچھ لوگ یہاں جمع ہو جائیں گے اور چہ میگوئیاں شروع کر دیں گے۔ لہٰذا کیوں نہ ہم صبح پولیس کو ساتھ لے کر یہاں آئیں۔" فرحت نے تجویز پیش کی۔

"ہم اتنا وقت ضائع نہیں کر سکتے۔ اب شاید ہمیں خود کو پولیس کے ایک آفیسر پر ظاہر کرنا ہی ہو گا۔ آؤ چلیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"آپ نے کیا فرمایا۔ پولیس کے ایک آفیسر پر۔ گویا باقی آفیسرز پر خود کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔" آصف بولا۔

"ہاں بالکل نہیں۔ میک اپ میں ہونے کے باوجود ہم پر قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں۔ اگر ہم نے میک اپ ختم کر دیا تو شاید اس شہر میں رہ بھی نہ سکیں۔"

"یہ شہر آخر ہے کیا بلا — سمجھ میں نہیں آیا۔" آصف نے منہ بنایا۔

"شہر کی بات کرتے ہو۔ پہلے ہوٹل سب رنگ کو تو سمجھ لو۔" آفتاب مسکرایا۔

اور پھر میک اپ صاف کرنے کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ایک چوک پر کھڑے کانسٹیبل سے کسی کا پتا پوچھا اور وہ آگے بڑھ گئے۔ آخر ایک کوٹھی کے دروازے پر رک کر انھوں نے گھنٹی بجائی۔ تین منٹ بعد کہیں جا کر دروازہ کھلا اور بھنّائی ہوئی آواز میں کہا گیا:

"رات کے ساڑھے بارہ بجے کسی کو۔ کیا تکلیف ہے۔"

انھوں نے دیکھا۔ وہ کوئی ملازم تھا۔

"ہمیں۔" آفتاب بولا۔

"کیا تم لوگ دن میں نہیں آ سکتے تھے۔" وہ بولا۔

"بالکل آ سکتے تھے۔ لیکن ہمارے پاس وقت ذرا کم ہوتا ہے۔"

"اچھا خیر۔ معاملہ کیا ہے؟"

"نیازی صاحب سے ملنا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ اکرام خان نیازی صاحب سے۔"

آپ لوگوں کا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"کیوں کیا بات ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"کیوں جناب! اس میں دماغ خراب ہونے کی کیا بات ہے، کیا جو لوگ نیازی صاحب سے ملنے کے لیے آتے ہیں۔ ان سب کا دماغ چل چکا ہوتا ہے۔"

"ایسی بات نہیں۔ نیازی صاحب، اس وقت کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔" اس نے جل کر کہا۔

"لیکن وہ ہم سے ضرور ملاقات کریں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیوں جناب۔ کیا آپ پرستان سے آئے ہیں؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"نہیں۔ کیا نیازی صاحب پرستان سے آنے والوں سے اس وقت ملاقات کر لیتے ہیں؟" آفتاب کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"آپ عجیب ہیں۔ میری ہر بات کا مطلب اُلٹ لے رہے ہیں۔"

"بُری بات ہے آفتاب۔ کم از کم تمھیں ہر بات کا مطلب تو اُلٹ نہیں لینا چاہیے۔" آصف بولا۔

"میرا کارڈ لے جائیں۔ نیازی صاحب کو دے دیں۔"

"جب ایک کام کی مجھے اجازت ہی نہیں ہے، تو میں کارڈ کس طرح لے جاؤں۔"

"تو انھوں نے منع کر رکھا ہے؟"

"ہاں!"

"اچھی بات ہے۔ آصف گھنٹی بجاؤ۔" وہ اچانک بولے

"جی۔ کیا مطلب؟" ملازم چونکا۔

"آصف گھنٹی بجانا شروع کرو۔ اُنگلی اُٹھانا نہیں جب تک کہ اندر سے کوئی نہ آ جائے۔"

"ہرگز نہیں۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے تیزی سے ایک قدم اٹھایا اور اس کا ہاتھ کلائی پر سے پکڑ لیا۔

"چلو آصف۔"

ملازم نے ہاتھ چھڑانے کے لیے جھٹکا جو مارا تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اور منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کلائی بازو سے الگ ہو جائے گا۔ وہ ساکت رہ گیا۔ اس کے جسم سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ اگرچہ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

اُدھر آصف گھنٹی کے بٹن پر اُنگلی رکھ چکا تھا۔ اندر مسلسل گھنٹی بج رہی تھی۔ اور پھر قدموں کی آواز سُنائی دی۔ ایک نوعمر لڑکے کی شکل نظر آئی:

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"اور اس بدتمیزی پر ہمیں۔ آپ کے ملازم نے مقرر کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم نے اس سے کہا کہ ہمارا کارڈ نیازی صاحب کو پہنچا دو۔ لیکن یہ انکار کرتا رہا۔ ہم نے اسے بہت سمجھایا، لیکن اس نے انکار ہی کیا۔ ہمارا ملنا اگر اس قدر ضروری نہ ہوتا تو ہم خود بھی اس وقت یہاں نہ آتے۔"

"اس میں اس بے چارے کا کوئی قصور نہیں۔ اسے ہدایات ہی یہی ہیں۔" نوعمر لڑکے نے کہا۔

"ہمارا بھی تو کوئی قصور نہیں۔ یہ قصور ہے۔ نیازی صاحب کا۔ آخر انھوں نے ایسی سخت ہدایات کیوں دے رکھی ہیں۔ کوئی ضرورت مند آ ہی سکتا ہے۔ تو کیا وہ رات بھر یہاں کھڑا رہے گا۔"

"آپ کا ان سے کیا تعلق ہے؟"

"وہ میرے دوست ہیں۔ گہرے دوست بلکہ لنگوٹیے۔"

"اوہ۔ کیا آپ نے یہ بات بھی ملازم کو بتائی تھی؟"

"اس نے کوئی بات سنی ہی نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب۔ میں انہیں بتاتا ہوں جا کر۔"

"مجھے انسپکٹر کامران مرزا کہتے ہیں۔"

"ارے!" نوعمر لڑکا زور سے اچھلا۔

"کیا!" ملازم کے منہ سے نکلا۔

پھر وہ دونوں اندر کی طرف دوڑ پڑے۔

"یہ۔ یہ انہیں کیا ہوا انکل؟" آصف نے بوکھلا کر کہا۔

"جگانے گئے ہیں۔ اور شاید دونوں پہلے جگانے کا مقابلہ جیتنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن کیوں؟"

"اب یہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کیا یہ لڑکا۔ نیازی صاحب کا ہے؟"

"نہیں۔ یہ بھی ملازم ہی ہوگا۔ نیازی صاحب کے ہاں تو کوئی اولاد ہے ہی نہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

ایک بار پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی بھاری بھرکم آواز میں کہہ رہا تھا:

"الو کے پٹھو۔ تم میری طرف دوڑ آئے۔ اور انہیں دروازے پر ہی چھوڑ آئے۔"

پھر ایک موٹا تازہ آدمی نظر آیا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے:

"اُف۔ انسپکٹر کامران مرزا۔ یہ تم ہو۔ مم۔ میں۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"مجھے۔ اور میرے ساتھیوں کو دیکھ رہے ہو۔ اور کیا دیکھ رہے ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا ان کی طرف لپکے۔ اور پھر دونوں گلے لگ گئے۔ پھر شاہد اور بچوں سے ملاقات کی باری آئی۔ وہ ان سے پہلی بار مل رہے تھے۔

اطمینان سے بیٹھنے کے بعد انہوں نے مختصر طور پر حالات سنائے۔ اور پھر فوری ضرورت کی بات بتائی۔ آخر اکرم خان نیازی نے کہا:

"میں سمجھ گیا۔ تم اس مکان کا وہ پراسرار حصہ تڑوانا چاہتے ہو۔"

"ہاں! اس کے بعد ہوٹل سب رنگ کی باری

آئے گی۔ ہمارے بہت عزیز ساتھی پھنس گئے ہیں نا۔"

"ویسے یہ اچھا ہی ہوا کہ تم لوگ یہاں آ گئے ہو، یہاں کے حالات بہت پُر اسرار ہیں۔"

"کیوں خیر تو ہے؟"

"ایک چٹان کا چکر ہے۔"

"اوہ۔ تمہیں یہ سُن کر شاید حیرت ہو گی کہ ہم بھی دراصل اس چٹان کے چکر میں آئے ہیں۔"

"ارے!!!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! لیکن افسوس! ابھی تک ہم اس چٹان کا منہ بھی نہیں دیکھ سکے۔"

"چٹان کا منہ۔ یہ۔ یہ تم نے کیا کہا۔"

"کیوں۔ کیا چٹان کا منہ نہیں ہو سکتا؟"

"یہی تو عجیب بات ہے۔ اس چٹان کا واقعی ایک منہ ہے۔" اکرم خان نیازی بولے۔

"کیا!" وہ چلّا اُٹھے۔

"اب تم لوگ کیوں چلّائے۔ کیا ایک چٹان کا منہ نہیں ہو سکتا۔" نیازی نے ان کی بات منہ پر دے ماری۔

"ہاں۔ بالکل ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایک کیا۔ کئی

منہ ہو سکتے ہیں۔ آخر ہم اس چٹان کے منہ کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ کیا پیچھے پڑنے کے لیے ہمارے پاس اور کچھ نہیں رہ گیا۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"اب محسوس ہوا۔ تمہارے ساتھ آفتاب بھی ہے۔"

"ابھی کیا ہے۔ یہ بات تو اچھی طرح محسوس ہو گی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"تو پھر۔ پہلے اس چٹان کو دیکھنا ہے۔ یا اس مکان کو؟"

"نہیں۔ پہلے مکان۔ کیوں کہ معاملہ ہمارے عزیز ساتھیوں کا ہے۔"

"آخر وہ کون ہیں؟"

"پروفیسر عقلان کا نام تو تم نے سُن ہی رکھا ہو گا۔"

"اوہ ہاں۔ کیوں نہیں۔ تو وہ غائب ہیں۔"

"صرف وہ نہیں۔ ان کے ساتھ میرے دوست منور علی خان بھی ہیں۔"

"ارے! وہ مشہور و معروف شکاری۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! وُہی اور چار نوجوان ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں شاید آپ نے نہیں سُنا ہو گا۔ ان کا نام

شو کی برادرز ہے۔"

"اُف۔ انھوں نے تو یہاں آتے ہی لوگوں کے دل جیت لیے ہیں۔"

"ہاں! میں سُن چکا ہوں۔ میرا مطلب ہے۔ ہمارے یہ ساتھی اس وقت غائب ہیں اور ہوٹل سب رنگ میں سے غائب ہیں۔ ہوٹل سب رنگ جیسی آواز ہم نے مسٹر ماروت کے مکان میں سنی ہے۔ سب رنگ بھی ماروت نے ہی بنایا تھا۔ مجھے یہ شخص بہت پُر اسرار لگ رہا ہے۔ پتا نہیں اس وقت کہاں ہوگا۔ خیر۔ اسے بعد میں دیکھیں گے۔ سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کی تلاش میں نکلیں گے۔"

"میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر نیازی نے فون کا ریسیور اُٹھایا اور ایک نمبر گھماتے ہی انھوں نے کہا:

"ایس پی نیازی بول رہا ہوں۔ پتا نوٹ کر لو۔ اس مکان کو گھیرے میں لے لو۔ میں پہنچ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے ماروت کے گھر کا پتا لکھوا دیا۔ پھر وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔

پولیس اس مکان کو گھیرے میں لے چکی تھی۔

کانسٹیبلوں کے ذریعے چھت کو تڑوایا گیا۔ اگرچہ انھوں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ دو چھتوں کے درمیان میں خلا رکھا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود نظر آنے والے خلا کو دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چھت کے نیچے ایک گول خلا تھا۔ جس کی لمبائی دو فٹ تو ضرور رہی ہو گی۔ اس خلا میں مختلف قسم کے آلات نصب تھے۔ ایک طرف جدید قسم کا اسلحہ اور حیرت انگیز قسم کے بم موجود تھے۔ دھماکے کرنے والا مواد زیادہ تھا۔ ایک طرف کچھ کاغذات بھی حفاظت سے رکھے نظر آئے۔

"ہمیں سب سے پہلے ان کاغذات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا پُرجوش انداز میں بولے۔

"لیکن اس خلا میں تو یہ مطالعہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں تو بیٹھی ہوئی حالت میں بھی سر کو نیچے جھکانا پڑ رہا ہے۔" نیازی بولے۔

"نہیں! ہم کاغذات نیچے چل کر پڑھیں گے اور اگر دیر لگنے کا امکان ہوا تو تمھارے ہاں چل کر پڑھ لیں گے۔"

انھوں نے نیچے آکر کاغذات کا مطالعہ شروع کیا۔

پھر انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے:

"یہ مسٹر ماروت کی کارگزاریوں کی ایک طویل رپورٹ ہے۔ یعنی وہ اس ملک میں کیا کیا کچھ کرتا رہا ہے۔ لہٰذا اطمینان سے بیٹھ کر ہی ہم پڑھ سکتے ہیں، لیکن ان کاغذات سے زیادہ پریشانی اب مجھے ہوٹل سب رنگ کی ہے۔ کہیں اس میں بھی تو ایسے بہت سے خلا موجود نہیں ہیں۔ ان میں سے کسی ایک خلا میں کہیں ہمارے ساتھی تو موجود نہیں ہیں۔ آخر ہم اس ہوٹل کا کون کون سا حصّہ گروائیں گے۔ کیا کریں گے۔" انھوں نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

"ہوں۔ اس کا بہترین طریقہ تو یہ ہے کہ ہم کسی طرح ماروت کو تلاش کر لیں۔ اس کو بتا دیں کہ اس کے بارے میں ہم بہت کچھ جان چکے ہیں، لہٰذا اس کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ ہوٹل سب رنگ کی خفیہ جگہوں کے بارے میں ہمیں صاف صاف بتا دے۔" اکرم خان نیازی بولے۔

"یہی تو مشکل ہے۔ وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تب پھر۔ تم ہی بتاؤ۔ ہم کیا کریں۔ مجھ سے تو

تم جو کچھ کہو گے۔ میں کروں گا۔"

"تو پھر آؤ۔ پہلے ہوٹل سب رنگ چلیں۔"

جب وہ ہوٹل سب رنگ پہنچے تو اس کے دروازے بند کیے جا رہے تھے۔ غالباً ہوٹل رات کے دو بجے کے قریب بند کر دیا جاتا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے، ہال اب بالکل خالی پڑا تھا۔ صرف چند بیرے دروازے بند کر رہے تھے۔ کاؤنٹر پر بھی کوئی نہیں تھا۔ بیروں نے انھیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر ایک نے کہا:

"ہوٹل تو بند ہو چکا ہے جناب۔"

"ہاں! ہو گیا ہو گا۔ مینیجر محمد سلیمان کہاں ہیں؟"

"اپنے کمروں میں آرام کر رہے ہوں گے۔"

"تو وہ یہیں رہتے ہیں؟"

"ہاں جناب۔ انھیں تین کمروں کا ایک پورشن ملا ہوا ہے۔"

"تو وہ اپنے بیوی بچوں سمیت یہاں رہتے ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"بالکل!" بیرا بولا۔

"اور مسٹر شہلی؟"

"وہ بھی ہوٹل میں ہی رہتے ہیں۔"

"ان کے کمرے کون سی منزل پر ہیں؟"

"سب سے اوپر والی منزل پر۔"

"کمروں کے نمبر؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ کس لیے پوچھ رہے ہیں؟"

"سوال کا جواب دو۔" اکرم نیازی نے تیز آواز میں کہا، وہ یوں بھی وردی میں تھے۔

"ان کے کمروں کا نمبر ۵۰۰ ہے۔"

"اور مسٹر محمد سلیمان — یعنی راون شام۔"

"وہ ان سے نچلی منزل میں رہتے ہیں — کمروں کا نمبر ۴۵۰ ہے۔"

"شکریہ — تم لوگ کہاں رہتے ہو؟"

"ہوٹل کے عقب میں بیروں کے کوارٹرز ہیں — ان میں۔"

"خوب — اب دروازے بند کرنے کے بعد تم لوگ بھی سونے کے لیے جاؤ گے — کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"جج — جی ہاں — اور ہم کیا کریں گے۔"

"اچھا — ٹھیک ہے — آئیے بھئی — ذرا پہلے محمد سلیمان صاحب سے بات کر لیں۔"

"کک — کیا آپ انہیں جگائیں گے؟"

"ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔"

"لیکن جناب — وہ ہم پر بگڑیں گے۔"

"فکر نہ کرو — ابھی تو ہم مسٹر شملی کو بھی جگائیں گے۔"

"جی کیا فرمایا — تب تو ہماری ملازمت گئی۔"

"اگر یہ ہوٹل قائم رہا — تو آپ لوگوں کی ملازمت نہیں جائے گی — فکر نہ کریں۔" اکرم نیازی نے مسکرا کر کہا اور لفٹ کی طرف بڑھ گئے —

ہوٹل دس منزلہ تھا۔ وہ نویں منزل کے کمرہ نمبر ۴۵۰ کے دروازے پر آکر رک گئے —

اکرم نیازی نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی اور اس وقت انگلی ہٹائی جب اندر آہٹ سن لی۔ دوسرے مسکرانے لگے، پھر کسی نے ہڑبڑاہٹ کے ساتھ دروازہ کھولا:

"کیا مصیبت آگئی ہے اس وقت۔" دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی محمد سلیمان نے کہا — پھر ان پر نظر پڑی تو چونک اٹھا:

"اوہو — آپ لوگ ہیں — خیر تو ہے۔"

"خیریت صاحبہ مکمل طور پر تو ہرگز نہیں ہیں۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔" اس نے کہا۔

"آئیے۔ ہمارے ساتھ۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ کے ساتھ۔ لیکن کہاں؟"

"مسٹر شملی کے کمرے تک۔"

"کیا مطلب۔ کیا آپ انہیں بھی جگائیں گے؟"

"ہاں۔ مجبوری ہے۔" نیازی نے کندھے اچکائے۔

"کیسی مجبوری۔ ایس پی صاحب۔ آپ ان لوگوں کے ساتھ نظر آ رہے ہیں۔ یہ بات بھی کچھ کم عجیب نہیں۔"

"میرا ان کے ساتھ نظر آنا اتنا عجیب نہیں۔ یہ میرے دوست ہیں۔ گہرے دوست۔ بلکہ لنگوٹیے۔" نیازی مسکرائے۔

"لیکن آپ مسٹر شملی کو کیوں جگانا چاہتے ہیں؟"

"آپ تو جانتے ہی ہیں۔ شوکی برادرز غائب ہیں اور ہوٹل کے اندر ہی غائب ہوئے ہیں۔ کہیں باہر سے نہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"ان حالات میں ہم ہوٹل کے مینجر اور مالک کو نہ جگائیں تو اور کیا کریں۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جگا لیں۔ لیکن وہ بہت بگڑیں گے۔ جگایا جانا انہیں قطعاً پسند نہیں۔"

"دیکھا جائے گا۔ آپ آئیے۔"

وہ اسے ساتھ لے کر اوپر پہنچے۔ شملی کے دروازے پر دستک دی۔ دو منٹ تک تین بار دستک دی گئی۔ آخر قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور شملی کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی:

"جس کسی نے بھی مجھے جگایا ہے۔ میں اس سے اچھی طرح سمجھوں گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی نظر سب سے پہلے عبداللہ پر پڑی:

"راون شام۔ تم۔ یہ تم ہو جس نے مجھے بے آرام کیا ہے۔"

"تم۔ میں نہیں جناب۔ یعنی کہ صرف میں نہیں۔ بلکہ یہ بھی۔" اس نے باقی لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اور یہ لوگ کون ہیں؟"

اس نے ان کی طرف دیکھا، پھر زور سے چونکا:

"اوہو۔ آپ لوگ ہیں۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں! ہمیں بہت افسوس ہے۔ آپ کو اس وقت پریشان کیا۔"

"خیر تو ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جن لوگوں کے کچھ ساتھی غائب ہوں۔ وہ کسی طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں سب خیریت ہے۔"

"اوہ۔ آپ شوکی برادرز کی بات کر رہے ہیں۔"

"بالکل!" وہ بولے۔

"لیکن بھلا اس سلسلے میں میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"آپ ہماری گزارشات تو سن ہی سکتے ہیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ آئیے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"آپ سو رہے تھے؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں! بہت گہری نیند۔"

"ہمیں افسوس ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ فرمائیے۔ اب کیا بات چیت کرنا چاہتے ہیں؟"

"آپ مسٹر ماروت کو جانتے ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پہلا سوال کیا۔ ان کی نظریں۔ شملی کے چہرے پر جمی تھیں۔

"ماروت۔ میں نے یہ نام سنا ہوا تو ہے، لیکن یاد نہیں آ رہا کہ کہاں۔"

"خیر۔ میں بتاتا ہوں۔ یہ ہوٹل بلیو سٹار تعمیراتی کمپنی

نے بنوایا تھا۔ وہ اس قسم کی عمارت بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔"

"ہاں! یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اس کمپنی نے جس ٹھیکیدار کے ذریعے ہوٹل تعمیر کروایا اس کا نام ماروت ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ اب یاد آ گیا۔ اس کا ذکر بلیو سٹار والوں نے کیا تھا۔ یہ کہ وہ ایک بہترین انجینئر ہے۔ شاید اس ملک میں سب سے بڑا انجینئر۔"

"ہوں! مسٹر ماروت کا ایک مکان اس شہر میں موجود ہے۔ اس کا ایک مکان ایک دور دراز کے شہر میں بھی موجود ہے۔"

"تو پھر۔ یہ باتیں آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔" شملی نے حیران ہو کر کہا۔

"اس کی ایک وجہ ہے۔ جو ابھی سامنے آ جائے گی۔"

"شوکی برادرز ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۰۹ میں گم ہوئے ہیں۔ ہم اس کمرے کا جائزہ لے رہے تھے کہ ہم نے ایک آواز سنی آواز ایسی تھی جیسے گڑگڑاہٹ کی ہوتی ہے، لیکن یہ گڑگڑاہٹ انسانی ہرگز نہیں تھی۔"

"کک۔ کیا مطلب۔ تت۔ تو کیا۔ کوئی جن بھوت

گڑگڑایا تھا؟

"جی نہیں۔ جنوں اور بھوتوں کو بھلا گڑگڑانے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ بس وہ ایک آواز تھی۔ گڑگڑانے جیسی۔ ہم نے کچھ دیر پہلے مسٹر مارووت کے مکان کی تلاشی لی ہے۔"

"جی کیا فرمایا۔ مسٹر مارووت کے گھر کی تلاشی۔" شملی نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! ہمیں اس شخص پر شک ہے۔ اس لیے مکان کی تلاشی لینے کی ضرورت پیش آئی۔ اور ایک عجیب بات ہمارے سامنے آئی۔"

"وہ کیا؟" عبداللہ اور شملی نے ایک ساتھ کہا۔

"وہاں بھی ہمیں ویسی ہی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور جب ہم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا۔ وہ ہوا کے اخراج کے پائپوں کی آواز تھی، لیکن ان پائپوں نے ہمیں ایک اور بات سمجھائی۔ یہ کہ مکان کی چھت اور کمروں کی چھتوں کے درمیان اچھا بھلا خلا چھوڑا گیا ہے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"جی ہاں! ہم نے اس خلا کو دیکھنے کا پروگرام بنا لیا،

لیکن ہمیں خفیہ راستے یا دروازے کا کوئی علم نہیں تھا اور کوشش کے باوجود ہم تلاش کر بھی نہیں سکے۔ لہٰذا ہم نے چھت کو تڑوانے کا پروگرام بنا لیا۔"

"اوہ۔ اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور پھر ہم نے چھت اکھڑوائی۔ دونوں چھتوں کے درمیان واقعی خلا موجود تھا۔"

"کیا!!!" اس مرتبہ وہ دونوں بری طرح اچھلے تھے۔

خلاؤں کا راز

چند سیکنڈ شدید حیرت کے عالم میں گزرے، پھر انسپکٹر کامران مرزا نے کہا:

"ہاں! ہاں واقعی ایک بہت بڑی جگہ بنائی گئی تھی، اور یہ جگہ خفیہ کاغذات اور اسلحہ رکھنے کے لیے بنائی گئی تھی، وہاں بہت خوف ناک اسلحہ موجود ہے — ابھی ہم نے اسلحے کو ہاتھ نہیں لگایا — جُوں کا تُوں چھوڑ کر ادھر آ گئے ہیں۔"

"لیکن کیوں — آپ کو فوری طور پر یہاں آنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" شملی نے جلدی سے کہا۔

"اس لیے کہ جس کمرے میں شوکی برادرز غائب ہوئے — اس کمرے میں بھی ان لوگوں نے بالکل ویسی گڑگڑاہٹ سُنی تھی۔"

"اوہ — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ — ہوٹل سب رنگ میں بھی ایسے خلا موجود ہیں، اور شوکی برادرز اور ان کے ساتھی ضرور کسی ایسے خلا میں موجود ہیں۔"

"اوہ — اوہ" محمد سلیمان کے منہ سے نکلا۔

"ناممکن — یہ نہیں ہو سکتا — ہوٹل تو مکمل طور پر ہمارے قبضے میں ہے — وہ گھر تو چلو ماروت کا ہے — ماروت کے قبضے میں ہے — لیکن یہ ہوٹل — اس سے بھلا اس کا اب کیا تعلق۔" شملی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں جناب — یہ کیا مشکل ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"مہربانی فرما کر وضاحت کریں — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں" شملی کے چہرے پر شدید اُلجھن نظر آئی۔

"یہ کہ ماروت خفیہ خلاؤں کے خفیہ راستے جانتا ہے، ان کو کھولنے اور بند کرنے کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہے، کیوں کہ یہ بنوائی ہی اسی نے ہیں — اب فرض کریں کہ وہ یہاں کرائے دار کی حیثیت سے رہتا ہے — اور ان خلاؤں کو استعمال کرتا ہے — لیکن آپ کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔"

"اُف — اُف" شملی اور محمد سلیمان کانپ اُٹھے۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں۔"

"اب - اب میں کیا کہوں گا - آپ کو اختیار ہو گا - پورے ہوٹل میں ماروت کو تلاش کر لیں۔"

"نہیں - اس سے پہلے ہم ایک اور کام کریں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اور وہ کیا؟"

"پہلے ایک عدد خلا میں سے شوکی برادرز کو نکالیں گے - وہ ضرور اس کمرے کے نیچے والی خلا میں موجود ہیں - جس کمرے سے وہ غائب ہوئے ہیں۔"

"نن - نہیں - لیکن اگر ایسا ہے تو - تو کیا وہ زندہ ہوں گے۔"

"ہاں بالکل - وہ گڑگڑاہٹ کی آواز دراصل ہوا کی آمد و رفت سے پیدا ہوتی ہے - ماروت شاید اس آواز کو ختم نہیں کر سکا - ویسے اس نے کوشش ضرور کی ہو گی۔"

"آپ نے تو ہمارے پیروں تلے سے زمین نکال دی ہے جناب - اگر ہوٹل میں ایسی جگہیں موجود ہیں تو پھر تو ہوٹل کی بہت بدنامی ہو گی - اس کی ساری ساکھ خاک میں مل جائے گی۔"

"ہم کوشش کریں گے کہ آپ کے ہوٹل کی ساکھ خراب

نہ ہو۔"

"بہت بہت شکریہ - چلیے پھر جلدی کریں - نہ جانے وہ بے چارے کس حال میں ہوں گے۔" شملی نے اٹھتے ہوئے کہا -

اب یہ سب لوگ اس کمرے میں آئے - فرش کھودا گیا - اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں - نیچے واقعی ایک خلا تھا - اور اس خلا میں شوکی برادرز، پروفیسر عقلان اور منور علی خان بے ہوش پڑے تھے۔

"کیوں شملی صاحب - اب آپ کا ہمارے اندازوں کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"اُف - میں - آج کا دن - میرے لیے حیرت انگیز ترین دن ہے - کہیں میں مارے حیرت کے مر نہ جاؤں۔"

"دن نہیں جناب - رات۔" آفتاب بول اٹھا۔

"اوہ ہاں - آج کی رات۔"

ان لوگوں کو جلدی جلدی نکالا گیا اور کھلی ہوا میں لٹایا گیا - پانی کے چھینٹے مارے گئے، لیکن وہ ہوش میں نہ آئے -

"شاید ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔" شملی بولا

اور پھر فون کی طرف بڑھ گیا۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا
کو کوئی خیال آیا۔ وہ آصف کی طرف مڑے:
"آصف۔ اپنی نوٹ بک دینا ذرا۔"
آصف نے نوٹ بک انھیں دے دی۔ وہ اس میں
سے کچھ دیکھنے لگے ۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر آ گیا ۔ اس
نے ان کا معائنہ کیا۔ آلات وغیرہ لگائے، پھر بولا:
"نہیں جناب۔ یہ بے ہوشی میرے بس کی نہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"انھیں کوئی زہریلی گیس سنگھائی گئی ہے۔ اگر جلد
تک اس گیس کا اثر ان کے نظام تنفس سے زائل نہ
کر دیا گیا تو یہ مر جائیں گے۔"
"نن۔ نہیں۔" فرحت اور سب چلا اُٹھے۔
اور پھر انھوں نے سب کچھ بھلا کر افراتفری کے
عالم میں بے ہوش ساتھیوں کو ہسپتال پہنچا دیا۔ خود بھی
ان کے وارڈ میں ہی ڈاکٹروں کے سروں پر موجود
رہے۔ ڈاکٹر پسینے میں نہائے انھیں ہوش میں لانے
کی تدبیریں کرتے رہے۔ موسم تو گرم نہیں تھا۔ پھر
نہ جانے کیوں انھیں پسینہ بہت آیا ہوا تھا۔ اگر ایک
ڈاکٹر کو آیا ہوا ہوتا تو اسے جسمانی حالت خیال کیا

جاتا، لیکن چونکہ سب لوگ نہائے ہوئے تھے، اس لیے
آفتاب سے رہا نہ گیا:
"خیریت تو ہے۔ موسم گرم تو نہیں ہے۔"
"ان حضرات کو جو گیس سنگھائی گئی ہے۔ وہ حد درجے
خطرناک ہے۔ گیس سنگھانے والے کی ہر ممکن کوشش یہی
تھی کہ یہ مر جائیں، لیکن صرف چند منٹ پہلے آپ
لوگ انھیں یہاں لے آئے۔"
"لیکن وہ انھیں گیس کے علاوہ کسی اور طریقے سے
بھی تو مار سکتا تھا۔"
"یہ اس کی سوچ ہے جناب۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔"
اور پھر ان کی کئی گھنٹوں کی سر توڑ کوشش کے بعد
گیس کا اثر زائل ہو گیا؛ تاہم ابھی وہ لوگ ہوش
میں نہیں آئے تھے۔ ہاں ڈاکٹر صاحبان نے انھیں یہ
خوش خبری ضرور سنائی کہ اب ان کے ہوش میں آنے
میں زیادہ دیر نہیں لگے گا—
جتنا وقت بھی لگا— ان کے لیے بہت مشکل سے کٹا،
سب سے بُرا حال فرحت کا تھا۔ اس کا تو بس نہیں
چل رہا تھا۔ بس میں ہوتا تو سب کچھ کر گزرتے —
لیکن سوائے انتظار کرنے کے وہ اور کچھ بھی نہیں کر

سکتے تھے ۔ اور پھر ان کے جسموں میں حرکت کے آثار نظر
آئے ۔ سب سے پہلے مکھن کی آنکھ کھلی ۔ ادھر ڈاکٹر صاحبان
نے ان لوگوں کو ہدایات دے رکھی تھیں کہ ان کے ہوش
میں آ جانے کے بعد بھی ان سے کوئی بات چیت نہ کی
جائے ۔ کچھ دیر تک بالکل خاموشی رکھی جائے ۔ اس لیے وہ
ہونٹ بھینچے ان پر جھکے ہوئے تھے ۔
مکھن نے دو تین بار پلکیں جھپکیں ۔ اور پھر اس کی آنکھوں
میں اُلجھن تیر گئی ۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے :
" آہا ۔ کتنا پیارا خواب ہے ۔ میں ۔ میں خواب دیکھ
رہا ہوں ۔ اور اس خواب میں انکل کامران مرزا ، انکل
منور علی خان ۔ انکل شاہد ۔ اور ۔ اور یہ شاید پروفیسر انکل
غوری ہیں ۔ یہ آفتاب ، آصف اور فرحت ہیں ۔ ارے مگر ۔
یہ سب لوگ منہ میں گھنگھنیاں ڈالے ہوئے ہیں کیا ۔
یا پھر ۔ کہیں یہ سب کے سب گونگے تو نہیں ہو گئے ۔
اُف ! اب کیا بنے گا ۔ ایک آدھ آدمی گونگا ہو جاتے تو
ایک بات بھی ہے ۔ اس کا جلدی سے علاج بھی کرایا
جا سکتا ہے ، لیکن یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا لگتا
ہے ۔ اتنے بہت سے گونگوں کا علاج کیسے ہو گا ۔
بہت سارے ڈاکٹر بلانا پڑیں گے ۔ اور ہمارے پاس تو

اتنے پیسے بھی نہیں ہوں گے ۔ ان سب کا علاج کرانے کے
لیے ۔ اُف اللہ ! اب کیا بنے گا ۔ ارے ۔ بھائی جان ۔
لیجیے ۔ آپ بھی اس طرف موجود ہیں ۔ سو رہے تھے شاید ۔
کک ۔ کیا ۔ یہ لوگ آپ کو بھی نظر آ رہے ہیں ۔"
" ہاں ۔ آ ۔ میں بھی انہیں دیکھ رہا ہوں ۔ میرا خیال
ہے کہ تمہارا خیال ٹھیک ہی ہے ۔ یہ لوگ نہ صرف گونگے ،
بلکہ بہرے بھی ہو گئے ہیں ۔" شوکی نے افسوس زدہ انداز
میں کہا ۔
" یہ کن گونگوں اور بہروں کا ذکر ہو رہا ہے بھائی جان ۔"
اشفاق کی آواز سنائی دی ۔
" آنکھوں سے دیکھ لو ۔ تم آنکھوں کے گونگے تو نہیں
ہو ۔" شوکی نے بھنا کر کہا ۔
" ہائیں ۔ آنکھوں کے گونگے ۔ بھلا آنکھوں کے گونگے بھی
ہوتے ہیں ۔ آنکھوں کے تو اندھے ہوتے ہیں ۔"
" ہوتے ہوں گے ، ہمیں کیا ۔ سوال تو یہ ہے کہ ہم
اب ان سب کو کیسے دیکھ رہے ہیں ۔" اشفاق کی آواز
سنائی دی ۔
" آنکھوں سے ۔" آفتاب فوراً کہا ۔
" میرا مطلب ہے ۔ یہ ایک خواب کس طرح ہو سکتا ہے ۔"

اشفاق بولا۔

"بالکل ٹھیک! میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ اور انتظار کر رہا تھا کہ کب خوش قسمتی سے بولنے کا کوئی موقع ملے اور میں بولوں۔" منور علی خان بول اُٹھے۔

"لیکن بھئی۔ یہ خواب نہیں تو اور کیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ ہم ہوٹل سب نرگس کے کمرہ نمبر ۱۱۹ میں تھے۔ اور اس کا بغور جائزہ لے رہے تھے کہ اچانک اس کا فرش ہمارے پیروں تلے سے نکل گیا تھا۔ اور شاید اسی وقت ہمیں معلوم ہوا تھا کہ پیروں تلے سے زمین نکلنا صرف محاورے کے لحاظ سے ہی نہیں۔ ویسے بھی ممکن ہے۔"

"اس وقت تو خیر معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تو ہمارے ہوش ہی اڑ گئے تھے۔" مکھن نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں یاد آیا۔ پھر ہم نیچے کہیں جا گرے تھے۔ اتنا یاد ہے کہ زیادہ گہرائی نہیں تھی۔ ہمیں خاص چوٹ نہیں آئی تھی۔ چھت پھر اپنی جگہ چلی گئی تھی۔ اور ہم گویا اس تنگ سی جگہ میں قید ہو گئے تھے۔ جہاں گھپ اندھیرا بھی تھا۔ پھر ہمارے نتھنوں میں ایک تیز بُو آ گھسی تھی اور۔ اور ہم شاید بے ہوش ہو گئے تھے۔ سوال یہ ہے

کہ اب ہم کہاں ہیں۔ اور یہ اتنے قریبی ساتھی ہمیں ٹکر ٹکر کیوں دیکھ رہے ہیں۔ یہ گونگے کیوں بن گئے ہیں۔ وہ تنگ سی جگہ کہاں چلی گئی۔" شوکی کہتا چلا گیا۔

"میرا خیال ہے۔ یہ سب دماغی لحاظ سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ اس لیے اب ہم ان سے بات چیت شروع کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مُسکرا کر بولے۔

"ہائیں۔ انکل تو بولنے لگے۔ کمال ہے۔" مکھن چلّا اُٹھا۔

"بالکل ٹھیک۔ ڈاکٹر صاحبان تو یوں بھی ضرورت سے زیادہ احتیاط کرنے کے مشورہ دیتے رہتے ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"بھبھ۔ بھائی آفتاب بھی بولنے لگے۔"

"لو گویا۔ ہمارا خواب اب بولتا خواب بن گیا۔" اشفاق نے نئی کہی۔

"بولتا خواب۔ یہ۔ یہ۔ یہ تو۔" آفتاب ہکلا کر رہ گیا۔

"بس بس رہنے دو۔ فارُوق کی رُوح بے چین ہو گی۔" آصف نے جل کر کہا۔

"یا اللہ رحم۔ تت۔ تو۔ تو کیا فارُوق بھائی اللہ کو پیارے ہو گئے؟" شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

"ارے نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ کیا زندہ انسان کی رُوح بے چین نہیں ہو سکتی۔" آصف بولا۔

"پتا نہیں۔ کبھی اتفاق نہیں ہوا کسی رُوح سے بات کرنے کا۔" مکھن نے گھبرا کر کہا۔

"تو جان کیوں نکلی جا رہی ہے۔" آصف بولا۔

"کس کی۔ آپ لوگوں کی؟" مکھن بولا۔

"اسے کہتے ہیں، اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔" آفتاب نے بھنّا کر کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے اسے نہیں کہتے۔" پروفیسر غوری بول اُٹھے۔

"لیجیے۔ اب بڑے بھی شریک ہو گئے۔" فرحت مُسکرائی۔

"کچھ تو خیال کرو۔ یہ کیا سوچے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"یہ کون انکل؟" شوکی نے جلدی سے پُوچھا۔

"ہسپتال۔ اور کون۔" انھوں نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ ہم وقت ضائع کر رہے ہیں، ہمیں فوری طور پر سب دِنگ ہوٹل پہنچ جانا چاہیے۔ وہاں صرف ایک خفیہ خلا نہیں ہو گی۔ اور بھی نہ جانے کتنی ہوں گی، اور نہ جانے ان خلاؤں میں کیا کیا کچھ ہو گا۔" انسپکٹر کامران

مرزا بولے۔

"ہاں انکل۔ ان خلاؤں کا راز تو معلوم کرنا ہو گا۔"

جلد ہی وہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ نکل ہی رہے تھے کہ ڈاکٹروں کی ٹیم سامنے سے آتی دکھائی دی۔

"ارے ارے۔ یہ کیا۔ آپ لوگ کہاں چل دیے۔ ابھی آپ پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے۔" ایک ڈاکٹر چلّایا۔

"بعد میں ہوتے رہیں گے۔" مکھن بولا۔

"ہاں ڈاکٹر صاحب۔ یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ جو کسر رہ گئی ہے، وہ بعد میں پوری ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لل۔ لیکن اس طرح ان لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"پہنچ ہی سکتا ہے نا۔ یہ ضروری تو نہیں کہ پہنچ ہی جائے گا۔ جب کہ ہمارا جانا بہت ضروری ہے، ورنہ ایک خوف ناک راز ہمیشہ کے لیے راز ہی رہ جائے گا۔"

"خخ۔ خوف ناک راز۔ کیا مطلب؟" ایک ڈاکٹر نے گھبرا کر کہا۔

"خوف ناک راز کی اب میں کیا تشریح کروں، آپ ہی بتا دیں۔"

"خیر۔ ہم یہ کہے دیتے ہیں۔ آپ لوگ اپنی ذمّے پر

پر جا رہے ہیں۔ ہمیں الزام نہیں دیں گے آپ۔"

"آپ کو کیا ۔۔ ہم تو کبھی بھی کسی کو الزام نہیں دیتے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

ڈاکٹر صاحبان انھیں حیرت زدہ نظروں سے دیکھتے رہ گئے۔ اور وہ باہر نکل آئے۔ اب ان کا رُخ سب رنگ ہوٹل کی طرف تھا۔

"میں دو باتیں سوچ رہا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"دو کیا۔ آپ سو سوچ سکتے ہیں۔ پوری طرح آزاد ہیں۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں ۔ فی الحال دو ہی سن لو۔ سو سننے کا وقت نہ تمھارے پاس ہے اور نہ میرے پاس سنانے کا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اسے گھورا۔

"جی ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اگر یہ بھی ٹھیک ہے تو تم نے وہ بات کیوں کہی ہے۔" مکھن نے اس کی ٹانگ لی۔

فوری "میرے منہ آنے کی کوشش کی تو سر کے بل گر دو گے۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

اور "مجھے کیا پڑی ہے۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ

تمھارے منہ آؤں گا۔ منہ دھو کر رکھو۔" مکھن نے بھی جل بھن کر کہا۔

"محاورے تو اس طرح برس رہے ہیں۔ جیسے اولے برستے ہیں۔" شاہد گھبرا گیا۔

"فکر نہ کریں انکل ۔ آپ نے کون سا سر منڈوا رکھا ہے۔" فرحت مسکرائی۔

"لیجیے سر۔ میری بھی باری آگئی۔ گویا اب میرے بھی کان کاٹے جائیں گے۔" شاہد نے فریاد طلب نظروں سے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا۔

"کاٹے نہیں جائیں گے انکل۔ کھائے جانے کا ضرور امکان ہے۔" آصف بولا۔

"ہم ۔ میں بہت کمی محسوس کر رہا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"جی ۔ کمی ۔ کس چیز کی؟" آفتاب چونک کر بولا۔

"بس ۔ سمجھ جاؤ ۔ عقل مند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔" وہ مسکرائے ۔

"لیکن کیا سمجھ جائیں؟" آصف بولا۔

"جو انکل سمجھانا چاہتے ہیں۔ تم دونوں عقل سے بیدل تو نہیں چلے آئے اس مرتبہ۔" فرحت نے جل کر

کہا۔

"بالکل ٹھیک فرحت بہن۔ میں نے بھی یہی خیال کیا
تھا" شوکی چہکا۔

"اے۔ اے مسٹر۔ ذرا ہوش میں رہنا۔ ہم چھٹی
کا دُودھ بھی یاد دلا دیا کرتے ہیں" آصف بولا۔

"وُہ۔ وُہ۔ کیسے؟" شوکی کانپ کر بولا۔

"ایسے" یہ کہتے ہی اس نے اپنا ہاتھ گھمایا۔ نشانہ
شوکی کی ٹھوڑی کا تھا، لیکن اس کا مُکا شاہد کے کندھے
پر لگا، کیوں کہ شوکی تو اپنی جگہ سے بلا کی پھرتی سے
کھسک گیا تھا۔

"یہ۔ یہ کیا تھا بھئی؟" شاہد گھبرا گیا۔

"مم۔ میرا۔ مُکا انکل۔ مم۔ معاف کیجیے گا"

"کس کو معاف کروں۔ تمہیں یا تمہارے مُکے کو"
شاہد ہنسا۔

"دد۔ دونوں کو۔ قصور دونوں کا ہے۔ بلکہ ساتھ میں
میرا بھی ہے" آصف نے جلدی سے کہا۔

"یار تم ایک ہو یا تین؟" آفتاب بُری طرح گھبرا
کر بولا۔

"پپ۔ پتا نہیں۔ کبھی کبھی تو میں محسوس کرتا ہوں۔

میں ایک آدمی نہیں۔ کئی آدمی ہوں" آصف نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے
زیادہ اوٹ پٹانگ بات کبھی نہیں سُنی" فرحت بولی۔

"شکریہ فرحت۔ تم نے میرے خیال کی تائید کردی"
آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"گگ۔ کون سا تمہارا خیال۔ تم نے تو کوئی خیال پیش
نہیں کیا تھا" فرحت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں پیش کیا تھا تو کیا ہے۔ پیش تو کرنے ہی
والا تھا۔ لیکن بس۔ رہ گیا۔ یا یُوں کہ لیں کہ چوک
ہو گئی" آفتاب بولا۔

"اچھا بھائی۔ ہو گئی ہو گی چوک۔ اور پتا نہیں تم
سے کیا کیا کچھ ہو جاتا ہے" فرحت جھلّا اُٹھی۔

"میں یہ کہ رہا تھا کہ میں کمی محسوس کر رہا ہوں"

"میں سمجھ گیا ہوں انکل۔ آپ کیا کمی محسوس کر رہے
ہیں" شوکی بول اُٹھا۔

"اچھا۔ ذرا بتاؤ تو" آصف نے اسے گھورا۔

"لل۔ لیکن اس میں گھورنے کی کیا بات ہے"
فرحت بولی۔

"گھورنے کی بات یہ ہے کہ شوکی بھائی اس سے

پہلے کیوں سمجھ گئے۔" آفتاب مسکرایا۔

"نہیں! میں بھی سمجھ چکا ہوں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"پھر تو میں یہ کہوں گا کہ میں بھی سمجھ چکا ہوں۔" آفتاب نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو سب لوگ لکھ کر دے دیں۔ کیا کیا سمجھے ہیں؟"

انھوں نے اپنا اپنا قلم نکالا اور جیب سے کاغذ نکال کر اس پر کچھ لکھ دیا، ہر ایک نے اپنی اپنی چٹ انسپکٹر کامران مرزا کو دے دی۔ انھوں نے ہر ایک کی چٹ کو پڑھا، اور پھر بولے:

"بھئی کمال ہے۔ تم سب تو واقعی جان چکے ہو کہ میں انسپکٹر جمشید پارٹی کی کمی محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہاں! واقعی انکل۔ اس مرتبہ وہ اب تک کیوں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوئے۔ کیا اس چٹان کی خبروں نے انھیں اپنی طرف متوجہ نہیں کیا ہوگا؟" آفتاب بے چین ہو کر بولا۔

"ضرور کیا ہوگا۔ وہ اتنے بے خبر نہیں ہیں۔"

"پھر۔ وہ یہاں کیوں نہیں آئے۔" آصف بولا۔

"اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ وہ کہیں اور مصروف ہوں۔"

"آپ کچھ کر نہیں سکتے۔ انھیں فون تو کر سکتے ہیں۔" شوکی بولا۔

"اگر تم لوگ اتنے ہی بے چین ہو تو یہ بھی کر دیکھتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"چلیے ہم بے چین سہی۔ آپ بھی تو کمی محسوس کر رہے ہیں۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔"

ہوٹل پہنچ کر انھوں نے پھر شملی اور محمد سلیمان سے ملاقات کی۔ اور پھر کوئی بات شروع کرنے سے پہلے دارالحکومت فون ملایا۔ دوسری طرف سے فوراً آواز آئی:

"بیگم جمشید بول رہی ہوں۔ اور آپ کون ہیں؟"

"یہ میں ہوں بھابی۔ کامران مرزا۔ یہ لوگ کہاں ہیں؟"

"اوہو آپ ہیں بھیا۔ السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ یہاں سب خیریت تو ہے؟"

"ہاں! میں بس خیریت کے ساتھ ان دنوں تنہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"حضرت لوگ غائب ہیں۔ کسی مہم کے سلسلے میں۔

جاتے وقت بتا کر نہیں گئے کہ کہاں جا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ کتنے دن ہو گئے انھیں گئے ہوئے؟"

"قریباً ایک ہفتہ ہو چلا ہے۔ اب تو خیریت صاحبہ بھی بور ہو کر اس گھر سے رخصت ہونے کی تیاری کر رہی ہیں۔"

"نہیں بھابی۔ ایسا نہ کیجیے گا۔ انھیں رخصت ہونے کی اجازت نہ دیجیے گا۔ میں شہر جلبان سے بول رہا ہوں۔ اگر ان کی طرف سے کوئی خبر ملے۔ تو یہ خبر انھیں دے دیجیے گا کہ ہم یہاں ہیں اور ہمیں بھی ان کے بارے میں بتا دیجیے گا۔ امید ہے۔ آپ سمجھ گئی ہوں گی۔"

"شہر جلبان۔" انھوں نے چونک کر کہا۔

"ہاں کیوں۔ آپ اس شہر کا نام سن کر چونکیں کیوں؟"

"کچھ دنوں سے اخبارات میں اس شہر کا نام پڑھنے میں آ رہا ہے نا۔"

"اوہ ہاں۔ تو جمشید صاحب کہیں اسی شہر میں تو نہیں ہیں؟"

"میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"خیر۔ جوں ہی کوئی اطلاع ملے۔ اس شہر کے ہوٹل سب رنگ کے نمبروں پر ہمیں اطلاع دے دیجیے گا۔"

"بہت اچھا! آپ فکر نہ کریں۔"

اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔ ریسیور رکھ کر وہ شملی اور محمد سلیمان کی طرف مڑے:

"ہمارا خیال ہے۔ اس ہوٹل میں اس خفیہ خلا جیسے کچھ اور بھی خلائیں ہیں۔"

"کیا!!!" دونوں زور سے چلائے۔

ایک فرش اور

اُن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ چند سیکنڈ تک وہ ان کی طرف اسی عالم میں دیکھتے رہے۔ آخر شملی نے کانپتی آواز میں کہا:

"یہ۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جناب؟"

"کیوں جناب۔ ہونے کو اس دُنیا میں کیا نہیں ہو سکتا" آفتاب بول اُٹھا۔

"جی! مَیں سمجھا نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں" شملی نے مُنہ بنا کر کہا۔

"آپ سمجھیں گے بھی نہیں۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ایسی اور خلائیں ہونے کا زبردست امکان ہے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا" اس نے پھر کہا۔

"آپ کو کیا معلوم۔ آپ کو تو اس خلا کے بارے میں بھی معلوم نہیں تھا" اِنسپکٹر کامران مرزا نے مُنہ بنایا۔

"آپ چاہتے کیا ہیں؟" محمد سلیمان نے پریشان آواز میں کہا۔

"ہاں! یہ بات آپ نے کام کی پُوچھی ہے۔ تو سُنیے ہم ایک دو کمروں کی چھتیں اکھاڑ کر دیکھنا چاہتے ہیں، ہم ایسا نہ کرتے، اگر خفیہ خلاؤں کے کھولنے کا طریقہ دریافت کر لیتے۔"

"اس۔ اس طرح تو سارے ہوٹل کی عمارت "تباہ و برباد" ہو جائے گی۔"

"ہم نے صرف دو ایک چھتوں کی بات کی ہے۔ سارے کمروں کی چھتوں کی نہیں۔"

"خیر۔ میں ایک بات کہتا ہوں۔ آپ اس کو منظور کر لیں" محمد سلیمان بولا۔

"اور وہ کیا؟" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

"یہ کہ آپ صرف ایک چھت اکھاڑ کر دیکھیں اگر خلا نہ نکلے تو پھر پورے ہوٹل کی عمارت کو ہاتھ نہ لگائیں۔ اور اگر اس کے نیچے بھی خلا نکلے تو پھر آپ کو اختیار ہوگا" مُحمّد سلیمان نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مُجھے منظور ہے" اِنسپکٹر کامران مرزا عجیب سے انداز میں مُسکرائے۔

شاید وہ پہلے ہی یہ بات ذہن میں سوچے بیٹھے تھے اور ان کی طرف سے پیش کش نہ ہوتی تو خود تجویز پیش کر دیتے۔

"کیوں سر۔ یہ ٹھیک رہے گا نا۔"

"مَیں تو اس کو بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ ہوٹل کا ستیاناس ہو جائے گا۔" شملی نے جل کر کہا۔

"لیکن سر۔ اس طرح سارا ہوٹل تو برباد نہیں ہو گا۔"

"ہوں۔ اچھا خیر۔ مجبوری ہے۔ آیئے میں آپ کو ایک چھت کے نیچے لے چلوں۔" شملی نے کہا۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم بار بار مسٹر ماروت کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ اس ہوٹل میں اس خلا کی موجودگی اور اس مکان میں بالکل ایسے ہی خلا کی موجودگی کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ خود وہ بھی شہر میں ہی کسی جگہ موجود ہے۔ لیکن ہم کوشش کے باوجود ابھی تک اسے تلاش نہیں کر سکے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔" محمد سلیمان نے کندھے اُچکائے۔

شملی انھیں ایک کمرے میں لے آیا اور بولا:

"لیجیے۔ اس کمرے کی چھت اکھڑوا لیں۔"

"ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔"

ایک بار پھر مسٹر اکرم خان نیازی اور ان کے ماتحتوں کو تکلیف دی گئی۔ فرش اکھاڑا گیا۔ لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی حد نہ رہی کہ نیچے کوئی خلا نہیں تھا۔

"دیکھا۔ صرف اسی کمرے کے نیچے ایسا تھا۔ ہر کمرے کے نیچے آخر وہ کیوں بناتا اور اس کو فائدہ بھی کیا تھا۔ آپ لوگ شاید اس شہر میں اس چٹان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئے تھے۔ تو آپ جا کر اس کی حقیقت معلوم کریں۔ ہمارے ہوٹل کو اب معاف کر دیں۔"

حالات اور واقعات کچھ اس ترتیب سے پیش آئے کہ ہم چٹان کی طرف رُخ ہی نہیں کر سکے۔ ہم میں سے صرف چند ساتھی موقع پا کر اگر اس طرف گئے ہیں تو وہ بھی الجھنوں میں گھر کر رہ گئے اور انہیں شہر واپس آنا پڑا۔ لیکن اب ہم آپ کے مشورے پر ضرور عمل کریں گے۔ لیکن میری ایک بات اور آپ کو ماننا ہو گی۔ اُمید ہے۔ آپ بُرا نہیں مانیں گے۔"

"فرمایئے۔ مَیں بُرا نہیں مانوں گا۔"

"ایک فرش اور۔" وہ بولے۔

"جی۔ کیا مطلب؟" ان سب کے منہ سے نکلا۔ خود ان کے ساتھی بھی بولے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

"ہاں! یہ فرش ان کی پسند کا تھا۔ میں بھی اپنی پسند کا ایک فرش اکھڑوانا چاہوں گا۔"

"آپ۔ آپ تو شاید ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر ہی پڑ گئے ہیں۔" شملی نے چیخ کر کہا۔

"صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے مسٹر شملی۔ آپ یہ بھی تو دیکھیے کہ ہم کس قدر مجبور ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

"مجبور اور آپ۔ مجھے تو آپ کہیں سے بھی مجبور نظر نہیں آ رہے۔"

"ہم اپنی طبیعتوں سے مجبور ہیں جناب۔" آفتاب بول اٹھا۔

"بالکل۔ میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

"کیا کہنا چاہتے تھے۔ یہ کہ آپ اپنی طبیعتوں سے مجبور ہیں۔ لیکن آپ اپنی طبیعتوں کی مجبوری کو ہمارے لیے کیوں مصیبت بنا رہے ہیں۔"

"یہ بھی مجبوری ہی ہے۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

"نہیں جناب۔ اب میں یہ برداشت نہیں کروں گا، آپ کو باقاعدہ عدالت سے اس قسم کا اجازت نامہ لانا ہو گا۔ اس کے بعد چاہے آپ سارا ہوٹل اکھڑوا ڈالیے گا۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔"

"لیکن ہم اتنا وقت کہاں سے لائیں۔" آصف بولا۔

"میں کیا جانوں۔ جہاں سے جی میں آئے، لے آئیں۔" اس نے کہا۔

"خیر۔ میرے پاس عدالت کا اجازت نامہ بھی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"کیا کہا۔ آپ کے پاس عدالت کا اجازت نامہ بھی ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیا آپ پہلے ہی اجازت نامہ حاصل کر چکے ہیں۔"

"نہیں۔ یہ بات بھی نہیں۔ بلکہ بات اور ہے۔ اور وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنا خصوصی اجازت نامہ اس کے سامنے کر دیا۔ اس اجازت نامے کو دیکھ کر نہ صرف شملی اور محمد سلیمان کی۔ بلکہ اکرم خان نیازی کی بھی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور پھر انھیں اجازت دینا پڑی۔

"فرمائیے جناب۔ آپ اب کس کمرے کی چھت تڑوائیں گے، لیکن یہ بات ذہن میں رکھ لیں۔ میں آپ کے اس اجازت نامے کو عدالت میں للکاروں گا اور اسے کینسل کرا کے رہوں گا۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ میں خود اس سے تنگ آیا ہوا ہوں۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ آپ اس سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو اسے کام میں لاتے ہی کیوں ہیں۔"

"میں نے عرض کیا نا۔ مجبوری ہے۔" وہ مسکرائے۔

"خیر۔ آپ اب کون سے کمرے۔"

"ہاں! میں نمبر بتاتا ہوں۔ کمرہ نمبر ۵۰۰۔" انھوں نے کہا۔

"کیا!!!" شملی زور سے اچھلا، پھر اس نے چلّا کر کہا:

"آپ جانتے بھی ہیں۔ کمرہ نمبر ۵۰۰ کس کا ہے۔"

"اگر جانتا نہ ہوتا۔ تو نمبر کیوں بتاتا۔" وہ بولے۔

"گویا آپ جانتے ہیں کہ اس نمبر کا کمرہ میرے استعمال میں ہے۔ اور اس کے باوجود بھی آپ اسے

تڑوائیں گے۔" شملی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ بالکل۔"

"اب۔ اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔ مسٹر نیازی۔ آپ بھی سن لیں۔ اب میں کچھ نہیں بولوں گا۔ چاہے سارے ہوٹل کو گرا دیں۔ لیکن۔ میں عدالت کا دروازہ ضرور کھٹکھٹاؤں گا۔"

"ضرور۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔"

آخر شملی کے کمرے کا فرش اکھاڑا گیا۔ اور پھر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ اس کے نیچے ایک عدد خلا موجود تھی۔ اور اس خلا میں غیر ملکی اسلحہ بھرا پڑا تھا۔ شملی اور محمد سلیمان کا تو وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں:

"مسٹر شملی۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"مم۔ میں۔ میں۔ اس شخص ماروت نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مجھے تباہ کر دیا۔ ہوٹل میرے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور رکھا اسے اپنے استعمال میں۔ اس طرح کہ کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکے۔ اور دیکھ لیں۔ میرے اپنے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہیں ہوئی۔ نہ راون شام کو۔ مم۔ مطلب یہ کہ محمد سلیمان کو معلوم ہوئی یہ

بات۔"

"لیکن۔ سوال تو یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔ ہم اس ہوٹل کے کون کون سے کمرے کو توڑیں گے۔ اس میں تو پورے پانچ سَو کمرے ہیں" انسپکٹر کامران مرزا نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"ہم۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ جانیں۔ جو آپ کا جی چاہے کریں۔ میں تو یہ پورا ہوٹل خالی کرا دیتا ہوں۔ آپ اسے اکھڑوا دیں۔ میں تو حکومت پر اپنے نقصان کا دعویٰ کروں گا، کیوں کہ اس کا ذمّے دار میں نہیں، مادروت ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے کہ مادروت اس کا ذمے دار ہے۔ آپ نہیں ہیں۔ اور آپ کا نقصان پورا کیا جانا چاہیے۔ آپ کل یہ ہوٹل خالی کرا دیں۔" انھوں نے کہا۔

"ایک دن میں تو یہ کام بہت مشکل ہے۔ تمام مُسافروں کو دُوسرے ہوٹلوں میں منتقل کرنا ہوگا۔"

"خیر۔ یُوں ہی سہی۔ آپ کو ایک ہفتے کی مہلت دی جا سکتی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن اس دوران ہوٹل فوج کی زبردست نگرانی

میں رہے گا، کیوں کہ معاملہ ہے غیر مُلکی اسلحے کا۔ اگر اس کے زیادہ تر کمروں کے نیچے اسلحے کے ایسے ذخائر موجود ہیں۔ تب یہ ہوٹل غیر مُلکی اسلحے کا ڈپو ثابت ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات پورے شہر کے لیے حد درجے خوفناک ہوگی۔ بلکہ پورے مُلک کے لیے سنسنی خیز ہوگی۔"

"اوہ۔ ہاں ٹھیک ہے۔ آپ فوج سے نگرانی کرا لیں۔" آخر شملی نے کہا۔

"لیکن مشکل ایک اور ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ۔ خفیہ راستوں سے صرف اور صرف مادروت واقف ہے۔ کیا خبر۔ اس ساری کارروائی کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ اور ایک ہفتے کی مہلت سے فائدہ اُٹھا کر وہ راتوں رات اسلحے کو خفیہ راستے سے کہیں اور منتقل کر دے اور فوجیوں کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"کیوں جناب۔ ہونے کو اس دُنیا میں" آفتاب نے جلدی سے کہنا چاہا، لیکن انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً روک دیا:

"چپ — تم اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ — گفت گو بہت سنجیدہ ہو چکی ہے۔"

"آپ سنجیدہ کی بات کرتے ہیں — میں تو کہتا ہوں۔ رنجیدہ بھی ہو چلی ہے۔" آفتاب بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"اچھا بھائی — چلو یوں ہی سہی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے تنگ آکر کہا، پھر شملی کی طرف مڑے اور پُرسکون آواز میں بولے:

"یا پھر مسٹر شملی — میری ایک اور تجویز ہے — اس طرح سارا ہوٹل برباد ہونے سے بچ سکتا ہے۔"

"کک — کیا — تت — تو کوئی ایسی ترکیب بھی ہو سکتی ہے۔" شملی چلا اُٹھا۔

"جی ہاں! بالکل ایسی ایک ترکیب میرے ذہن میں موجود ہے۔" وہ مسکرائے۔

"تو پھر بتائیے نا — اور اگر ایسی کوئی ترکیب آپ کے ذہن میں موجود تھی تو پھر آپ نے یہ تین کمرے کیوں تباہ کیے۔"

"یہ تو تجربہ کرنا تھا نا کہ خلا ہیں بھی یا نہیں — اب جب کہ پختہ یقین ہو چلا ہے کہ بہت سے کمروں کے نیچے خلا موجود ہیں تو ترکیب ذہن میں آئی، کیوں کہ

پورا ہوٹل برباد کرنے کا تو واقعی کوئی فائدہ نہیں۔"

"ہوں — جلدی سے ترکیب بتائیے — میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"تو پھر — ترکیب یہ ہے کہ آپ خود ہی بتا دیں کہ کون کون سے کمرے کے نیچے خلا موجود ہے۔"

"کیا کہا — آپ نے — میں بتا دوں — یہ کیا بات ہوئی، بھلا میں کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"کیوں جناب — بتا کیوں نہیں سکتے۔" وہ بولے۔

"آخر کس طرح؟" اس بار اکرام خان نیازی بولے تھے۔

"اس طرح کہ مسٹر شملی ہی دراصل مسٹر ماروت ہیں۔"

"کیا — نہیں۔"

ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا —

اجازت نامہ

مارے حیرت کے ان کا بُرا حال تھا۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ شملی نے انسپکٹر کامران مرزا پر بلا کی پھرتی سے چھلانگ لگا دی اور بُری طرح ان سے ٹکرایا۔ وہ دھڑام سے گرے۔ اور شملی کمرے سے نکل گیا۔ اب تو سب کمرے کے دروازے کی طرف دوڑ پڑے، لیکن جب برامدے میں پہنچے تو شملی غائب تھا۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ برامدے میں دوڑتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ لفٹ تک پہنچ گئے۔

"اتنی جلدی وہ لفٹ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، نہ ہی لفٹ نیچے جا رہی ہے۔ وہ تو پہلے ہی نیچے موجود تھی۔ اسے تو پہلے اوپر لانا پڑتا۔ پھر اس میں نیچے جایا جاتا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس برامدے کے ہی کسی کمرے میں داخل ہوا ہے۔ ہم

اس برامدے کے ایک ایک کمرے کی تلاشی لیں گے" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

تلاشی کا پروگرام شروع ہوا۔ ان پر ابھی تک حیرت کا عالم طاری تھا۔ ایک وقت میں سب کا ایک کمرے کو دیکھنا، وقت کی بربادی تھا۔ لہٰذا ان میں ہر ایک نے ایک ایک کمرے کی تلاشی شروع کی۔ برامدے میں کُل دس کمرے تھے۔ پانچ ایک طرف، پانچ دوسری طرف۔ کمرہ نمبر ۵۰۰ میں سے وہ خود ہی نکلا تھا۔ لہٰذا انھیں نو کمروں کو دیکھنا تھا۔ پروفیسر صاحبان اور منور علی خان کو تو ایسے کاموں کی سوجھ بوجھ تھی نہیں، وہ برامدے میں موجود رہے۔ اکرم خان نیازی کی ڈیوٹی بھی انھوں نے کمرے میں لگائی۔ اب وہ نو رہ گئے۔ کمرے بھی نو تھے۔ ایک ہی وقت میں ایک ایک آدمی ہر ایک میں داخل ہوا۔

دس منٹ بعد سب باہر نکل آئے۔

"ہاں بھئی۔ کیا رہا؟"

ان سب کے جواب نفی میں تھے۔ یعنی انھیں شملی کسی کمرے میں بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"اس کا مطلب صرف اور صرف ایک ہے۔" انسپکٹر

کامران مرزا بڑبڑائے۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ - ان میں سے کسی ایک کمرے کے فرش کے نیچے والی خلا میں شملی جا چھپا ہے - کیوں کہ اسے خفیہ راستے کا علم ہے - ان حالات میں یہ کام اس کے لیے بہت آسان تھا۔"

"لیکن ابا جان - ہر کمرے میں اس کا مسافر بھی تو موجود ہے۔"

"ہاں! ان مسافروں کو چیک کرنا ہوگا، کیوں کہ جس کمرے میں وہ داخل ہوا - اس کمرے کا مسافر بھی شملی کا آدمی ہے - ورنہ وہ ضرور کہہ دیتا کہ شملی اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا اور اس راستے سے غائب ہوا ہے۔"

"ہوں! بات ٹھیک ہے، لیکن اب کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔" آصف بولا۔

"بجائے اس کے کہ ہم ایک ایک کمرے میں داخل ہوں - ہمیں ان نو آدمیوں کو باہر بلا لینا چاہیے - اس طرح ہم سب ان سب کو دیکھ بھی سکیں گے اور سب سے سب کے سامنے سوال اور جواب بھی ہو سکیں گے۔" آفتاب

نے جلدی سے کہا۔

"کیا سب سب لگا رکھی ہے۔" فرحت نے بھنا کر کہا۔

"تم اس جملے کو سب لفظ کے بغیر ادا کر کے دکھا دو۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"اب اس کی ضرورت نہیں - جملہ ادا ہو بھی چکا۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"ہاں! ٹھیک تو ہے۔"

آخر نو آدمی باہر بلائے گئے - انھیں برامدے میں ہی کرسیوں پر بٹھایا گیا - ان کے رنگ فق تھے - بات ان کے علم میں لائی گئی، پھر انسپکٹر کامران مرزا نے کہا:

"ان حالات کی بنا پر ہم یہ بات دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ میں سے ایک شملی کا ساتھی ضرور ہے - اور وہی ہمیں بتائے گا کہ وہ کس طرح غائب ہوا۔"

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا - سب ٹکر ٹکر ان کی طرف دیکھتے رہے -

"آپ سب خاموش ہیں - اس طرح تو کام نہیں چلے گا - بہتر تو یہی ہے کہ آپ میں سے جو بھی شملی کا ساتھی ہے - وہ خود بتا دے، لیکن اگر وہ خود نہ بتائے گا تو ہمیں اپنے طریقے سے اسے شملی کا ساتھی ثابت کرنا پڑے

گا اور اس میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور لگے گا۔ اس طرح ہو سکتا ہے۔ ماروت یعنی شملی دُور نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔ لہٰذا ہم اس کا انتقام بھی اس ساتھی سے لیں گے، کیوں کہ اس کی ذمّے داری اسی پر ہو گی۔"

اس تقریر کے جواب میں بھی ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ آخر انسپکٹر کامران مرزا نے سب سے پہلے آدمی سے پُوچھا:

"آپ کا نام؟"

"باقر خان۔"

"اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیں۔ کہاں سے آئے ہیں، کیا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

"میں دارالحکومت سے آیا ہوں۔ تاجر ہوں اور تجارت کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

"دارالحکومت میں اپنا پتا لکھوا دیں، آصف ضروری باتیں نوٹ کرتے چلے جاؤ۔"

"جی بہتر!"

باقر خان نے پتا لکھوا دیا۔ اس سے چند اِدھر اُدھر کے سوالات کیے گئے۔ اس طرح باری باری سب سے سوالات ہوتے۔ نویں آدمی کے بعد انسپکٹر کامران مرزا

بولے۔

"آپ سب سے عام قسم کے سوالات تو میں کر چکا۔ اب ایک خاص سوال آپ سب سے کرتا ہوں، آپ ایک ساتھ جواب دیجیے گا۔" یہ کہ کر وہ ایک لمحے کے لیے رُکے، پھر اچانک بولے:

"آپ میں سے شملی کون ہے؟"

"مم۔ میں۔"

ایک کے منہ سے نکلتے نکلتے رہ گیا۔ اور پھر ان سب کی نظریں اس پر جم گئیں:

"تو آپ مسٹر شملی ہیں۔"

"نن۔ نہیں۔ سوچے سمجھے بغیر میرے منہ سے نکل گیا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"لیکن ان کے منہ سے کیوں نہیں نکلا مسٹر باقر خان؟"

"مم۔ میں کیا کہ سکتا ہوں۔"

"یہ بات نہیں۔ بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ آپ ہی شملی ہیں۔ اسی لیے تو ان میں سے کسی کے منہ سے نہیں نکلا۔ اور یہ بات میں ثابت کر سکتا ہوں۔"

"کک۔ کیسے؟" وہ ہکلایا۔

"مسٹر محمد سلیمان۔ اس برآمدے کا کوئی کمرہ ایسا بھی

تو ہو گا۔ جو کسی مسافر کو نہیں دیا گیا۔"

"یہ۔ یہ تو رجسٹر دیکھ کر ہی بتایا جا سکتا ہے جناب!"

"اچھا تو رجسٹر لے آئیں۔"

دو کانسٹیبلوں کے ساتھ منیجر گیا اور رجسٹر لے آیا۔ پھر اس نے کہا:

"ہاں جناب۔ مسٹر باقر خان نام کا کوئی آدمی ہوٹل میں نہیں ٹھہرا ہوا۔ گویا یہ کمرہ خالی ہی تھا، لیکن اس کی چابی مسٹر شملی کے پاس تھی۔ ہو سکتا ہے انھوں نے حالات کے پیشِ نظر کمرے کا دروازہ پہلے ہی کھول کر رکھا ہو۔۔ لگ یہی بات ہے۔ جوں ہی یہ بھاگے۔ اس کھلے دروازے والے کمرے میں داخل ہو گئے اور پھر انھوں نے فوری طور پر اپنے چہرے پر ریڈی میڈ قسم کا میک اپ کر لیا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی شملی نے پھر ایک چھلانگ لگائی، لیکن اس مرتبہ انسپکٹر کامران مرزا بے خبر تو نہیں تھے۔ لہٰذا وہ دیوار سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔ پولیس نے اسے چھاپ لیا۔

ان پر حیرت کا عالم کافی دیر تک قائم رہا، پھر

شوکی نے لرزتی آواز میں کہا:

"یہ۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے۔ ہمارے شہر میں ہی شخص ہم سے ملا تھا۔ اور اس نے ہم سے اس شہر میں کوئی کیس حل کرانا چاہا تھا۔ منہ مانگا معاوضہ بھی ہمیں دیا تھا۔ لیکن پھر جب ہم یہاں آگئے اور اپنی مرضی سے کام شروع کرنا چاہا تو اس کے کارندے شامل خان نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ کام ان کی مرضی سے کرنا ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ یہاں تو اس کے بہت سے کارکن پہلے ہی موجود ہیں۔ اتنے بہت سے لوگوں کے ہوتے ہوئے اس کو ہماری کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ اور اگر پیش آ ہی گئی تھی تو پھر اس نے معاہدہ کیوں ختم کر دیا۔ یہ بات ہماری سمجھ میں اب بھی نہیں آ سکی۔"

"اس کا جواب اتنا مشکل نہیں۔ میں وہ کاغذات پڑھ چکا ہوں جو اس کے مکان والی چھت کے خلا سے ملے ہیں۔ ان کاغذات کے مطالعے کے بعد تم لوگ بھی جان جاؤ گے کہ معاملہ کیا ہے۔ لیکن ہم پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکے ہیں۔ کیوں نہ اب اس چٹان سے ملاقات کر لیں۔"

"اوہ — چٹان۔ اس کو تو ہم ایک طرح سے بھول ہی گئے ہیں۔" آصف بولا۔

"ایک طرح سے نہیں، ہر طرح سے۔" آفتاب مسکرایا۔

"میری ہر بات کی نفی کرنا تو گویا تمھاری گھٹی میں پڑا ہے۔" آصف نے منہ بنایا۔

"ہم ابھی اور اسی وقت چٹان کی طرف جا رہے ہیں نیازی صاحب۔ شملی سے اس ہوٹل کے خفیہ خلاؤں کے راستے معلوم کر کے تمام اسلحے پر قبضہ کریں گے۔ اور حکامِ بالا کے سامنے یہ چیز لائیں گے۔ اس وقت تک ہم بھی چٹان سے دو دو باتیں کر کے واپس آ چکے ہوں گے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں۔ جیسے وہ چٹان باتیں کرتی ہے۔" شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں — وہ باتیں نہیں کرتی۔ لیکن ہم اپنے حساب سے اس سے دو دو باتیں کر سکتے ہیں۔" آصف مسکرایا۔

"اور ہمارے ساتھ پروفیسر غوری اور پروفیسر عقلان بھی ہیں — انھیں بھی چٹان ہی کھینچ کر یہاں لائی ہے۔"

"اوہو — تب تو بہت طاقت ور ہے وہ چٹان۔" مکھن نے منہ بنایا۔

"بہت دیر بعد آواز سنائی دی۔" آفتاب سے رہا نہ گیا۔

"انتظار کر رہا تھا — کب آپ لوگ مجھے بولنے کا کوئی موقع دیں۔" وہ مسکرایا۔

"تمھارا مطلب ہے — ہم مسلسل بولتے رہے ہیں۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"مم — میں نے یہ تو نہیں کہا۔" مکھن گھبرا گیا۔

"لیکن تمھاری بات کا مطلب یہی نکلتا ہے۔"

"یہ مطلب تو آپ خود نکال رہے ہیں — جب کہ اس بات کے نہ جانے کتنے مطلب نکل سکتے ہیں۔"

"تب تو تمھاری بات بہت مطلبی تھی۔" آصف مسکرایا۔

"بغیر مطلب کی بات آپ کر کے دکھا دیں۔" شوکی نے انھیں دعوت دی۔

"میرے خیال میں ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا — یوں بھی ہم میں ابھی ایک پارٹی شامل نہیں ہوئی — ان کی کمی برابر محسوس ہو رہی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اصل کام کو چھوڑ کر ان کی تلاش شروع کر دیں۔"

مک اپ وغیرہ کرنے کے بعد آخر ان کا قافلہ اس سمت میں روانہ ہوا جس طرف چٹان ابھری تھی — یہ بات ان کے سننے میں پہلے ہی آ چکی تھی کہ اب اس

چٹان کے گرد فوج کا پہرا ہے، کیوں کہ ابھی تک اس
کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ اس لیے سخت
احتیاط کی جا رہی تھی۔

پہاڑی علاقے میں داخل ہوتے ہی۔۔ ان کا سامنا
ایک فوجی سے ہوا، جو ایک چٹان پر تنا کھڑا تھا اور
چاروں طرف نظر رکھے ہوئے تھا۔۔

"آپ لوگ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" اس نے
با اخلاق لہجے میں کہا۔

"اس چٹان تک جائیں گے۔ جس کی خبریں سن سن
کر ہم تنگ آ چکے ہیں۔"

"جب تک اس کی حقیقت معلوم نہیں ہو جاتی،
اس کے نزدیک جانے پر پابندی عاید کر دی گئی ہے۔"

"ہم اس کی حقیقت ہی کا پتا چلانے کے چکر میں تو
یہاں آئے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"یہ ہمارے کارڈ ہیں۔ آپ ہمیں صرف یہ بتائیں کہ
ہمیں آپ کے کس آفیسر سے ملنا ہو گا۔ تاکہ وہ ہمیں
اجازت دے سکیں۔"

"اجازت دی ہی نہیں جا سکتی۔" اس نے کارڈوں کی

طرف دیکھے بغیر کہا۔

"آپ اس بات کو چھوڑیں، ہم اجازت لینے میں بہت
ماہر ہیں۔ اپنے انچارج صاحب کا نام بتا دیں۔" آفتاب مسکرایا۔

"ان کا نام میجر شکیل ہے، لیکن یہاں سے کسی کو
آگے نہ جانے دینا، میری ذمے داری ہے۔"

"تب پھر آپ وائرلیس پر اپنے میجر صاحب سے رابطہ
قائم کریں اور ہمارے نام انھیں بتا دیں۔"

"ہاں! یہ میں کر سکتا ہوں۔"

"اللہ کا شکر ہے کہ آپ یہ تو کر سکتے ہیں۔ ورنہ ہم
تو پریشان ہو گئے تھے۔" آفتاب نے سکون کا سانس لیا۔

"پریشان ہو گئے تھے۔ کس بات پر؟" فوجی نے چونک
کر پوچھا۔

"جی اس بات پر کہ آپ کچھ کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔"

فوجی انھیں گھور کر رہ گیا اور پھر وائرلیس پر بولا:

"ہیلو۔ ہیلو۔ ہیلو سر۔ سرور خان بول رہا ہوں،
یہاں کچھ لوگ موجود ہیں۔ جو اس چٹان کا معائنہ کرنا
چاہتے ہیں۔"

"سرور خان۔ تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ تمھیں
کیا ہدایات ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"وہ میں نے انھیں بتا دی ہیں، لیکن ان کا کہنا ہے کہ ان کے نام آپ کو بتا دیے جائیں۔"

"کیوں ان کے ناموں میں کیا بات ہے۔"

"آپ ایک بار [illegible] تو لیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اپنا منہ آگے کر کے کہا۔

"یہ کون بولا؟" دوسری طرف سے بھنّا کر کہا گیا۔

"میں ۔ مجھے انسپکٹر کامران مرزا کہتے ہیں ۔ میرے ساتھ ملک کے مشہور سائنس دان پروفیسر غوری اور پروفیسر عقلان ہیں ۔"

"یہ بات میرے لیے بہت حیرت انگیز ہے۔" [illegible] کی آواز ابھری ۔

"کون سی بات؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"یہ کہ اتنے مشہور سائنس دان بغیر کسی سرکاری انتظام کے چٹان دیکھنے کے لیے آ گئے۔ آپ لوگوں کو تو سرکاری سطح پر آنا چاہیے تھا۔"

"آپ نے شاید میرے نام کی طرف توجہ نہیں دی، ورنہ جان جاتے کہ میرا ان کے ساتھ آنے کا مطلب یہی ہے کہ یہ لوگ سرکاری سطح پر آئے ہیں۔"

"آپ نے کیا نام بتایا ۔ انسپکٹر کامران مرزا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"جی ہاں!"

"آپ کا نام بھی میں سن چکا ہوں۔ آپ لوگ واقعی بہت بڑے لوگ ہیں ۔ لیکن جناب ۔ میں کیا کر سکتا ہوں، صدرِ مملکت کی طرف سے کسی کو اجازت ہی نہیں دی گئی اس کی طرف جانے کی۔"

"وہ ہمیں نہیں روکیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"سوال تو یہی ہے ۔ میں فکر کیوں نہ کروں؟"

"اس لیے کہ ہماری وجہ سے آپ پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی ۔ ہم اس کی ذمے داری لیتے ہیں۔"

"آپ صدر صاحب سے فون کیوں نہیں کرا لیتے۔"

"آپ پہلے ہم سے ملاقات کر لیں ۔ فی الحال میں صرف آپ سے ملاقات کی بات کر رہا ہوں ۔ چٹان دیکھنے کی نہیں، اگر اس کے باوجود آپ نے ضرورت محسوس کی ۔ تو آپ کو اجازت نامہ لا کر دے دیا جائے گا یا فون کروا دیا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا، پھر میجر شکیل نے سرور خان سے کہا:

"ان لوگوں کو میرے خیمے کی طرف بھیج دو۔"

"جی بہتر!" سرور خان نے کہا اور پھر سیٹ بند کرتے ہوئے اس نے اشارہ کیا:

"سیدھے اس طرف چلے جائیں۔"

وہ سیدھ میں چل پڑے:

"اس قدر زبردست حفاظت کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔" شوکی بڑبڑایا۔

"یہ بات ہمیں یہیں آ کر معلوم ہوئی ہے۔ اگر پہلے سے معلوم ہوتی تو پھر صدر صاحب سے پہلے بات کرتے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

پندرہ منٹ تک چلتے رہنے کے بعد آخر وہ ایک خیمے تک پہنچ گئے، خیمے کے باہر دو مسلح فوجی بالکل چوکس کھڑے تھے۔ آس پاس اور فوجیوں کے خیمے بھی تھے، لیکن ان خیموں کے دروازوں پر فوجی نہیں تھے۔

"ہمیں میجر شکیل سے ملنا ہے۔"

"جی ہاں! وہ آپ ہی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"شکریہ جناب۔" انھوں نے کہا اور اندر داخل ہو گئے۔

میجر شکیل نیلی آنکھوں والا اور سرخ و سفید رنگ والا، ایک خوبصورت آدمی تھا، انھیں دیکھتے ہی اس نے نرم لہجے میں کہا:

"آئیے۔ تشریف رکھیے۔"

وہ بیٹھ گئے تو اس نے کہا:

"غالباً آپ انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔" اس نے ان کی طرف اشارہ بھی کیا۔

"جی ہاں! ہم حیران ہیں۔ اس چٹان کی اس قدر حفاظت کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ جب کہ شہر بھر کے لوگ اسے دیکھ چکے ہیں۔ اور پھر دوسرے شہروں کے لوگ بھی دیکھنے کے لیے آتے رہے ہیں۔"

"اس وقت چٹان کی اہمیت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ جب وہ اہمیت اختیار کر گئی تو پھر ماہرین نے آ آ کر اس کو دیکھا، لیکن ان میں سے کسی کی سمجھ میں وہ نہ آ سکی۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ وہ رات کی تاریکی میں چمکتی ہے۔ جب ماہرین ناکام ہو گئے تو حکومت کو اس کے بارے میں غور کرنا پڑا اور پھر یہی فیصلہ کیا گیا کہ جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو جائے۔ اس وقت تک یہ فوج کی نگرانی میں رہے گی۔"

"لیکن جناب! اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کوئی بھی اس کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔"

"ہدایات یہی ہیں۔ کہ جب تک کوئی حکومت کی طرف

سے اجازت لے کر نہ آئے، اس وقت تک اسے چٹان کے
نزدیک نہ آنے دیا جائے۔"

"مہربانی فرما کر یہ احکامات ہمیں دکھائے جائیں۔" انسپکٹر
کامران مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"جی کیا مطلب؟" میجر شکیل حیران رہ گیا، پھر اس نے کہا:

"ہمیں تو اپنے کمانڈر انچیف کی زبانی ہدایات ملی تھیں۔
تحریری احکامات تو آپ کو نہیں دکھا سکتے ہیں۔"

"ہوں خیر۔ اب میں آپ کو صدر صاحب کا اجازت نامہ
دکھاتا ہوں۔" وہ بولے۔

"اوہ! تو آپ کے پاس صدر صاحب کا اجازت نامہ
موجود ہے۔"

"ہاں بالکل ہے۔"

"تب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

اور انھوں نے اپنا خصوصی اجازت نامہ دکھا دیا۔ اس
کو پڑھ کر میجر شکیل نے کہا:

"نہیں جناب۔ یہ اس چٹان کا معاملہ نہیں ہے۔"

"آپ نے اس کے الفاظ شاید غور سے نہیں پڑھے۔
ہر معاملے میں دخل اندازی کر سکتا ہوں میں۔" انسپکٹر کامران
مرزا نے بھنّا کر کہا۔ دوسری طرف میجر شکیل کا بھی منہ بن

گیا۔ چند سیکنڈ تک وہ غور کرتا رہا۔ آخر اس نے کہا:

"آپ مجھے اجازت دیں۔ میں اپنے کمانڈر انچیف سے
بات کر لوں۔"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔"

اس نے وائرلیس سیٹ پر فریکوئنسی ملائی اور بولا:

"ہیلو۔ ہیلو۔ ہیلو سر۔ میجر شکیل بول رہا ہوں سر،
آپ اس طرف موجود ہیں نا۔"

"ہاں! موجود ہوں۔ کیا بات ہے میجر شکیل؟" دوسری طرف
سے ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دی۔ اس آواز میں کھنک
بھی تھی اور کھردرا پن بھی تھا۔

"یہاں۔ میرے خیمے میں انسپکٹر کامران مرزا، پروفیسر عقلان
اور پروفیسر غوری وغیرہ موجود ہیں۔ یہ لوگ اس چٹان کو دیکھنے
کے خواہش مند ہیں۔ انسپکٹر کامران مرزا کے پاس صدر صاحب
کی طرف سے ایک اجازت نامہ ہے جس کی رو سے یہ ملک
کے کسی بھی معاملے میں دخل اندازی کر سکتے ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ تو پھر۔ اس صورت میں ہم کیا کر سکتے
ہیں۔ انھیں چٹان دیکھنے کی اجازت دے دیں۔"

"شکریہ جناب۔ آپ سے یہی معلوم کرنا تھا۔"

سیٹ بند کر کے وہ ان کی طرف مڑا:

"تشریف لے جائیے جناب۔ میرا ایک ماتحت آپ کو چٹان کے قریب لے جائے گا۔ آپ پسند کریں تو اسے اپنے ساتھ رکھیں۔ یا واپس بھیج دیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انھوں نے کہا۔

وہ ایک فوجی کے پیچھے چلتے رہے۔ انھیں قریباً بیس منٹ تک چلنا پڑا۔ آخر اس فوجی نے رک کر کہا:

"وہ رہی جناب چٹان۔"

انھوں نے نظریں اُٹھائیں۔ دھوپ میں چمکتی چٹان سونے کا ایک بہت بڑا ڈھیر محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے، ایسے میں مکھن کے مُنہ سے نکلا:

"یہ۔ یہ کہیں سونے کی ہی تو نہیں ہے۔"

"اگر یہ سونے کی ہوتی تو ماہرین فوراً معلوم کر لیتے۔"

"آپ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ ہمیں یہاں بہت دیر لگ جانے کا امکان ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا فوجی کی طرف مُڑے۔

"بہت بہتر جناب۔ واپسی پر آپ میجر صاحب کے خیمے میں بتا کر جائیے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ بولے اور فوجی واپس مُڑ گیا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نظروں سے

اوجھل ہو گیا۔ اب ان کے قدم چٹان کی طرف بڑھنے لگے۔ لمحہ بہ لمحہ وہ اس سے نزدیک ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس کے بالکل نزدیک ہو گئے۔ نزدیک ہوتے ہی انھیں ایک عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ انھیں یُوں لگا جیسے وہ کسی برف کی چٹان کے پاس کھڑے ہوں۔

"نہ جانے کیا بات ہے۔ اس کے نزدیک جاتے ہوئے مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔" شوکی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو پھر تم ایسا کرو کہ واپس چلے جاؤ۔" آصف بولا۔

"بھئی سچ تو یہ ہے کہ مجھے بھی ڈر لگ رہا ہے۔ اب میرے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا میں بھی واپس چلا جاؤں۔"

"ج۔ جی۔ جی۔ یہ۔ ارے وہ۔ وہ دیکھیے!"

وقت کم ہے

گھنٹی کی آواز سن کر بیگم جمشید چونک اٹھیں... انداز محمود کا تھا... لہٰذا دوڑ پڑیں دروازے کی طرف... دروازہ کھلتے ہی تینوں کی آواز گونجی:

"امی جان السلام علیکم۔"

"السلام علیکم بیگم۔"

"وعلیکم السلام... آپ کہاں غائب ہو گئے تھے... میں تو انتظار کرتے کرتے تھک ہی گئی اور ہاں... کامران مرزا صاحب کا بھی فون آیا تھا۔"

"ارے! انھیں ہمارا خیال کس طرح آ گیا... گھر سے بول رہے تھے۔" فاروق چونکا۔

"نہیں! شہر جلبان کے ہوٹل سب رنگ سے۔"

"اوہ... تو وہ ان دنوں شہر جلبان میں ہیں۔"

"اور آپ لوگ شاید شہر جلبان کے حالات اور واقعات

سے بالکل بے خبر ہیں۔" بیگم جمشید بولیں۔

"ہاں! اس لیے کہ ہم اپنے ملک میں نہیں تھے... دوسرے ملک میں اپنے ملک کی ملکی سطح کی خبریں تو ضرور شائع ہوتی ہیں... چھوٹی خبریں نہیں... بہرحال... شہر جلبان کا کیا قصہ ہے؟"

"مجھے پہلے ہی خیال تھا کہ آپ بے خبر ہوں گے... اس لیے میں وہ اخبارات الگ رکھتی رہی ہوں جن میں اس کے بارے میں کچھ شائع ہوا ہے۔"

"بہت خوب... پہلے ہم نہائیں گے، اس کے بعد کھانا کھائیں گے اور پھر ان اخبارات کا مطالعہ کریں گے، پہلے ان کا فون کب آیا تھا۔"

"آج شام۔" وہ بولیں۔

"اور ہمارے دوستوں... خان رحمان اور پروفیسر داؤد کا کیا حال ہے؟"

"بخیریت ہیں، لیکن بہت اداس۔" وہ مسکرائیں۔

"شاید ہماری غیر حاضری کی وجہ سے... تب تو ان کی اداسی فوری طور پر دور کر دینی چاہیے۔" محمود بولا۔

"ضرور ضرور... یہ کام تم مجھ سے بہتر طریقے پر کر سکو گے... لہٰذا میں چلا نہانے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور غسل خانے کی طرف چلے گئے... محمود اور فاروق ایک ساتھ فون کی طرف بڑھے... دونوں کے ہاتھ ایک ساتھ ریسیور پر پڑے...

"فون میں کروں گا۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"نہیں! میں کروں گا۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"تم دونوں رہنے دو... مجھے کرنے دو۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"تو پھر ٹاس کر لیتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہائیں ہائیں... اب فون کرنے کے لیے بھی ٹاس کیا جائے گا... کہیں تم اپنی خفیہ مہم کے دوران لڑتے ہی تو نہیں رہے۔" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"یہ بات نہیں امی جان... بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ لڑنے کا بالکل وقت نہیں ملا... وہ مہم ہی ایسی تھی۔"

"ذرا مجھے بھی تو بتاؤ... کیسی تھی۔"

"لیکن امی جان... مہم کے بارے میں بتانے بیٹھے تو فون کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں... کھٹائی میں پڑنا ہمیں بالکل پسند نہیں۔"

"اچھا بابا... پہلے تم فون کر لو۔" وہ تلملا اٹھیں۔

"ٹاس کر دو بھئی۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن ٹاس تو صرف دو آدمیوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔" فاروق بولا۔

"پہلے دو کے درمیان ہی ہو گی... جیتنے والا تیسرے سے ٹاس کرے گا۔" محمود نے کہا۔

ٹاس کیا گیا... فیصلہ فاروق کے حق میں ہوا... اس نے شوخ انداز میں ریسیور اٹھایا اور اکڑ کر نمبر ملانے لگا... محمود اور فرزانہ منہ بنا کر رہ گئے۔

"ہیلو انکل۔" فاروق بولا۔

"ہائیں... یہ... یہ تم ہو فاروق۔" خان رحمان کی چیختی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"جی بس... یہی سمجھ لیں۔"

"یہی سمجھ لوں... کیا مطلب... کیا یہ بات بھی تم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔" ان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"یہی بات تو یہی ہے انکل کہ اس دنیا میں کوئی بات بھی یقین سے کہنا مشکل ہے۔"

"نہیں بھئی... میں تو کئی باتیں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں۔" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"انکل آپ شاید بھول رہے ہیں... ہم پتا نہیں، کتنے دنوں کے بعد..."

"ارے ہاں! واقعی... میں تو... خیر میں آ رہا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا:

"اُف توبہ... کس قدر اوٹ پٹانگ فون کیا۔" محمود نے جل کر کہا۔

"ٹاس جیت چکا ہوں۔" فاروق نے کہا اور پروفیسر داؤد کے نمبر ملاتے... اس کی آواز سنتے ہی وہ بولے:

"شش... شاید میرے کان بج رہے ہیں۔"

"کان بجیں آپ کے دشمنوں کے... یہ واقعی میں ہوں انکل۔" فاروق نے کہا۔

"لل... لیکن بھئی... میرے جسم پر میرے اپنے کان ہیں۔" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"چلیے خیر... میں نے مان لیا... آپ کے اپنے کان ہیں اور شاید ہم کانوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"واقعی... بہت بری بات ہے... میں وہیں آ رہا ہوں، یوں مزا نہیں آئے گا۔"

ابھی چاروں نہا بھی نہیں سکے تھے کہ خان رحمان آ گئے... پھر چند منٹ بعد پروفیسر داؤد آ دھمکے... آخر وہ بھی نہا کر فارغ ہو گئے... ملنے جلنے میں بھی چند منٹ لگ گئے... اور جب ذرا سکون ہوا تو پروفیسر داؤد نے

شکایت آمیز آواز میں کہا:

"بھئی جمشید... تمھارا یہ طریقہ بالکل غلط ہے... بتائے بغیر غائب ہو جانا۔"

"مجبوری تھی پروفیسر صاحب۔"

"کیا مجبوری تھی۔" انھوں نے آنکھیں نکالیں۔

"ایک دوست ریاست کا معاملہ تھا... ان کی طرف سے ہی درخواست کی گئی تھی کہ کسی کو بھی کچھ بتائے بغیر... ہم ان کے پاس پہنچ جائیں۔" انھوں نے بتایا۔

"اور تم لوگ وہاں پہنچ گئے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں... اور کیا کرتے۔"

"تب... اس ریاست کا مسئلہ حل ہو گیا یا نہیں۔"

"ہاں... بہت الجھا ہوا معاملہ تھا، لیکن اللہ کی مہربانی سے ہم سلجھا آئے ہیں۔"

"خیر... یہ کہانی بھی سننا پڑے گی... اور میرا خیال ہے اس وقت بھی ہمیں فرصت ہی ہے... تو کیوں نہ ابھی سن لی جائے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں ضرور... لیکن اس سے پہلے میں ایک فون کرنا چاہتا ہوں۔"

"فون... لیکن کس کو۔"

"انسپکٹر کامران مرزا کو۔" وہ مسکرائے۔

"ارے... لیکن کیوں؟"

"ابھی بتاتا ہوں... محمود... ذرا ڈائریکٹری میں شہر جلبان کے ہوٹل سب رنگ کے نمبر تو تلاش کر دو۔"

"جی بہتر..." اس نے کہا اور ڈائریکٹری کی طرف بڑھ گیا۔

"شہر جلبان... ہوٹل سب رنگ... یہ شہر جلبان تو کچھ جانا پہچانا سا نام محسوس ہو رہا ہے... جب کہ اس نام کے شہر میں میں کبھی نہیں گیا۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"انکل سنا ہے، اس شہر کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں... کسی پراسرار چٹان کے سلسلے میں۔"

"اوہ ہاں! اب یاد آیا..." وہ چونکے۔

ادھر انسپکٹر جمشید اخبارات دیکھ رہے تھے... بیگم جمشید نے جلبان کی ہر خبر پر قلم سے نشانات لگا دیے تھے... اس لیے انھیں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔

"نمبر مل گیا ابا جان۔"

"ہوں پنسل سے نوٹ بک پر لکھ لو... اور نوٹ بک میرے سامنے رکھ دو۔" انھوں نے کہا اور پھر اخبارات

میں گم ہو گئے... سب لوگ اب بوریت محسوس کرنے لگے، فاروق سے رہا نہ گیا:

"ابا جان! آپ ہوٹل سب رنگ کو فون کرنا چاہتے تھے۔"

"اوہ ہاں... فون ضرور کروں گا... لیکن ذرا ان اخبارات کو دیکھ لوں... ان میں بہت دلچسپ مواد موجود ہے۔"

"یعنی اس چٹان کے بارے میں۔" محمود بولا۔

"ہاں! کیا تم ان سب اخبارات کو دیکھ چکے ہو؟"

"جی بالکل... لیکن صرف سرخیوں کی حد تک۔"

"نہیں... ان سب خبروں کو تفصیل سے پڑھنا ہو گا... چٹان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی... شاید انسپکٹر کامران مرزا اسی چٹان کے سلسلے میں وہاں پہنچے ہیں، لیکن وہاں پہنچ کر انھوں نے سوچا کہ ہمیں بھی شامل کر لیں... اس لیے فون کر ڈالا۔" یہ کہہ کر انھوں نے ہوٹل سب رنگ کے نمبر ڈائل کرنا شروع کیے... آخر چند منٹ بعد سلسلہ مل گیا۔

"ہیلو... یہ ہوٹل سب رنگ ہے۔"

"جی ہاں! لیکن اس وقت یہاں کے حالات بہت نازک ہیں... کسی کی کسی بات کا بھی جواب نہیں دیا جا سکتا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون کا ریسیور رکھ دیا گیا... انسپکٹر
جمشید برا سا منہ بنا کر رہ گئے... اب انھوں نے شہر
جلبان کے پولیس ہیڈ کوارٹر کے نمبر دیکھے اور پھر
رنگ کیے... جلد ہی دوسری طرف سے آواز آئی:

"سب انسپکٹر جواد بول رہا ہوں... پولیس ہیڈ کوارٹر
جلبان شہر۔"

"شکریہ! میں دارالحکومت سے محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر
جمشید بول رہا ہوں۔"

"اوہو... میں نے تو آپ کا بہت نام سنا ہے...
فرمایئے... کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"شہر کے حالات کیسے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک... کیوں آپ نے یہ کیوں پوچھا۔"

"اچھا... ہوٹل سب رنگ کے..."

"اوہ ہاں... ہوٹل سب رنگ میں ضرور کچھ گڑبڑ
ہے... لیکن کیا... یہ ابھی معلوم نہیں ہو سکا... شاید
معاملے کو خفیہ رکھا جا رہا ہے۔"

"ہوٹل سب رنگ کے معاملات کو کون دیکھ رہے
ہیں۔"

"جی... ایس پی اکرم خان نیازی..."

"شکریہ آپ ان کا نمبر بتا سکتے ہیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں..." اس نے کہا اور نمبر لکھوا دیے۔
انھوں نے ایس پی اکرم خان نیازی کے نمبر
ملائے... جلد ہی بھاری بھر کم آواز سنائی دی:

"اکرم خان نیازی بول رہا ہوں... آپ کی تعریف..."

"اس خاکسار کو انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"اوہ... اچھا... فرمایئے۔"

"یہاں کیا حالات ہیں... خاص طور پر سب رنگ ہوٹل
کے۔"

"فون پر تفصیل تو نہیں بتا سکتا... کیوں کہ بہت دیر
ہو جائے گی... اتنا سن لیں کہ ہوٹل پر اسرار ترین ثابت
ہوا ہے... اور اس کو پر اسرار ترین ثابت کرنے میں
آپ کے دوست انسپکٹر کامران مرزا کا بہت ہاتھ ہے۔"

"شکریہ... میں انھی سے تو بات کرنا چاہتا ہوں...
وہ اپنے دوستوں کے ساتھ چٹان کو دیکھنے کے لیے
گئے ہیں... اب سے کافی دیر پہلے... لہٰذا اب تو
واپسی پر ہی بات ہو سکتی ہے۔"

"ہوں... شکریہ... جونہی وہ واپس آئیں... ان سے
کہیں مجھے فون کر لیں۔"

"بہت بہتر... میں ان کو آپ کا پیغام دے دوں گا"
"مہربانی..." یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا، اور فون پر ہونے والی گفتگو انھیں سنائی:
"اس کا مطلب ہے، چند گھنٹے تک انتظار کرنا ہو گا۔"
"ہاں! تم اتنی دیر تک ان اخبارات کو دیکھ لو... اور میں اپنے دوستوں سے باتیں کر لوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"یہ... یہ تو ناانصافی ہو گی ابا جان۔"
"وہ کیسے۔"
"اس طرح کہ آپ کو ان سے بات چیت کے مزے لیں گے اور ہم خشک خبریں پڑھیں گے۔"
"لیکن میرا خیال ہے... تمھیں یہ خبریں خشک نہیں لگیں گی۔" وہ مسکرائے۔
"لگیں یا نہ لگیں... ہم ان خبروں کو بعد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔"
"جیسے تمھاری مرضی بھئی... میں کیا کہہ سکتا ہوں..." انھوں نے کندھے اچکائے۔
"انکل... آپ حامد، سرور اور ناز کو ساتھ نہیں لائے۔"

"وہ تیار ہو کر آئیں گے... میں تو تیاری کے بغیر چلا آیا... مجھے کون سا میک اپ کرنا ہوتا ہے۔"
"تت... تو کیا انکل... حامد سرور اور ناز بھی میک اپ کرنے لگے ہیں۔" فاروق کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔
"ارے نہیں بھئی... ان کی امی کی بات کر رہا ہوں۔" خان رحمان مسکرائے۔
"ارے... تو آنٹی بھی آ رہی ہیں۔" فرزانہ چونکی۔
"بھئی واہ... یہ تو بہت مزے کی بات ہے۔"
"ہاں! گلاب جامن جتنی مزے کی تو ہے۔" فاروق بولا۔
"اور انکل آپ کیوں نہیں لائے شائستہ کو۔"
"وہ اپنی ایک سہیلی کے ہاں گئی ہوئی ہے... جوں ہی لوٹے گی، اسے پیغام مل جائے گا اور وہ سیدھی یہاں آئے گی۔"
"بھئی واہ... پھر تو خوب مزا آئے گا۔"
"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تم مزے کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئی ہو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔
"یار جمشید... تم نے وعدہ کیا تھا کہ فون کرنے کے

بعد ریاست کی کہانی سناؤں گا۔" خان رحمان بولے۔

"اوہ... یہ تو میں بھول ہی گیا... چلو خیر... پہلے یہی کر دو... لیکن بھئی... میں ریاست کا نام نہیں بتاؤں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ بولے۔

اور پھر انسپکٹر جمشید انھیں کہانی سنانے لگے... ان کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ پتا ہی نہیں چلا... بلکہ حامد، سرور، ناز اور شائستہ بھی آ کر ان کے ساتھ کہانی سننے لگے تھے... ہوش تو اس وقت آیا، جب کہانی ختم ہو گئی اور انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"بہت ہی حیرت انگیز اور دلچسپ واقعات ہیں... اگر یہ واقعات کسی مصنف کو بتا دیے جائیں... تو وہ ان واقعات کا ایک ناول بنا دے۔" خان رحمان بولے۔

"تو پھر بھیج دیجیے نا ابو لکھ کر۔" حامد بولا۔

"ہائیں... تم لوگ کب آئے۔"

"کہانی شروع ہو چکی تھی... جب ہم آئے... خیر اس کا ابتدائی حصہ ہم محمود سے سن لیں گے۔"

"تو پھر آپ لکھ کر بھیج رہے ہیں نا۔"

"ہاں ضرور... بلکہ میں مصنف سے درخواست کروں گا کہ اس کہانی کو ریاست کی کہانی کے نام سے لکھے۔"

"اوہ... یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اوہو... اب تک... انسپکٹر کامران مرزا کا فون نہیں آیا۔"

"تو آپ فون کر لیں نا۔"

"ہاں! یہی کرنا ہو گا۔"

انھوں نے ایک بار پھر ایس پی اکرم نیازی کے نمبر ڈائل کیے... آخر دوسری طرف سے ان کی آواز سنائی دی... لیکن اس مرتبہ آواز سے بہت الجھن جھلک رہی تھی۔

"جی ہاں! ایس پی اکرم خان نیازی بول رہا ہوں۔"

"وہ لوگ آئے یا نہیں۔"

"نہیں... اب تک نہیں آئے... اب میں خود اس چٹان کی طرف جا رہا ہوں... تاکہ ان کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔"

"آپ کتنی دیر تک لوٹ آئیں گے۔"

"بس... ایک گھنٹا لگ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے... اب میں آپ کو تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد فون کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔۔۔

"وہ لوگ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے۔"

"پتا نہیں۔۔۔ یہ چٹان کیا بلا ہے۔۔۔ جو اب تک کسی ماہر کی سمجھ میں نہیں آئی۔" فاروق بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو۔۔۔ اب ہم وہاں جائیں گے اور ان شاء اللہ اس کا راز معلوم کر کے رہیں گے۔"

"ہم سے پہلے انکل کامران مرزا بھی تو یہی کوشش میں مصروف ہیں ابا جان۔" محمود بولا۔

"ہاں تو ہم ان کے ساتھ مل کر ہی کام کریں گے نا۔۔۔" وہ بولے۔

"سوال یہ ہے کہ ہم اس چٹان کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"ہم چٹان کے پیچھے نہیں انکل۔۔۔ چٹان ہمارے پیچھے پڑ گئی ہے۔" فاروق بولا۔

"نہیں تو۔۔۔ اس بے چاری نے تو ہم میں سے کسی کو کچھ بھی نہیں کہا۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر بولے۔

ہم میں سے کسی کو اس لیے نہیں کہا کہ ہم ابھی

شہر جلبان نہیں گئے۔۔۔ ہمارے ساتھی جو پہلے ہی وہاں پہنچ چکے ہیں۔۔۔ انھیں اس نے ضرور کچھ نہ کچھ کہا ہوگا۔"

فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"کس نے۔" بیگم جمشید بولیں۔۔۔ وہ سیدھی باورچی خانے سے چلی آ رہی تھیں۔

"جی چٹان نے۔۔۔"

"جی چٹان نے۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"بات صرف یہ ہوئی امی جان کہ اس کا دماغ ہل گیا ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔ کیوں فاروق۔"

"میرا دماغ اپنی جگہ قائم ہے امی جان، آپ فکر نہ کریں۔۔۔ محمود کی تو عادت ہے۔۔۔ بے پر کی اڑانے کی۔"

"ہاں! یہ تو خیر ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہائیں۔۔۔ تم اور محمود کے مقابلے میں میرا ساتھ دے رہی ہو۔۔۔ ضرور کوئی چکر ہے۔"

"دیکھو خان رحمان۔۔۔ یہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔" انسپکٹر جمشید ہنس کر بولے۔

"ن... نہیں... تو... ہم تو یہیں موجود ہیں ابا جان۔"

"بات چلی تھی چٹان سے... چٹان کو ملک کے ماہر دیکھ چکے ہیں، لیکن کوئی اندازہ نہیں لگا سکے... وہ یہ تک نہیں جان سکے کہ چٹان رات کے وقت چمکتی کیوں ہے اور دن کے وقت برف کی مانند سفید کیوں ہو جاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"اب وہاں چل کر ہی کچھ کہا جا سکے گا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"تو آپ ہمارے ساتھ چل رہے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"اور میں بھی... تم لوگوں کے ساتھ جانے کے سوا کیا کر سکتا ہوں۔" خان رحمان نے گویا بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ہمارے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔" محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔

"اب کچھ کھا پی لیا جائے... میں نے کچھ نئی چیزیں تیار کی ہیں۔" بیگم جمشید کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔

"لیکن! ہم تو کھانا کھا چکے ہیں بیگم۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں نے نئی چیزیں صرف آپ کے لیے تیار نہیں کیں۔" وہ بولیں۔

"اوہ ہاں! پروفیسر صاحب اور خان رحمان بھی تو یہاں موجود ہیں۔" وہ چہکے۔

"جی نہیں... بہن شہناز بیگم، حامد، سرور، ناز اور شائستہ بھی یہاں موجود ہیں۔"

"اوہو... واقعی... یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔"

اور جب نئی چیزیں ان کے سامنے رکھی گئیں تو انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کی رال بھی ٹپک پڑی... بے تحاشہ ان کا جی چاہا... وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں... لیکن انھوں نے خود کو روکے رکھا... یہ بات خان رحمان نے فوراً محسوس کر لی۔

"بھئی جمشید... اپنے گھر میں بھی کوئی تکلف کرتا ہے، شروع ہو جاؤ۔"

"یہ بات نہیں۔" وہ بولے۔

"تو پھر... کیا بات ہے۔"

"دراصل طبی اصول یہ ہے کہ جب انسان کھانا کھا چکا ہو تو کھانے پہ کھانا ہرگز نہیں کھانا چاہیے... یعنی دوسرے کھانے کا وقت ہونے سے پہلے پھر کھانا نہیں کھانا

چاہیے... ہاں کچھ وقت گزرنے پر ہلکی پھلکی کوئی چیز چاہے
لے سکتا ہے... اور ہم نے ابھی ابھی کھانا کھایا تھا،
لہٰذا ہم اصول کی خلاف ورزی کرنے کے عادی نہیں ہیں۔
یہ بات آپ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہی ہے۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے... خیر تم کچھ چیزیں بچا دیں گے،
تم لوگ دوبارہ وقت ہونے پر کھا لینا۔" خان رحمان مسکرائے۔

"اس کی بھی ضرورت نہیں... کیوں کہ اس وقت کچھ اور
نئی چیزیں تیار ہوں گی۔" بیگم جمشید بولیں۔

اور پھر ڈیڑھ گھنٹے بعد کہیں جا کر اکرام خان کا
فون آیا... وہ کہہ رہے تھے:

"ہیلو انسپکٹر صاحب... ان لوگوں کا کہیں کوئی پتا نہیں
چل رہا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"وہ چٹان کی طرف گئے ضرور تھے... لیکن ان کی واپسی
نہیں ہوئی... چٹان کے آس پاس انہیں دیکھ لیا گیا ہے۔"

"یہ... یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" وہ ہکلائے۔

"جو بات ہے... وہی سن رہے ہیں۔"

"اچھا... تو پھر... ہم آ رہے ہیں۔"

"ضرور تشریف لائیں... خوشی ہو گی۔"

انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا... پھر ایئرپورٹ فون کیا۔
معلوم ہوا، جہاز تین گھنٹے بعد شہر جلیان جائے گا... دو
گھنٹے بعد وہ گھر سے رخصت ہو رہے تھے... ایسے میں
انسپکٹر جمشید بولے:

"ہمیں افسوس ہے بیگم، دوسرے کھانے کا وقت ہونے
سے پہلے ہی ہمیں یہاں سے جانا پڑ رہا ہے اور ہم اس
طرح پھر ان دوسری نئی چیزوں سے محروم ہو رہے
ہیں... خیر... تم وہ نئی چیزیں... انہیں کھلاؤ... زندگی رہی
تو ہم بھی کھا ہی لیں گے۔"

"کیوں نہیں... ان شاء اللہ۔" بیگم بولیں۔

اور وہ سب دروازے پر کھڑے ہاتھ ہلاتے رہے...
یہ خان رحمان کی بڑی کار میں سوار ہو کر ہاتھ ہلاتے ہوئے
سڑک پر آ گئے... عین اسی وقت انہیں اکرام آتا نظر
آیا... انہیں دیکھ کر وہ فوراً جیپ سے اتر آیا:

"آپ کی واپسی کی اطلاع ملی تو میں بھی ملنے چلا آیا...
لیکن آپ شاید پھر کہیں جا رہے ہیں۔"

"ہاں اکرام... تم ایسا کرو کہ جیپ ہمارے گھر کھڑی کرو،
اور خود ہماری کار پہ آ جاؤ۔"

"کیا مجھے بھی ساتھ لے جانے کا ارادہ ہے۔"

"نہیں... لیکن اگر تم پسند کرو تو چل سکتے ہو... کوئی اعتراض بھی نہیں ہے... میں نے تو اس لیے کہا تھا کہ ایئرپورٹ تک تم سے باتیں ہو جائیں گی... وہاں سے تو خان صاحب کی کار سے آئے گئے۔"

"چلیے پھر... یونہی سہی۔" انھوں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"کیوں بھئی... خیریت تو ہے۔"

"میں بھی ساتھ چلا چلتا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے... دفتر اطلاع دے دو... اور اپنے گھر بھی... لیکن ذرا جلدی کرو... وقت بہت کم ہے۔"

"لیکن جانا کہاں ہے۔"

"بھئی یہ بعد میں پوچھ لینا۔" وہ بولے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایئرپورٹ پر پہنچ چکے تھے... ان کے لیے بھی سیٹ کا انتظام کیا گیا... اڑھائی گھنٹے کے سفر کے بعد وہ شہر جلبان کے ایئرپورٹ پر اترے... ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ اکرام کی نظر ایک جانے پہچانے سے آدمی پر پڑی... وہ ٹھٹک کر رک گیا...

"ذرا اس طرف دیکھیے... ان صاحب کا چہرہ جانا پہچانا

سا لگ رہا ہے۔" وہ بولا۔

انھوں نے ایک ساتھ اس طرف دیکھا... وہ بھی انھی کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

"ہاں! جانا پہچانا تو لگتا ہے... کہیں یہ کاشان تو نہیں، انسپکٹر کاشان... شوکی برادرز کا دوست۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ... بالکل وہی... اب میں نے بھی پہچان لیا۔"

"تت... تو کیا... شش... شوکی برادرز بھی... ان کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

اتنے میں وہ ان کی طرف قدم اٹھانے لگا...

"اگر میں غلطی پر نہیں... تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔" اس نے کہا۔

"اور آپ انسپکٹر کاشان... کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"جج... جی جی ہاں... بالکل ٹھیک۔" وہ ہکلایا۔

"ارے تو پھر آؤ نا بھئی۔"

اور پھر وہ ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ملے:

"شوکی برادرز کہاں ہیں۔" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"وہ... میں انھی کی تلاش میں تو آیا ہوں۔" انسپکٹر کاشان نے کہا۔

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے۔

"جی ہاں!" کاشان نے کہا۔

"تت... تو وہ بھی یہاں آئے ہوئے ہیں۔"

"ہاں! انھوں نے کسی پُراسرار آدمی سے معاہدہ طے کیا تھا... اس کا نام ماروت ہے... شوکی برادرز کی والدہ نے دروازے کے پیچھے یہ بات سن لی تھی کہ وہ انھیں شہر جلبان لے جانا چاہتا ہے... شوکی برادرز کی طرف سے خیریت کی کوئی اطلاع نہیں ملی... انھوں نے پریشان ہو کر آئی جی صاحب کو فون کیا... اور انھوں نے مجھے ادھر بھیج دیا... کیوں کہ شوکی برادرز انھیں بھی بہت عزیز ہیں... مجھے تو خیر وہ عزیز ہی ہیں۔"

"تب تو... دو پارٹیاں ہم سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی ہیں... اور ہو سکتا ہے، ان کی آپس میں ملاقات بھی ہو گئی ہو۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا... شاید ایس پی اکرم خان سے کچھ باتیں معلوم ہو جائیں... آؤ چلیں... انسپکٹر کاشان آپ ہمارے ساتھ چلنا پسند کریں گے یا الگ.... ویسے بھی یہاں انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھیوں کی تلاش میں آئے ہیں اور اب شوکی برادرز کی

تلاش بھی ہمارے ذمے ہے۔"

"ان حالات میں میں آپ کے ساتھ نہیں چلوں گا تو اور کیا کروں گا۔" اس نے کہا۔

"یہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

اور وہ دو ٹیکسیوں میں بیٹھ کر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچے... ایس پی اکرام خان نیازی نے ان کا پُرجوش انداز میں استقبال کیا... اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"آپ جلد از جلد تمام حالات ہمیں سنا دیں... کیوں کہ ہم بہت بے چین ہیں۔"

"بہت بہتر... جو باتیں مجھے معلوم ہیں... وہ میں سنا دیتا ہوں۔"

اور اس نے جو کچھ بھی معلوم تھا... انھیں سنا دیا...

"لیجیے انسپکٹر کاشان... شوکی برادرز، پروفیسر صاحبان اور ہمارے دوست منور علی خان بھی ان کے ساتھ ہیں۔"

"بس... ہم ہی نہیں ان کے ساتھ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"فکر نہ کرو... اللہ نے چاہا تو ہماری بھی ان کے ساتھ ملاقات ہو ہی جائے گی... اس سارے معاملے میں سب سے زیادہ پر اسرار شخصیت مجھے مسٹر ماروت کی محسوس ہوئی ہے... کیوں نہ ہم سب سے پہلے اس سے بات چیت کریں۔"

"بالکل ٹھیک... میں بھی یہی کہنے والی تھی۔" فرزانہ بولی۔

"نیازی صاحب... ملاقات کرا دیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں... آپ یہاں ملاقات کرنا پسند کریں گے... یا حوالات کے دروازے پر چلیں گے۔"

"بہتر تو یہی ہو گا... کہ اسے یہیں لے آئیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔

جلد ہی ماروت ان کے سامنے بیٹھا تھا... اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور پیروں میں بیڑیاں۔

"تو آپ کا نام مسٹر ماروت ہے۔" انسپکٹر جمشید نرم آواز میں بولے۔

"ہاں! اور آپ کون ہیں۔"

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"اوہ!" اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔

"آپ ہوٹل سب رنگ کے مالک ہیں... یہاں آپ کے لیے کام کرنے والے بہت لوگ ہیں... پھر آپ ٹوکی برادرز کو یہاں کیوں لائے تھے۔"

"میں اس چٹان کے بارے میں بہت الجھن میں تھا... میں نے سوچا... یہ لوگ ایسے کاموں کے ماہر ہیں... لہٰذا میں نے ان سے رابطہ قائم کیا۔"

"سوال تو یہی ہے کہ آپ چٹان کے بارے میں کیوں فکر مند تھے... فکر مند ہونے کے لیے کیا بہت کم ہے۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"بس... میں الجھن میں مبتلا ہو گیا... میری طبیعت میں تجسس بہت ہے۔"

"آپ کا جواب دل کو نہیں لگا... خیر... یہ آپ نے ہوٹل سب رنگ کی خفیہ جگہوں میں اسلحہ کیوں جمع کر رکھا تھا۔"

وہ بغلیں جھانکنے لگا... جیسے کوئی جواب نہ سوجھ رہا ہو۔

"شاید اس سوال کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں۔"

"ہاں! یہی سمجھ لیں۔"

"نیازی صاحب... اس کے مکان سے جو کاغذات ملے تھے... وہ کہاں ہیں؟"

"انسپکٹر کامران مرزا نے اپنے پاس رکھ لیے تھے۔"

"اوہ... یہ برا ہوا۔"

"انھیں کیا معلوم تھا... کہ چٹان کے پاس جا کر وہ غائب ہو جائیں گے۔" محمود بولا۔

"ہوں... خیر۔" یہ کہہ کر وہ پھر ماروت کی طرف مڑے:

"مسٹر ماروت... تم کس ملک کے جاسوس ہو؟"

"تمھارے قبضے سے جو اسلحہ برآمد ہوا ہے... وہ انشارجہ کا ہے... اس کا تو یہ مطلب نکلتا ہے... کہ تم انشارجہ کے جاسوس ہو اور جو کچھ بھی کر رہے ہو... ان کے اشارہ پر کر رہے ہو۔"

"نن... نہیں... یہ غلط ہے۔"

"تب پھر انشارجہ کے اسلحے کا تمھارے پاس کیا کام۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا... گویا اس سوال کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"خیر... اس سوال کا جواب تم مجھ سے سنو... تم انشارجہ کے جاسوس ہو، اس کے اشاروں پر ناچتے ہو... بہترین ایکٹر بھی ہو... اسلحے کا خفیہ ذخیرہ رکھنے کے لیے تم نے اس کے اشارے پر ہوٹل سب رنگ تعمیر کیا... پھر اسے روپ بدل کر خود ہی خریدا... اور اب مزے سے اس ہوٹل کو چلا بھی رہے تھے... گویا ضرورت پڑنے پر یہ اسلحہ ملک کے خلاف اس کارروائی میں آزادانہ استعمال ہوتا... اور ہم حیران ہوتے کہ آخر اسلحہ آ کس راستے سے رہا ہے... ہم راستوں کے چکر میں رہتے... لیکن وہ اندر سے ہی نکل رہا ہوتا... عجیب بات یہ ہے کہ انشارجہ تو ہماری دوستی کا دم بھرتا ہے... پھر اسے کسی بھی کارروائی کی یہاں کیا ضرورت... اس کا جواب یہ ہے کہ انشارجہ بظاہر تو ہمارا دوست ضرور ہے، لیکن اندر سے دشمن بھی ہے اور اپنی پالیسیوں پر ہر قیمت پر عمل پیرا رہنا چاہتا ہے... لہٰذا اس نے ملک میں اپنے اسلحے کے ایسے ذخیرے بنا رکھے ہیں... دوسرے شہروں میں بھی ایسی جگہیں ضرور ہوں گی... کیوں مسٹر ماروت... میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"غلط... بالکل غلط۔" وہ چلایا۔

"تمہارے چلانے کا انداز ہی پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ باتیں غلط نہیں ہیں ... ان حالات میں اس شہر میں چٹان ابھر آئی ... شاید انشارجہ کو بھی اس میں دلچسپی ہے ... لیکن وہ اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا ... اس لیے اس نے تمہیں استعمال کیا ... کہ کسی ذریعے سے چٹان کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں ... تم نے ذہن دوڑایا اور ایسے میں تمہارا ذہن شوکی برادرز کی طرف منتقل ہو گیا ... شاید تم پہلے ہی شوکی برادرز کے شہر میں موجود تھے ... لہٰذا تم نے ان سے ملاقات کی ... پیشکش کی اور انھیں یہاں لے آئے ... لیکن پھر اچانک ہی ان سے ذمے داری واپس لے لی ... یہ بات بہت ہی عجیب ہے ... لیکن میرے ذہن میں اس عجیب بات کا بھی ایک جواب آ رہا ہے ... تم نے دراصل سوچا یہ تھا کہ انھیں یہاں لا کر اس چٹان کے چکر میں ڈال دو گے ... وہ مجبور ہو کر مجھے یا انسپکٹر کامران مرزا کو بلائیں گے ... اور اس طرح ہم تینوں پارٹیاں مل کر اس کا راز معلوم کرنے کی سرتوڑ کوشش کریں گے اور اس طرح خفیہ طور پر دراصل وہ معلومات تم حاصل کر لو گے ... اس دوران یا تو انشارجہ کو خود ہی کسی

چٹان کی حقیقت معلوم ہو گئی ... یا پھر ماروت نے انسپکٹر مرزا کو پہچان لیا اور جان لیا کہ وہ تو خود ہی اس چٹان [illegible] میں یہاں آ گئے ہیں ... تو شوکی برادرز کو فیس ادا کرنے کی کیا ضرورت ... اب کام تو صرف یہ تھا کہ ان کی نگرانی [illegible] تھا، اور نگرانی ذرا بھی مشکل نہیں تھی ... کیوں کہ وہ سب رنگ میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے اور سب رنگ میں [illegible] کی باتیں سننے کا انتظام ماروت کے بائیں ہاتھ کا کھیل [illegible] سکتا ہے ... فی الحال میرے ذہن میں یہی دو باتیں آئی ہیں ... [illegible] سکتا ہے ... شوکی برادرز سے کام واپس لینے کی کوئی اور [illegible] ہو ... لیکن ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ... ہم جان چکے ہیں ماروت انشارجہ کا جاسوس ہے ... اور ملک میں اسلحے کے خفیہ اڈے بنانا اس کی ذمے داری ہے ... اس نے بڑے بڑے شہروں میں اور بھی اس قسم کے اڈے بنا رکھے ہیں ... ہمیں تو دراصل اس سے ان اڈوں کا پتا چلانا ہے مسٹر ماروت ... میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

اُن کے اِن الفاظ کے ساتھ ہی اس کا رنگ اڑتا نظر آیا۔

آدھی پارٹی

کمرے میں چند لمحوں کے لیے موت کا سناٹا طاری ہو گیا... ہر کوئی ماروت کو گھور رہا تھا... آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"مسٹر ماروت... سب لوگ تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں... تمھارا جواب سننے کے لیے... آخر تم کب اس الزام کا جواب دو گے..."

"الزام غلط ہے... میں نے ہوٹل سب رنگ کے علاوہ کوئی اور ایسا اڈا تعمیر نہیں کر رکھا۔"

"خیر... اب ہم تمھارے منہ سے اگلوائیں گے کہ یہ بات درست ہے یا نہیں... اور ہمیں اگلوانا آتا ہے مسٹر ماروت۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"کک... کیا مطلب؟" وہ بوکھلا اٹھا۔

"کیا تم انکار کرتے ہو کہ انشارجہ اس چٹان کے

...ہیں جاننے کے لیے بری طرح بے چین ہے۔" انھوں ...پُر زور انداز میں کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں ...

"اور چوں کہ تم نے انسپکٹر کامران مرزا کو پہچان لیا تھا، ...لیے... شوکی برادرز سے اپنا چیک واپس لے لیا۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے... میں نے سوچا... اب پروگرام پر خود بخود عمل ہو جائے گا... چیک ان کے ...کیوں رہنے دیا جائے۔"

"اور ہوٹل سب رنگ کے کمروں میں گفتگو سننے کا ...ایسا انتظام ہے... تم اپنے کمرے میں بیٹھے جس ...کی چاہو، گفتگو سن سکتے ہو۔"

"ہاں! بالکل... بلکہ میں ہر کمرے کا منظر بھی دیکھ سکتا ...ہوں۔"

"ہوں! اور ہوٹل سب رنگ جیسے اور کتنے اڈے ...نے بنائے ہیں۔"

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

"مسٹر ماروت... تم انکار نہیں کر سکو گے... کیوں کہ ...بھی کسی شہر میں ہوتے ہو... کبھی کسی شہر میں...

ہم جب تفصیلات جمع کرنے لگیں گے، تو صاف معلوم ہو جائے
گا کہ کون کون سا ہوٹل تم نے بنوایا ہے، اور پھر
ان کی چھتوں کو اکھاڑا جائے گا... تو ثبوت بھی فراہم ہو
جائیں گے... پھر تم سے ان خفیہ خلاؤں کے راستے بھی
معلوم کر لیے جائیں گے... تم اب کسی طرح بھی بچ
نہیں سکتے... لہذا صاف صاف کہ دو... اس طرح تم بہت
سے بچ جاؤ گے... دوسری صورت میں ہم تمہیں کمرۂ
امتحان میں لے جائیں گے، اور ایسے ایسے طریقے
اختیار کریں گے کہ تمہاری روح تک لرز اٹھے گی، اس
وقت تم کہو گے... کاش... میں نے پہلے ہی سچ اگل
دیا ہوتا۔" یہاں تک کہ کر وہ خاموش ہو گئے... ماروت
بت بنا بیٹھا تھا...

"تو تم نہیں بولو گے... خیر... نیازی صاحب... اسے
کمرۂ امتحان میں لے چلنے کی تیاری کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" نیازی بولے اور پھر اسے اٹھایا جانے
لگا... اچانک اس نے مڑتے ہوئے کہا:

"ہم... میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔"

"بہت خوب۔" وہ بولے۔

"اس وقت تک میں نے پانچ بڑے شہروں میں

پانچ ایسے ہوٹل تعمیر کیے ہیں اور ان پانچوں میں اسلحے کے
ذخیرے موجود ہیں۔"

"اوہ... اُف۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"حیرت ہے... آخر انشارجہ... کرنا کیا چاہتا ہے... وہ
تو ہمارا بڑا دوست بنتا ہے۔"

"ضرورت پڑنے پر... وہ اپنے مفادات حاصل کرنے
کے لیے ملک میں افراتفری اور خون ریزی کرانے کے
لیے ان ذخیروں کو استعمال کر سکتا ہے۔"

"اور ونٹاس... کیا اسے اس چٹان سے کوئی دلچسپی
پیدا نہیں ہوئی۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہو سکتا ہے... اس کے آدمی بھی چٹان کے چکر
میں ہوں... لیکن ان کی کارروائی ہماری نظروں میں نہ
آ سکی ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ونٹاس نے دلچسپی لینے
کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہو۔"

"ہوں... دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔"

"اچھا مسٹر ماروت... ان شہروں اور ہوٹلوں کے
نام بتا دو... تاکہ ہمارا تم سے یہ انٹرویو ختم ہو۔"

ماروت نے شہروں اور ہوٹلوں کے نام لکھوا

دیے...

"اور خفیہ خلاؤں کو کھولنے کا طریقہ بھی بتا دو۔"

"وہ میں ہوٹل میں چل کر ہی بتا سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"یہ فرار ہونے کے چکر میں ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں... تو ہم کمرۂ امتحان میں لے جاتے ہیں... بہت جلد اگل دیں گے حضرت۔" خان رحمان بولے۔

"نن... نہیں..." وہ کانپ اٹھا۔

"تو پھر بتا دو نا بھئی... اب نہ بتا کر بھی کیا فائدہ۔"

"ہاں کوئی فائدہ نہیں... میں بتاتا ہوں... ہر ایسے کمرے میں جس میں خلا رکھی گئی ہے... ایک فانوس لگایا گیا ہے... فانوس گھومنے والے نہیں ہیں... ایک جگہ نصب ہیں... لیکن جب دونوں ہاتھوں کی مدد سے فانوس کو گھمایا جاتا ہے... تو راستا نمودار ہو جاتا ہے... فانوس دیوار میں لگے ہیں... چھت میں نہیں۔"

"بہت خوب... یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا... اب ہم پہلے ہوٹل سب رنگ میں یہ طریقہ آزما کر دیکھ لیتے ہیں، پھر ان ہوٹلوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔"

مدد کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق راستے نمودار ہو گئے... دوسرے شہروں کی خفیہ پولیس کو یہ اطلاعات دے دی گئیں... اور پھر وہ ہیڈ کوارٹر میں آ بیٹھے...

"اب ہمیں اپنا طریقہ کار طے کرنا ہے... پہلے تو یہ بتائیں... چٹان کے اردگرد پہرہ تو نہیں ہے۔"

"چٹان فوج کی نگرانی میں دے دی گئی ہے.... مجھے بھی نزدیک نہیں جانے دیا گیا... ہاں البتہ انھوں نے یہ بات تسلیم کی ہے... انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھی آئے تھے... انھیں روک لیا گیا تھا... لیکن جب انھوں نے اپنا خصوصی اجازت نامہ پیش کیا تو انھیں آگے جانے کی اجازت دے دی گئی... لیکن وہ پلٹ کر نہیں آئے... چٹان کے آس پاس بھی دیکھا گیا... لیکن وہ نہیں ملے... اب اللہ جانے، انھیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔" اکرم خان نیازی کہتے چلے گئے۔

"اُف مالک... تب تو ہمیں فوری طور پر اس چٹان کا رخ کرنا چاہیے۔" پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"ہم سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں گے... ان کے ساتھ جو ہونا تھا... وہ ہو چکا... لہٰذا اس قدر جلدی

کی بھی ضرورت نہیں۔" انھوں نے کہا۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی... اکرم خان نیازی نے
فوراً ریسیور اٹھایا اور انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا دیا...
"میرا فون..." ان کے منہ سے نکلا۔
"کیوں... کیا آپ کسی کو بتا کر نہیں آئے۔"
"آتے ہوئے میں نے صرف اور صرف ایک شخصیت کو
فون کے ذریعے اطلاع دی تھی۔" انھوں نے کہا اور پھر ریسیور
لے لیا۔

"ہیلو سر... فرمایئے... کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"
"ٹھیک پہچانا جمشید... تم نے اچھا کیا... مجھے اطلاع دے
کر یہاں آئے... ورنہ اس وقت میں تمھاری تلاش میں
پریشان ہو رہا ہوتا... ایک الجھا ہوا معاملہ درپیش ہے۔"
"فرمایئے... کیا دارالحکومت آنا ہو گا۔"
"نہیں... ایسی کوئی بات نہیں... جمشید... تم جانتے ہو،
ونشاس سے ہمارے ملک کے اچھے تعلقات نہیں ہیں... اور
اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ازلی دشمن شارجستان
سے اس کے تعلقات خوش گوار ہیں... لہٰذا ہمارے تعلقات
اس ملک سے خوش گوار ہو ہی نہیں سکتے... جو شارجستان
سے اچھے تعلقات رکھتا ہو۔"

"بالکل ٹھیک سر..." انسپکٹر جمشید بولے۔
"لیکن اب... ونشاس کی طرف سے ایک عدد پیش کش
ہوئی ہے... وہ ایک ٹیم روانہ کرنا چاہتے ہیں... وہ ٹیم اس
چٹان کا معائنہ کرے گی اور اس کی حقیقت معلوم کرنے
کی کوشش کرے گی... میں نے ماہرین سے مشورہ کیا
ہے... ان کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں...
پھر میں نے سوچا... تمھارا خیال بھی معلوم کر لوں۔"
"ہوں... بات غور طلب ہے سر... اس میں ایک نقطہ
تو یہ ہے کہ فرض کیجیے... ونشاس کے ماہرین چٹان کی
حقیقت جان لیتے ہیں... لیکن ہم سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ
وہ کچھ نہیں سمجھ سکے... اور وہ واپس چلے جاتے ہیں...
پھر خفیہ طور پر اپنی معلومات سے فائدہ اٹھانے کی
کوشش کرتے ہیں... اس طرح ہم تو لاعلم ہی رہ جائیں گے اور
وہ فائدہ اٹھا لیں گے۔"
"تمھاری بات بھی معقول ہے... لیکن ہم ان لوگوں کو چٹان
کے پاس پھٹکنے ہی کیوں دیں گے... میرا مطلب ہے...
ان کی واپسی کے بعد۔"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے سر... وہ اسی وقت کوئی
فائدہ اٹھا لیں... اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کسی صورت بھی ونتاس کے ارکان
کو چٹان کے قریب نہیں ہونے دینا چاہیے۔"

"میرا مشورہ تو یہی ہے سر... دشمن ہی ہے
وہ ہمارے فائدے کی بات تو سوچ ہی نہیں سکتا... یہ بھی
تو سوچیے... آخر اسے چٹان کی فکر کیوں ہے۔"

"دلچسپی تو خیر کسی بھی ملک کو ہو سکتی ہے... کیونکہ
آخر یہ ایک عجیب ترین چٹان ہے... جو رات کو چمکتی ہے"
انھوں نے کہا۔

"اگر آپ انھیں بلانے اور معائنہ کی اجازت دینے کا فیصلہ
کر چکے ہیں تو مجھے قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہے... لیکن میرا
ایک مشورہ ہے۔"

"ضرور کہو جمشید۔" صدر صاحب بولے۔

"مشورہ یہ ہے سر... کہ جو معائنہ ٹیم ونتاس سے آئے
ہم اس کے ساتھ ساتھ رہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"تب پھر اسے آنے دیں۔"

"شکریہ جمشید... ٹیم کو پہلے پولیس ہیڈ کوارٹر ہی بھیجا جائے
گا... وہاں سے تم اسے ساتھ لے کر جاؤ گے۔"

"اور ہم میک اپ میں ہوں گے سر... یہ بھی ضروری

"جو مناسب سمجھو کرو۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔
انھوں نے فون پر ہونے والی گفتگو ان سب کے سامنے
دی۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمیں اب اس معائنہ ٹیم کا
انتظار کرنا پڑے گا۔"

"نہیں... ہم انتظار نہیں کریں گے... اس سے پہلے ہی
چٹان کا معائنہ کر آئیں گے، پھر انھیں ساتھ لے کر
جائیں گے۔"

"شاید... آپ کے ذہن سے یہ بات نکل گئی ابا جان...
انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ چٹان تک گئے تھے اور اب
تک ان کی واپسی نہیں ہوئی... نہ ان کے بارے میں کچھ معلوم
ہو سکا۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کہیں ہم بھی غائب نہ
ہو جائیں۔" وہ مسکرائے۔

"جج... جی ہاں۔"

"تو پھر... یہ تو اور بھی اچھی بات ہے... اپنے ساتھیوں
سے ملاقات تو ہو جائے گی۔"

"نہ جانے وہ کس حال میں ہوں گے... زندہ بھی ہیں یا

نہیں۔" فاروق بولا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے... ہم ونٹاس کی معائنہ ٹیم کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کر سکتے۔"

"تو کیا ہم ابھی اور اسی وقت چل رہے ہیں؟"

"ہاں... بالکل... نیازی صاحب... آپ معائنہ ٹیم کو یہیں ٹھہرا لیجیے گا... جب تک کہ ہم نہ آ جائیں۔"

"اور اگر آپ لوگ نہ آئے۔" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"ان شاء اللہ ہم آئیں گے... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آئیں۔"

"بہت خوب... یہ تو بہت ہی اچھی بات ہو گی۔" نیازی صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

آخر ان کا قافلہ چٹان کی طرف روانہ ہوا...

"ہم... مارے بے چینی کے میرا برا حال ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اب ایسی بھی کیا بے چینی... تھوڑی دیر بعد ہم چٹان کے سامنے ہوں گے۔"

"اس کے باوجود... میں بہت بے چین ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"آخر کیوں... کیا کوئی خاص بات ہے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"انکل کامران مرزا کوئی عام آدمی نہیں ہیں... ان کا غائب ہونا معمولی بات نہیں ہے... میں سوچ رہی ہوں، کہیں ہم بھی غائب نہ ہو جائیں... اس صورت میں یہ تو شاید ہو جائے گا کہ ہم اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ جائیں گے... لیکن... ونٹاس کی معائنہ ٹیم کی نگرانی نہیں کر سکیں گے۔"

"ہوں... واقعی فرزانہ... تم ٹھیک کہتی ہو... پھر... ہم کیا کریں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہمیں چاہیے... دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جائیں... صرف ایک پارٹی چٹان تک جائے گی... دوسری پارٹی چٹان سے دور رہے گی۔"

"ترکیب بہت اچھی ہے... اور ہم اس پر ضرور عمل کریں گے۔" خان رحمان بولے۔

"اور اگر آدھی پارٹی غائب ہو گئی تو باقی آدھی پارٹی کیا کرے گی۔" پروفیسر بولے۔

"واپس ہیڈ کوارٹر جائے گی... اور ونٹاس کی ٹیم کی نگرانی کرے گی۔"

"چلو... یہ طے رہا... اب ہم آپس میں تقسیم کس طرح ہوں۔" پروفیسر بولے۔

"چٹان کے معائنے کے لیے آپ کی موجودگی بہت ضروری
ہے... لہٰذا آپ پہلی پارٹی کے سربراہ ہوں گے... ہم
میں سے جس جس کو ساتھ لے جانا آپ پسند کریں
لے لیں... لیکن میں وطن ٹیم کے ساتھ رہنا بہت
ضروری خیال کرتا ہوں... اس لیے میں آپ کی ٹیم
میں شریک نہیں ہوں گا... آپ کا کیا خیال ہے۔"
انھوں نے کہا۔

"بالکل ٹھیک... میرے ساتھ فرزانہ، فاروق اور محمود
آ جائیں۔"

"بس۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں بس... ہم کل آٹھ ہیں... چار چار کی دو
پارٹیاں بن گئیں... اگر یہ تقسیم پسند نہ آئی ہو تو پھر
تم مجھے جو ساتھی دینا پسند کرو... مجھے منظور ہے۔"

"جی نہیں... بس اسی طرح ٹھیک ہے۔"

وہ آگے بڑھتے چلے گئے... یہاں تک کہ ایک چھوٹی
سی چٹان کے نزدیک پہنچ گئے... چٹان پر ایک فوجی
رائفل لیے چوکس کھڑا تھا... ان پر نظر پڑتے ہی اس
نے رائفل تان لی...

"خبردار... آپ لوگ یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔"

وہ کاروں سے اتر آئے... انسپکٹر جمشید اس کی طرف
بڑھتے ہوئے بولے:

"کیوں جناب... کیا بات ہے۔"

"آگے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"جب کہ ہم آگے جانے کے لیے آئے ہیں۔" وہ
بولے۔

"جی... کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"ہم دراصل اس چٹان کا معائنہ کرنے آئے ہیں۔"

"اجازت نہیں ہے... صدر مملکت کی اجازت ہونا
ضروری ہے۔"

"تب تو ہم آگے جائیں گے... کیوں کہ ہمارے پاس
اجازت نامہ موجود ہے۔"

"شکریہ! اگر اجازت نامہ موجود ہے تو پھر جھگڑا کیا۔" فوجی
مسکرایا۔

انسپکٹر جمشید نے اپنا خصوصی اجازت نامہ اس کے سامنے
کر دیا... اس نے اجازت نامہ پڑھا اور حیرت زدہ انداز
میں بولا:

"کمال ہے... بالکل ایک جیسے دو اجازت نامے... آپ
لوگوں سے پہلے انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھی بھی

ایسا ہی اجازت نامہ لے کر آئے تھے۔"

"اور بے چارے واپس نہیں جا سکے۔"

"ہاں... ہمیں خود حیرت ہے... وہ کہاں چلے گئے۔"

"ہم چٹان کے معائنے کے ساتھ ساتھ انھیں بھی تلاش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ ناک کی سیدھ میں چلے جائیے... ہمارے انچارج میجر تشکیل کے خیمے تک پہنچ جائیں گے آپ... اجازت نامہ وہ چیک کریں گے اور پھر آپ کو آگے جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

"شکریہ!" انھوں نے کہا اور قدم آگے بڑھا دیے... ادھر فوجی وائرلیس سیٹ آن کر کے اس پہ بات کرنے لگا... شاید وہ میجر تشکیل کو ان کے بارے میں بتا رہا تھا...

"فرزانہ... جوں ہی سیٹ بند کرنے کی آواز سنائی دے، مجھے بتا دینا۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"ج... جی اچھا۔" فرزانہ نے حیرت زدہ انداز میں کہا، کیوں کہ اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"اس نے سیٹ بند کر دیا ہے... ابا جان۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو... میں ایک بات تو پوچھنا بھول گیا۔" یہ کہہ کر وہ پلٹے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے فوجی کے نزدیک پہنچ گئے....

"کیوں جناب... کیا بات ہے... آپ واپس آ گئے۔"

"میں نے آپ کا نام نہیں پوچھا۔ وہ مسکرائے۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"یہ میری عادت سمجھ لیں... ملاقاتی کا نام ضرور پوچھتا ہوں، ہاں تو آپ کا نام کیا ہے؟"

"سرور خان۔" اس نے بے دھڑک کہا۔

"شکریہ... اب اپنا کارڈ بھی دکھا دیں۔"

"ک... کون سا کارڈ۔" وہ ہکلایا۔

"اپنی ملازمت کا کارڈ۔"

"لیکن کیوں... اس کی کیا ضرورت ہے جناب۔"

"بس ضرورت ہے... مہربانی فرما کر کارڈ دکھا دیں۔"

"اچھی بات ہے..." اس نے جھلا کر کہا اور بایاں ہاتھ جیب کی طرف لے گیا... دائیں سے رائفل پکڑی ہوئی تھی... جلد ہی اس نے کارڈ نکال کر ان کے سامنے کر دیا... انھوں نے کارڈ لیا... وہ واقعی سرور خان کا تھا... انھوں نے کارڈ پہ لگی تصویر سے اس کا مقابلہ کیا

اور پھر کارڈ دیتے ہوئے بولے:

"معاف کیجیے گا... اس کارروائی سے میں اپنا شک دور کرنا چاہتا تھا۔"

"لیکن آپ کو شک کیا تھا۔"

"شک مجھے یہ ہوا تھا کہ کہیں آپ نقلی فوجی تو نہیں ہیں۔"

"ارے... کمال ہے... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے چونک کر کہا۔

"خیر جناب... یہ تو رہنے دیں... ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے نزدیک آ کر کہا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"آپ محسوس نہ کیجیے گا۔"

"نہیں کروں گا... آپ تشریف لے جائیں۔"

اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے... یہاں تک کہ خیمے تک پہنچ گئے...

"اندر تشریف لے جائیے جناب... میجر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ خیمے میں داخل ہوئے... میجر شکیل کا جائزہ لیا... علیک سلیک کے بعد انھوں نے اجازت نامہ اس کے

سامنے رکھ دیا:

"میں جانتا ہوں جناب... سرور خان مجھے بتا چکا ہے... آپ تشریف لے جائیں۔"

"شکریہ جناب... چٹان تک کوئی آدمی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔"

"ضرور... کیوں نہیں۔"

ایک فوجی انھیں لے کر چٹان کی طرف چل پڑا... اور پھر انھوں نے چٹان کو دیکھا... دن کی روشنی میں بھی وہ عجیب سی لگ رہی تھی۔

"یہ... یہ چٹان نہیں ہے۔" اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"کیا کہا... چٹان نہیں ہے... تو اور کیا چیز ہے... فرزانہ تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"نہیں! میں نے وہ بات کہی ہے... جو محسوس کی ہے... اس میں دماغ چلنے کی کیا بات ہے۔"

"اچھا اگر یہ چٹان نہیں ہے تو پھر کیا ہے... پہلے یہ بتاؤ۔"

"ایک منٹ بھئی... پہلے ہمیں پروگرام کے مطابق دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے... پہلی پارٹی چٹان کے بالکل نزدیک

جائے گی... جب کہ دوسری چٹان سے دور رہے گی... اور اگر اس وقت وہ کچھ نزدیک چلی آتی ہے تو پیچھے ہٹتے چلی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ ہاں! یہ تو ہم بھول ہی گئے۔"

وہ فوراً دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے... وہ یہ تمام تر احتیاط ہرگز نہ کرتے... اگر انسپکٹر کامران مرزا پارٹی اور شوکی برادرز غائب نہ ہو گئے ہوتے... ان کی گم شدگی انھیں قدم قدم پر چونکا رہی تھی...

"اب پہلی پارٹی چٹان کی طرف بڑھ رہی تھی... جب کہ انسپکٹر جمشید اپنے ساتھیوں کے ساتھ الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہے تھے...

"تو یہ ہے... وہ چٹان صاحبہ۔" فاروق بڑبڑایا۔

"اُف... اس کے پاس پہنچتے ہی ٹھنڈک کا احساس کس قدر بڑھ گیا ہے۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"یہ... یہ تو بالکل برف ہو رہی ہے۔" فاروق بولا۔

"فرزانہ... تم نے کیا کہا تھا۔" محمود کے منہ سے اچانک نکلا۔

"یہ کہ اس کے پاس پہنچ کر ٹھنڈک کا احساس بڑھ گیا ہے۔"

"یہ بات نہیں... کچھ دیر پہلے تم نے کہا تھا... یہ چٹان ہرگز نہیں ہے۔"

"اوہ ہاں... کہا تو تھا... پھر۔"

"آخر تم نے وہ بات کیوں کہی تھی۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"مجھے یہی محسوس ہوا تھا... جیسے یہ چٹان نہ ہو... کوئی اور چیز ہو۔"

"کوئی اور چیز کیا۔" اس نے پوچھا۔

"پپ... پتا نہیں... اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"تب پھر میرا خیال بھی سن لو۔" محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"سناؤ بھائی... تم بھی سناؤ۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"میرا خیال بھی یہی ہے... کہ یہ چٹان ہرگز نہیں ہے۔"

"کیا!!!" فاروق کے منہ سے نکلا۔

نقلی فوج

اب انھوں نے پریشان ہو کر پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا:

"آپ نے سن لیا انکل... ہم تینوں کا اس چٹان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہاں! سن چکا ہوں... مہربانی فرما کر فوراً پیچھے ہٹ آؤ" پروفیسر بولے۔

"جی کیا فرمایا... پیچھے ہٹ آئیں... لیکن انکل ہم تو آگے بڑھنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔"

"ہاں! ضرور آئے ہیں... لیکن کبھی کبھی بہادر سے بہادر فوج کو بھی پیچھے ہٹنا پڑتا ہے... ہم نے ایک نئی بات معلوم کی ہے... جو شاید اب تک کسی نے بھی معلوم نہیں کی... اس لیے یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ

ہم پہلے اپنے باقی ساتھیوں سے مشورہ کر لیں یا کم از کم انھیں اتنا ضرور بتا دیں کہ ہم نے اس کے بارے میں کیا خیال قائم کیا ہے... اس کے بعد اگر مشورہ ہوا تو پھر آگے بڑھیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور پیچھے ہٹنے لگے...

ادھر دوسری پارٹی مڑ مڑ کر دیکھتی رہی تھی... اب انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ بھی ان کی طرف بڑھ رہے ہیں تو وہ رک گئے اور حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگے:

"خیر تو ہے... آپ لوگ واپس آ گئے... اتنی جلدی معائنہ ہو گیا۔" نزدیک پہنچنے پر انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں ابھی تو معائنہ شروع بھی نہیں ہوا۔"

"تو پھر...؟"

"ہم نے چٹان کے بارے میں ا... [illegible] ... ہوں کی ہے... اور وہ یہ کہ یہ چیز تو [illegible] ... لگی ہے... لیکن چٹان ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ہٹ آئے۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑے۔ ... گھبرائی ہوئی آواز میں

"بظاہر یہ بالکل چٹان نظر آتی ... چٹان ہی معلوم ہوتی ہے... لیکن چلی گئی ہے آج" انسپکٹر ... کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ چٹان نہ

"تو پھر... آخر یہ کیا چیز ہے۔"

"یہ تو اب ہمیں معلوم کرنا ہے۔"

"تو پھر جائیے... اور معلوم کیجیے۔"

"نہیں... اب ہم تم لوگوں کے ساتھ سے کر جائیں گے، کیوں کہ... ہمیں اس سے خطرے کی بُو آ رہی ہے۔"

"اوہو... تو خطرے کی بُو بھی آنے لگی۔"

"جی ہاں! کیا کیا جائے... مجبوری ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب... خطرے کی بو ہیں، مجبوری کیسی۔" خان رحمان نے حیران ہو کر بولے۔

"جی سونگھنے کی... اور کیسی۔"

"گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی آپ کے ساتھ پروگرام..."

"جی کیا فرمایا۔" وہ بولے۔

آگے بڑھنے کے... ہم ایک ساتھ غائب ہو گئے تو؟" خان

"ہاں! ضرور آئیے۔"

فوج کو بھی پیچھے ہٹنا... ساتھ ہی اپنے گم شدہ ساتھیوں کے بات معلوم کی ہے... جو معلوم نہیں کی... اس لیے..." انھوں نے کہا اور پھر ایک ساتھ

چٹان کی طرف بڑھنے لگے۔

"آپ لوگوں نے یہ بات کس طرح محسوس کی کہ یہ چیز چٹان نہیں ہے۔"

"پتا نہیں... بس محسوس کر لی۔" فاروق مسکرایا۔

"اور اب آپ بھی محسوس کر لیں... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"گویا ہم اپنے پروگرام پر عمل نہیں کر پائے... ایک ساتھ ہی آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"ہاں! کیا کیا جائے۔"

وہ چٹان کے نزدیک پہنچ گئے... اچانک انسپکٹر جمشید زور سے چونکے:

"ایک منٹ پروفیسر صاحب... پیچھے ہٹ آئیے۔" وہ چلائے۔

"کک... کیا ہوا۔" پروفیسر صاحب گھبرا گئے...

پھر سب کے سب پیچھے ہٹ آئے۔

"کیا ہوا بھئی..." پروفیسر صاحب گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"شاید میری عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے آج۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہم... میں نے تو دیکھا نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا نہیں دیکھا۔"

"آپ کی عقل کو گھاس چرتے۔"

"چپ... اُتو کہیں کے... کس قدر سنجیدہ گفتگو ہو رہی ہے۔" انھوں نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے... خیر... آپ اپنی عقل کی تعریف میں کچھ فرما رہے تھے۔" اس نے کہا۔

"آؤ واپس چلیں... چٹان کہیں بھاگ نہیں جا رہی۔" انھوں نے کہا... اور تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیے... وہ اُلٹا اسی سمت میں چل رہے تھے... جس سمت سے آئے تھے۔

"پتا نہیں آپ کو کیا ہو گیا ہے۔"

"خاموش... جو چوک مجھ سے ہوئی... وہی انسپکٹر کامران مرزا سے بھی ہو چکی ہے... اور اگر ہم ان سے پہلے یہاں آئے ہوتے تو ہم بھی اس وقت گم شدہ ہو چکے ہوتے۔"

"آپ کیا کہ رہے ہیں... ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

"اور ہمارے بعد جب انسپکٹر کامران مرزا جب ہماری تلاش میں نکلتے تو اس وقت ضرور وہ بھی اس خطرے کو بھانپ جاتے... جس کو اب میں نے بھانپ لیا ہے۔"

"آخر وہ کیا خطرہ ہے... آپ نے کیا بھانپ لیا ہے۔" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"آؤ... آؤ... بس کوئی سوال نہ کرو... اس وقت میں کچھ بھی بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"اللہ رحم فرمائے۔" فاروق نے کہا اور ان کے پیچھے چلنے لگے... یہاں تک کہ میجر تشکیل کے خیمے تک پہنچ گئے۔

خیمے کے در پر کھڑے فوجی نے انھیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا:

"آپ آ گئے........ اتنی جلدی فارغ ہو گئے۔" [illegible] کے منہ سے نکلا۔

"بھلا! اس چٹان میں رکھا ہی کیا ہے... معائنہ ہی کرنا تھا... کر لیا..."

"بہت خوب... تو پھر کیا اب میجر صاحب سے ملاقات کریں گے۔"

"بس ان کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے... اور یہ اطلاع دینا ہے کہ ہم واپس جا رہے ہیں۔"

"میں انھیں بتاتا ہوں... آپ یہیں ٹھہریں۔"

"اچھا!" انھوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"فوجی اندر چلا گیا... اس کے پیچھے ہی انسپکٹر جمشید نے
میں داخل ہو گئے... انھیں بھی اندر داخل ہونے کا اشارہ
کر دیا...

"سر... وہ..." فوجی صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ اس نے
اپنے ان لوگوں کی موجودگی محسوس کر لی....

"آپ لوگ بغیر اجازت اندر داخل ہو گئے۔" فوجی نے
منہ بنا کر کہا۔

"اوہ معاف کیجیے گا... دراصل ہم ذرا جلدی میں ہیں۔"
یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے ایک بھرپور مکا فوجی کی ٹھوڑی
پر دے مارا۔

"ارے ارے... یہ آپ نے کیا کیا..." میجر شکیل چلا اٹھا۔
فوجی تیورا کر گرا... اور بالکل بے ہوش ہو گیا۔

"کوئی بات نہیں میجر صاحب... آدھ گھنٹا بعد ہوش
میں آ جائے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"ہاں شاید... میرا دماغ ہی چل گیا ہے... اگر آپ
نے منہ سے آواز نکالی تو آپ بھی اس کے برابر ڈھیر
نظر آئیں گے..."

"کک... کیا مطلب؟" وہ چونکا گیا۔

"مطلب یہ کہ ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔" ان الفاظ کے ساتھ
ہی انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

"مم... میں سمجھا نہیں... یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے
واقعی آپ کا دماغ چل گیا ہے۔"

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ دماغ نہیں چلا... مسٹر میجر
شکیل... میرا آپ سے پہلا سوال ہے... انسپکٹر کامران مرزا
اور ان کے ساتھی کہاں ہیں... پہلے سوال کا جواب نہ
ملنے پر پہلی گولی آپ کے پیٹ میں سیر کرنے کے لیے
چلی جائے گی... دوسرا سوال یہ ہے کہ ہمارے اصل فوجی
جن کو یہاں مقرر کیا گیا تھا... کہاں ہیں... اس سوال کا
جواب اگر نہ ملا تو دو اور گولیاں پہلی گولی کے تعاقب میں
روانہ ہو جائیں گی... تیسرا سوال یہ ہے کہ تم کس ملک سے
تعلق رکھتے ہو... اس سوال کا جواب نہ ملنے کی صورت
میں تیسری گولی..."

"تمھارا دماغ تو خراب..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی بے آواز پستول سے ایک
گولی نکلی اور شکیل کے پیٹ میں لگی... اس کا منہ مارے
حیرت کے کھل گیا... دونوں ہاتھ پیٹ پر جم گئے... آگے
کو جھک کر وہ گرنے لگا:

"ابھی نہیں... مسٹر شکیل... ابھی دو سوال اور رہتے ہیں۔"
"ہم... میں... میں۔" اس کے منہ سے کوئی جملہ نہ نکل
سکا۔

"خیر سنو... میں ہی بتا دیتا ہوں... لیکن جونہی میری
بات مکمل ہو گی... پانچ گولیاں اور..."
"نن... نہیں... میں بتاتا ہوں۔"
"ایک گولی کھا کر بتاؤ گے... بڑے عقل مند ہو... خیر... میں
اپنی انگلی روک لیتا ہوں۔"
"ہم... میں انشارجہ کا جاسوس ہوں... میرے دوسرے ساتھی
بھی انشارجہ کے ایجنٹ ہیں... ہم نے یہاں موجود اصل فوجیوں
کو پکڑ کر ایک غار میں بند کر دیا تھا... اور اب آپ کے
باقی ساتھی بھی وہیں مقید ہیں۔"
"اور تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا۔"
"انشارجہ اس چٹان کی حقیقت جاننے کی زبردست خواہش
رکھتا ہے... اسے اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نظر نہ آیا
کہ اصل فوجیوں کے میک اپ میں یہاں اپنے آدمی مقرر
کر دے۔"
"لیکن انشارجہ سے تو ہمارے بہت دوستانہ تعلقات ہیں...
وہ ویسے ہی درخواست کر سکتا تھا... اور ہماری حکومت

انکار نہ کرتی... اس نے تو ونڈاس کی حکومت کو بھی انکار نہیں
کیا، چنانچہ ونڈاس کی ایک ٹیم جلد ہی اس کے معائنے کے
لیے بھیجی جائے گی۔"
"یہ حکومت جانے... میں اس کی پالیسیوں کو سمجھنے کی
صلاحیت نہیں رکھتا۔" اس نے کہا۔
اب اس کی حالت ہو چلی تھی... وہ گھٹتا چلا
جا رہا تھا... پھر وہ اوندھے منہ لیٹ گیا...
"ان خیموں میں کل کتنے فوجی ہیں۔"
"دو سو کے قریب۔" اس نے مشکل سے کہا۔
"اب ہمارے سلسلے میں کیا کیا جانے والا تھا۔"
"وہی جو انسپکٹر کامران مرزا کے سلسلے میں کیا گیا تھا...
غار کے منہ کو تھوڑا سا کھول دیا تھا... اس کام کے
لیے ہم نے ایک لیور لگا رکھا ہے... اس طرح بننے والے
سوراخ میں سے فوجیوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں...
وہ مدد مدد پکارنے لگے تھے... انسپکٹر کامران مرزا اور
ان کے ساتھی چٹان کو بھول گئے اور غار کی طرف بڑھ گئے
اور پھر پیچھے سے ان پر ایک جال آ گرا... اس طرح وہ
سب چوہوں کی طرح اس جال میں پھنس گئے... اور ہم
نے انھیں بھی اس غار میں بند کر دیا۔"

"ہوں... تو ہم پر جال کیوں نہ پھینکا گیا۔"

"میرے ساتھی وائرلیس پر مجھے بتاتے رہے ہیں... کہ آپ لوگ دو گروپوں میں تقسیم ہو گئے ہیں... ایک گروپ پیچھے رہ گیا ہے اور دوسرا چٹان تک پہنچ گیا ہے... اب جال پھینکیں تو کیسے... میں نے ان سے کہہ دیا کہ ابھی انتظار کریں... پھر مجھے بتایا گیا کہ دونوں گروپ ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے ہیں، تو میں نے انھیں حکم دیا کہ جال پھینکنے کے لیے تیار ہو جاؤ... وہ تیار ہو گئے، لیکن آپ لوگ چٹان کے اس قدر نزدیک نہیں پہنچے... کہ جال آسانی سے پھینکا جاتا... لیکن آپ نے فوراً پیچھے ہٹنا شروع کر دیا... لہٰذا میں نے انھیں انتظار کرنے کی ہدایت کی اور خود بھی آپ کا انتظار کرنے لگا... لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ آپ کو یہ شک ہو گیا ہے کہ ہم اصلی فوجی نہیں ہیں... اگر مجھے یہ احساس ہو جاتا... تو اس وقت تک میرے آدمی آپ لوگوں کو چھاپ چکے ہوتے... کیوں کہ مجبوری کی حالت میں ہم ایسا کر سکتے تھے۔ ورنہ ہمیں ہدایات یہی ہیں کہ دست بدست لڑائی سے بچنا ہے... تاکہ ہمارا ایک بھی آدمی ضائع نہ ہو۔"

"ہوں... اور اب تمھارے ساتھی کہاں ہیں؟"

"زیادہ آدمی چٹان کے پاس ہی انتظار کر رہے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید خان رحمان کی طرف مڑے:

"شاید ہمیں ان دو سو نقلی فوجیوں سے لڑنا پڑے گا۔"

"اچھا... لڑ لیں گے۔" انھوں نے ایسے انداز میں کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"مسٹر شکیل... یا جو کچھ بھی تمھارا نام ہے... تم بچ سکتے ہو لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا!"

"اپنے ساتھیوں سے..." ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے، رفعت خان رحمان کا رنگ اڑتا نظر آ رہا تھا... پھر انھوں نے دبی آواز میں کہا:

"خیمے کو گھیر لیا گیا ہے۔"

غار کے قیدی

انسپکٹر جمشید میجر شکیل کی طرف مڑے:
"اب تم کیا کہتے ہو پھر؟"
"ہم... میں کیا کہوں... کچھ نہیں سوجھ رہا۔"
"اگر اپنے سب ساتھیوں کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو انھیں حکم دو... ہتھیار پھینک دیں... ورنہ ہم سب سے پہلے تمھارا کام تمام کریں گے، اور پھر تمھارے دوسرے ساتھیوں سے ٹکرا جائیں گے... انجام چاہے کچھ بھی ہو۔"
"ہم... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے سر لٹکا دیا اور بے ہوش ہو گیا... یا جان بوجھ کر بے ہوش بن گیا...
اسی وقت باہر سے آواز آئی...
"تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر نکل آؤ... ورنہ چھلنی

...ے جاؤ گے۔"
"تو کیا... ہمارے ساتھ اپنے میجر کو بھی چھلنی کرو گے؟"
...ٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔
باہر والے ساکت رہ گئے... انسپکٹر جمشید کی اس
...ن کا کوئی جواب ان سے بن نہ پڑا...
"یاد رکھو... میجر شکیل اس وقت پوری طرح ہمارے قبضے
...ں ہے... اگر ہمارے قبضے میں نہ ہوتا تو تم لوگ اس
...ت ہماری آواز نہیں... اس کی آواز سن رہے ہوتے،
...ب تم دیکھ رہے ہو کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں کہہ رہا۔"
"اس کا مطلب تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم
...نے میجر کو قتل کر دیا ہے۔"
"نہیں... ابھی میجر زندہ ہے... میجر شکیل اپنی آواز اپنے
...ساتھیوں کو سنا دو۔"
یہ کہتے ہوئے انھوں نے جھک کر اسے سر کے بالوں
...سے پکڑا اور جھٹکا دیا۔
"ہاں... ہم... میں زندہ ہوں۔" اس نے تکلیف دہ آواز
...میں کہا۔
"اوہ..." باہر موجود لوگوں کے منہ سے نکلا۔
"اب کیا پروگرام ہے دوستو؟"
"یہ کہ

"میجر... ہمارے لیے کیا حکم ہے... ہم کیا کریں۔"

"یہ بے چارے کیا حکم دیں گے... آواز نکالنا تو ان کے لیے مشکل ہے... میں تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ خیمے سے دو سو قدم کے فاصلے پر ہٹ جاؤ... ورنہ ہم میجر کو ختم کر دیں گے۔"

"اب... اب ہم کیا کریں... باہر سے بے چارگی کے عالم میں کہا گیا...

"وہی... جو میں کہہ رہا ہوں... میجر تمھیں نہیں بتائے گا۔"

"اچھا... ہم ہٹ رہے ہیں... لیکن ہم اپنا گھیرا توڑیں گے۔"

"ضرور... کیوں نہیں... ہمیں میجر سے مذاکرات کرنے والے

انسپکٹر جمشید مسکرائے... انھوں نے اپنی ذہانت سے کام لے کر سر پہ آئی موت کو پرے دھکیل دیا تھا... اب انھوں نے سرگوشی کی:

"خان رحمان... تیار ہو جاؤ... ہمیں ان سے مقابلہ کرنا ہی ہو گا... اگر میں نے میجر کو گولی نہ ماری ہوتی تو ہمیں یہ جنگ نہ لڑنا پڑتی۔"

"لیکن تم میجر کا کیا کرو گے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاتھ پیر باندھ دیتے ہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

ہاتھ پیر باندھنے کے لیے رسی خیمے میں ہی مل گئی، باندھ کر وہ سینے کے بل رینگتے ہوئے خیمے سے نکلنے لگے... اندر جتنا اسلحہ تھا... وہ انھوں نے سمیٹ لیا تھا...

"ایک دائرہ انھوں نے خیمہ کے گرد بنا رکھا ہے... دوسرا دائرہ ہمیں بنانا ہو گا... یعنی خیمہ کے گرد..." خان رحمان نے دبی آواز میں انھیں ہدایت دی... اسی وقت دوسری طرف سے کہا گیا:

"تم لوگ کیا کہہ رہے ہو... ہم میجر کی زندگی کے بارے میں یقین کر لینا چاہتے ہیں... بصورتِ دیگر ہم پر حملہ کر دیں گے... اور آن کی آن میں تم لوگوں کو چھلنی کر دیں گے۔"

"کیوں خان رحمان... کیا اب یہ ہمیں آن کی آن میں چھلنی کر سکتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں... ان کی کیا جرأت ہے۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"بہت خوب... تب میں ان سے بات کرتا ہوں۔" یہ کہ

کہ وہ بلند آواز میں بولے:

"ہم تم لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ میجر ابھی زندہ ہے، لیکن اس کی زندگی کی ضمانت صرف اور صرف اس صورت میں دی جا سکتی ہے... جب تم لوگ ہتھیار پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

"جب تک میجر خود ہمیں حکم نہیں دیں گے... اس وقت تک ہم ہتھیار نہیں پھینکیں گے۔"

"اچھا تو پھر ہماری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔" خان رحمان بلند آواز میں بولے۔

"کیا کہا... اعلانِ جنگ۔" دوسری طرف سے چیخ کر کہا گیا۔

"ہاں اعلانِ جنگ... اگر تم لوگ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں ہو تو پھر آؤ... جنگ ہو جائے۔"

"تم اور ہم سے جنگ کرو گے... چند تو تم آدمی ہو... ہم دو سو ہیں... پھر ہم اسلحے سے لیس ہیں۔"

"تم ان باتوں کو چھوڑو... جنگ چھیڑو۔" خان رحمان مسکرائے۔

"میجر شکیل کے بارے میں کیا ہے؟"

"وہ ہماری قید میں ہے... جنگ کرو، ہم پر قابو

اور اسے چھڑا لو۔"

"شاید... ہمیں یہی کرنا ہو گا۔"

اور پھر دو سو فوجیوں کا گھیرا تنگ ہونے لگا... انھوں نے پوزیشن لے لی تھی...

"میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے... اگر ہم نے اس پر عمل کیا تو جانی نقصان سے محفوظ رہیں گے۔" خان رحمان نے دبی آواز میں کہا۔

"بھئی اس وقت انچارج تم ہی ہو... جو کہو گے، ہم کریں گے..." انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہم سب مل کر صرف ایک طرف حملہ آور ہوں... اور ایک طرف کے فوجیوں کو اڑا کر رکھ دیں... ان کا گھیرا ٹوٹ جائے گا... ہم اس جگہ سے نکل کر پہاڑیوں میں ان سے بآسانی نبٹ سکیں گے۔"

"ترکیب بہت مزے دار ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں! چاکلیٹ جتنی تو مزے دار ہو گی۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"یہ وقت چاکلیٹ کھانے کا نہیں۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"بلکہ دشمن کو گولیاں کھلانے کا ہے... میں بسم اللہ

کرنے لگا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

وہ بھی تیار ہو گئے... دائرہ انھوں نے پہلے ہی ختم کر دیا تھا اور ایک ہی جگہ جمع ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنے لیے وہی سمت پسند کی تھی جس طرف وہ چٹان موجود تھی... کیوں کہ اسی طرف ان کے ساتھی بھی قید تھے۔

"فائر..." خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

گولیوں کی باڑھ دشمن پر پڑی... وہ خاک اور خون میں لوٹ گیا... باقی بچنے والے اس طرف سے فوراً ہٹ گئے انھوں نے جھکے جھکے دوڑ لگا دی... دشمن پہلے ہی بوکھلایا ہوا تھا... سنبھل نہ سکا... جب تک وہ سمجھ سکتا کہ کیا چال چلی گئی ہے... اس وقت تک وہ ان کے دائرے سے باہر نکل چکے تھے... دشمن فوراً ان کی طرف پلٹا... خان رحمان کو پہلے ہی معلوم تھا کہ اب کیا ہو گا... لہٰذا وہ چلائے۔

"لوٹ لگا جاؤ۔"

انھوں نے لوٹ لگائی اور لڑھکتے چلے گئے... قسمت بھی ان کا ساتھ دے رہی تھی... آگے ایک ڈھلوان تھی وہ رکے بغیر ڈھلوان پر لڑھکنے لگے... ان کے لڑھکنے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ خوف محسوس ہونے لگا...

اس وقت وہ رک نہیں سکتے تھے... جانتے تھے آتا پیچھے ہے اور ڈھلوان کے سرے پر پہنچ کر وہ دھند فائرنگ شروع کر دیں گے... لہٰذا یہ رفتار حق میں تھی... اچانک اوپر سے تڑاتڑ فائرنگ ہو گئی... لیکن اب وقت گزر چکا تھا... وہ بہت پہنچ چکے تھے... یہاں تک کہ ڈھلوان ختم ہو ان کے جسم خود بخود رک گئے...

یا اللہ تیرا شکر ہے... میں تو یہ سمجھا تھا کہ ہم ساری زندگی لڑھکتے ہی رہیں گے اور یہ ڈھلوان ختم نہیں ہو گی۔" فاروق نے اطمینان کا سانس لیا۔

کیا ہے... تم تو ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہو۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔

ابھی پہلے دشمن سے تو دو دو باتیں کر لو۔" انسپکٹر نے تلملا کر کہا۔

جی کیا فرمایا... دو دو باتیں... آپ کا مطلب ہے کی زبان میں۔" فاروق چہکا۔

ہاں!!" وہ مسکرائے۔

اب دیکھنا جمشید... کتنا مزا آئے گا۔" اچانک خان رحمان

"اچھا... کہاں ہے انکل مزا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"لیجیے... اب مزے کو انکل بنا لیا... حالاں کہ آپ یہاں موجود ہیں۔" فاروق بولا۔

"بڑی بات ہے بھئی..." خان رحمان نے محمود کو گھورا۔

"یہ... یہ غلط کہہ رہا ہے انکل... مزا ہو گا اس کا انکل..." محمود نے تڑپ کر کہا۔

"چپ رہو... وہ دیکھو... دشمن نے بھی لڑھکنا شروع کر دیا ہے۔" اچانک فرزانہ چلائی۔

"اسی لیے تو میں نے کہا تھا... اب آئے گا مزا... میں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اب یہ یہی کریں گے... رکھ لو، انھیں گولیوں کی باڑھ پر... یہ بھی کیا یاد کریں گے۔" خان رحمان پُرجوش انداز میں بولے۔

"مرنے کی صورت میں تو بے چارے یاد کرنے سے رہے۔" فاروق بولا۔

وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے... اور رائفلیں سنبھال لیں... لیکن ابھی وہ دور تھے...

"شاید بہت ترس آ رہا ہے... جو انھیں بے چارے کہہ رہے ہو۔"

"مرنے والوں پر نہ جانے کیوں... مجھے ترس ہی آتا ہے، چاہے اپنے ہوں، چاہے دشمن۔"

"کھا لو بھئی... کھا لو... روکتا کون ہے تمھیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیا کھا لو؟" فاروق نے اسے گھورا۔

"ترس اور کیا۔"

"وہ... زد پر آ رہے ہیں... ہوشیار..."

اور انھوں نے دھواں دھار قسم کی فائرنگ شروع کر دی... لڑھکتے جسموں میں گولیاں اترنے لگیں... چیخ و پکار کا بازار گرم ہو گیا... خود کو لڑھکنے سے روکنا بھی ان کے بس میں نہیں رہا تھا... اور گولیوں سے بچنا بھی ممکن نہیں تھا... لہٰذا جو زد میں آ گیا... لڑھکتا لڑھکتا موت کی گود میں جا گرا... لیکن چوں کہ ڈھلوان بہت تھی... اور وہ ان کے نیچے آنے تک سب کو نشانہ نہیں بنا سکتے تھے... اس لیے ان میں سے کافی ان سے بچ گئے... جونہی ان کا لڑھکنا ختم ہوتا... وہ ان پر فائر کھول دیتے... اس لیے خان رحمان نے چلا کر کہا:

"فائرنگ بند... اور پہاڑیوں کی طرف دوڑ لگا دو۔"

انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی... اور دوڑتے گئے...

"میرے اندازے کے مطابق ابھی سو کے قریب آدمی باقی ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"گویا پہاڑیوں میں اب ہمیں سو آدمیوں سے لڑنا پڑے گا۔"

"ہاں! لیکن فکر اور پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"

جلد ہی انھوں نے دشمنوں کی پوزیشن بدلتے دیکھا... ادھر یہ لوگ اب ایک جگہ نہیں رہے تھے... ادھر بٹ گئے تھے... ایسے میں خان رحمان نے انھیں حکم دیا:

"جس طرف میں اشارہ کروں... صرف اس طرف فائرنگ کریں گے۔"

"او کے سر۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہم... میں نے آپ سے نہیں کہا تھا۔" خان رحمان گھبرا گئے۔

"کیوں نہیں... خان رحمان... اس وقت میں بھی تمھاری فوج کا ایک سپاہی ہوں اور سپاہیوں کا کام صرف حکم کی تعمیل کرنا ہوتا ہے... کیوں جمشید۔"

"بالکل پروفیسر صاحب۔"

اچانک خان رحمان نے ایک طرف اشارہ کیا... اس طرف انسپکٹر جمشید اور اکرام موجود تھے... انھوں نے تڑاتڑ گولیاں برسانا شروع کر دیں... دشمن کے کئی آدمی ڈھیر ہو گئے... انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ یہ سب لوگ صرف اس چٹان کی اوٹ میں ہیں... لہٰذا انھوں نے چکر کاٹنا شروع کر دیا... شاید وہ چاہتے تھے کہ دوسری طرف پہنچ کر ان پر ٹوٹ پڑیں... کچھ ساتھی انھوں نے سامنے بھی رہنے دیے... تاکہ وہ لوگ چکر کاٹ کر اس طرف نہ ہو سکیں۔

"تم دیکھ رہے ہو جمشید... یہ کیا چال چل رہے ہیں۔"

"ہاں! دیکھ رہا ہوں۔"

"بس تو پھر... تم اب اپنی جگہ بدل دو... اب ہمیں اس جگہ پوزیشن لینی ہے... جہاں سے اس جگہ آنے والے [illegible] لیے جا سکیں۔"

"اس جگہ کے بارے میں بھی تم ہی بتاؤ... کیوں کہ اس وقت ہم نے خود کو مکمل طور پر تمھاری کمان میں دے دیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"تب پھر... سب لوگ اس طرف آ جائیں۔" انھوں نے اشارہ کیا۔

جلد ہی وہ نئی جگہ پر پوزیشن لے چکے تھے...
دشمن چکر کاٹ کر ان کی زد پر آنے کی تیاری کر رہا
تھا... اچانک خان رحمان نے اشارہ کیا... انھوں نے
فائرنگ شروع کر دی... ایک بار پھر پہاڑیاں گولیوں
اور چیخوں سے گونج اٹھیں...

ایسے میں پروفیسر داؤد نے اپنے پیچھے آہٹ محسوس
کی... وہ چونک کر مڑے... لیکن انھیں دیر ہو چکی تھی...
ایک دشمن ان پر چھلانگ لگا چکا تھا... اس کے
پاس رائفل نہیں تھی... ورنہ وہ انھیں نشانہ بنا چکا
تھا... وہ زخمی بھی تھا...

"جم... جم شید -" پروفیسر داؤد پھنسی پھنسی آواز
میں بولے۔

انسپکٹر جمشید اس وقت دشمنوں پر تڑا تڑ گولیاں برسا
رہے تھے... انھوں نے پروفیسر داؤد کی آواز سنی تو
تڑپ کر مڑے اور پھر دو ہی چھلانگوں میں دشمن
کے سر پر پہنچ گئے... انھوں نے اس کے سر کے بالوں
کو مٹھی میں جکڑا اور ایک جھٹکا دیا... وہ دونوں ہاتھوں
سے پروفیسر داؤد کا گلا دبوچے ہوئے تھا... اس کے
ہاتھ ان کے گلے پر سے ہٹ گئے... اب وہ ان پر

حملہ آور ہوا... انھوں نے فوراً ہی محسوس کیا کہ وہ بہت جان
دار ہے... اور اگر چند سیکنڈ کی دیر ہو جاتی تو شاید
پروفیسر داؤد اپنی جان سے گئے تھے....

انھوں نے اس کی بالوں کو ایک جھٹکا اور دیا..
لیکن اسی وقت ان پر ایک اور دشمن نے چھلانگ لگائی۔
پتا نہیں... یہ طرف خان رحمان کی نظروں میں آنے سے
کس طرح رہ گئی تھی... انسپکٹر جمشید لڑکھڑا گئے... بال
ان کے ہاتھ سے نکل گئے... ساتھ ہی دوسرے حملہ آور
نے ان کی ٹھوڑی پر مکا دے مارا... لیکن وہ تیزی سے
جھک گئے... اور سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں رسید کر
دی... ساتھ ہی دوسرے کی ٹھوڑی پر اچھل کر ایک
مکا دیا... دونوں یک دم ڈھیر ہو گئے:

"آپ ٹھیک تو ہیں پروفیسر صاحب؟"

"ہاں! میں ٹھیک... ارے ارے... وہ پھر آ رہے ہیں۔"
پروفیسر صاحب کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

انسپکٹر جمشید تیزی سے مڑے... اس وقت تک وہ
حملہ آور ادھر آ چکے تھے... گرنے والے بھی اٹھ چکے
تھے... اب وہ چاروں ایک ایک قدم ان کی طرف بڑھنے
لگے:

"بھئی خان رحمان... تم نے اس سمت میں کوئی توجہ نہیں دی... ادھر سے دشمن پہ دشمن آ رہا ہے۔" وہ بولے۔

"کیا... اس طرف سے یہ لوگ کیسے آ سکتے ہیں... اوہ نہیں... یہ ضرور یہیں کہیں موجود تھے... یعنی پہلے سے... انھوں نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کرتے دیکھا تو ان کی مدد کے لیے آ گئے۔"

"او ضرور یہی بات ہے..." وہ چونکے۔

ساتھ ہی چاروں نے ایک ساتھ ان پہ چھلانگ لگائی۔ اس سے پہلے کہ وہ ان پہ گرتے... انھوں نے خود بھی اوپر کی طرف چھلانگ لگا دی... نتیجہ یہ کہ پانچوں فضا میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے... اور پھر دھڑام سے گرے... انسپکٹر جمشید نے اٹھنے میں تیزی دکھائی... بس پھر کیا تھا... وہ پھر اچھلے... اور ان میں سے ایک کے پیٹ سے ان کے پیر ٹکرائے... وہ بھینسے کی طرح ڈکرایا... اس وقت وہ دوسرے پہ گرے... اس نے بھی ایک زور دار چیخ فضا میں چھوڑی... اتنی دیر میں باقی دو اٹھ چکے تھے... انھوں نے مرغوں کی طرح جھک کر ان پہ چھلانگ لگائی... وہ دھپ سے

نیچے گر گئے... دونوں ان کے اوپر سے ہوتے ہوئے دوسری طرف گرے... اور بالکل فاروق کے قریب گرے... اس نے گھبرا کر کہا۔

"ارے باپ رے... یہ میرے پیچھے کیا چیز گری ہے۔"

یہ کہ کر وہ پلٹا اور پھر اس نے رائفل گھما دی... رائفل کا بٹ ان میں سے ایک کے سر پہ لگا... دوسرا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا... کہ انسپکٹر جمشید کے جوتے کی ٹھوکر اس کے سر میں لگی اور وہ لمبا لیٹتا نظر آیا...

اب پیچھے کی طرف میدان صاف تھا... انسپکٹر جمشید نے اس طرف دیکھا... جس طرف سے یہ چار دشمن آئے تھے... دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھے... ان کے سامنے ایک غار تھا... غار کے منہ پر ایک بڑا بھاری پتھر تھا... اور غار میں سے بے ہنگم قسم کا شور گونج رہا تھا...

"ہم... اس غار تک پہنچ گئے ہیں۔"

"تب پھر یہ چاروں واقعی اس غار کی نگرانی کر رہے تھے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! اس طرف کیا حال ہے۔"

"بس... لڑائی ختم ہونے کے قریب ہے... بلکہ آخری دموں پر ہے۔"

"ذرا جلدی کرو... غار دیکھ کر اب مجھ سے رہا نہیں جا رہا۔"

"تمھارا مطلب ہے... تم انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ سے ملاقات کے لیے بے چین ہو چکے ہو۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! یہی سمجھ لو۔"

"بس... چند منٹ اور... تم بھی آ جاؤ نا بھئی... ہمارا ہاتھ بٹاؤ۔"

انھوں نے پھر رائفل سنبھال لی... فائرنگ زور شور سے جاری تھی... اور دشمن واقعی گنتی کے چند رہ گئے تھے... آخر کب تک... ایک ایک کر کے وہ بھی گرتے چلے گئے... یہاں تک کہ میدان صاف ہو گیا... پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد وہ غار کی طرف بڑھے... لیکن اپنے ساتھ ان چار میں سے ایک زخمی کو لینا نہیں بھولے تھے، جنھوں نے پیچھے سے حملہ کیا تھا... غار کے منہ پہ پہنچ کر انسپکٹر جمشید بولے:

"چلو بھئی... کھولو غار۔"

"اندر والے لوگ مجھ پہ باہر آتے ہی ٹوٹ نہ پڑیں..."

اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"فکر نہ کرو... ایسا نہیں ہو گا۔"

غار کے منہ پر لگایا گیا لیور دبایا گیا... منہ پہ رکھا ہوا بڑا پتھر سرک گیا اور پھر فوجی اس میں سے کر باہر آنے لگے...

"خبردار... آپ میں سے کوئی بھی کسی پر حملہ نہیں کرے گا... ہم آپ کے ساتھی ہیں... دشمن نہیں ہیں... ہم نے تو دشمنوں سے آپ کو نجات دلائی ہے۔" انھوں نے بلند آواز میں کہا۔

غار کے قیدیوں نے یہ جملہ سن کر صرف سر ہلا دیے اور غار کے آس پاس جمع ہوتے چلے گئے... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی اس انتظار میں رہے کہ کب انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ باہر نکلتے ہیں اور کب وہ ایک دوسرے سے گلے لگتے ہیں... آخر کار آخری فوجی بھی باہر آ گیا... لیکن انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ باہر نہ آئے...

وہ دھک سے رہ گئے... انسپکٹر جمشید جلدی سے غار میں گھس گئے... لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

چال کا شکار

"غار میں کوئی نہیں ہے... جب کہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھیوں کو بھی اسی غار میں قید کیا تھا... کیوں بھئی یہی بات ہے نا۔" انھوں نے گرفتار شدہ مجرموں کی طرف دیکھا۔

"ہاں! بالکل... اگر یقین نہیں آتا تو قیدی فوجیوں سے پوچھ لیں۔" ایک نے کہا۔

بات معقول تھی... انسپکٹر جمشید اصلی فوجیوں کی طرف مڑے... پہلے تو ان سے اپنا تعارف کرایا... پھر بولے:

"آپ لوگوں کے علاوہ بھی کچھ قیدی غار میں قید کیے گئے تھے۔"

"جی ہاں! کیے گئے تھے۔"

"تب پھر... وہ آپ لوگوں کے ساتھ غار سے باہر کیوں نہیں آئے۔"

"وہ بیٹھنے والے نہیں تھے... قید ہونے کے فوراً بعد انھوں نے ہم پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی... یہ کہ ہم غار کے اندر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہیں... نکلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے... اس پتھر پر زور آزمائی کی ہے یا نہیں... ہم نے انھیں بتایا کہ ہم سب مل کر پتھر پر زور آزمائی کر چکے ہیں، لیکن یہ غار کے منہ پر سے نہیں ہٹتا... لہٰذا ہم کیا کر سکتے ہیں... پھر انھوں نے پوچھا کہ ہم نے غار کا کوئی دوسرا منہ تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے یا نہیں... ہم نے انکار میں سر ہلا دیا، اس پر وہ بولے... یہ ضروری نہیں کہ ایک غار کا صرف ایک ہی منہ ہو... بعض اوقات تو غار کے کئی کئی منہ ہوتے ہیں... اور پھر وہ آرام کیے بغیر غار کے دوسرے منہ کی تلاش میں نکل گئے..." یہاں تک بتا کر فوجی خاموش ہو گیا۔

"اور پھر... کیا وہ لوگ لوٹ کر نہیں آئے۔"

"ج... جی نہیں۔"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کا

رنگ اڑ گیا... جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔

"خیر تو ہے... آپ اچانک اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟"
محمود نے گھبرا کر کہا۔

"تم نے محسوس نہیں کیا... انھوں نے کس قدر خوفناک
بات بتائی ہے۔"

"ن... نہیں تو... ہمیں تو ان کی بات میں کوئی خوفناک
پن محسوس نہیں ہوا... دیکھیے نا... ہو سکتا ہے کہ انھیں غار
کا دوسرا منہ مل گیا ہو... اور وہ اس سے گئے
ہوں... اس میں بھلا خوف ناک بات کیا ہو سکتی ہے۔"

"تم نے غور نہیں کیا..." انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی... کیا مطلب... اوہ... اب میں سمجھ گیا۔" محمود
نے گھبرا کر کہا۔

"آخر آپ لوگ کیا سمجھ گئے... کچھ ہمیں بھی تو
بتائیں۔" فوجی نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر ان لوگوں کو کوئی دوسرا سرا مل جاتا تو وہ آپ
لوگوں کو لیے بغیر غار سے باہر ہرگز نہیں جا سکتے
تھے... ہم ان سے اچھی طرح واقف ہیں... ہم لوگ وہ نہیں
ہیں جو دوسروں کو مصیبت میں چھوڑ کر خود نکل جائیں...
اب اس کا ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ کہ انھیں غار کا

دوسرا سرا نہیں مل سکا... بس وہ غار میں ہی کہیں ہیں
واپس نہیں آئے... جس کا مطلب یہ ہے کہ غار
کہیں اور پھنس گئے ہیں۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"واقعی... یہ تو بہت خوف ناک بات نکل آئی۔"

"خیر... ہم اس غار کو اندر سے دیکھیں گے... پہلے
لوگوں کا کچھ کر دیں۔"

وہ سب واپس خیموں تک آئے... شہر اطلاع بھیجی گئی،
پولیس اور فوج کا انتظار کرنے کے سوا ان کے پاس
کام نہیں تھا... ایسے میں فرزانہ کو خیال آیا:

"اوہ... بہت ضروری بات تو رہ ہی گئی... ابا جان!
آپ کو اچانک کس طرح محسوس ہو گیا تھا کہ فوجی اصل فوجی
نہیں ہیں... جب کہ نہ تو پہلے فوجی سے ملاقات کے وقت
آپ کو یہ خیال آیا، اور نہ میجر شکیل سے بات کرتے
وقت... چٹان کے پاس پہنچ کر اچانک کہا اور کس طرح
خیال آ گیا تھا آپ کو... اور آپ نے یہ بھی کہا تھا
کہ جو غلطی آپ سے ہوئی ہے... وہی انکل کامران مرزا
سے بھی ہو گئی ہے... لیکن آپ کو اس کا خیال صرف اس
لیے آ گیا کہ ہمارے ساتھی جو غائب ہیں... ورنہ آپ

بھی شاید محسوس نہ کر سکتے۔"

"ہاں فرزانہ... واقعی میں یہ بات بتانا بھول گیا تھا، تم اب سُن لو... فوجیوں کا ایک اصول ہے... یہ کہ انھیں جو بھی حکم ملتا ہے... اس سے ایک سنٹی میٹر بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوتے... میجر شکیل نے انسپکٹر کامران مرزا کو بتایا تھا، انھیں حکم یہ ہے کہ صدرِ مملکت کے حکم کے بغیر کوئی شخص بھی چٹان کے نزدیک نہیں جا سکتا... انھوں نے اپنا خصوصی اجازت نامہ دکھا دیا... اور میجر نے انھیں جانے کی اجازت دے دی... یہی ہمارے ساتھ ہوا... ہمیں بھی جانے کی اجازت دے دی، لیکن فوجی اصول کے تحت اسے جانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی... کیوں کہ یہ ایک بالکل نئی چیز سامنے آئی ہے... اور اس لیے صدر صاحب کا خصوصی حکم اس کے بارے میں فوجیوں کو دیا گیا تھا... لہٰذا اس جگہ ہمارا خصوصی اجازت نامہ بھی نہیں چل سکتا تھا... لیکن میجر شکیل نے جانے کی اجازت دی... اس نے سوچا کہ یہ لوگ بعد میں بھی تو اجازت نامہ لے ہی آئیں گے... کیوں نہ انھیں جانے ہی دیا جائے... اور یوں بھی کون سا انھیں واپس آنے دیا جائے گا... انھیں تو غار میں غائب کر دیا جائے گا اور یہ وہاں بھوکے پیاسے ایڑیاں

رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے... یہ تھی سوچ نقلی میجر کی... لیکن اس کی جگہ اگر اصلی میجر ہوتا تو یہی کہتا کہ چاہے کچھ بھی ہو آپ کو صدر صاحب کا تازہ اجازت نامہ جس میں چٹان کا ذکر موجود ہو، لانا پڑے گا... بس یہ تھا وہ خیال جو مجھے آیا اور میں فوراً چٹان کے پاس سے ہٹ آیا... ورنہ ہم بھی اس جال کا شکار ہو جاتے اور اس غار میں بند کر دیے جاتے۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"ہوں! واقعی بہت باریک بات ہے... ہمارے ذہن اس تک جا ہی نہیں سکتے تھے۔" محمود بولا۔

اور پھر شہر سے مدد آ گئی... سب مجرموں کو گرفتار کر لیا گیا... ایس پی اکرم نیازی کا تو مارے حیرت کے بُرا حال تھا... دوسرے آفیسر بھی دم بخود تھے... پورے دو سو فوجیوں کو قید کر لیا گیا تھا اور ان کی جگہ لے لی گئی تھی... تاکہ کسی کو ذرا سا بھی شک نہ گزر سکے۔

"ہماری حکومت انشولجہ سے احتجاج کرے گی۔" ایک آفیسر نے کہا۔

"احتجاج کرنے سے کیا ہو گا جناب... جب سے ملک بنا ہے... ہم احتجاج ہی کر رہے ہیں... گویا احتجاج کے سوا ہم کچھ کر ہی نہیں سکے..." انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر

کہا۔

"ہاں شاید... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" آفیسر نے سرد آہ بھری۔

فوجیوں کو پھر سے وہاں مقرر کر دیا گیا... مجرموں کو گاڑیوں میں بھر کر جیل بھیج دیا گیا... انسپکٹر جمشید نے صدر صاحب کو پیغام بھیج دیا کہ انھیں کسی صورت رہا نہ کیا جائے... چاہے کتنا ہی دباؤ پڑے...

اب وہ غار میں داخل ہوئے... غار بہت بڑا اور تاریک تھا... ٹارچوں کی روشنی میں وہ آگے بڑھتے چلے گئے...

"ایسے غاروں میں سانپ بھی ہوتے ہیں... اور وہ بھی خطرناک۔" فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اگر جان نکل رہی ہے تو واپس چلے جاؤ۔" فرزانہ مسکرائی۔

"جان نکلے ہمارے دشمنوں کی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اسی وقت ایک سانپ کے پھنکار سنائی دی:

"بھئی بہت کالی زبان ہے تمھاری... ادھر سانپ کا نام لیا، ادھر پھنکار سنائی دی گئی۔" محمود نے جل کر کہا۔

"تب تو شکریہ ادا کرو میری کالی زبان کا۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"ٹھہرو بھئی... پہلے اس سانپ سے تو نپٹ لو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

ٹارچ کی روشنی سانپ پر جم کر رہ گئی... سانپ غار کی چھت میں تھا... چھت سے ایک دراڑ تھی... اس دراڑ میں اس کا نصف دھڑ لٹک رہا تھا، یعنی سر کی طرف... دم والا حصہ دراڑ میں تھا... ابھی وہ اس کے نیچے سے گزرنے ہی والے تھے کہ فاروق نے سانپ والی بات کر دی تھی... اور اسی وقت انھوں نے پھنکار سنی تھی... گویا سانپ ان پر گر بھی سکتا تھا... انسپکٹر جمشید نے اس کے سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا... سانپ کا سر اڑ گیا اور اس کا دھڑ نیچے گرتا نظر آیا... لیکن فوراً ہی دوسرے سانپ کا سر دراڑ سے نکلتا نظر آیا...

"ارے باپ رے... یہ دراڑ تو سانپوں کی دراڑ معلوم ہوتی ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے... انھوں نے اس کے بھی سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا... اس کا سر بھی

اڑ گیا، لیکن وہ وہیں لٹکا رہ گیا... کیوں کہ ابھی اس
کا دھڑ زیادہ تر اندر ہی تھا... اب وہ آگے بڑھے:
"غار واقعی خطرناک ہے... کک... کہیں..." پروفیسر
داؤد ہکلا کر رہ گئے۔
"کک... کہیں... کیا انکل؟"
"کک... کہیں انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھی سانپوں
کا شکار تو نہیں ہو گئے۔"
"کچھ نہیں کہا جا سکتا... ویسے انکل... ان کے ساتھ
انکل منور علی خان ہیں... جو سانپوں کی بو دور سے ہی
سونگھ لیتے ہیں۔"
"ہوں! یہ تو خیر ہے۔"
وہ آگے بڑھتے رہے... یہاں تک کہ غار ختم ہو
گیا... لیکن باہر نکلنے کا کوئی دوسرا راستا دکھائی نہ دیا...
تاہم اس جگہ سے ایک دوسری شاخ نظر آ گئی... اب
وہ اس شاخ کی طرف بڑھے... اس میں بھی انھیں
بہت دیر تک چلنا پڑا... آگے چل کر ایک اور
شاخ نظر آئی...
"یہ غار ہے... یا شاخ در شاخ غار۔"
"اس سے بھی زیادہ راستوں اور شاخوں والے

ہوتے ہیں..." انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔
اچانک ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا ان کے جسموں
سے ٹکرایا... ساتھ ہی پانی کا ہلکا سا شور فرزانہ کے
کانوں میں آیا... وہ چلا اٹھی:
"میں پانی کا شور سن رہی ہوں۔"
"تم نہیں... تمھارے کان سن رہے ہوں گے۔"
فاروق نے فوراً کہا۔
"بات تو ایک ہی ہے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔
اب ان کے قدم اور تیز اٹھنے لگے... جلد ہی
انھیں غار کا دوسرا دہانہ نظر آ گیا...
"تو وہ اس طرف سے باہر نکلے ہیں... لیکن سوال
یہ ہے کہ انھوں نے دو سو فوجیوں کو رہائی کیوں
دلائی۔" انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں
کہا۔
"میں سمجھ گئی ابا جان۔" فرزانہ پرجوش انداز میں بولی۔
"اب یہ انتظار کرائے گی۔" محمود نے بھنا کر کہا۔
"بتاؤ فرزانہ... تم کیا سمجھ گئی ہو۔" انسپکٹر جمشید
بے چین ہو کر بولے۔
"یہ کہ... انھوں نے سوچا ہو گا... اب پھر غار کا

سفر کون کرے... اس راستے سے باہر نکل کر پھر اوپر سے آ کر ان کی مدد کیوں نہ کی جائے۔"

"چلو یہی سہی... پھر وہ مدد کو کیوں نہیں پہنچے۔"

"کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔" فاروق بولا۔

"آؤ پھر ہم بھی وہ وجہ تلاش کریں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم بھی اب واپس نہیں جائیں گے بلکہ اسی راستے سے چلتے ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے... ہم نیچے بہنے والے دریا میں چھلانگیں لگا دیں۔"

"ہاں! وہ لوگ بھی آخر چھلانگیں لگا کر گئے ہیں۔"

اور انھوں نے چھلانگیں لگا دیں... پروفیسر داؤد چھلانگ لگاتے وقت بہت ڈرے... لیکن آخر کسی نہ کسی طرح انھوں نے بھی چھلانگ لگا دی...

اب وہ پانی میں تیر رہے تھے... ان کے دائیں ہاتھ پہاڑ ہی پہاڑ تھے... گویا وہ اس غار کے ذریعے پہاڑ کے دوسری طرف آ گئے تھے...

"اس طرح ہم کب تک تیرتے رہیں گے... ابا جان۔"

"جب تک کوئی راستا نہیں مل جاتا... یا رکنے کی کوئی منزل نہیں آ جاتی۔"

وہ بہت دیر تک تیرتے رہے... یہاں تک کہ انھیں اپنے جسم چور چور ہوتے محسوس ہوئے... سب سے برا حال پروفیسر داؤد کا تھا... آخر... انسپکٹر جمشید ان کے قریب ہو گئے اور انھیں تیرنے میں مدد دینے لگے:

"ہمیں... کب تک تیرنا ہو گا... جمشید۔" وہ بولے۔

"مجھے افسوس ہے پروفیسر صاحب... آپ کو یہ مشقت میری وجہ سے برداشت کرنا پڑی... جب کہ ہم غار کے ذریعے ہی واپس ہو سکتے تھے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں جمشید... میں کم ہمت یا ڈرپوک نہیں ہوں۔"

"میں جانتا ہوں... آپ بس مسلسل تیرنے کی وجہ سے تھک گئے ہیں... ارے... وہ دیکھیے... ایک شان دار جگہ... ہم نہ صرف اس پر آرام کر سکتے ہیں بلکہ شاید ہمیں یہاں سے شہر جلبان کا راستا بھی مل جائے۔"

انھوں نے چلا کر کہا۔

"اب سب نے اس جگہ کو دیکھ لیا... ان کے ہاتھ پیر تیزی سے چلنے لگے... دریا سے نکل کر وہ اس ہموار جگہ پر بیٹھ گئے، اور لمبے لمبے سانس لینے لگے، کچھ دیر تک سستانے کے بعد آخر وہ اٹھے... اور آس پاس کا جائزہ لیا... پہاڑوں کے درمیان ایک کشادہ دراڑ نظر آئی...

"میرا خیال ہے... ہمیں اس دراڑ میں چل کر دیکھنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

کسی نے اعتراض نہ کیا... دراڑ میں سفر شروع ہو گیا... دو گھنٹے تک وہ دراڑ میں چلتے رہے... لیکن اس نے ختم ہونے کا نام نہ لیا:

"ابا جان... یہ دراڑ ہے یا شیطان کی آنت۔"

"نہیں بھئی... شیطان کی آنت بہت لمبی ہوتی ہے۔"

"سس... شش..." خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

وہ چونک کر ان کی طرف مڑے... انھوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھی ہوئی تھی:

"خیریت!" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

"دراڑ میں کچھ لوگ چھپے ہوئے ہیں... بلکہ وہ ہماری

یں ہیں..." انھوں نے سرگوشی کی۔

آن کی آن میں انھوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔

"جب تک میں نہ کہوں... کوئی بھی فائر نہ کرے۔" جمشید بولے۔

"گویا فوج کی کمان تم اب اپنے ہاتھ میں لے ہو۔"

"ہاں! اس میں ہی کمان کی ضرورت محسوس کر رہا ا۔" وہ بڑبڑائے۔

"کوئی بات نہیں... میں نے برا نہیں مانا۔" خان مسکرائے۔

"ہم رینگتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔"

"ارے... ہم... ہم پھنس گئے......" خان رحمان

"کیوں... کیا ہوا۔" وہ چونکے۔

"ہمارا اسلحہ تو گیلا ہو چکا ہے... یہ تو اب کام کرے گا۔"

"اوہ... خیر کوئی بات نہیں... دیکھا جائے گا۔"

اچانک کسی نے ایک چٹان کے اوپر سے ان ئرنگ لگائی... اگر وہ پلٹنی نہ کھا جاتے تو وہ

ٹھیک ان پر گرا ہوتا... دوسرا لمحہ ان کے لیے بھی حیرا
کن تھا... وہ شخص خود کو نیچے گرنے سے بچا گیا اور
ہاتھوں کے بل ڈائی لگا کر سیدھا کھڑا ہو گیا... اس نے
اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس کی دونوں ٹانگیں ان کے
منہ کی طرف آئیں... وہ تو پوری طرح ہوشیار تھے، لہٰذا
اس وار سے بچ گئے اور دونوں ہاتھوں میں اس کی
ٹانگیں جکڑ لیں... جکڑتے ہی انھوں نے بھی دوسری
طرف چھلانگ لگائی... چاہتے یہ تھے کہ اس کا جسم مڑ
جائے اور ان کے نیچے دب جائے... لیکن ایسا بھی نہ
ہو سکا... جونہی اس کا جسم مڑا... اس نے دونوں ہاتھوں
سے زمین کو پوری طرح دھکیلا... نتیجہ یہ کہ وہ سیدھا
کھڑا ہو گیا... اور دونوں ہاتھوں کے مکے ان کے منہ
پر مارے... انسپکٹر جمشید فوراً نیچے بیٹھ گئے... مکے ہوا
میں لہرا کر رہ گئے... ادھر انھوں نے اس کی دونوں
ٹانگیں گھسیٹ لیں... ان کا خیال تھا کہ حملہ آور دھڑام
سے گرے گا... لیکن اس نے فوراً ہاتھ نیچے ٹکا دیے،
ساتھ ہی قلابازی کھا گیا... اس کی دونوں ٹانگیں ان
کے کندھوں پر آ رہیں اور وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے...
تاہم نیچے بیٹھتے ہی انھوں نے دونوں ہاتھوں سے

کی ٹانگیں ادھر ادھر گرا دیں اور خود تیزی سے پلٹے،
اس کی دونوں ٹانگیں ان کے ہاتھوں میں تھیں،
وہ خود ٹانگوں کے درمیان تھے... انھوں نے آؤ
نہ تاؤ... دائیں طرف ڈائی لگا گئے... چاہتے یہ
کہ ان کے ساتھ وہ بھی زمین پر چکر کھائے گا
اس کے منہ پر شدید چوٹ آئے گی... جس کے
وہ مقابلے کے قابل نہیں رہے گا... لیکن وہ بھی
ہی کائیاں تھا... اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں
لیا... اس طرح سر صاف بچ گیا... جونہی انسپکٹر جمشید
... اس نے ایک جھٹکا دیا... اس کی ٹانگیں ان کے
نکل گئیں... ساتھ ہی ایک ٹانگ اس نے
کے منہ پر دے ماری... وہ اس کی پھرتی پر حیرت
رہ گئے... یہ تو وہ تھے... جو اس ٹانگ کو بچا
... کوئی اور ہوتا تو اس کا بچنا بہت مشکل تھا...
ری طرف اس وار کے بچا جانے کی بنا پر حملہ آور
ھی مارے حیرت کے برا حال تھا... لیکن دونوں
نہیں... لڑائی بدستور جاری رہی... اب وہ الگ ہو
تھے... دونوں پیچھے ہٹنے لگے... دیکھنے والے سانس
کے اس مقابلے کو دیکھ رہے تھے... وہ تقریباً دس

قدم پیچھے ہٹ گئے... پھر ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف دوڑ پڑے... اس مرتبہ انھوں نے ایک دوسرے سے بچنے کی کوشش نہیں کی تھی... دونوں نے پورے زور سے ٹکرائے... ایک دھماکا ہوا...... ان یوں لگا جیسے دو ہاتھیوں نے ایک دوسرے سے ٹکرائے ہوں... دونوں پیچھے کی طرف گرے... پلٹے اور ہی پھر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے... انسپکٹر جمشید پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا... فوراً اس کا ہاتھ ان کی گردن پر آ جما... گردنوں پر زور صرف ہونے لگا... گویا کوشش یہ تھی کون گلا گھونٹتا ہے...

ان کے چہرے سرخ ہونے لگے... کوئی بھی گلا چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا... ایسے میں اچانک انسپکٹر جمشید بولے:

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ہم لڑ کس بات پر رہے ہیں۔"

"نن... نہیں۔" حملہ آور کے منہ سے نکلا۔

"نن... نہیں... نن... نہیں... ہائیں... اس نن... نہیں میں کیا ہے... جو مجھے ہلائے دے رہا ہے۔" انسپکٹر

انہ نے گھبرا کر کہا۔

"اُف... یہ آپ ہیں۔" یہ آواز انسپکٹر کامران مرزا کی تھی۔

"یہ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" چٹان کی طرف سے آواز آئی۔

"خاک دیکھ رہے ہیں... اتنی دیر تک لڑائی ہوتی رہی، اس وقت تو کچھ دیکھا نہیں... اب کہ رہے ہیں، یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں..." فاروق نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہ مارا... یہ تو وہ ہیں..." اوپر سے نعرہ مار کر گیا... اور پھر بہت سے دوڑتے قدموں کی آواز گونج اٹھی۔

افواہوں کا شہر

وہ سب اگرچہ میک اپ میں تھے... لیکن سب کے سب ایک دوسرے کو پہچان چکے تھے۔

"کیسے معلوم تھا... اس دراڑ میں ہماری ملاقات ہو گی" منور علی خان بولے۔

"ہاں! یہ ملاقات تو غار میں ہونی چاہیے تھی" خان رحمان بولے۔

"بس ہم غار میں نہیں رکے... اس کے دوسرے سرے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تھے" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اور کھڑے باتیں اس طرح کر رہے ہیں... جیسے دور پار کے واقف ایک دوسرے کے سامنے آ گئے ہوں... میرا مطلب ہے... آخر ہم ایک دوسرے سے کب ملیں گے" پروفیسر داؤد

بنایا۔

اوہ... ارے ہائیں... یہ تو ہم بھول ہی گئے۔" آصف بولا۔

بھول گئے تو کیا ہوا... اب تو یاد آ گیا نا۔" محمود نے

کر کہا۔

ک... کیا یاد آ گیا بھئی۔" مکھن کی آواز ابھری۔

یہی کہ ابھی ہمیں گلے بھی ملنا ہے۔"

اوہ ہاں... واقعی... یہ تو ہے... تو پھر اب ملتے

نہیں..." فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

شاید سوچ رہے ہیں کہ کون کس کی طرف لپکے" دہرایا۔ گئے۔

ب نے منہ بنایا۔

اگر ہم یہ سوچتے رہے تو ہل چکے....." فرزانہ نے

ہو گیا شروع جلنا بھننا۔" آفتاب بولا۔

ابھی کیا ہے... آگے آگے دیکھنا، کیا کیا جلتا ہے اس

فرزانہ بولی۔

اوہ تم... جلانے بھنانے کے جلے چوڑے منصوبے

آئی ہو گیا۔" فرحت چونکی۔

جی نہیں... ایسے منصوبے تھی کہ مبارک... ہم تو

تھے یہاں اس کم بخت ماری چٹان کے چکر ہیں۔" فرزانہ

نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا۔

"کم بخت ماری نہیں... نگوڑیاں۔" شوکی مسکرایا۔

"میرا خیال ہے... ہم پھر بھول گئے... ابھی ہمیں ا[...]
میں ملنا بھی ہے۔" اشفاق نے پریشان ہو کر کہا۔

"بھئی مل لیں گے... ایسی بھی کیا جلدی ہے... [...]
دنوں بعد تو ملاقات ہوئی ہے۔" فاروق نے پھنا کر کہا۔

"ہائیں ہائیں... دماغ تو نہیں چل گیا... یہ بھی [...]
ملاقات ہی کی بات کر رہا ہے... یعنی گلے ملنے کی"
آفتاب نے اسے بری طرح گھورا۔

"ارے... ارے... خبردار... دماغ دماغ چل گیا ہو گا [...]
خبردار جو میرے دماغ کے بارے میں کوئی افواہ اڑا[...]
آج کل ویسے بھی افواہوں کا زور ہے۔" فاروق بول اٹھا۔

"اس... اس ورائٹر میں۔" مارے حیرت کے اخلاق [...]
کہا۔

"اماں نہیں... شہر جلبان کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ ہاں... واقعی... وہاں تو ہر طرف افواہیں [...]
افواہیں پھیلی ہوئی ہیں... یوں لگتا ہے... جیسے یہ
ہی افواہوں کا ہو۔" شوکی نے جلدی سے کہا۔

"افواہوں کا شہر۔" فاروق نے کھوئے کھوئے ا[...]

میں کہا۔

"بس بس... رہنے دو... یہ نام ہرگز کسی ناول کا نہیں ہو
سکتا۔" آصف نے جل کر کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" فاروق نے معصوم صورت
بنائی۔

"سوچ رہے تھے تو ایسے انداز میں یہ نام کیوں دہرایا۔"
[...]رحت بولی۔

"سوچنے کے لیے۔" وہ مسکرایا۔

"وحشت تیرے کی... تم لوگ بھی کس باتوں میں آ گئے۔
ارے یہاں چکرا کر رکھ دے گا یہ تو اور گلے ملنے کا
خیال کوسوں دور نکل جائے گا۔" محمود نے اپنی ران پر
ہاتھ مارا۔

"تو ابھی کون سا نزدیک ہے خیال۔" انسپکٹر جمشید نے
جھلا کر کہا۔

"ہاں واقعی... مجھے تو دور دور تک نظر نہیں آتا۔" آفتاب
بولا۔

"کک... کیا چیز۔" پروفیسر داؤد بے دھیانی کے عالم
میں بولے۔

"جی خیال... اور کیا..."

"اوہ ہاں ... خیال ... لیکن بھئی ... کیسا خیال ... کس کا خیال ... یہ تم کس خیال کی بات کر رہے ہو ... بری بات ہے ... خیالی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ ... آپ اس کا ارادہ تو نہیں رکھتے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کک ... کس کا۔" خان رحمان ہکلائے۔

"ہمارے کان کاٹنے کا۔" آفتاب بولا۔

"ارے ... میرا جملہ نہ اچک لیا کرو ... تمہارے پاس کمی پڑ گئی ہے کیا جملوں کی۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"ہاں ... آج کل مارکیٹ سے غائب تو ہیں۔" فرزانہ نے سر ہلایا۔

"کک ... کیا چیز غائب ہے مارکیٹ سے۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"جج ... جملے۔" فرزانہ ہکلائی۔

"ہاں واقعی ... ویسے ایک جملوں کی ہی کیا بات ہے ... مارکیٹ میں تو اکثر چیزیں غائب رہتی ہیں۔" پروفیسر بولے۔

"آؤ بھئی ... ہم بیٹھ جائیں ... اس دراڑ میں ... اب یہ لوگ کہاں ملیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے تنگ آ کر کہا۔

"واہ! کس قدر پیاری دراڑ ہے۔" محمود مسکرایا۔

"تھوڑی دیر پہلے تو اسے شیطان کی آنت کہا گیا تھا۔" پروفیسر داؤد نے گویا یاد کرایا۔

"اس وقت رہی ہو گی شیطان کی آنت ... اب نہیں انکل۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"لیکن بھئی جمشید ... بیٹھنے سے پہلے ہمیں ایک دوسرے سے مل تو لینا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہم مل لیتے ہیں ... ان لوگوں کو کہاں فرصت۔" خان رحمان بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"اور یہ ہم کیا کر رہے ہیں انکل۔" فرزانہ کے لہجے میں شکایت تھی۔

"کم از کم گلے نہیں مل رہے۔"

"فرصت ملے گی تو گلے بھی مل لیں گے۔"

"لیکن بھئی ... جب کچھ مدت کے بچھڑے ملتے ہیں تو سب سے پہلے وہ گلے ملتے ہیں۔"

"اوہو اچھا ... یہ بات ہے ... تب پھر ہم بھی پہلے یہی کام کر لیتے ہیں ... ایسی کون سی بات ہے ... آؤ بھئی گلے ملیں۔"

وہ بے ہنگم انداز میں ایک دوسرے کی طرف دوڑ

پڑے... اس طرح وہ گلے تو کیا ملتے... ٹکرا ٹکرا کر ضرور رہ گئے... کوئی کسی سے تو کوئی کسی سے ٹکرایا...

"لو... یہ گلے مل رہے ہیں۔" منور علی خان نے جل کر کہا۔

"بھئی... ذرا سلیقے سے ملو... کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔" پروفیسر غوری پہلی مرتبہ بولے۔

"اس ویرانے میں کون دیکھے گا انکل۔"

"کوئی دیکھے نہ دیکھے... اللہ تو دیکھے گا ہی۔" پروفیسر عقلان نے کہا۔

"ارے ہاں... یہ تو ہے... چلو بھئی سب لوگ ذرا سلیقے سے گلے ملو... پھر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" محمود نے اعلان کیا۔

"بیٹھ کر تو اس طرح کہہ رہے ہو... جیسے ہم اپنے گھر کے باہر مل رہے ہوں... یا کسی ہوٹل کے سامنے۔" خان رحمان بولے۔

"اس ویرانے میں بھی بیٹھنے کی بہترین جگہ موجود ہے انکل۔"

ہو گی... تمھارے لیے..." پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"تب تو پھر ہم باز آئے گلے ملنے سے... جیں کے

بیٹھنا پڑے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نہیں بھئی... یہ رسم دنیا ہے... گلے تو مل ہی لیں۔"

اور آخر وہ ایک دوسرے کے گلے سے لگ گئے... فرزانہ اور فرحت ایک دوسرے سے گلے مل رہی تھیں۔

"یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم مدتوں کے بچھڑے مل رہے ہوں... حالاں کہ ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا کہ ملاقات ہوئی تھی... جب سی مون نے مسیح موعود کا روپ دھار لیا[1] تھا۔"

"اُف... وہ بھی کس قدر خوف ناک مہم تھی۔"

"اور اس بار ہمارا مقابلہ صرف ایک چٹان سے ہے۔"

...من نے کہا۔

"صرف ایک چٹان تو خیر نہ کہو... بہت جوڑ توڑ والی چٹان ہے۔" محمود نے کہا۔

"کیا کہا... چٹان اور جوڑ توڑ والی... دماغ تو نہیں چل گیا۔" آصف بولا۔

"اے مسٹر... تم اپنے دماغ کو ٹٹولو... میں ادھر ادھر کی نہیں ہانکا کرتا۔"

---

[1] باطل قیامت پڑھیے۔

"ہاں! یہ تو ہے... میں نے بھی نہیں دیکھا۔" فاروق فوراً کہا۔

"کیا نہیں دیکھا۔" آفتاب بولا۔

"محمود کو ادھر ادھر کی ہانکتے۔"

"حد ہو گئی..." آصف نے بھنا کر کہا۔

"ویسے اس چٹان کے بارے میں آپ لوگوں نے کیا رائے قائم کی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"کیوں... کیا آپ کوئی رائے قائم نہیں کر سکے۔"

"ابھی رائے قائم کرنے کا وقت ہی کہاں آیا تھا... اسی وقت تو جال آ گرا تھا سروں پہ۔"

"ہم نے اس کے بارے میں ایک خیال قائم کیا ہے... لیکن ہو سکتا ہے... وہ خیال غلط ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور وہ خیال کیا ہے۔"

"یہ کہ وہ چٹان نہیں ہے... اور کوئی اور چیز ضرور ہو سکتی ہے... چٹان نہیں۔"

"کیا مطلب... وہ چٹان نہیں ہے تو پھر اور کیا چیز ہے۔" منور علی خان چونکے۔

"اب ہم سب ایک جگہ جمع ہو چکے ہیں... سب مل

کر اس کا معائنہ کریں گے... اب تو انشارجہ کے فوجیوں کو بھی وہاں سے ہٹا دیا گیا ہے... انھوں نے ہمارے فوجیوں کی جگہ لے لی تھی... دوسرے یہ کہ ونٹاس سے بھی ایک ٹیم پہنچنے والی ہے۔"

"کیا مطلب... ونٹاس سے۔" انسپکٹر کامران مرزا چونک اٹھے۔

"ہاں! حکومت سے انھوں نے اس چٹان کا معائنہ کرنے کی درخواست کی ہے... ونٹاس کی حکومت بھی اس میں دلچسپی لینے پہ مجبور ہو گئی ہے..." انھوں نے بتایا۔

"لیکن ہماری حکومت نے اسے یہ اجازت کیوں دی... وہ ہمارا دوست کب ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جب وہ چٹان کسی کی سمجھ میں بھی نہ آ سکی... ان کی پیش کش موصول ہوئی... اور حکومت نے اسے منظور کر لیا... کیوں کہ حکومت بھی چاہتی ہے، اس کی حقیقت معلوم ہو جائے۔"

"اور آپ لوگوں کا خیال ہے... وہ چٹان ہے ہی نہیں۔" پروفیسر عقلان بولے۔

"ہمارا خیال یہی ہے۔"

"پھر چٹان آ ٹپکی ہمارے درمیان۔" فاروق بڑبڑایا۔
"سوال یہ ہے کہ... ونٹاس کو کیا ضرورت پڑ گئی اس
کے معائنے کی۔"
"نہ صرف ونٹاس... بلکہ انشارجہ بھی دلچسپی لے رہا ہے
اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ دنیا کے دو بڑے
ملک ہمارے ملک میں ابھر آنے والی ایک چٹان میں
دلچسپی لے رہے ہیں۔"
"کہیں ایسا نہ ہو... وہ اس سے کوئی فائدہ اٹھانے
میں کامیاب ہو جائیں اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہو۔"
پروفیسر غوری نے فکر مند ہو کر کہا۔
"اوہ ہاں... ہو سکتا ہے... دونوں ملک اس کوشش
میں ہوں... خیر... اب ہم یہاں موجود ہیں... ونٹاس
کی ٹیم ہماری موجودگی میں معائنہ کرے گی... انشارجہ
کی ٹیم پہلے ہی ناکام ہو چکی ہے... اور یہ فوجیوں
والی چال بھی انھوں نے اس لیے چلی تھی کہ ونٹاس
کی ٹیم پر نظر رکھی جا سکے اور موقع مل جائے تو فائدہ
خود اٹھا لیں۔"
"ہوں... یہ بات دل کو لگتی ہے۔"
"یہ ضروری تو نہیں ہے کہ انشارجہ کی ٹیم ناکام

گئی ہے... ہو سکتا ہے... بات یہ نہ ہو اور انھوں نے
بظاہر یہ کیا ہو۔"
"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے... خیر تم لوگ فکر نہ کرو،
پہلے سے معاملے کا جائزہ لیا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"تو پھر... اب یہاں سے چلنا چاہیے... یا اس دراڑ میں ڈیرہ
ڈالنے کا ارادہ ہے۔" آصف بولا۔
"ویسے دراڑ ہے بہت کام کی... اس نے ہماری ملاقات
کرادی۔" محمود مسکرایا۔
"پھر بھی... آخر ہم کب تک یہاں رہ سکتے ہیں۔" شوکی نے
کہا۔
"جب تک کہ بور نہ ہو جائیں۔" فاروق مسکرایا۔
"اور ادھر... چاہیے... ونٹاس کی ٹیم ہمارے انتظار میں
سوکھ رہی ہو۔" آفتاب بولا۔
"اس کا سوکھنا ہمارے لیے کچھ بھی نقصان دہ نہیں۔"
فرحت بولی۔
"ہو یا نہ ہو... ہمیں جلد از جلد چٹان کی خبر لینی
ہے۔" فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔
"میرا بھی یہی خیال ہے... اب ہمیں اس دراڑ کا
چھوڑ ہی دینا چاہیے... باتوں کا کیا ہے... وہ تو

ہم چلتے ہوئے بھی کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

آخر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور قدم اٹھانے لگے۔

انھیں ایک گھنٹہ اور چلنا پڑا، تب کہیں جا کر ڈرائڈ ختم
اور انھیں چٹانیں نظر آنے لگیں...

"شاید ہم شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں... سب سے
پہلے ہم پولیس ہیڈ کوارٹر جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید
بولے۔

شہری حدود میں داخل ہوتے ہی انھوں نے
ٹیکسیاں پکڑیں اور ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے... ایس پی
خان نیازی وہاں موجود ہی تھے... انھیں دیکھ کر اچھل
پڑے... اور پھر باقی تمام ساتھیوں کو بھی ساتھ دیکھ کر
تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...

"ادھو... یہ لوگ مل گئے آپ کو۔"

"ہاں! انھی کی تلاش میں نکلے تھے... چٹان کے
معاملے پر تو ہم اب توجہ دیں گے۔"

"اور ادھر وشاس کی ٹیم آ چکی ہے۔"

"ارے... اتنی جلدی۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"دارالحکومت سے یہاں جہاز آنے میں کیا دیر لگتی ہے
وشاس سے وہ پہلے ہی دارالحکومت پہنچی ہوئی تھی۔"

"اوہ... تب تو ٹھیک ہے۔"

"پھر... ان کا ارادہ کب چلنے کا ہے۔" انسپکٹر کامران
مرزا بولے۔

"صبح سویرے۔"

"ہم ان سے پہلے چٹان کے پاس پہنچیں یا ان
کے ساتھ۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

"تب ہم ان کے ساتھ جائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا
نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور دوسروں نے سر ہلا
کر ان کی تائید کی۔

"انھیں ہوٹل شارڈا میں ٹھہرایا گیا ہے... آپ
لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔"

"موقع بہت اچھا ہے... ہمارے لیے بھی ہوٹل
شارڈا میں کمرے بک کرا دیں... ہم یہاں اپنے میک
اپ وغیرہ میں قدرے تبدیلی کر کے وہاں پہنچ جائیں
گے... اور ہمیں انھیں دیکھنے کا موقع مل جائے گا...
اگر ان کے برابر والے کمرے مل جائیں تو زیادہ بہتر
رہے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا جلدی جلدی بولے۔

"میں کوشش کرتا ہوں۔" انھوں نے کہا اور فون کا ریسیور اٹھا لیا... پانچ منٹ بعد ریسیور رکھ کر وہ بولے:

"انتظام کر لیا گیا ہے... آپ کو کمرے بھی برابر والے مل گئے ہیں... تیسری منزل پر کمرہ نمبر ۵۱ ۵۲ اور ۵۳ آپ کے لیے بک کرا لیے گئے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ..." ان کے منہ سے نکلا۔

"تب پھر ہمیں اپنا میک اپ درست کر لینا چاہیے اور چند ضروری تبدیلیاں بھی کر لینی چاہییں۔" جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور وہ میک اپ روم میں آ بیٹھے... اس کام میں انھیں تین گھنٹے لگ گئے... تین گھنٹے بعد وہ ٹیکسیوں میں بیٹھ کر ہوٹل شادڈا پہنچ گئے چند بیروں نے ان کا سامان اٹھا لیا اور انھیں تیسری منزل پر ان کے کمروں میں پہنچا دیا... کچھ وقت سامان کو ترتیب دینے میں لگا... اس کے بعد وہ اطمینان سے بیٹھے بھی نہیں

پائے تھے کہ کمرہ نمبر ۵۱ کے دروازے پر دستک ہوئی...

وہ اس وقت سب ایک کمرے میں تھے اور وہ تینوں کمرے اندرونی دروازوں کے ذریعے آپس میں ملے ہوئے تھے...

دشمن انکل

"سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔" شوکی نے منہ بنا کر کہا۔
"نہیں تو... ہم نے ابھی تک سر نہیں منڈائے..."
آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔
"چلو محمود... دیکھو... کون صاحب ہیں۔"
محمود نے دروازہ کھولا، ایک غیر ملکی نوجوان کھڑا نظر آیا، اس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں:
"ہاں جناب! فرمایئے۔"
"مسٹر شونڈر سے ملنا ہے۔"
"کیا نام لیا آپ نے... مسٹر شونڈر۔" محمود کے منہ سے نکلا۔
"ہاں! یہی نام ہے۔" وہ بولا۔
"میرا خیال ہے... ہم میں سے کوئی بھی مسٹر

شونڈر نہیں ہے۔" محمود نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔
"تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"کیا یہ کمرہ نمبر ۵۰ نہیں ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔
"جی نہیں... معلوم ہوتا ہے، آپ کی نظر کچھ کمزور ہے۔"
"اس میں تو خیر کوئی شک نہیں... میری نزدیک کی نظر بہت کمزور ہے۔"
"تب پھر یہ کمرہ ۵۱ نمبر ہے۔"
"اوہ! میں سمجھ گیا... مسٹر شونڈر اس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر اگلے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا... محمود بُرا سا منہ بنا کر واپس پلٹا:
"لوگ بھی بس دوسروں کا وقت ضائع کرتے ہیں۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور دروازہ بند کر دیا۔
"لیکن سوال تو یہ ہے کہ ساتھ والے کمروں میں ڈرناٹس کی ٹیم ٹھہری ہوئی ہے... ان میں اگر کوئی مسٹر شونڈر ہے تو اس غیر ملکی کو اس سے بھلا کیا

کام۔" فرزانہ نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"تو پھر نکل جاؤ باہر... اور جاننے کی کوشش کر ڈالو۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"شکریہ انکل... ابھی آپ کے حکم کی تعمیل کرتی ہوں۔" فرزانہ نے جھک کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"کیا میں ساتھ چلوں۔" فرحت بولی۔

"ہاں کیوں نہیں... ایک سے دو بھلے۔"

"بغیر محاورے کے تو جملہ بولنا شاید جرم ہے یہاں۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"نہیں... بالکل جرم نہیں، تمہیں بالکل چھٹی ہے... بے شک محاورات کا استعمال نہ کرو۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"دیکھا... میں نے کہا ہے نا..." آفتاب بولا۔

"تم آپس میں لڑو... ہم اس نو وارد کو پھیکا کرنے جا رہی ہوں۔" فرزانہ نے یہ کہتے ہوئے چٹخنی گرا دی...

باہر نکل کر فرزانہ نے دبی آواز میں کہا:

"میں اندر جھانکتی ہوں اور کچھ سننے کی کوشش کرتی ہوں... تم بس اتنا دھیان رکھنا کہ کوئی مجھے ایسا کرتا

دیکھ نہ لے۔"

"فکر نہ کرو... کوئی آنکھ اٹھا کر تمہیں دیکھ نہیں سکے گا۔" فرحت بولی۔

"حد ہو گئی... تم بھی محاورہ لے آئیں۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"لے نہیں آئی... خود بخود چلا آیا۔"

"اچھا بابا... چلا آیا ہو گا۔"

فرزانہ تالے کے سوراخ پر جھک گئی... فرحت نے اسے اپنی اوٹ میں لے لیا... اجنبی فرزانہ کو ایک کرسی پر بیٹھا نظر آیا... اس کے سامنے ایک غیر ملکی آدمی بیٹھا تھا... اس کی آنکھیں بہت موٹی تھیں... وہ کہہ رہا تھا:

"تمہیں یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی مارکوف۔"

"میں کیا کرتا مسٹر شونڈر... مجھے آنا پڑا..."

"خیر جلدی کہو... کیا بات ہے۔"

"پہلے یہ بتائیے... آپ کے ساتھ والے کمروں میں کون ٹھہرا ہوا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم... کیوں۔" شونڈر چونکا۔

"مجھے وہ لوگ کچھ خطرناک سے معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہوں گے... ہمیں ان سے کیا۔"

"اچھی بات ہے... ایک منٹ... میں اپنے کپڑوں میں سے ایک چیز نکال لوں..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی مارکوف اٹھا... فرزانہ کو بہت قدرے بے چینی کا احساس ہوا... وہ فوراً سیدھی ہو گئی، اور جلدی سے فرحت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں گھس گئی... اور کان دروازے سے لگا دیئے...

"کیوں... کیا بات ہے۔" فرحت بولی۔

"میرا خیال ہے... اس نے کپڑے سے کوئی چیز نکالنے کے بہانے دروازے تک آنے کی کوشش کی ہے... شاید اسے ہماری موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔"

"اوہ!" فرحت کے منہ سے نکلا۔

باقی لوگ بھی ان کے نزدیک آ گئے۔

"کیا کھسر پھسر کر رہی ہو۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"ذرا صبر کرو۔"

اسی وقت فرزانہ کے کانوں نے پیچ گھمائے جانے اور پھر لگا دینے کی آوازیں سنیں:

"بس فرحت... اب آ جاؤ... کام ہو گیا۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا... دروازہ کھولا اور پھر باہر نکل گئی... فرحت نے اس کا ساتھ دیا:

"یہ ضرور کچھ نہ کچھ کر کے رہیں گی۔" آصف بڑبڑایا۔

"اس سے اچھی بھلا کیا بات ہے... ہم بھی تو یہی چاہتے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"لیکن ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ یہ دونوں کوئی گڑبڑ کر دیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ان سے ایسی امید تو نہیں... خیر تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔" وہ بولے۔

"یعنی انکل... آپ نے بھی رنگ پکڑ لیا۔" فاروق مسکرایا۔

"نہیں... مجھے خربوزہ تو نہ کہو۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جی نہیں... نہیں تو انکل... میری ایسی مجال کہاں۔"

"اور کیا... یہ بے چارہ تو تین میں نہ تیرہ میں۔" آفتاب نے شوخ انداز میں کہا۔

"اور تم تو جیسے اندھوں میں کانا راجا ہو۔" فاروق جل گیا۔

"فرحت اور فرزانہ کو آ لینے دو بھئی... ورنہ وہ شکایت کریں گی۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"جی! کس بات کی شکایت کریں گی۔"

"اس بات کی کہ تم نے سارے محاورے ان کی

عدم موجودگی میں بچکا دیتے" وہ بولے۔

"فکر نہ کریں انکل... ہم ان کے حصے کے بچا لیں گے۔"

"ہر بات کا گھڑا گھڑایا جواب یہاں تیار ملتا ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"تو آپ اور کیا چاہتے ہیں انکل۔" شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم... میں بے چارہ کیا چاہوں گا... اندھا کیا چاہے دو روٹی۔" انھوں نے معصومانہ انداز میں کہا۔

"اندھے ہوں آپ کے دشمن انکل۔" مکھن بول اٹھا۔

"کک... کیا کہا... دشمن انکل... یہ تم مجھے دشمن انکل کب سے سمجھنے لگے۔" پروفیسر داؤد نے آنکھیں نکالیں۔

"جب سے اس بے چارے کی عقل کھو گئی ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"ہائیں... نہیں۔" پروفیسر عقلان نے گھبرا کر کہا۔

"یہ... یہ مذاق کر رہے ہیں انکل... آپ کو شاید نہیں معلوم... ان کی عادت ہے... بات بے بات دوسرے کی ٹانگ لینے کی۔" مکھن جلدی جلدی بولا۔

"اوہ... میں سمجھ گیا... میں بھی کہوں... تم لوگ تو اچھے بھلے تھے۔" پروفیسر عقلان نے سکون کا سانس لیا۔

"مجھے نہیں انکل... میں بھی۔" اشفاق بولا۔

عین اسی وقت دروازہ کھلا، فرحت اور فرزانہ اندر داخل ہوئیں، انھوں نے فوراً دروازہ بند کر دیا... اور سب کے پاس آ کر بیٹھ گئیں:

"کہو... کیا خبریں ہیں۔"

"افسوس... مارکوف بہت چالاک ہے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"مارکوف بہت چالاک ہے... کون مارکوف... اور پھر ہمیں اس سے کیا کہ کون کتنا چالاک ہے... ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"بھئی پہلے بات تو پوری سن لیا کرو... تمھاری یہ عادت بہت گندی ہے۔" محمود تلملا اٹھا۔

"میری عادت کو گندا بتانے والا میرے ہاتھوں کی مار سے بچ نہیں سکا آج تک۔" آصف غرایا۔

"اچھا... تو پھر آج دیکھ لیتے ہیں۔" محمود نے بھی تیز آواز میں کہا۔

"ارے... خبردار... ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں... دوست ہیں۔" منور علی خان گھبرا گئے۔

"لیکن انکل... یہ بھی تو دیکھیے۔" آصف نے کہنا چاہا۔

"ہاں ! بس ... دیکھ لیا ... خاموش رہو۔"

"خیر ... پھر ... کوئی موقع تو ملے گا ہی۔" آصف نے اسے گھورا۔

"ضرور ضرور ... کیوں نہیں ... میں خود موقع کی تلاش میں رہوں گا۔" محمود بولا۔

"ہرگز نہیں ... ہم تمھیں موقعے کی تلاش کرنے ہی نہیں دیں گے ... کیوں آفتاب۔" فاروق بولا۔

"بالکل ... آپس میں لڑنا بہت زیادہ خطرناک ہے۔ اپنی طاقت ختم ہو جاتی ہے ... اور دشمن چھا جاتے ہیں۔"

"ہاں ... لیکن ... ہمارے ملک میں تو لوگ آپس میں لڑتے نہیں تھکتے۔"

"یہی تو ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے۔"

"باتیں بہت ہو چکیں ... اب ذرا فرزانہ اور فرحت کی بھی بات سن لیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے تنگ آ کر کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا ... اور سوچ رہا تھا کہ شاید باتوں کے دھارے میں سب بہ جائیں گے اور فرزانہ بہن کو بات کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا ... بلکہ شاید وہ خود بھی بھول جائیں کہ کیا بات کرنے والی تھیں۔" اخلاق بولا۔

"اب تم چپ ہو گئے تو وہ بے چاری بات کرے گی ... بات پہ بات تو نکلتی چلی جا رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید اٹھے۔

"اس ... اس میں ہمارا کیا قصور انکل ... یہ کیا دھرا تو ان کا ہوا۔" شوکی مسکرایا۔

"اچھا بھائی ... پہلے تم باتوں کا کیا دھرا پورا کر لو۔" انسپکٹر جمشید تنگ آ کر بولے۔

اچانک خاموشی چھا گئی ... پتا نہیں انسپکٹر جمشید کی ڈانٹ نے خاموشی طاری کرنے میں مدد دی تھی یا ان میں سے کسی کو بھی کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی ... پھر پروفیسر داؤد بول اٹھے:

"فرزانہ ... اس خاموشی کو غنیمت سمجھو اور جلدی سے اپنی بات کر ڈالو۔"

"ج جی ... ہاں ... آپ ٹھیک کہتے ہیں ... تو پھر ... سن ہی لیجیے ... پتا نہیں ... پھر اتنا اچھا موقع ملے نہ ملے ... مارکوف وہ آدمی ہے ... جس نے غلطی سے دروازہ کھٹکھٹایا تھا ... یہ شخص بھی شاید ونٹاس کا جاسوس ہے ... اور ہمارے ملک میں رہتا ہے ... یہ ونٹاس کی ٹیم کو کوئی خفیہ اطلاع دینے کے لیے آیا ہے ... وہ

خفیہ اطلاع کیا ہے ... یہ ہم معلوم نہیں کر سکیں۔" فرزانہ نے
بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"کیوں ... تمہارے تو کان بہت نیلے لمبے ہیں۔" خان
رحمان مسکرائے۔

"ہاں! آپ یہ بات کہہ سکتے ہیں ... لیکن آپ کو نہیں
معلوم ... ہمارا مقابلہ مارکوف سے ہے ... اور وہ کوئی
عام آدمی نہیں ... بہت خاص آدمی معلوم ہوتا ہے ...
میں نے دروازے سے کان لگائے ہی تھے کہ اس
نے محسوس کر لیا ... اور دروازہ کھولنے کے لیے اٹھ کھڑا
ہوا ... شونڈر کو یہ بتایا کہ وہ کپڑوں سے کوئی چیز نکالنا
چاہتا ہے ... اس لیے ہم یک دم پیچھے ہٹ آئی تھیں
پھر چٹخنی گرائے جانے کی آواز سنائی دی تھی ... اور باہر
کسی کو نہ پا کر چٹخنی دوبارہ لگا دی گئی ... ہم پھر باہر
نکلیں اور اس بار اور بھی احتیاط کی ... جونھی میں نے
دروازے سے کان لگائے ... میں نے سنا، وہ کہہ رہا تھا:

"نہیں جناب ... مجھے وہم نہیں ہوا تھا ... باہر ضرور
کوئی تھا، لیکن جو کوئی تھا ... اس نے بھی میری چال
کو بھانپ لیا اور دروازے پر سے ہٹ گیا ... اور
جہاں تک میرا خیال ہے ... وہ ساتھ والے کمرے کا ہی

فرد تھا ... بہر حال اب میں ..."

اتنا کہہ کر وہ رک گیا تو شونڈر نے حیران ہو کر
کہا:

"اب کیا ہوا؟"

"اب ... اب پھر کوئی دروازے پر آ موجود ہوا ہے۔"

"وہم ہو گیا ہے تمہیں ... بات مکمل کرو۔"

"خیر ... وہم ہی سہی ... اب میں آپ کو اپنی زبان
سے راز بتاؤں گا نہیں ..."

"کیا مطلب ... تو پھر کس طرح بتاؤ گے؟"

"قلم سے۔"

اس نے کہا اور لکھنے لگا ... یہاں تک کہہ کر
خاموش ہو گئی۔

"لو جی ... بھی انھوں نے کارنامہ انجام دیا ہے۔" فاروق
جھلا کر کہا۔

"تو پھر ... ہم کر بھی کیا سکتی تھیں ... کارنامہ انجام دینے
کی باری تو اب تم لڑکوں کو ملے۔" فرحت مسکرائی۔

"کیا مطلب ... ہماری باری کس طرح؟"

"مارکوف ابھی شونڈر کو پیغام یا اطلاع لکھ کر دینے میں
مصروف ہے ... تم ہوٹل سے نیچے پہنچ جاؤ اور اس کا

تعاقب کرو..."

"کیوں ابا جان... اس کی ضرورت ہے۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"ہاں! مارکوف کی حرکات تو یہی کہہ رہی ہیں کہ اس کی ضرورت ہے۔"

"تو پھر ہمیں اجازت دیجیے... ہمیں اور... میں اور..." محمود کی گاڑی اٹک گئی۔

"ہیں اور آصف کہتے ڈر لگ رہا ہے کیا... بھئی وہ لڑائی تو وقتی تھی... اور اگر واقعی ہم نے لڑنے کی ضرورت محسوس کی تو کسی مناسب وقت پر لڑیں گے... کام کے وقت تو نہیں لڑیں گے نا۔"

جونہی وہ باہر نکلے... اسی وقت مارکوف شوونڈر والے کمرے سے نکلا... انھوں نے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھا... پھر مارکوف پُرسکون انداز میں ان کی طرف چلا آیا:

"تم لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی... تم لوگ کچھ زیادہ ہی تیز ہو... اب شاید تم میرا تعاقب کرنے کا ارادہ رکھتے ہو... اس سے کہیں بہتر یہ رہے گا کہ ہم ساتھ ہی چلیں۔"

محمود اور آصف دھک سے رہ گئے... ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا...

"سانپ سونگھ گیا کیا... بولتے کیوں نہیں... ویسے تم لوگ کون ہو۔" اس نے شریر لہجے میں کہا۔

"یہ بات ٹھیک ہے کہ ہم آپ کا تعاقب کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"تھے... گویا... اب ارادہ نہیں رہا۔"

"نہیں... اب جب کہ آپ نے ہمارا ارادہ بھانپ لیا ہے... تو ہم کیا کریں گے تعاقب کر کے... ہاں آپ کی دوسری تجویز ضرور قابل غور ہے۔"

"کون سی... ساتھ چلنے والی..." وہ چونکا... اس مرتبہ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آئے۔

"ہاں! یہ بہتر رہے گا۔"

"واقعی... میرا اندازہ تم لوگوں کے بارے میں غلط نہیں تھا، اور اب تو میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ تم دلیر بھی ہو۔"

"چلیے مان لیا... آپ کا اندازہ غلط نہیں تھا... چلنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"وہ تو چلنا ہی ہو گا... صرف تم دونوں چلو گے...

یا باقی ساتھی بھی چلیں گے۔"

"آپ کے لیے تو ہم دو ہی کافی ہیں۔" آصف نے منہ بنایا۔

"اوہو اچھا... یہ بات بھی ہے... خیر آؤ بھئی... کبھی کیا یاد رکھو گے۔"

وہ اس کے ساتھ نیچے آئے... ہوٹل سے باہر پیازی رنگ کی ایک چھوٹی سی کار کھڑی تھی...

"بیٹھو!" اس نے کار کا دروازہ کھولا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ذرا سے اچکچائے اور پھر بے فکری کے انداز میں کار میں بیٹھ گئے...

"اب بتاؤ دوستو... تم لوگ کون ہو۔" جونہی کار روانہ ہوئی، اس نے کہا۔

"ہم کوئی بھی ہوں... آپ کو اس سے کیا..." محمود نے منہ بنایا۔

"اگر مجھے کچھ نہ ہوتا تو آپ کو میرے ساتھ آنے کی کیا ضرورت تھی اور مجھے لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تب پھر... ہمارے ایک سوال کا جواب آپ دے دیں... آپ کے اس سوال کا جواب ہم دے دیں گے۔"

"اپنا سوال بتاؤ۔" وہ مسکرایا۔

"آپ نے مسٹر شونڈر کو کیا پیغام دیا ہے؟"

"اوہ... تو میرا اندازہ درست تھا... تم لوگ پھر دروازہ پر آ گئے تھے۔"

"وہ ہم نہیں تھے... ہماری بہنیں تھیں۔"

"ایک ہی بات ہے... اب مجھے خوشی ہو رہی ہے... میرا اندازہ درست تھا...... شونڈر کو ذرا یقین نہیں رہا تھا... لیکن اس میں اس کا بھی کیا قصور... وہ بے چارہ جاسوسی کے کاموں کو کیا جانے... وہ تو ایک سائنس دان ہے... ایک بہت بڑا انجینئر ہے۔"

"تو مسٹر شونڈر ایک سائنس دان ہیں... بہت بڑے انجینئر ہیں... لیکن جاسوس نہیں ہیں۔" آصف نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ مسٹر شونڈر ایک جاسوس ہیں؟"

"خیال تھا ہمارا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"بالکل غلط خیال تھا... یہ ٹیم انجینئروں اور سائنس دانوں کی ہے... یہ اس چٹان کا معائنہ کرنے آئے ہیں، جو اس شہر میں ابھری ہے۔"

"آپ نے اب تک ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا" آصف نے گویا اسے یاد کرایا۔

"افسوس... میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"تب پھر ہم کس طرح بتا سکتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔"

"نہ بتاؤ۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تو پھر... اب ہمیں تعاقب کی ضرورت ہے یا نہیں۔" آصف بولا۔

"یہ سوچنا تمھارا کام ہے... میرا نہیں۔"

"خیر... یہ انوکھا تعاقب تو جاری رہے گا۔" آصف نے مایوس کن لہجے میں کہا۔

"خوشی سے جاری رکھو۔" اس نے بے فکری سے کہا۔

کار کا سفر صرف پندرہ منٹ تک جاری رہا... پھر کار ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے رک گئی... مکان بہت پرانی قسم کا تھا... اس نے کار سے اترتے ہوئے کہا:

"یہ ہے میرا غریب خانہ... اگر آپ عام انداز سے میرا تعاقب کرتے تو ہوتا یہ کہ میں تو کار سے اتر کر اندر چلا جاتا... اور آپ باہر کھڑے رہ جاتے... لیکن اب صورت

حال ذرا مختلف ہے... لہٰذا آپ بتائیں... آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"ہمارا طریقہ کار بھی ذرا مختلف ہے... ہمیں جب کسی کے تعاقب کا حکم دیا جاتا ہے تو ہم تعاقب تک ہی نہیں رہتے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب... پھر کہاں تک جاتے ہو۔"

"اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ واپس جا کر اپنے ساتھیوں کو بتا سکیں کہ ہم کیا تیر مار کر آئے ہیں... اگرچہ ہمارے بڑے ہماری ان حرکات سے بہت جلتے ہیں... اور جب ہم انھیں کہانی سنانا شروع کرتے ہیں تو اس وقت وہ لال پیلی آنکھوں سے ہمیں دیکھتے جاتے ہیں... لیکن جوں جوں ہماری معلومات ان کے کانوں میں داخل ہوتی ہیں... ان کی آنکھوں کا رنگ بدلتا چلا جاتا ہے... یہاں تک کہ ان میں پیار کی چاشنی محسوس ہونے لگتی ہے۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"تم بات مختصر نہیں کر سکتے۔"

"اس سلسلے میں میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"کس سلسلے میں۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

"اس سلسلے میں کہ... بات مختصر ہو جائے۔"

"کہیے... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ اب آپ ہمیں اپنے گھر کے اندر تک لے چلیں اور اپنے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات بھی دیں... تاکہ ہم اپنے ساتھیوں کو اپنی کارگزاری کی رپورٹ دے سکیں۔"

"ٹھیک ہے... مجھے کوئی اعتراض نہیں... آئیے۔"

دونوں اس کے ساتھ گھر میں داخل ہو گئے۔

دو کمروں کا مکان تھا... درمیان میں صحن تھا... اس نے انھیں پہلے کمرے میں بٹھایا...

"آپ کا نام مسٹر مارکوف ہے... یہ بات ہمیں اب معلوم ہے... آپ ونٹاس سے آنے والی ٹیم کے لیڈر مسٹر شونڈر سے ملاقات کرنے گئے تھے... کیوں گئے تھے... یہ ہمیں اب معلوم نہیں، کیوں کہ آپ نے ان سے گفتگو تحریر کے ذریعے کی ہے اور تحریر کی آواز سننا فرزانہ کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔" آصف جلدی جلدی بولا۔

"کیا مطلب... یہ آخری جملہ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"آصف ادھر ادھر کی نہ ہانکو۔" محمود نے اسے گھورا۔

"نہیں... اب تو اس بات کا مطلب بتانا ہی پڑے گا..."

...نے فوراً کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ایک ساتھی کے کان ...تیز ہیں۔"

"...مطلب کی بات کریں۔" اس نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں... مطلب کی بات تو رہ ہی گئی... مطلب کی ...ہی یہی بات بری ہوتی ہے... کہ وہ عام طور پر ...تی ہے۔" محمود نے غصے بھری آواز میں کہا۔

"...مذاق کر رہے ہیں بھئی..." مارکوف نے تلملا کر کہا۔

"...اوہ! معاف کیجیے گا مسٹر نارکوم..." محمود گھبرا گیا۔

"مارکوف... سمجھے آپ۔" مارکوف غرایا۔

"...سمجھ گیا... لیکن یہ معاملہ سمجھ سے نہیں زبان سے ...ہے... دراصل وہ پھسل جاتی ہے۔"

"...اب اسے نہ پھسلنے دیجیے گا... ورنہ مشکل ہو جائے گی۔"

"...ٹھیک ہے... کوشش کروں گا... ہاں تو مسٹر ...ہم... مارکوف... آپ نے بذریعہ تحریر مسٹر شونڈر ...کی خفیہ بات چیت کی... مہربانی فرما کر پہلے تو ہمیں ...یں کہ آپ نے ان سے کیا گفتگو کی تھی۔"

"...ونٹاس کی حکومت کا ایک پیغام تھا... جو ان لوگوں ...تھا۔" اس نے کہا۔

"حیرت ہے... آپ کے ذریعے انھیں پیغام پہنچایا گیا جب کہ وہ خود ونٹاس سے آتے ہیں... اور ابھی انھیں زیادہ وقت نہیں گزرا... ان حالات میں تو انھیں اپنا ونٹاس کی خبر دینی چاہیے تھی... نہ کہ انھوں نے آپ سے وصول کیں۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"آپ نے ایک بات کا اقرار کر لیا ہے... اور یہ کہ آپ ونٹاس کے لیے یہاں کام کرتے ہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"تب تو آپ کو قانون کے حوالے کیا جانا چاہیے۔" آصف نے کہا۔

"اگر آپ کر سکتے ہیں تو ضرور کر دیں... لیکن میں ہوں... نہ آپ مجھے قانون کے حوالے کر سکتے ہیں نہ قانون خود مجھے گرفتار کر سکتا ہے۔"

"کیوں جناب... ایسی کیا بات ہے... میرا تو خیال ہے کہ ہم آپ کو قانون کے حوالے کر سکتے ہیں۔"

"مجھے یہاں رہتے ہوئے دس سال ہو چکے ہیں، کوئی مجھ پر شک نہیں کر سکا... نہ مجھ پر کوئی اعتراض کر سکا... سب لوگ مجھے ایک بے ضرر غیر ملکی خیال کرتے

ہیں لیکن میں اتنا بے ضرر نہیں ہوں... زندگی میں یہ پہلا موقع ہوا ہے... جب میں تم لوگوں کی نظروں میں آ گیا ہوں... صاف ظاہر ہے... اب مجھے یہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔"

"چھوڑیں گے تو تب نا... جب ہم آپ کو چھوڑیں گے۔"

وہ مسکرایا۔

"آپ دونوں میرے لیے کوئی مشکل نہیں بن سکتے... اگر ڈرنے کا کوئی امکان ہوتا تو میں آپ کو ہرگز اپنے گھر نہ لاتا۔" اس نے کہا۔

"آپ بھی ہمارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں... آپ کے راستے میں آئیں گے تو اندازہ ہو گا۔"

"یہ گھوڑا... یہ میدان... کیوں نہ پہلے ہم اس بات کا فیصلہ کر لیں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں! پہلے آپ اس ٹیم کے بارے میں بتائیں... یہ کس لیے یہاں آئی ہے۔"

"ہم یہ جاننے کے لیے آئے ہیں کہ وہ چٹان آخر کیا ہے۔"

"آخر یہ جاننا اتنا ضروری کیوں ہے... کہ بڑے بڑے ملک اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ چٹان آخر

کسی کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی۔"

"ہوں... اور آپ کیا پیغام لے کر گئے تھے، ان ک…

"میں یہ بات تو بتا ہی نہیں سکتا۔" اس نے مسکر…
کہا۔

"پھر آپ کا فائدہ کیا... تعاقب تو ہم نے اس لی…
ہے۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں... اوہو... اب آپ مجھ پر…
کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔" وہ چونکا۔

محمود اور آصف حیرت زدہ رہ گئے۔

"آپ تو کمال کے آدمی ہیں... آخر آپ کی حسیں…
تیز ہیں۔"

"میں خود بھی نہیں جانتا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"آپ سے مقابلہ یقیناً دلچسپ رہے گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دونوں نے اس…
چھلانگ لگا دی۔

ملک کا مجرم

"لو بھئی... محمود اور آصف تو گئے مسٹر مارکوف کے
تعاقب میں... وہ تو اب کوئی نہ کوئی کارنامہ انجام دے
کر ہی لوٹیں گے۔" فرحت نے ان کے جانے کے بعد
کہا۔

"ہم... مشکل ہے۔" شوکی بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب... کیسے مشکل ہے... اور کیا خیال ہے
تمہارا..."

"یہ کہ... دونوں مسٹر مارکوف کے مقابلے میں کوئی
کارنامہ نہیں دکھا سکیں گے... وہ بہت تیز آدمی ہے۔"
فرزانہ بولی۔

"وہ کارنامہ دکھا سکیں یا نہ دکھا سکیں... دکھانے کی

کوشش کیے بغیر نہیں رہیں گے... یہ ان کی خاص عادت ہے اور ہم جانتے ہی ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں! یہ بات تو پھر بالکل درست ہے آپ کی۔" خان رحمان مسکرائے۔

عین اسی وقت دستک ہوئی... وہ چونک اٹھے... پھر فاروق اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا:

"پہلے معلوم کر لینا... کون ہے..." انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر..." فاروق نے کہا پھر دروازے کے نزدیک پہنچ کر بولا:

"جی... کون صاحب ہیں؟"

"ایس پی اکرم خان۔" باہر سے آواز آئی۔

"اوہ! آپ ہیں..." یہ کہتے ہوئے فاروق نے دروازہ کھول دیا... اور نیازی صاحب اندر آ گئے...

"خیریت ہے نا۔"

"ہاں! ٹیم کے انچارج... مسٹر شونڈر نے مجھے بلایا تھا... میں ابھی ابھی ان سے ملاقات کر کے آ رہا ہوں... وہ ابھی اور اسی وقت چٹان کی طرف روانہ ہو جانا چاہتے ہیں۔"

"ایسی بھی کیا جلدی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"پتا نہیں... پہلے تو وہ جلدی میں نظر نہیں آئے تھے۔" نیازی صاحب بولے۔

"تب پھر انہیں کوئی پیغام ملا ہے... جس کی وجہ سے جلدی کر رہے ہیں... لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم ابھی جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"وہ کیوں؟"

"ہمارے دو ساتھی ایک ضروری کام گئے ہیں... وہ کسی وقت بھی واپس آنے والے ہیں... اس لیے تھوڑی دیر رکنا ہو گا۔"

"لیکن وہ لوگ اب مزید ٹھہرنے پر تیار نہیں۔" نیازی صاحب بولے...

"کیا چند منٹ کے لیے بھی نہیں؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"جی نہیں... وہ تو پہلے ہی ہال میں پہنچ چکے ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"خیر... ہم خود ان سے بات کر لیتے ہیں۔"

"ضرور... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ اپنے کمرے بند کر کے نیچے اتر آئے...

"کہاں بیٹھی ہے... وشاس کی ٹیم۔"

"وہ رہی... نویں اور دسویں میز پہ۔"

انھوں نے دیکھا... وہ کل گیارہ آدمی تھے... ان میں سے چھ آدمی بوڑھے تھے اور باقی پانچ ادھیڑ عمر لیکن صحت کے لحاظ سے وہ بہت اچھے تھے... پوری طرح تندرست نظر آ رہے تھے... ان کی آنکھوں میں تیز چمک تھی... ایس پی اکرم خان نیازی کو دیکھ کر وہ چونکے اور پھر ان کی نظریں ان پر جم گئیں... جونھی وہ نزدیک پہنچے... لمبے قد والے وشاس نے کہا:

"تو یہ ہیں وہ لوگ... جو ہمارے ساتھ جائیں گے۔"

"جی ہاں! لیکن یہ ایک رسمی سی کارروائی ہو گی۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"ہاں ہاں... ہم سمجھتے ہیں... تو کیا... اب آپ لوگ تیار ہیں چلنے کے لیے۔"

"آپ کو پندرہ بیس منٹ کے لیے انتظار کرنا ہو گا۔"

"اُف... پندرہ بیس منٹ... ہمارا تو ایک ایک لمحہ قیمتی ہے جناب... آپ نہیں جانتے... ہم کس قدر مصروف لوگ ہیں..."

"دراصل ہمارے دو ساتھیوں کو اچانک ایک کام جانا

پڑا... بس وہ آتے ہی ہوں گے۔"

"خیر... ہم پندرہ منٹ انتظار کر لیتے ہیں... لیکن اس سے زیادہ نہیں۔" شونڈر نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ... ہم بھی ہال میں ہی بیٹھ جاتے ہیں... تاکہ جونھی وہ آئیں... ہم روانہ ہو جائیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا..." شونڈر نے مطمئن ہو کر کہا۔

وہ نزدیک والی میزوں پر بیٹھ گئے... اور پھر پندرہ منٹ بھی گزر گئے... محمود اور آصف کا اب بھی دور دور پتا نہ تھا:

"کارنامہ دکھائے بغیر اور وہ آ جائیں... ہو ہی نہیں سکتا۔" فرزانہ نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خیر جناب ہم ان کے لیے پیغام چھوڑ جاتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن... میرا خیال ہے... میں انھیں کچھ دیر کے لیے روک سکتا ہوں..." اچانک انسپکٹر کامران مرزا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"جی کیا مطلب..." سب نے چونک کر کہا۔

"کہو جناب... اب کیا خیال ہے... آپ کے پندرہ منٹ تو گزر چکے ہیں۔" شونڈر نے ان کی طرف منہ کر کے قدرے

تیز آواز میں کہا۔

"جی ہاں کیوں نہیں ... ہم کامران کے لیے پیغام چھوڑ جاتے ہیں ... کیا خیال ہے آپ لوگوں ..." یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا اٹھ کر ان کے نزدیک چلے گئے۔

"بالکل ٹھیک۔" شونٹڈر بولا۔

"لیکن یہاں سے جانے سے پہلے ہم ایک اطمینان کرنا چاہیں گے۔"

"اطمینان ... کیا مطلب۔"

"آپ کل گیارہ آدمی اپنے ملک سے روانہ ہوئے تھے"

"ہاں اور ہم گیارہ ہی ہیں ... آپ کی حکومت کے ریکارڈ پر بھی یہ چیز موجود ہے ... میرا خیال ہے، آپ ہمیں کسی نہ کسی طرح یہاں روک کے رکھنا چاہتے ہیں ... تاکہ آپ کے ساتھی آ جائیں ... لیکن میرا خیال ہے، اس کی ضرورت نہیں ... آپ اب چلیں اور ان کے لیے پیغام چھوڑ دیں ... ادھر ادھر کی باتیں نہ کریں۔" شونٹڈر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"ہم ادھر ادھر کی باتیں آپ سے تو ہرگز نہیں کر سکتے، ہاں ... آپس میں ضرور کرتے رہتے ہیں ..." آفتاب نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"یہ ادھر ادھر کی بات نہیں ہے تو اور کیا ہے، ہم گیارہ افراد اپنے ملک سے چلے تھے اور گیارہ ہی اس وقت بھی موجود ہیں۔ آخر یہ سوال اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہاں! بتایئے ... کیا ضرورت ہے ..." ان میں سے ایک نے چلّا کر کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اس سے پوچھا۔

"میرا نام ... لیجیے ... اب انھیں میرے نام کی ضرورت پیش آ گئی۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ بتا دیں نا۔" فرحت بولی۔

"میں قادیاف ہوں۔" اس نے جھلّا کر کہا۔

"شکریہ ... مسٹر قادیاف ... آپ کے تمام ساتھی ونٹاسی ہیں ... آپ کو بھی اس لحاظ سے ونٹاس کا ہی ہونا چاہیے ... یا پھر شونٹڈر یہ کہہ دیں کہ ان کی ٹیم کا ایک فرد ایسا بھی ہے ... جو ان کے ملک کا نہیں ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے اور ان کے ساتھیوں کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

"کیا مطلب ..." شونٹڈر نے چونک کر کہا ... ساتھ ہی قادیاف کے چہرے پر بلا کی حیرت نظر آنے لگی ...

"خبردار مسٹر قادیاف... آپ کوئی حرکت نہیں کریں گے... بس
چپ چاپ بیٹھے رہیں... آپ کے دونوں ہاتھ میز پر
ہی رہیں..." انسپکٹر جمشید گرجے... اور قادیاف سہم گیا...
"مسٹر شونڈر... ہال میں بیٹھ کر ان کے خلاف کارروائی
مناسب نہیں ہو گا... اور پھر آپ کا وقت بھی بہت
قیمتی ہے... اب آپ فرمائیں... کیا کیا جائے۔"
"اس... اس کو... اوپر لے چلتے ہیں۔" شونڈر نے
پریشان ہو کر کہا۔
"لیکن... آپ کے وقت کا کیا بنے گا۔"
"جہنم میں گیا وقت... پہلے اس کے بارے میں
تحقیق ہو گی۔"
"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے..." انسپکٹر کامران مرزا
مسکرائے۔
"اوہو... میں غلط کہہ رہا تھا... سمجھے آپ... بس
اب اٹھ چلیے۔"
"تو پھر ایسے نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر
اچانک انھوں نے پستول نکال لیا... پستول انھوں نے
قادیاف کے پہلو سے لگا دیا...
"چلو مسٹر اوپر... کوئی حرکت کی نہیں اور گولی جسم

بار ہوئی نہیں۔"
اب سارا ہال ان کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے
رہا تھا... آخر وہ اوپر آ گئے... ایس پی اکرم خان
کا حال بہت برا تھا... حیرت اور پریشانی نے
گھیر رکھا تھا۔
کمرے کا دروازہ بند کر لیا گیا اور قادیاف کی تلاشی
گئی... پستول اور دوسری چیزیں قبضے میں لینے کے بعد
کامران مرزا بولے۔
"ہاں مسٹر... اب اگل دو... تم کون ہو اور ان میں
طرح داخل ہوئے ہو... اصلی مسٹر قادیاف کہاں ہیں،
کا کیا بنا۔"
نے اسے مار ڈالا۔" وہ بولا۔
"اوہ..." ان کے منہ سے نکلا۔
"پھر اس کا میک اپ کر کے میں ان میں شامل ہو گیا۔"
"چلو... یہ بات گئی ہو... یہ بتاؤ... تم ہو کون؟"
"میں... میں ہر برٹ ہوں۔" اس نے کہا۔
"کیا مطلب... کیا تم انشارجہ کے باشندے ہو؟" انسپکٹر
جمشید دھک سے رہ گئے۔
"ہاں! یہی بات ہے... میں انشارجہ کا رہنے والا

"میں سمجھ گیا... مسٹر ہربرٹ... تم دراصل ونٹاس میں رہ کر انشارجہ کے لیے کام کر رہے ہو... یہی بات ہے نا۔"

"ہاں!" وہ بولا۔

"لیکن تم نے یہ کام کیوں کیا۔"

"مجھے یہی حکم دیا گیا تھا... ہمارے ملک کی ٹیم اس چٹان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ کر سکی تھی... جب یہ بات سامنے آئی کہ ونٹاس کی ایک ٹیم بھی چٹان کے معائنے کا ارادہ رکھتی ہے تو مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس ٹیم میں شامل ہو جاؤں... چنانچہ میں نے اپنا کام شروع کر دیا... بہت مشکل سے میں اس بات کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوا کہ کون کون ٹیم میں شامل ہو رہا ہے۔ قادیاف کا قد و قامت اور رنگ و روپ قریباً مجھ جیسا تھا... میں اس کا میک اپ آسانی سے کر سکتا تھا، لہٰذا میں نے اس پر ہاتھ صاف کر دیا۔"

یہاں تک کہہ کر ہربرٹ خاموش ہو گیا... کمرے میں چند لمحے تک موت کا سناٹا طاری رہا... آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے... آپ لوگ گیارھواں آدمی اپنے ملک سے بلوائیں گے یا دس آدمی

معائنہ کے لیے جائیں گے۔"

"ہم دس ہی کافی ہیں۔"

"تو پھر ہم مسٹر ہربرٹ کو اکرم نیازی صاحب کے حوالے کر دیتے ہیں... واپسی پر ان کا معاملہ عدالت میں پیش کریں گے۔"

"نہیں... یہ ہمارے ملک کا مجرم ہے... اسے آپ ہماری حکومت کے حوالے کر دیں۔" شونڈر نے کہا۔

"یہ ایک الجھا ہوا معاملہ ہے... تینوں حکومتیں آپس میں بات کر کے ہی اس معاملے کو طے کر سکتی ہیں... ہمارا کام کچھ نہیں ہے... لہٰذا اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

ہربرٹ کو حوالات بھیج دیا گیا... اب وہ چٹان کی طرف جانے کے لیے ہوٹل سے نکلے... آصف اور محمود کا اب بھی دور دور تک پتا نہیں تھا... ان کے ذہنوں پر ڈر سوار ہو گیا، لیکن کر ہی کیا سکتے تھے... اب تو بات دیر ہو چکی تھی... ونٹاس کی ٹیم کو مزید نہیں روک سکتے تھے...

دونوں ٹیمیں چٹان کے پاس پہنچیں تو سورج غروب ہو رہا تھا... جلدی جلدی خیمے لگائے گئے... کچھ دیر آرام کیا گیا اور پھر ونٹاس کی ٹیم نے آلات سنبھال لیے۔

"پروفیسر صاحبان.... آپ لوگ ان کے ساتھ رہیں... ہم چاروں طرف کھڑے رہ کر نگرانی کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن یہ ہمیں ساتھ نہیں رکھیں گے۔"

"یہ ملک ہمارا ہے... اعتراض کس طرح کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہوں... ٹھیک ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

تینوں شونڈر کے قریب چلے گئے۔ باقی لوگ دور کھڑے رہے... شونڈر نے سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا اور بولا:

"ہاں! کیا بات ہے۔"

"ہم آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔"

"کیوں!" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"ہم اپنے ملک کے سائنس دان ہیں... اور آپ لوگوں کی طرح ہم بھی اس چٹان کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہیں۔"

"میرا خیال ہے... آپ لوگ اپنے طور پر اس کا معائنہ کرتے رہیے گا... ہمیں الگ اپنا کام کرنے دیں۔"

"نہیں جناب... ہم آپ کے ساتھ رہیں گے۔" پروفیسر

ی بولے۔

"افسوس... آپ تو قدم قدم پر ہمارے لیے مشکلات کر رہے ہیں۔"

"ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔" پروفیسر عقلان بولے۔

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر ڈر نے کہا:

"جیسے آپ کی مرضی۔"

اور انھوں نے معائنہ شروع کیا... لیکن یہ کام ان کے لیے بہت اکتا دینے والا تھا... لہٰذا وہ ایک ے کی طرف سمٹنے لگے...

"نہیں... وہ دونوں ہیرو کہاں رہ گئے۔" فرزانہ ائی۔

"کہیں نہ کہیں تو ضرور ہوں گے۔" آفتاب بولا۔

"سنا ہے فرزانہ... تم نے اس چٹان کے نزدیک پہنچنے کہا تھا کہ یہ چٹان ہرگز نہیں ہے۔" فرحت بولی۔

"ہاں کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"ضرور کہو... کاٹ کھانے کو تو نہ دوڑو۔" فرحت نے گھبرا کہا۔

"میں تو اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں... اور تم دوڑنے

کی بات کر رہی ہو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"یہ صرف دوڑنے کی نہیں... کاٹ کھانے کو دوڑنے کی بات کر رہی ہیں۔" مکھن بولا۔

"ہوا ہی مینڈکی کو بھی زکام۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ہم... مینڈک کہیے... مینڈکی تو آپ ہو سکتی ہیں۔" مکھن بولا۔

آفتاب اور فاروق کھی کھی کرنے لگے...

"مجھے... کوئی آتا نظر آ رہا ہے..." خان رحمان نے دور دیکھتے ہوئے کہا۔

"تب پھر یہ محمود اور آصف ہوں گے... ان کے سوا اس طرف کون آئے گا۔"

ان کی نظریں اس طرف جم گئیں... جلد ہی انھوں نے محسوس کر لیا کہ آنے والے دو نہیں ہیں... صرف ایک آدمی چلا آ رہا تھا... اور اس کے قدو قامت کی بنا پر بھی کہا جا سکتا تھا کہ وہ آصف یا محمود نہیں ہو سکتا...

"یہ تو کوئی اور ہی ہے۔"

"تب تو ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ انھوں نے پستول نکال لیے... آنے والا نزدیک

...ان کے ہاتھوں ہی پستول دیکھ کر بھی اس نے اپنے
نہ روکے اور بدستور آگے بڑھتا رہا...

"بس بھئی... اب رک جاؤ..." انسپکٹر جمشید نے پستول
ے ہاتھ کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

"یں رکنے کے لیے نہیں آیا۔" اس نے عجیب سے
یں کہا... اور ان کی طرف بڑھنے لگا:

اب تو مارے حیرت کے ان کا برا حال ہو گیا...

چٹان کی چوری

دونوں کمرے کے فرش پر گرے... مارکوف ان کے نیچے دبنے سے پہلے ہی اپنی جگہ سے چھلانگ لگا چکا تھا اور چھلانگ لگانے کے سلسلے میں اس نے کسی قسم کی گھبراہٹ کا مظاہرہ بھی نہیں کیا تھا... بس بہت اطمینان سے ایک طرف سرک گیا تھا... دونوں حیرت زدہ سے اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس کی طرف مڑے:

"اب کیا خیال ہے دوستو!"

"یہ بات ہم جان گئے ہیں کہ آپ عام آدمی نہیں ہیں۔"

"چلو خیر... خاص سمجھنے کا شکریہ۔" مارکوف نے کہا۔

"خیر... ہم نے ابھی ہار نہیں مانی... لیجیے... ہمارا دوسرا وار سنبھالیے۔"

"ضرور ضرور کیوں نہیں... لیکن ایک بات ذہن میں رکھیں۔" مارکوف بولا۔

"وہ کیا۔"

"یہ کہ آپ دونوں کا یہاں سے زندہ سلامت جانا میرے لیے مصیبت بن جائے گا... پھر میں یہاں نہیں رہ سکوں گا... مجھے خود کو بھی چھپانا ہو گا اور مکان بھی نیا لینا ہو گا... اس لیے اب میں یہی چاہوں گا کہ آپ کو واپس نہ جانے دوں۔"

"کیا مطلب... کیا آپ ہمیں ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔"

"مجبوری ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب ہمیں زندگی اور موت کی جنگ لڑنا پڑے گی۔"

"ہاں! میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"اللہ مالک ہے... زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے... اگر ہمارا وقت آ چکا ہے تو کوئی بھی نہیں روک سکتا... اور اگر ابھی نہیں آیا تو آپ کی یہ کوشش بے کار جائے گی۔"

"آج تک میری ایک بھی کوشش بے کار نہیں گئی..."

"یہ میرا ریکارڈ ہے۔" مارکوف نے فخر سے کہا۔

اس کے ساتھ ہی محمود اور آصف مارکوف کی طرف بڑھنے لگے... پھر اچانک محمود رک گیا:

"کیا ہوا؟" آصف بولا۔

"ہوا کیا... موت سے ڈر گئے۔" مارکوف ہنسا۔

"نہیں... میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہیے... میں سن رہا ہوں۔"

"آپ کو یقین ہے... کہ آپ کی یہ کوشش بھی بے کار نہیں جائے گی۔"

"ہاں! سو فیصد۔"

"یعنی... آپ ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"بالکل!" اس نے فوراً کہا۔

"تب پھر آپ ہمیں یہ کیوں نہیں بتا دیتے کہ آپ کیا پیغام دے کر آئے ہیں، اس کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ آپ کو اپنے اوپر اعتماد نہیں اور آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم دونوں یہاں سے بچ کر نکل جائیں گے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں! یہ بات نہیں۔" اس نے پُر زور لہجے میں کہا۔

"تو پھر بتائیں... وہ پیغام کیا تھا۔"

"افسوس... ہمیں ایک وعدہ کرنا پڑتا ہے... ایک حلف دیا ہے کہ راز کسی صورت بھی نہیں بتایا جائے گا۔"

"شکریہ... یہاں صورتِ حال مختلف ہے... آپ کو سو فیصد یقین ہے کہ ہم آپ کے ہاتھوں مارے جائیں گے، پھر بتا دینے سے راز کیسے کسی کو معلوم ہو سکے گا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" مارکوف مسکرایا۔

"اوہ! یہ تو آپ نے ہماری والی بات کہہ دی۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کے والی... کیا مطلب؟"

"اب یہ مطلب آپ کو کس کس بات کا بتائیں گے، آپ اپنا کام کیجیے... ہم اپنا..."

"میرا کام تو بس اتنا ہے کہ آپ دونوں کو اگلی دنیا میں چلتا کر دوں... اور آپ کا کام کیا ہے؟" اس نے ہنس کر پوچھا۔

"صرف اتنا کہ آپ سے وہ راز معلوم کر لیں اور یہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جائیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے... کوشش کر دیکھو۔"

"جس طرح آپ کو سو فی صد یقین ہے کہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے... اسی طرح ہمیں بھی سو فی صد یقین ہے... ہم آپ سے راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ارے میاں جانیے... بہت دیکھے ہیں آپ جیسے" اس نے بھنا کر کہا۔

"اچھا تو پھر اب ہمارا کمال دیکھیے... آصف... ترکیب نمبر گیارہ۔"

"اس سے پہلے جو ترکیبیں اختیار کی ہیں... ان کے نمبر کیا تھے۔" اس نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

"وہ ترکیبیں بے نمبری تھیں۔"

"خیر... ترکیب نمبر گیارہ کو بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

آصف اچھل کر کمرے کے ایک طرف کھڑا ہو گیا... محمود دوسری طرف چلا گیا...

"اس سے پہلے ہم دونوں ایک ساتھ ایک طرف سے حملہ کرتے رہے ہیں... اب ہم ایک ساتھ حملہ ضرور کریں گے... لیکن مختلف سمتوں سے۔"

"آؤ... آؤ۔" اس نے للکارا۔

محمود نے مارکوف کی طرف چھلانگ لگائی... لیکن اس

نے چال چلی تھی... محسوس یہی ہوا تھا... جیسے وہ چھلانگ لگا چکا ہے... لیکن اس نے گویا اپنی چھلانگ کا گلا گھونٹ لیا تھا... وہ درمیان میں ہی رہ گئی...

ادھر مارکوف حرکت میں آ چکا تھا... لہٰذا اس کا اندازہ غلط ہو گیا... اور یہ موقع تھا آصف کے لیے... آصف نے ٹھیک اس جگہ چھلانگ لگائی جس جگہ مارکوف کودا تھا، وہ عین اس کے اوپر گرا... دونوں فرش پر ڈھیر ہو گئے...

آصف نے فوراً اپنے بازو اس کی گردن پر جما دیے... ادھر محمود لپکا اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں... اب اس کے صرف ہاتھ آزاد تھے... ادھر گردن پر دباؤ پڑ رہا تھا... اس کے دونوں ہاتھ آصف کے ہاتھوں پر جم گئے... اور انھیں گردن پر سے ہٹانے کے لیے زور لگانے لگا... آصف بھی اپنا پورا زور بازوؤں میں لے آیا، مارکوف نے دوسری کوشش یہ کی کہ محمود کی گرفت سے اپنی ٹانگیں چھڑانے کی کوشش کی... کیوں کہ پیروں سے کام لے کر وہ آصف پر وار کر سکتا تھا... پیروں پر کھڑا ہو جاتا اور اپنی کمر دیوار سے ٹکرا دیتا... اس طرح آصف دیوار کے اور اس کے درمیان پس جاتا... لیکن محمود بھی

یہ بات جانتا تھا اور اس لیے اس نے اس کے ہاتھوں
کی بجائے ٹانگوں کی طرف توجہ دی... جب ٹانگیں چھوڑنے
کی کوشش بھی بے کار گئی تو اس نے تیسرا وار کیا اور
وہ یہ تھا کہ اپنی دو کہنیاں آصف کی پسلیوں میں
دے ماریں...

"اُف... مرا" آصف نے بے چین ہو کر کہا۔

"آصف... مرنا تو ویسے بھی پڑے گا... بس اس کی
گردن نہ چھوڑنا۔"

"فکر نہ کرو... چاہے کچھ ہو جائے... میں اس کی
گردن نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ سنتے ہی مارکوف نے پھر دونوں کہنیاں اس
کی پسلیوں میں دے ماریں... آصف بلبلا اٹھا... اس کا چہرہ
تاریک ہوتا نظر آیا... پھر اس کے منہ سے پھنسی پھنسی
آواز نکلی...

"محمود... کہنیوں کی چوٹ بہت زبردست ہے... شاید
میں زیادہ دیر تک نہ ٹکا سکوں۔"

"نہیں... آصف... اچھا ٹھہرو... ایک ترکیب ذہن میں
آئی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے مارکوف کی دونوں ٹانگیں ایک

ہاتھ میں جکڑ لیں... اور اپنے پیٹ سے بھی اس سلسلے
میں مدد لی... دوسرا ہاتھ آزاد ہوتے ہی جوتے کی طرف
گیا... اور ایڑی میں سے چاقو نکل آیا... بٹن دباتے
ہی چاقو کا پھل نکل آیا... اس ننھے سے چاقو کو مارکوف
نے خوف کے عالم میں دیکھا... اسی وقت چاقو اس کی
ایک پنڈلی میں اتر گیا...

گرم گرم خون محمود کے ہاتھوں کو سرخ کرنے
لگا...

"ایک سوراخ دوسری پنڈلی میں بھی" آصف چلایا...
کیوں کہ کہنیوں کے وار برابر ہو رہے تھے...

"ہاں کیوں نہیں آصف... مجھے تمہاری پسلیوں کی
طرف سے بہت فکر لاحق ہو گیا ہے" محمود نے کہا...
چاقو نکالا اور اس کی دوسری پنڈلی میں اتار دیا۔

مارکوف کے منہ سے آواز نہ نکلی... وہ اب بھی
کہنیوں کے وار کر رہا تھا... اچانک اس نے کمزور آواز
میں اتنا کہا...

"تمہاری ترکیب نمبر گیارہ مجھے لے بیٹھی... افسوس۔"

اور پھر اس کی کہنیاں رک گئیں... اس پر بے
ہوشی طاری ہونے لگی...

"مسٹر مارکوف... بے ہوش ہونے سے پہلے راز بتا دو" آصف بولا۔

"را... را... راز" اس نے مشکل سے کہا۔

"نہیں... صرف راز" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاں... ٹھیک ہے... آپ جیت گئے ہیں... مجھے راز بتا ہی دینا چاہیے... سنیے... مجھے میری حکومت کی طرف ایک اطلاع دی تھی... کہ ایسے ایسے ایک ٹیم روانہ کی جا رہی ہے... اس کو ہر قسم کی سازش سے بچانا... چنانچہ میں اس ٹیم کی خفیہ طور پر نگرانی کرتا رہا... ٹیم کو معلوم نہیں تھا کہ ان کا کوئی آدمی ان کی نگرانی کر رہا ہے... چنانچہ..."

وہ کہتے کہتے رک گیا... آنکھیں بار بار جھپک رہا تھا...

"ہاں ہاں... کہیے... آپ رک کیوں گئے۔"

"ہم... مجھے یاد آ گیا... مجھے آپ کو کوئی بات نہیں بتانی چاہیے۔"

"کیا بات کرتے ہیں... آپ ہار گئے ہیں بھئی۔" آصف نے کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے... لیکن ہارنا اور بات ہے، بتانا اور... میں نہیں بتاؤں گا۔"

"چلو بھئی محمود... اپنی چاقو پھر آزماؤ۔"

"ن... نہیں... نہیں۔" وہ چلا اٹھا۔

"تو پھر بتائیں نا۔"

"ک... کیا بتاؤں... مجھے کچھ نہیں سجھائی دے رہا۔"

"ل... لیکن... ہم نے آپ کی آنکھوں پر تو کوئی نہیں کیا۔" محمود گھبرا گیا۔

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا... مرتا مر جاؤں گا۔" اس نے

"بھئی آصف... یہ حضرت اس طرح نہیں بتائیں گے... اب ۱۰۹ استعمال کرنا پڑے گی۔"

"ترکیب نمبر ۱۰۹... ابھی تو آپ نے ترکیب نمبر گیارہ تھا... گیارہ میں اور ۱۰۹ میں تو بہت فرق ہے، کتنی ترکیبیں آتی ہیں آپ کو۔"

"بس دیکھتے جائیے"

محمود نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ریشم کی ڈوری نکال کر اس کے ہاتھ پیر باندھنے لگا:

"یہ... یہ کیا بھئی..." مارکوف نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ... ترکیب شروع ہو رہی ہے۔"

اس کے ہاتھ پیر باندھنے کے بعد آصف اندرونی کمرے میں گیا اور ایک ڈبا اٹھا لایا:

"ارے... ارے... یہ کیا... اس میں تو نمک ہے۔"

"ہاں! ہم آپ کے نمکوں پر زخم چھڑکنا چاہتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو بھئی... نمکوں پر زخم۔" آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"اوہ نہیں... زخموں پر نمک۔"

"ارے... خبردار... یہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔" مارکوف چلایا۔

"ہمیں بھی یہ بات معلوم ہے... اس لیے تو نمک کا ڈبا اٹھا کر لایا ہوں۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں نہیں... تم ایسا نہیں کر سکتے۔" مارکوف کے چہرے پر اب گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

"سوال تو یہی ہے... کہ کیوں نہیں کر سکتے؟"

"یہ ظلم ہو گا۔"

"اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تم جو ہمیں جان سے مار ڈالنے پر تل گئے تھے... بلکہ ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے لیے بھی تیار تھے... کیا یہ ظلم نہ ہوتا؟"

"جان سے مار ڈالنا کوئی ظلم نہیں... زخموں پر

نمک چھڑکنا ضرور ظلم ہے۔"

"لیکن بھئی... ہم محاورۃً نہیں... حقیقت میں نمک چھڑکنے والے ہیں۔" آصف نے اس طرح کہا جیسے ظلم نہ ہو۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں... اسی کو تو ظلم کہا ہے میں نے۔" وہ جل گیا۔

"آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے بھئی... اس وقت مرضی ہماری چلے گی۔" محمود مسکرایا۔

"اگر تم نے ایسا کیا تو نتیجے کے ذمے دار بھی خود ہو گے۔" وہ غرایا۔

"تو پہلے کون سا نتیجے کے ذمے دار آپ تھے۔" آصف نے منہ بنایا۔

اور پھر اس نے ڈبا کھول ڈالا، مارکوف کا رنگ اڑ گیا۔

"خیر تو ہے... آپ تو نمک کو دیکھ کر سفید پڑ گئے... یہ وہی نمک ہے... جس کو ہم کھاتے ہیں۔"

"آپ... آپ نہیں جانتے... اس طرح کتنی تکلیف ہوتی ہے۔"

"ایک بار میری انگلی کٹ گئی تھی... اتفاق سے کٹی

ہوئی انگلی نمک کے ڈبے میں چلی گئی... اس لیے آپ یہ بات بھی نہیں کہہ سکتے... میں اچھی طرح واقف ہوں۔"

"اور اس کے باوجود آپ میرے ساتھ یہ سلوک کریں گے؟"

"کیا کیا جائے... مجبوری ہے... آپ ہمیں وہ راز بتا دیں جو آپ مسٹر شونٹڈر کو بتانے آئے ہیں... ہم نمک کا ڈبا باہر پھینک دیتے ہیں۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"اور کیا... اسی کو تو کہتے ہیں... اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے۔" آصف بولا۔

"پتا نہیں... اسی کو کہتے ہیں یا کسی اور کو... ہم تو صرف یہ بات جانتے ہیں کہ مسٹر مارکوف ایک راز جانتے ہیں... اور اس راز کی ہمیں بھی ضرورت ہے۔"

"نہیں! میں نہیں بتاؤں گا... تم چاہے کچھ بھی کر لو... مارکوف نے بھنا کر کہا۔

"ہم بے چارے کیا کریں گے... بس ذرا نمکوں... نہیں زخموں پر نمک ہی چھڑکیں گے... اور ان شاءاللہ آپ فر فر بول اٹھیں گے۔"

"تم میرے انتقام کو آواز دے رہے ہو۔"

"نن... نہیں... تو... ہم تو جب سے یہاں آئے ہیں، کسی کو بھی آواز نہیں دی۔" محمود گھبرا گیا۔

"یہ حضرت ہمارا وقت ضائع کرنے کے چکر میں ہیں۔" آصف نے محمود کو گویا خبردار کیا۔

"ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"چلو شکر ہے... تم کچھ اور نہیں سوچ رہے... اب مہربانی فرما کر نمک کا استعمال شروع کرو۔"

آصف نے چٹکی میں نمک لیا اور اس کے زخم پر چھڑک دیا... مارکوف زور سے تڑپا... اس کے منہ سے چیخیں نکل گئیں...

"اب کیا خیال ہے مسٹر مارکوف؟"

"ہرگز نہیں بتاؤں گا۔"

"اور نمک چھڑکو۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"ہاں! کیوں نہیں... جتنا ہے... ایک بار ہی چھڑک دو..." مارکوف نے چلا کر کہا۔

"اب ہم اتنے بھی بے وقوف نہیں مسٹر مارکوف۔" محمود مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" مارکوف نے چونک کر پوچھا۔

"ایک ہی بار نمک چھڑک دیا تو آپ کو بس ایک

ہی بار تکلیف ہو گی... اور آپ پھر اڑ جائیں گے... ہم
نمک چٹکی چٹکی کر کے چھڑکیں گے... تاکہ آپ یہ
سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ راز بتا ہی دینا چاہیے۔"
"ہرگز نہیں... یہ تو نہیں ہو گا۔"
"دیکھا جائے گا... چلو آصف... اپنا کام شروع کرو،
اور مسلسل جاری رکھو..."
"بہت بہتر!" آصف نے دانت نکال دیے:
اور پھر چٹکی پر چٹکی چھڑکتا چلا گیا... نمک
کی ہر چٹکی پر مارکوف کا جسم تن جاتا... اس نے ہونٹ
مضبوطی سے بھینچ لیے تھے... لیکن پھر اچانک اس
کے ہونٹ کھل گئے... وہ چلا اٹھا:
"بس کرو ظالمو... میں بتاتا ہوں۔"
"ہم نے کچی گولیاں نہیں کھیلی رکھیں مسٹر مارکوف..."
محمود نے شوخ انداز میں مسکرایا۔
"کیا مطلب...؟" وہ چونکا۔
"پھر ہاتھ نہیں روکیں گے... راز بتانا ہے تو اسی
حالت میں بتاؤ... ہاں... جونہی آپ نے راز بتایا، ہمارے
ہاتھ خود بخود رک جائیں گے۔" آصف نے جلدی جلدی
کہا۔

"ٹھیک ہے... اب راز سن لو... میں نے یہ بات محسوس
کی تھی کہ ونٹاس کی ٹیم کی نگرانی بہت زبردست طریقے
سے ہو رہی ہے... حالانکہ اس کی نگرانی کرنے کی
کوئی ضرورت نہیں تھی... وہ صرف ایک چٹان کا ہی تو
جائزہ لینے کے لیے یہاں آئی تھی، یہ بات مجھے عجیب
لگی... اور میں مسٹر شونڈر کو بتانے چلا گیا۔"
"تو یہ تھا وہ راز۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔
"ہاں!" اس نے کہا۔
"آصف! دس مرتبہ وہ چٹکیاں بھر کر زخم کے اندر
رکھ دو۔" محمود غرایا۔
"کک... کیا مطلب... اب کیا ہوا۔" مارکوف گھبرا گیا۔
"کچھ ہوا ہوتا تو میں ہرگز یہ بات نہ کہتا... مشکل
تو یہی ہے کہ کچھ ہوا نہیں۔" محمود بولا۔
"پتا نہیں... کیا کہہ رہے ہیں۔"
"بھائی مارکوف... سنو... پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم
اتنے بیوقوف نہیں، جتنے آپ سمجھ رہے ہیں...
دوسری بات یہ کہ اگر راز صرف اتنا ہوتا تو آپ کبھی بھی
اتنی تکلیف نہ اٹھاتے... پہلے ہی بتا دیتے...

لہٰذا میں سو فی صد یقین سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے جو راز بتایا ہے... وہ دراصل نقلی راز ہے... اصلی نہیں... جب کہ ہمیں ضرورت ہے اصلی راز کی..."

"تو آپ کا خیال ہے... میں نے اصل بات چھپا لی ہے۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"ہاں بالکل... ہمیں اس میں ایک فی صد بھی شک نہیں ہے۔"

"بہت سخت لوگ ہو تم... اگر مجھے معلوم ہوتا تو کبھی اپنے ساتھ نہ لاتا۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"یہ تو خیر ہے... لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں.... دین، ملک اور قوم کے معاملے میں سخت ہونا ہی پڑتا ہے۔"

"خیر... میں اب واقعی اصلی راز بتانے جا رہا ہوں... غور سے سن لیں... اور اگر یہ راز بھی آپ کو اصلی راز محسوس نہ ہو تو پھر میں کوئی تیسرا راز نہیں بتا سکوں گا۔"

"چلیے خیر... پہلے دوسرا راز تو بتائیں۔" محمود مسکرایا۔

"انشارجہ کے ایجنٹ اس چٹان کو چرانے کی سازش تیار کر چکے ہیں۔"

"کیا کہا..." ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا... منہ مارے حیرت کے کھل گئے... آنکھیں پھیل گئیں...

"ہاں... چٹان کی چوری کا منصوبہ تیار کیا جا چکا ہے۔"

"نن... نہیں۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

لیکن کی ٹانگ

"ٹھہرو مسٹر... تم جو کوئی بھی ہو... ہم فائر کر دیں گے"
انسپکٹر کامران مرزا غرائے۔

"ارے... تو روکا کس نے ہے... کر دیں فائر۔" آنے والے نے مسکرا کر کہا۔

انھوں نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا:

"اب کیا کیا جائے... یہ تو رک ہی نہیں رہا۔"

"ر... رک جاؤ بھائی... رک جاؤ..." شوکی نے منت کرنے والے انداز میں کہا۔

"نہیں رک سکتا نا.... چٹان مجھے بلا رہی ہے۔"

"کیا کہا... چٹان بلا رہی ہے... ارے میاں جاؤ... چٹان بھی بھلا بلا سکتی ہے... اسے کیا پڑی کہ تم جیسے بیکار آدمی کو بلائے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں... وہ دیکھیے... وہ... مجھے... بلا رہی ہے... میں...
ں نہیں سکتا... چاہے مجھ پر گولیاں برسائیں... توپیں چلائیں،
برسائیں... میں پھر بھی نہیں رکوں۔"

"ہمیں اتنا کچھ کرنے کی ضرورت نہیں... ہمارا دماغ نہیں
ل گیا کہ تمھارے لیے یہ سب کچھ کریں... ہم میں سے
کوئی ایک تمھیں آگے بڑھنے سے روک سکتا ہے۔"

"تو پھر روک کر دیکھ لیں۔" اس نے بدستور آگے بڑھتے
ئے کہا... اب وہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تھا...

"م... میں اسے روکوں گا۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"ضرور روکو... اس میں ہے ہی کیا۔" فاروق نے خوش
و کر کہا۔

"ل... لیکن..." شوکی ہکلایا۔

"لیکن کیا... کتنی بار کہا ہے... لیکن کی ٹانگ نہ اڑایا
رو۔" آفتاب جل گیا۔

"م... میں... کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس کے آگے بڑھنے
انداز بہت عجیب ہے... حد درجے بے خوف نظر آ
ہے... لہذا..."

"بس بس... اپنے لہذا کو بھی اپنے پاس رکھو اور منہ
بند رکھو... ہم بزدل نہیں ہیں... اور..." آفتاب اور

کچھ نہ کر سکا... اجنبی اس کے بالکل قریب آ چکا تھا۔

"آپ روکیں گے مجھے۔" وہ بولا۔

"ہاں... کیوں نہیں۔"

"تو پھر روک لیں... ورنہ میں چٹان کی طرف بڑھ جاؤں گا۔"

آفتاب چھلانگ لگا کر اس کے راستے میں آ گیا۔ اس نے ذرا بھی رکنے کی کوشش نہیں کی... نہ وہ گھبرایا۔ اب تو آفتاب سے رہا نہ گیا... اپنے دونوں ہاتھ پھیلانے کے سے انداز میں آگے بڑھا دیے... اجنبی نے ابھی کوئی حرکت نہ کی... پرسکون انداز میں قدم اٹھاتے... آفتاب نے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا... چاہتا یہ تھا کہ کلائی پکڑتے ہی اسے زبردست جھٹکا دے گا اور وہ منہ کے بل زمین پر چلا آئے گا... پھر اسے چھاپ بیٹھے گا... لیکن یہ ضروری نہیں کہ آدمی جو چاہے... وہ کر بھی سکے... اس نے ہاتھ کلائی پر ضرور ڈالا... لیکن جھٹکا دینے کی نوبت نہ آ سکی... کیوں کہ فوراً ہی اسے بجلی کا ایک شدید جھٹکا لگا اور وہ اس سے دور جا گرا!

"ہم... میں نے پہلے ہی کہا تھا۔"

"اس... اس کے جسم پر کوئی ایسی چیز ہے... کہ

...ہی بجلی کا جھٹکا لگتا ہے۔" آفتاب چلایا۔

"اوہ... تب ہمیں چھونے کی ضرورت ہی کیا ہے... ویسے بھی تو روک سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر خان رحمان نے اس کی ٹانگ پر گولی ماری... گولی ٹانگ پر ذرا اچٹ گئی... اچٹ کر سیدھی خان رحمان کی طرف آئی... لیکن انسپکٹر جمشید پہلے ہی خطرے کو بھانپ چکے تھے۔ انھوں نے فوراً انھیں دھکا دے دیا... گولی نکل گئی... خان رحمان بال بال بچے... ورنہ ان کی گولی انھی کو لگ جاتی...

"آئیے... آئیے... بھئی... گولیاں چلائیے... حملے کیجیے... رک کیوں گئے... روکتے کیوں نہیں۔" اجنبی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں کیوں نہیں... میں روکوں گا تمھیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"آپ روکیں گے مجھے... اس لڑکے کا انجام آپ نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔"

"دیکھ چکا ہوں۔"

"تو پھر آپ بھی اپنے دل کی حسرت پوری کر لیں۔" وہ کھلکھلایا۔

انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے... اچھل کر اس کے راستے
آ گئے... پھر جلدی سے زمین پر بیٹھ گئے۔

"یہ کیا... آپ نے تو پہلے ہی ہار مان لی..." اجنبی
ہنسا۔

"ایسی کوئی بات نہیں بھئی... ہار ماننا اور بے موت
جانا... ایک ہی بات ہے... اور میں بے موت مرنے کا
نہیں ہوں۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر بیٹھ کیوں گئے؟"

"میں تمھیں اور اپنے ساتھیوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں
کہ بعض اوقات آدمی کو اس طرح بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔"

"کس طرح... بیٹھ کر؟"

"نہیں... یہ دیکھو... میرے ہاتھوں کی طرف۔" انسپکٹر جمشید
نے شوخ آواز میں کہا۔

انھوں نے چونک کر ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھا
اور یہ دیکھ کر مسکرا دیے کہ انھوں نے اپنے دونوں جوتے
اب اپنے پیروں کی بجائے ہاتھوں میں پہن لیے تھے۔
جوتوں کے تلے ربڑ کے تھے... یہ دیکھ کر اجنبی کا رنگ

"کیوں بھئی... اب کیا... حواس باختہ کیوں ہو گئے؟"
فاروق طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ہم... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" وہ بولا۔

"تو اب سوچ لو... کوئی پابندی نہیں ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

اس نے ایک چھلانگ لگائی... اور جھکائی دے کر
ایک طرف نکل جانا چاہا، لیکن انسپکٹر جمشید پوری طرح چوکس
تھے... انھوں نے فوراً جوتے والا ہاتھ آگے کر دیا... اس
کا... جوتے سے ٹکرایا... وہ لڑکھڑا گیا... انسپکٹر جمشید
تھے... فوراً ہی دوسرا جوتا اس کے منہ پر رسید کر دیا۔
اس کے منہ سے چیخ نکلی اور دھڑام سے گرا... پھر ساکت

"ارے... بس بھئی... ایک ہاتھ ہی سہہ سکے۔" فاروق چہکا۔

"بے چارہ..." خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت بے چارے نے کروٹ لی اور آنکھ کھول
انسپکٹر جمشید فوراً چوکنے ہو گئے... لیکن اس کے
اب کوئی حرکت نظر نہ آئی... تاہم وہ آنکھیں
جھپک رہا تھا...

"میں اپنی ہار مانتا ہوں... لیکن میری درخواست ہے،
لوگ مجھے چٹان تک جانے دیں۔"

"لیکن کیوں... تمھارا چٹان سے آخر کیا رشتہ ہے؟"
نے جل کر کہا۔

"ہیں... میں اس چٹان کا لقمہ بن جانے کے لیے آیا ہوں۔"

"کیا کہا... چٹان کا لقمہ۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! چٹان کا لقمہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"تت... تو کیا یہ چٹان آدم خور ہے۔" شوکی نے کانپ کر کہا۔

"ہاں! یہ نام اس کے لیے ٹھیک ہے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"چلو مان لیا... چٹان آدم خور ہے... لیکن تم کیوں اس چٹان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو... چٹان تمھیں کیوں اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔"

"وہ کھینچے نہ کھینچے... مجھے جانا ہو گا۔" اس نے کہا۔

"آخر کیوں... ایسی کیا مجبوری ہے۔" آفتاب بولا۔

"اب میں کیا بتاؤں... چٹان بھوکی ہے... اسے میری ضرورت ہے... میں اس کی بھوک مٹا کر ہی قرار پا سکتا ہوں۔"

"بھائی کیوں... اِدھر اُدھر کی ہانک رہے ہو... یہ کوئی ہندوؤں کا دلیس نہیں ہے... جہاں پتھروں کی مورتیوں کے آگے انسانوں کو قربان کر دیا جاتا تھا۔"

"میں اس چٹان کا پجاری نہیں ہوں۔"

"اف... اب میں کیا کروں۔" فاروق گھبرا گیا۔

"کیوں... تمھیں کیا ہوا۔"

"پہلے ایک نام سامنے آیا آدم خور چٹان، دوسرا نام آیا، چٹان کا لقمہ، تیسرا نام جو لیا گیا وہ ہے بھوکی اور اب چوتھا نام چٹان کا پجاری... آخر میں کس کس کے بارے میں یہ کہوں... کہ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"اوہ... تو یہ بات ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"جج... جی ہاں... ہے تو یہی بات۔"

"میں بتاؤں فاروق۔" آفتاب بولا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"تم ناولوں کے ناموں کے چکر میں پڑتے ہی کیوں ہو... مصنف تو نہیں تم۔"

"بات تو یہ بھی ٹھیک ہے۔" فرحت بولی۔

"بات یہ نہیں... بات ہے... ان جملوں کی... جو میرے ہونٹوں پہ آ جاتے ہیں... ان کا کیا کروں۔"

"گگ... گلا گھونٹ دیا کریں ان کا۔" مکھن نے گڑبڑا کر کہا۔

"ارے... تم کون ہوتے ہو... یہ کہنے والے... میں

کیوں گلا گھونٹوں ان کا..." فاروق نے اسے گھورا۔

"ہم... میں نے تو بس ایک مشورہ دیا تھا، اس میں سیخ پا ہونے کی کیا بات ہے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"سیخ پا کیا۔" فاروق نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

"تمھاری اردو روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے فاروق۔" فرزانہ نے گویا اسے خبردار کیا۔

"اوہ... تو یہ وہ والا سیخ پا ہے... اب میں سمجھا... میں سمجھا تھا کسی پرندے کا نام ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اس سے ملتا جلتا ایک اور لفظ بھی ہوتا ہے... ہاں یاد آیا... چراغ پا۔"

"اس کا بھی قریب قریب وہی مطلب ہے... جو سیخ پا کا۔"

"شاید اردو کا پیریڈ شروع ہو گیا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ارے... ارے... وہ نکل گیا۔" فرزانہ پوری قوت سے چلائی۔

انھوں نے بوکھلا کر اجنبی کی طرف دیکھا... موقع پا کر وہ بھاگ نکلا تھا اور اب بلا کی رفتار سے چٹان سے ہر لمحے نزدیک ہوتا جا رہا تھا:

"نہیں... میں اسے چٹان کا لقمہ نہیں بننے دوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اس کے پیچھے ایک لمبی چھلانگ لگا دی... ادھر اتنی دیر میں وہ معائنہ ٹیم کے نزدیک پہنچ گیا تھا... وہ لوگ گھبرا گئے... اور ادھر ادھر ہٹ گئے... اسی وقت انسپکٹر جمشید اس کے سر پہ پہنچ گئے... اس کا انداز کچھ ایسا تھا... جیسے بے تحاشا انداز میں چٹان سے ٹکرانا چاہتا ہو... اسی وقت انھوں نے ایک چھلانگ اور لگائی اور اس کے اور چٹان کے درمیان میں آ گئے... لیکن اس ہنگامے میں وہ اپنے جوتے نہیں اٹھا سکے تھے... نہ ہی ابھی جوتے پہننے کی انھیں مہلت ملی تھی:

"جوتے... جوتے۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"جوتے... جوتے... جمشید... خیر تو ہے... تم ٹھیک تو ہو۔" پروفیسر داؤد گھبرا گئے... کیوں کہ انھیں اجنبی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

ان کی آواز آفتاب اور فاروق نے سن لی... دونوں نے ایک ایک جوتا اٹھایا... اور دوڑ لگا دی... ادھر اجنبی ان پہ چھلانگ لگانے کے لیے پر تول چکا تھا، اب مشکل یہ تھی کہ وہ اس کی چھلانگ سے بچنے کے لیے اس کے راستے سے نہیں ہٹ سکتے تھے...

کیوں کہ اگر وہ ہٹ جاتے تو وہ چٹان سے جا ٹکراتا... اور یہی وہ چاہتا تھا... جب کہ وہ اسے روک لینا چاہتے تھے اور اگر وہ خود کو بچانے کے لیے نہ ہٹتے تو انھیں بجلی کا جھٹکا برداشت کرنا پڑتا تھا... آفتاب پہلے ہی یہ جھٹکا کھا چکا تھا اور اس کی حالت خراب نہیں ہوئی تھی... اس لیے انھوں نے اپنی جگہ سے ہٹنے کی کوشش نہ کی... اجنبی ان پر آ رہا... انھوں نے دونوں ہاتھ اس کے سر پر دے مارے... بجلی کا جھٹکا انھیں لگا... وہ اچھل کر گرے... لیکن چوٹ سے وہ بھی نہ بچ سکا... دھپ سے گرا... اتنے میں آفتاب اور فاروق ان تک پہنچ گئے... انھوں نے فوراً جوتے اپنے ہاتھوں میں پہن لیے... اسی وقت اجنبی اٹھا:

"واپس چلو مسٹر... اب میں تمھیں چٹان کا لقمہ نہیں بننے دوں گا۔"

"مت روکیے مجھے... جانے دیجیے... ورنہ میں مر جاؤں گا... ہم... میں... میں اس چٹان کا دیوانہ ہوں... پروانہ ہوں..."

"ارے باپ رے... چٹان کا دیوانہ... چٹان کا پروانہ" فاروق گھبرا گیا۔

"بس بس... آگے کچھ نہ کہنا" آفتاب جل گیا۔

انسپکٹر جمشید جوتوں کی مدد سے دھکیلتے ہوئے اسے باقی ساتھیوں تک لے آئے۔

"بھئی... اب تم لوگ آپس کی باتیں نہ شروع کر دینا... کہیں اس دیوانے پروانے کو پھر بھاگنے کا موقع نہ مل جائے... ہاں بھئی... اب تم بتاؤ... تمھارا نام کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم... میں... میں جگنو ہوں۔"

"چلو مان لیا... تم جگنو ہو... اس چٹان سے تمھارا کیا تعلق ہے؟"

"بہت پرانا رشتہ ہے... بلکہ خون کا رشتہ ہے۔" اس نے کہا۔

"یار کہیں تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا" منور علی خان بھنا اٹھے۔

"نہیں... میرا دماغ بالکل ٹھکانے پہ ہے... اس چٹان سے میرا خاندانی تعلق ہے اور میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا... جب تک اس پر جان نچھاور نہیں کر دوں گا... اس وقت تک چین نہیں پاؤں گا... لہذا آپ لوگ بھی مجھے نہ روکیں۔"

"بھئی ہم تمھیں اسی طرح بے موت تو ہرگز نہیں مرنے دیں گے۔"

"آپ سے کس پاگل نے کہا ہے... کہ میں بے موت مروں گا اس طرح۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"آپ نے خود ہی کہا ہے۔" فاروق بولا۔

"ارے... تم مجھے پاگل کہہ رہے ہو۔" وہ غرایا۔

"نہیں تو... پاگل تو تم خود اپنے آپ کو کہہ رہے ہو۔" فرحت بولی۔

"اُف میں کن پاگلوں میں گھر گیا۔"

"ارے... پاگل تم خود ہو... اور کہہ رہے ہو ہم سب کو... تمھارا دماغ تو واقعی خراب ہو چکا ہے۔" شوکی نے اسے گھورا۔

"تم نہیں جانتے... میں کون ہوں... کیا ہوں... ورنہ ایسا نہ کہتے۔"

"ارے تو بتا دو نا بھائی... کون ہو... کیا ہو؟"

"بس... اب میں کچھ نہیں بولوں گا... میں اپنے ہونٹ سی رہا ہوں۔"

"کک... کہاں ہے سوئی دھاگا؟" مکھن گھبرا گیا۔ اس نے مکھن کو بھی کھا جانے والی [نظروں]

[...]ے گھورا... اور پھر واقعی ہونٹ بند کر لیے:

"یوں تو کام نہیں چلے گا... تمھیں اپنے بارے میں [...]ب کچھ بتانا ہو گا۔"

"اس کا ایک ہی طریقہ ہے... مجھے جانے دیا جائے... [...]س صورت میں آپ سب خود ہی جان جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے دوست... اب ہم تمھارا راستا نہیں روکیں [...]گے... تم جا سکتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز میں [...]کہا۔

"کیا کہا... یہ جا سکتے ہیں۔" آفتاب دھک سے رہ [...]گیا... اور وہی کیا... سبھی ان کی بات سن کر حیران رہ گئے تھے۔

"آپ نے کیا کہا... میں جا سکتا ہوں۔" جگنو اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں... جا سکتے ہو۔" وہ مسکرائے۔

خان رحمان، منور علی خان اور دوسروں نے حیرت بھری نظروں سے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا... ان کے چہرے پر ایک پُراسرار مسکراہٹ نظر آئی... بالکل ویسی ہی مسکراہٹ انسپکٹر کامران مرزا کے چہرے پر بھی تھی... گویا انھیں بھی انسپکٹر جمشید کا فیصلہ پسند آیا تھا۔

ادھر جگنو لمحے بھر کے لیے حیرت زدہ ہو گیا... پھر اس نے خود کو ایک جھٹکا دیا... اور بولا:

"شکریہ جناب... آخر آپ نے میرا کہنا مان لیا... میرا جذبہ جیت گیا... آپ ہار گئے... اب دیکھیے گا... میں اس چٹان پر کس طرح قربان ہوتا ہوں۔"

اتنا کہتے ہی اس نے دوڑ لگا دی۔

نیند کا شکار

مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا... وہ تو ایسی کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتے تھے... آخر آصف نے مارکوف سے کہا:

"ٹھیک ہے مسٹر مارکوف... نمک چھڑکنے کا پروگرام اب ہم ختم کرتے ہیں... ہم ایس پی اکرم خان نیازی کو فون کر رہے ہیں... وہ آپ کو یہاں سے لے جائیں گے اور بہت آرام سے رکھیں گے... فکر نہ کیجیے گا..."

"اچھی بات ہے... شکریہ..." مارکوف نے کہا۔

دونوں نے اس کے جسم کے گرد بندھی رسیوں کی مضبوطی کا جائزہ لیا اور پھر گھر سے باہر نکل آئے۔ یہاں دروازہ باہر سے بند کیا، ایک پبلک فون بوتھ

سے ایس پی اکرم خان نیازی کو فون کیا تو وہ محمود کی آواز سن کر
چونک اٹھا...

"آپ لوگ کہاں رہ گئے تھے... آپ کے ساتھی آپ
کا انتظار کر کے چٹان کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا، پھر اس نے کہا:

"خیر کوئی بات نہیں... ونٹاس کا ایک ایجنٹ آپ کے
لیے تیار ہے... ہم نے اسے رسیوں سے باندھ دیا ہے،
آئیے اور آ کر گرفتار کر لیجیے۔"

"اوہو اچھا..." انھوں نے کہا۔

"ہاں... جناب... اور ہم یہیں سے چٹان کی طرف جا
رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے... اللہ حافظ۔" ایس پی بولے... اور محمود نے
ریسیور رکھ دیا۔

دونوں ایک ٹیکسی میں چٹان کی طرف روانہ ہوئے۔
کچھ فاصلے پر پہنچ کر وہ ٹیکسی سے اتر آئے، اس کا
بل ادا کیا اور پیدل روانہ ہوئے... ایسے میں آصف کو
نئی سوجھی:

"کیوں نہ ہم چکر کاٹ کر چٹان کے دوسری طرف پہنچنے
کی کوشش کریں... اس طرح ہم اچانک اپنے ساتھیوں

پاس پہنچ جائیں گے اور انھیں حیران کر دیں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے... یونہی سہی۔" محمود نے فوراً کہا۔

دونوں چکر کاٹنے لگے... لیکن بعد میں انھیں احساس
ہوا کہ انھوں نے ایک غلط فیصلہ کیا تھا... کیوں کہ اس
طرح انھیں ایک بہت بڑا چکر کاٹنا پڑ گیا... انھیں یہ
اندازہ نہیں تھا... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا... اب تو
واپس پلٹنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا... واپس جانے
میں بھی اتنی ہی دیر لگتی... جتنی اس طرف سے
چٹان تک پہنچنے میں لگتی... لہٰذا صبر شکر کر کے چلتے
رہے... کافی دیر بعد وہ چٹان کے دوسری طرف پہنچ
گئے...

اور پھر انھیں ٹھٹک کر رک جانا پڑا... ان کی آنکھیں
حیرت سے پھیل گئیں... انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا...
اس قدر عجیب کہ وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے،
پھر ان کے قدم اس طرح چٹان کی طرف اٹھنے
لگے... جیسے وہ نیند میں ہوں... جب کہ وہ پوری طرح
ہوش و حواس میں تھے... ایسے میں محمود نے کہا:

"یار آصف... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"میں تو اسے خواب ہی کہوں گا۔" آصف بڑبڑایا۔

"لیکن بھئی... تمھارے کہنے سے کیا ہوتا ہے... ہم ابھی ابھی مارکوف سے ٹکرا کر اس طرف آ رہے ہیں... راستے میں ہم کہیں سوئے نہیں، تو پھر یہ خواب کس طرح ہو سکتا ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھا تو پھر تم ہی بتاؤ... تم کیا خیال کرتے ہو...؟" آصف مسکرایا۔

"ہم... میں بھی... خواب۔" وہ بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی... میں نے خواب کہا تو تم ماننے کے لیے تیار نہیں... اور اب خود بھی خواب کی بات کر رہے ہو۔"

"ہاں! کیا کیا جائے... مجبوری ہے... ایسا نظارہ ہم نے کبھی دیکھا نہ سنا۔"

"لیکن بھئی... ہم اس چٹان کی طرف کیوں بڑھ رہے ہیں... ہمیں تو دوسری طرف موجود اپنے ساتھیوں کی طرف جانا چاہیے..." آصف نے جلدی سے کہا۔

"اب... اس نظارے کے ہوتے ہوئے... ہم ان کی طرف بڑھ بھی کس طرح سکتے ہیں۔"

"اور... اور اگر... ہم پھنس گئے... تو..." آصف ہکلایا۔

"تو کیا ہے... سب لوگ تو یہاں موجود ہی ہیں... انھیں ذرا معلوم ہو جائے گا... اس لیے بے دھڑک آگے بڑھو... ہمیں بھی کچھ کام دکھانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

اب دونوں سینہ تان کر آگے بڑھنے لگے... چٹان کے دوسری طرف سے بات چیت کی مدھم آوازیں آ رہی تھیں... لیکن الفاظ ان کی سمجھ میں نہیں آ سکے...

"میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔" آصف بولا۔

"بجنے دو۔" محمود نے بے فکری کے عالم میں کہا۔

"تم بھی عجیب ہو... ارے بھئی... میں نے کہا ہے میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہاں ہاں! میں سمجھ رہا ہوں... تم خطرہ محسوس ہونے دو۔" محمود مسکرایا۔

"شاید تمھاری عقل کہیں گھاس چرنے چلی گئی ہے۔"

"خبردار... میری عقل کی شان میں گستاخی نہ کرنا... ورنہ تمھیں مزا چکھا دوں گا۔"

"اچھا تو پھر تم جاؤ... میں تمھارا ساتھ نہیں دوں گا۔"

"نہ دو ساتھ... میں کوئی مر نہیں جاؤں گا... تمھارے بغیر..." محمود نے کندھے اچکائے اور پھر آگے بڑھنے لگا... آصف نے بھی قدم نہ روکے اور آگے بڑھتا رہا:

"اب کیوں آ رہے ہو... واپس مڑ جاؤ۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"انکل وغیرہ کو کیا منہ دکھاؤں گا... کیا جواب دوں گا... جب وہ پوچھیں گے... تم تو محمود کے ساتھ تھے... پھر اسے کہاں چھوڑ آئے ہو... اور پھر مجھے اصل بات بتانا پڑے گی... کیوں کہ جھوٹ تو ہم بولتے نہیں... اصل بات سن کر ان میں سے ایک بھی مجھے اچھا نہیں کہے گا۔"

"تم ہو ہی نہیں اچھے... تو وہ کہیں کس طرح..." محمود مسکرایا۔

"دیکھو... دیکھو... تم برابر مجھے غصہ دلائے چلے جا رہے ہو... اور میں ہوں کہ صبر پہ صبر کیے گھونٹ بھر رہا ہوں... لیکن آخر کب تک... میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا... تو جانتے ہو کیا ہو گا۔"

"بالکل جانتا ہوں... تم فوراً واپس لوٹ جاؤ گے... اور مجھے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہے... میری بلا سے... لوٹ جاؤ واپس۔"

"یہی تو مشکل ہے... میں واپس نہیں لوٹوں گا۔"

"تو پھر کیا کرو گے۔" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تم سے بھی آگے بڑھ جاؤں گا... بے دھڑک... یہ چٹان بھی کیا یاد رکھے گی۔" آصف بولا۔

"اسے کچھ یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے... یہ تو پتھر ہے... اور پتھر بے حس ہوتے ہیں۔"

"اچھا بابا... میں سمجھ گیا... آصف نے تنگ آ کر کہا۔

"یہ بھی بتا دو کہ کیا سمجھ گئے..."

"یہ کہ میں تمھارا ساتھ ویسے بغیر نہیں رہ سکتا... تم کچھ بھی کہہ لو... کتنا ہی غصہ دلا دو..."

"بھئی واہ... تب تو میری عیش ہو گئی... اب میں تمھیں اس قدر غصہ دلاؤں گا... اس قدر دلاؤں گا کہ... میں... کیا بتاؤں۔"

"ہاں... بس... رہنے ہی دو... نہ بتاؤ۔" آصف نے منہ بنا کر کہا۔

محمود نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا... لیکن پھر ہونٹ بند کر لیے... اس کی نظریں چٹان کی طرف اٹھی کی اٹھی رہ گئی تھیں...

بے تحاشا دوڑتے ہوئے وہ ونٹاس کی ٹیم اور پروفیسر
صاحبان سے بھی آگے نکل گیا، اور پھر ہاتھوں اور
پیروں کی مدد سے چٹان پر چڑھنے لگا... یہاں تک کہ چوٹی پر
پہنچ گیا... پھر وہ دوسری طرف اترنے لگا اور فوراً ہی ان
کی نظروں سے اوجھل ہو گیا...

"یہ کیا انکل... وہ تو دوسری طرف اتر گیا... نہ تو اس
نے چٹان کو ٹکر ماری اور نہ اپنی جان دینے کے
لیے کچھ اور کیا... ادھر ڈینگیں مار رہا تھا اتنی۔" فرحت نے
بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"دوسری طرف جا کر دیکھے بغیر کیا کہا جا سکتا ہے...
ہو سکتا ہے... وہ اپنی جان دے چکا ہو۔" انسپکٹر جمشید
بڑبڑائے۔

"تو پھر آئیے... دوسری طرف چلیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے... یہاں رہ کر بھی ہم کیا کریں گے۔"

وہ چکر کاٹنے لگے... ادھر ونٹاس کی ٹیم نے اپنا
کام روک دیا تھا... پروفیسر صاحبان تو صرف ان پر نظر رکھے

ہوئے تھے... خود تو کچھ کر ہی نہیں رہے تھے... اس پاگل
شخص کی آمد نے ان کے کام میں خلل ڈالا تھا... ان
کے چہروں پر ناخوش گوار اثرات تھے... انھیں حرکت کرتے
دیکھ کر شونڈر نے ان سے پوچھا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"چٹان کے دوسری طرف... تاکہ دیکھیں... وہ کس حال
میں ہے۔"

"یہ کوئی پاگل شخص ہے... یا پھر انشارجہ کا جاسوس
ہے... اور ہمارے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے چکر میں
ہے۔"

"ہاں مسٹر شونڈر... یہ بات خود میں نے بھی محسوس کی
ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تو پھر میری ایک رائے ہے۔" شونڈر نے کہا۔

"فرمائیے۔" وہ بولے۔

"آپ... اسے قابو میں کر لیں اور پولیس کے حوالے
کر دیں... معائنے سے فارغ ہونے کے بعد آپ اس
کے بارے میں چھان بین کر لیجیے گا۔"

"تجویز معقول ہے... ہم ضرور یہی کریں گے۔"

"تب پھر جلدی کریں... اس کی گرفتاری کے بعد

ہی ہم اب اپنا کام شروع کریں گے... یہ بات تو ہمارے
وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کوئی شخص آپ لوگوں
کی موجودگی میں بھی ہمیں پریشان کر سکتا ہے۔"

"ہاں! خود ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی جناب۔"
شوکی بولا۔

"خیر... اس میں آپ کا بھی کیا قصور..." سٹونڈر نے
کندھے اچکائے۔

"آپ لوگ فکر نہ کریں... ہم فوری طور پر اسے راستے
سے ہٹا رہے ہیں۔"

اور انھوں نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیے۔

"آخر آپ نے اسے چٹان کی طرف دوڑ لگانے کی
اجازت ہی کیوں دی تھی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ آخر کرنا کیا چاہتا ہے،
اور بس... اور اب یہی دیکھنے کے لیے ہم اس طرف جا
رہے ہیں۔"

"اور کیا آپ کا اس کے بارے میں واقعی یہ خیال
تھا... جو ابھی آپ نے بیان کیا ہے۔"

"ہاں! امکان یہی ہے کہ وہ انشارجہ کا جاسوس ہے۔"

"پتا نہیں کیا چکر ہے... ایسا معلوم ہوتا ہے... جیسے

چٹان کے لیے ونٹاس اور انشارجہ آپس میں ٹکرا جانے
ارادہ رکھتے ہوں۔"

"ہاں! جب کہ عام حالات میں یہ بہت مشکل ہے۔"
کامران مرزا بولے۔

"ج... جی... کیا مشکل ہے۔" اشفاق جلدی سے بولا۔

"یہ کہ ونٹاس اور انشارجہ آپس میں لڑ پڑیں... یہ
ان بڑی طاقتیں تو بس اپنے سے چھوٹے ملکوں کو
ں میں لڑانے بھڑانے کا کام جانتی ہیں... خود نہیں لڑ
ں... ان میں لڑنے کی ہمت نہیں... یہ سارے چکر تو
ں نے اپنا اسلحہ فروخت کرنے کے لیے چلا رکھے
... بیگال، انشارجہ اور ونٹاس کا پالتو ہے... ان کے
ارے پر دوسرے ملکوں پر حملے کرتا ہے... دوسرے
دھڑا دھڑ ان دونوں ملکوں سے اسلحہ خریدتے ہیں،
یہ دونوں ملک اپنی [illegible] داری چمکانے کے لیے بیگال
استعمال کرتے ہیں... ان حالات میں بھلا یہ آپس میں
ں لڑنے لگے... ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی معاملے
ان کی دلچسپی اس حد تک بڑھ جائے کہ یہ ایک دوسرے
بازی لے جانے کی کوشش کریں اور شاید اس
ان کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہے... دونوں ملک

یہ چاہتے ہیں کہ پہلے وہ اس کی حقیقت جان لے... تاکہ فائدہ اٹھا سکے... اور ہماری کوشش یہ ہے کہ یہ بات ہم جان لیں... خیر آؤ... دیکھتے ہیں... مسٹر جگنو کہاں گئے ہیں۔"

وہ چکر کاٹ کر چٹان کے دوسری طرف پہنچے... اور پھر ٹھٹک کر رک گئے... ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... محمود اور آصف جگنو سے گتھم گتھا تھے۔

"ارے... ارے... یہ کیا ہو رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"یہ... یہ حضرت ہماری چٹان کو چھیڑ رہے تھے۔" فاروق بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو... چٹان بھی کوئی چھیڑنے کی چیز ہوتی ہے۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"تو پھر... چٹان اور کس کی چیز ہوتی ہے۔" شوکی بولا۔

"پتھر کی... تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم۔" آفتاب اس کی طرف پلٹ پڑا۔

"خاموش... اسے چھوڑ دو بھئی..." انسپکٹر کامران مرزا بھنا اٹھے۔

محمود اور آصف نے جگنو کو چھوڑ دیا... وہ بھیگی بلی کی طرح اسی جگہ کھڑا رہا...

"یہ کیا کر رہا تھا۔"

"اس کی تلاشی لیں... ابھی معلوم ہو جائے گا۔" محمود نے کہا۔

اس کی تلاشی لی گئی... اس کی ایک جیب سے ...سی ایک مشین نکلی...

"یہ... یہ تو..." پروفیسر داؤد ہکلا کر رہ گئے۔

"کیا ہے پروفیسر صاحب۔"

"اس مشین کی مدد سے یہ اس چٹان کا برادہ ...ل کرنا چاہتا تھا... تاکہ برادے کا تجزیہ کر کے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ چٹان آخر کیا ہے۔"

"ہوں... لیکن اس قسم کی کوشش تو پہلے ہی کی جا ...ہو گی۔"

"کی ہو گی... لیکن کامیابی نہیں ہوئی ہو گی... اب کوئی اور جدید ترین مشین لائے ہوں گے..." پروفیسر ...ری بولے۔

"اس کا مطلب ہے... اس سے پہلے جو مشینیں ...تعمال کی گئیں... وہ کام نہیں کر سکیں..."

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے... ٹھہریے... مسٹر جگنو
سے کیوں نہ بات کی جائے... اب تو یہ بات معلوم
ہو چکی ہے کہ یہ حضرت کوئی پاگل نہیں ہیں... ہمیں چکمہ
دے رہے تھے... کیوں... ٹھیک ہے نا مسٹر جگنو؟"
"ہاں! میں واقعی اس چٹان کا برادہ حاصل کرنا چاہتا
تھا... میری حکومت کا مجھے یہی حکم ہے۔"
"اور تم انشارجہ کے آدمی ہو؟"
"اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔"
"پھر... کیا تم کامیاب ہو گئے... برادہ حاصل کر لیا؟"
"نہیں... یہ آلہ بھی بے کار گیا... اگرچہ اس میں
ہیرے کی ریتی لگائی گئی... ہیرا جو دنیا بھر میں سخت
ترین چیز ہے... اس کی رگڑ سے بھی اس چٹان کا برادہ
نہیں بن سکا۔"

"ہوں... اگر آپ انشارجہ کے آدمی ہیں تو ہم آپ
کو بھی اجازت دیتے ہیں کہ آپ بھی ان لوگوں
کے ساتھ مل کر چٹان کو دیکھ لیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔
"نہیں جناب... یہ نہیں ہو سکتا۔" شوٹڈر نے منہ بنایا۔
"کیوں! اس میں کیا حرج ہے۔"
"ہمارا تعلق وناس سے ہے... انشارجہ کا کوئی آدمی

ہماری ٹیم کے ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتا... انھیں آپ
الگ موقع دے دیجیے گا... ہم کوئی اعتراض نہیں
کریں گے۔"
"چلیے خیر... یونہی سہی... مسٹر جگنو... آپ ہمارے ساتھ
رہیں... انھیں معائنہ کرنے دیں... جب یہ فارغ ہو
جائیں گے تو پھر ہم آپ کو اجازت دیں گے۔"
"بہت بہت شکریہ۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔
اور وہ ایک بار پھر پیچھے ہٹ آئے... معائنہ
ٹیم اپنے کام میں مصروف ہو گئی... انھوں نے محمود
اور آصف کی کہانی سنی... کہ انھوں نے مارکوف کا
تعاقب کس طرح کیا... اور پھر واپس کس طرح ہوئے...
سب لوگ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے...
"ہیرو بننے کا موقع اور یہ ضائع کر دیں... ہو ہی
نہیں سکتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"تو پھر جو ہو سکتا ہے... بتا دو..." آصف نے
اسے گھورا۔
"ہائیں... یہ کیا... یہ مجھے اتنی جلدی نیند کس خوشی
میں آ رہی ہے۔" خان رحمان چلّائے۔
"نیند... کیا یہ انکل... کس..." فرزانہ کو جماہی آ

گئی... اس نے جلدی سے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا:
"لیجیے... خود انھیں بھی نیند آ گئی۔" مکھن مسکرایا
"اور تم... تم تو جیسے کبھی سوتے ہی نہیں۔" فرحت نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔
"یہ بات تو خیر... خیر۔" مکھن خیر خیر کہتا چلا گیا
"سوئی اٹک گئی بے چارے کی... کوئی ہے جو دھکا لگائے۔" محمود نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔
"تت... تو کیا... آپ کو نہیں آتا..." اشفاق نے گھبرا کر کہا۔
"کیا!" اس نے پوچھا۔
"دھکا لگانا... ارے... یہ کیا... ہم... مجھے... مجھے بھی نیند آ گئی۔" اشفاق گھبرا گیا
"کہیں نیند کا کوئی طوفان تو ہمیں اپنی لپیٹ میں نہیں لینے والا۔" فرحت بڑبڑائی۔
"لیجیے... اب نیند کا طوفان بھی نکل آیا۔"
"نکلنے کو اس دنیا میں کیا نہیں نکل سکتا۔" محمود مسکرایا۔
"کک... کیا کہا... نیند کا طوفان۔" فاروق نے کھوئے

کھوئے انداز میں کہا۔
"بس خاموشی... یہ نیند کا نام ہرگز نہیں ہو سکتا۔" آصف نے چلا کر کہا۔
"نیند کا یا ناول کا۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔
"نیند کا... ناول کا تو فاروق کہتا ہی رہتا ہے۔"
"شاید ہم سب کے ذہنوں پہ نیند اپنا سکہ جما رہی ہے۔" منور علی خان نے پریشان ہو کر کہا۔
"لیجیے... اب نیند کے بھی سکے جمنے لگے... آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔"
"آگے کس طرح دیکھیں... پلکیں تو جھکی جا رہی ہیں۔"
"مسٹر جگنو... آپ کا کیا حال ہے..." انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔
"بہت تیز نیند آ رہی ہے... میں نیند کو بھگانے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہوں... لیکن..." جگنو یہاں تک کہہ کر رک گیا... شاید اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آگے کیا کہا۔
"لیکن... آپ کا سر تو کہیں سے بھی نہیں ٹوٹا۔" مکھن نے حیران ہو کر اس کے سر کو بغور دیکھا۔

"اوہ... کک... کیسی... کیسی یہ نیند۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے...

اسی وقت خان رحمان لمبے لیٹ گئے...

"کیا ہوا بھئی۔"

"اب نہیں جاگا جا رہا جمشید... اٹھنے پر ملاقات ہو گی... شب بخیر۔"

"شب بخیر..." انسپکٹر جمشید نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"یہ... یہ شب بخیر کہنے کا کوئی موقع ہے۔" منور علی خان نے حیران ہو کر کہا... ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ بھی گرتے چلے گئے۔

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے... ہم سب تو سوتے جا رہے ہیں... پھر ان لوگوں کی نگرانی کس طرح کریں گے۔"

"نیند کی حالت میں کر لیں گے ابا جان... آپ فکر نہ کریں۔" فاروق بولا۔

"ارے... میں چلا۔" آصف نے بمشکل کہا۔

"جاؤ... اللہ حافظ... اپنی خیریت کا خط ضرور... ہاں ضرور... تم... میں کیا کہہ رہا تھا... بھول گیا... ہائیں...

"ہیں... یہ کیا... اتنی نیند۔" محمود نے اٹک اٹک کر کہا۔

اور پھر وہ تڑا تڑ گرنے لگے... انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بڑی مشکل سے پلکیں اٹھائے انہیں گرتے دیکھ رہے تھے... خود انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے ہوں...

"شاید... ہم بھی زیادہ دیر اپنے پیروں پر کھڑے نہ رہ سکیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہم... میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ارے... اس طرف دیکھیے۔"

انھوں نے بہت کوشش کر کے اپنا سر گھمایا... پروفیسر داؤد، پروفیسر [illegible] اور پروفیسر عقلان ونٹاس کی ٹیم کے پیروں میں لیٹے نظر آئے...

"یہ... یہ تو پروفیسر صاحبان بھی نیند کی لپیٹ میں آ گئے۔" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"اور... اور ونٹاس کی ٹیم۔"

"ہاں... ونٹاس کی ٹیم..."

دونوں ایک ساتھ گرے اور ساکت ہو گئے... جگنو دوسروں کے ساتھ نہ جانے کہاں گر چکا تھا...

انھیں کچھ معلوم نہیں... وہ کتنی دیر تک سوئے رہے، سب سے پہلے فاروق کی آنکھ کھلی تھی... اس نے ڈرے ڈرے انداز میں پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف دیکھا... اور پھر اس نے پرسکون آواز میں کہا:

"یا اللہ تیرا شکر ہے... ہم سب کے سب صحیح سلامت وہیں موجود ہیں... جہاں نیند کا شکار ہوئے تھے... مشکل یہ ہے کہ صرف میں جاگا ہوں اور یہ سب لوگ ابھی تک سو رہے ہیں۔"

"خوش فہمی میں مبتلا ہو دوست۔" آفتاب کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

"ارے... آفتاب... یہ تم ہو۔"

"خیال تو یہی ہے کہ میں ہی ہوں... لیکن یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"ہم... میں... میں کہاں ہوں۔" انھوں نے مکھن کی آواز سنی۔

"دوسری دنیا میں تو ہرگز نہیں ہو... ورنہ ہم تمھاری آواز کس طرح سن سکتے تھے۔" فاروق بولا۔

"ارے... یہ آواز تو فاروق بھائی کی جان پڑتی ہے۔"

"ہاں! میری آواز ابھی میرے ساتھ ہی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ... یہ کون بول رہا ہے... مرنے کے بعد تو سے سو لینے دو۔" محمود کی جھنائی ہوئی آواز [illegible] دی۔

"مریں تمھارے دشمن..." فرزانہ بولی۔

"جاگیں نہ تو کیا کریں... شدید بھوک اور پیاس [illegible] رہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے... ہمیں بھوک اور پیاس نے [illegible] ہے... بھوک اور پیاس... تم دونوں کا بہت شکریہ... اگر تم نہ ہوتیں تو ہم تو شاید سوتے [illegible] جاتے... اور قیامت کے دن مُردوں کے [illegible] اٹھتے... اُف کس قدر عجیب منظر ہوتا وہ بھی۔" [illegible] کانپ گیا۔

"یار چپ رہو... کچھ سوچنے اور سمجھنے بھی دو..." جمشید کی آواز سنائی دی۔

"اب آئی ہے بڑوں کی باری۔" فرزانہ چہکی۔

"یہ خیال بھی غلط ہے... ہم تو بہت پہلے جاگ چکے ہیں... لیکن تم لوگوں کی طرح بولنا نہیں شروع کیا تھا ہم نے۔"

"کیوں انکل... کیا یہاں بولنے پہ پابندی عاید کر دی گئی ہے۔" فرحت مسکرائی۔

"اوہو... پروفیسر صاحبان کا تو ہمیں خیال ہی نہیں رہا۔"

اور وہ ایک ساتھ اس طرف مڑے۔ یہ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی... کہ تینوں پروفیسر صاحبان ابھی تک سوئے پڑے تھے...

"اوہو... یہ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں... ان کے ساتھ تو وناٹس کی پوری ٹیم بھی گہری نیند سو رہی ہے۔"

"اور کیا کرتی... تھک گئی ہو گی بے چاری... معائنہ کرتے کرتے۔"

"ہوں... آؤ... انھیں بھی جگائیں۔"

وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے... کپڑے جھاڑتے ہوئے وہ پروفیسر صاحبان کی جانب قدم اٹھانے لگے۔ جگنو بھی ان کے ساتھ تھا... وہ بڑی مشکل سے پاؤں

رہے تھے... یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ٹانگوں میں جان نہ رہی ہو...

"پتا نہیں... ہمیں کیا ہو گیا ہے... یوں لگتا ہے اب گرے کہ اب گرے۔"

"اوہو... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"کک... کیا دیکھ رہے ہیں ابا جان۔" فرزانہ گھبرا

"اپنی... اپنی گھڑی۔"

"گھڑی... تو پھر اس میں عجیب بات کیا ہو گئی... گھڑیاں تو ہم دیکھتے ہی رہتے ہیں۔"

"اب دیکھو..." انسپکٹر جمشید کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

ان سب نے اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھا...

"ان میں تو کوئی خاص بات نہیں ہے انکل..." آصف

"جی ہاں... آٹھ بج کر دس گیارہ منٹ ہوئے ہیں سب گھڑیوں میں قریب یہی وقت ہے۔"

"کبھی دن اور تاریخ دیکھو۔" انسپکٹر کامران مرزا جل

کہہ بولے۔

"وہ... دن... اور تاریخ..." وہ ہکلائے... پھر ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں... اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"یہ... یہ کیا... ان پر تو تین دن بعد کی تاریخ نظر آ رہی ہے... مجھے اچھی طرح یاد ہے... جب ہم نیند میں مبتلا ہوتے تھے... اس وقت ۹ تاریخ تھی اور اب گھڑیوں میں ۱۲ تاریخ نظر آ رہی ہے۔"

"اس... اس کا مطلب تو یہ ہے... کہ ہم تین دن تک پڑے سوتے رہے۔" محمود بولا۔

"ہاں... اسی لیے تو اس قدر کمزوری محسوس ہو رہی ہے... تین دن کے بھوکے اور پیاسے جو ہیں۔"

"اُف!" فرزانہ مرنے لگی۔

"تمھیں کیا ہوا؟"

"ابھی جب ہم پروفیسر انکل کو جگائیں گے تو ان کی کیا حالت ہو گی... وہ تو ذرا بھی بھوک برداشت نہیں کر سکتے... اور انھیں تین دن گزر گئے ہیں۔"

"ہاں واقعی... لیکن جگانا تو انھیں پڑے گا ہی۔"

انھوں نے پہلے پروفیسر صاحبان کو ہلانا جلانا شروع کیا... آخر تھوڑی کوشش کے بعد انھوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہم کہاں ہیں جمشید؟" پروفیسر بولے۔

"وہیں... جہاں ہم سوئے تھے۔"

"ارے... تم... میں... میں بہت بھوکا ہوں جمشید۔"

"ہاں! پروفیسر صاحب... ہم سب بھوکے ہیں... لیکن فکر نہ کریں... ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان موجود ہے... پہلے ونٹاس کی ٹیم کو جگا لیں... پھر سب ساتھ ہی کھائیں گے۔"

"جیسے... جیسے... تمھاری مرضی جمشید۔" انھوں نے کانپتی آواز میں کہا۔

ونٹاس کی ٹیم کو ہلانا جلانا شروع کیا گیا... لیکن ان میں سے ایک بھی بیدار نہ ہو سکا... آخر وہ کوشش کر کے تھک گئے... اور تھک کر پیچھے ہٹ گئے:

"میرا خیال ہے... ہمیں پہلے کچھ کھا پی لینا چاہیے... پھر انھیں جگانے کی کوشش کریں گے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

وہ اپنی جگہ لوٹ آئے... خوراک کا انتظام کر کے

یہاں آئے تھے ... اس لیے پریشانی نہیں ہو گی ... سیر
ہو کر کھانے پینے کے بعد وہ اٹھے ... اور دشاس کی
ٹیم کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ اچانک محمود پوری
قوت سے چلایا:

"ارے ... یہ کیا۔"

اس کی آواز اس قدر تیز تھی کہ وہ سب کے
سب گھبرا گئے اور پھر ان کی نظریں اس کی نظروں
کے تعاقب میں اٹھ گئیں ...

"یہ ... یہ ... یہ کیا" وہ سب کے سب پوری قوت سے
چلا اٹھے ...

ان کی آنکھوں میں حیرت کا ایک ایسا عالم تھا
جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

نیند کا سراغ

چند لمحے تک سب کے سب سکتے کے عالم میں
رہے ... پھر خان رحمان کی آواز ابھری:

"آخر ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"خ ... خواب ..." فاروق ہکلایا۔

"ہاں ... واقعی ... یہ ایک خواب ہے ... خوابوں میں
ہی ہی باتیں ہوتی ہیں ... ابھی فلاں چیز آنکھوں کے
سامنے ہے ... ابھی غائب ہے ... ابھی ہم فلاں جگہ
ہیں، ابھی ہزاروں میل دور کسی مقام پر ہیں .....
خوابوں میں تو یہی کچھ ہوتا ہے ... لہٰذا میں اعلان
کرتا ہوں ... یہ ایک خواب ہے ..." پروفیسر داؤد
نے بلند آواز میں کہا۔

"لیکن پروفیسر صاحب ... ہم سب یہ خواب دیکھ

رہے ہیں... کیا یہ بات عجیب نہیں۔" منیر علی خان بڑبڑائے۔
"نہیں! ہم سب یہ خواب نہیں دیکھ رہے... ہم میں سے
کوئی ایک دیکھ رہا ہے۔" اکرام بولا۔
"غلط... بالکل غلط... یہ نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے
زور سے سر ہلایا۔
"جی... کیا مطلب... کیا نہیں ہو سکتا۔" محمود نے حیران ہو
کر کہا۔
"نہ ہم سب یہ ایک خواب دیکھ رہے ہیں، نہ ہم میں
سے کوئی ایک... بلکہ یہ حقیقت ہے۔" وہ بولے۔
"جی... کیا فرمایا... یہ ایک حقیقت ہے... لیکن انکل کیا یہ
حقیقت ہے... جو خواب سے بھی زیادہ ناقابلِ یقین ہے۔
مجھے تو اپنی آنکھوں پہ اعتبار نہیں آ رہا۔"
"ہاں! بات ایسی ضرور ہے، لیکن یہ خواب نہیں ہے۔"
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"مہربانی فرما کر وضاحت کریں... آخر یہ کس طرح ہو سکتا
ہے... وہ چٹان ہمیں نظر کیوں نہیں آ رہی... وہ کہاں گئی
آخر وہ ایک چٹان تھی... کسی درخت کا پتا نہیں تھا... جو
ہوا سے اڑ گیا ہو گا۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔
"میں کہہ چکا ہوں... بات واقعی حد درجے حیرت انگیز

ہے... لیکن اس کے باوجود ہمیں ماننا پڑے گا... یہ حقیقت ہے... وہ
چٹان... اب واقعی اس جگہ موجود نہیں ہے... جہاں ہم اسے
دیکھتے رہے ہیں۔"
"چلیے... آپ کہتے ہیں تو مان لیتے ہیں کہ ہم خواب نہیں
دیکھ رہے، اب سوال یہ ہے کہ چٹان کہاں گئی..." فرزانہ بولی۔
"یہ بات ہمیں معلوم کرنا ہو گا... لیکن اس سے پہلے
ہمیں وشاٹس کی ٹیم کو ہوش میں لانا ہو گا۔"
"آخر ہم سب تین دن کیوں سوتے رہے... اور کیا شہر سے
کسی نے ہماری خبر لینے کی کوشش نہیں کی... اکرام خان
نیازی نے بھی نہیں۔"
"اکرام خان نیازی کو آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی... سوال
یہ ہے کہ وہ نیند کیسی تھی... اور کیا وشاٹس کی ٹیم بھی اسی
پراسرار نیند کا شکار ہوئی ہے۔"
"نظر تو یہی آتا ہے... آؤ... سب سے پہلے انھیں جگانے
کی کوشش کریں... شاید وہ ہوش میں آ کر کچھ بتا سکیں۔"
انھوں نے ٹیم کو جگانے کی پوری کوشش کی... لیکن
ان میں سے ایک بھی بیدار نہ ہو سکا۔
"اب کیا کریں۔" آصف بولا۔
"اس ٹیم کے لیے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کو بلانا ہو گا۔"

فاروق بولا۔

"ہاں! ہم اور کیا کر سکتے ہیں۔"

اکرام اور شاہد کو شہر کی طرف روانہ کیا گیا... اب باقی
سب اس جگہ کے قریب پہنچے جہاں تین روز پہلے تک وہ
اس چٹان کو دیکھتے رہے تھے... وہ کانپ اٹھے... اس جگہ
اب ایک گہرا گڑھا نظر آ رہا تھا... ایک بہت بڑا گڑھا۔

"اُف مالک... یہ کیا چکر ہے۔" پروفیسر داؤد کانپ اٹھے۔

"چچ... چٹان کا چکر..." آفتاب ہکلایا۔

"کیا... کیا وہ چٹان زمین میں دھنس گئی۔" آصف بولا۔

"ہاں! اس کا امکان ہے۔" فرحت نے فوراً کہا۔

"جی نہیں... اگر وہ زمین میں دھنسی ہوتی تو پھر اس
گڑھے کی تہ دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔" شوکی نے انکار میں
سر ہلایا۔

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" مکھن بولا۔

"ساری ہی باتیں ٹھیک ہیں تو پھر غلط کیا ہے۔" فاروق
نے اسے گھورا۔

"وہ... بس وہ غلط تھی۔" مکھن نے گھبرا کر کہا۔

"کیا غلط تھی... کبھی مکمل جملہ بھی بول دیا کرو۔"

"وہ... نیند... غلط تھی... اگر ہم سوئے نہ ہوتے تو

وقت کسی کے ذہن میں یہ سوال نہ چل رہے ہوتے۔"

"بات تو ٹھیک ہے... خیر کوئی بات نہیں... ہم اس نیند
کا سراغ لگا لیں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کک... کیا کہہ رہے ہو محمود... نیند کا سراغ۔" فاروق
نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"خبردار... جو تم نے اس کو ناول کا نام قرار دیا... جب
دیکھو اٹھتے ہو... ہمارے الفاظ کو ناولوں کے نام بنا دیتے ہیں حضرت۔"
فرحت چلائی۔

"ارے... تو اس میں اس قدر چلانے کی کیا ضرورت ہے،
گم شدہ چٹان کو سنانے کا ارادہ ہے۔" آفتاب نے گھبرا
کر کہا۔

"گم... گم... شدہ چٹان۔" فاروق کھوئے کھوئے انداز میں
بولا۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے... ہم بھی تو ایسے ہی الفاظ
منہ سے نکال رہے ہیں... جو فاروق سے ہضم نہیں ہو
رہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جی نہیں... دیکھیے تو نہیں..." وہ فوراً بولا۔

"ارے ہاں... یاد آیا... ہم میں سے کسی نے یہ بھی تو
کہا تھا... چٹان دراصل چٹان نہیں ہے۔" پروفیسر غوری بولے۔

لیٹے۔

"شاید فرزانہ نے کہی تھی یہ بات۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"ہاں فرزانہ... بتاؤ... اگر وہ چٹان نہیں تھی... تو پھر کیا چیز تھی۔"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ کیا چیز تھی... بس مجھے یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ چٹان ہرگز نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اب ہمیں کیا معلوم کہ تمھیں یہ بات کیوں محسوس ہوئی تھی۔"

"میں خود بھی نہیں جانتی..." اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"بس تو پھر گئے ہم کام سے... چٹان بھی گئی ہاتھ سے اور ہم اس کے بارے میں کچھ جان بھی نہ سکے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"گئی تو گئی... ہماری لگتی ہی کیا تھی وہ..." فرحت نے بڑے بوڑھوں کے انداز میں کہا۔

"جب تک یہ لوگ ہوش میں نہیں آ جاتے... اس وقت تک شاید ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"کوئی بات نہیں انکل... ہمیں کسی نتیجے پر پہنچنے کی جلدی کیا

ہے۔" فاروق بولا۔

آخر ڈاکٹروں کی ٹیم آ گئی... اس نے وناس کی ٹیم کا [معائنہ] کیا اور پھر انھوں نے ان کی پیشانیوں پر حیرت کے [...] دیکھے... کچھ اور دیر تک معائنے کے بعد ان کے انچارج [...]

"ان کی بے ہوشی یا نیند ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی... [...]ں لے جانا پڑے گا۔"

"تو پھر بسم اللہ کیجیے۔"

آخر ٹیم کو ہسپتال پہنچا دیا گیا... انھوں نے کچھ وقت [...] گھڑے کے آس پاس گھومتے پھرتے گزارا اور پھر [...]ں آ گئے... اب وہ اور کر ہی کیا سکتے تھے...

دوسرے دن شام کے وقت کہیں جا کر انھیں فون پر [...]ع ملی کہ ٹیم کے لوگ ہوش میں آ گئے ہیں... وہ فوراً [...]ال پہنچے... ان پر نظر پڑتے ہی شونڈر نے کہا:

"اوہ... آپ آ گئے... بہت خوشی ہو رہی ہے آپ لوگوں [...] زندہ دیکھ کر..."

"آپ لوگوں نے ہمیں بے ہوش ہو کر گرتے دیکھا تھا..." [...]ٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"ہاں بالکل دیکھا... پھر ہم آپ کے قریب پہنچے تھے... آپ

لوگوں کو ہلا جُلا کر دیکھا... جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو فیصلہ کیا گیا
کہ ایک آدمی کو شہر بھیج کر ڈاکٹر کو بلا لیا جائے... چنانچہ
اپنی جگہ آ گئے... ہم میں سے ایک جانے کی تیاری کرنے لگا
عین اسی وقت ہم پر پھر نیند کا حملہ ہوا اور پھر ہم ایک
دوسرے کے بعد گرتے چلے گئے...

"اوہ... مطلب یہ ہوا کہ ہم سے کچھ ہی دیر بعد آپ
لوگ بھی..." انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں بالکل!"

"گویا آپ چٹان کا معائنہ بھی پورا نہیں کر سکے۔"

"بالکل نہیں..." ایک نے کہا۔

"تو پھر سنیے..." فاروق نے کہنا چاہا...

"ایک منٹ فاروق..." انسپکٹر جمشید نے اسے فوراً روک
دیا... اور خود شونٹرر سے بولے:

"اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔"

"ہم... جس مشن پر نکلے ہیں، اسے ضرور پورا کریں گے
اس چٹان کی حقیقت جان کر رہیں گے..." شونٹرر نے کہا۔

"ہمیں افسوس ہے... آپ اب چٹان کا معائنہ نہیں کر
سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی... کیا مطلب... کیوں معائنہ نہیں کر سکتے بھلا۔"

"بس نہیں کر سکتے۔" محمود بولا۔

"آخر کیوں... وجہ بھی تو بتائیں۔"

"چٹان... اب وہاں نہیں ہے... غائب ہو چکی ہے۔"

"کیا!!!"

گیارہ آدمی ایک ساتھ پوری قوت سے چلائے... کمرہ
ان کی آوازوں سے گونج اٹھا... فوراً ہی دو ڈاکٹر اور چار
نرسیں گھبرا کر اندر داخل ہوئے...

"کک... کیا ہوا جناب... خیر تو ہے۔"

"ہاں... خیریت ہے... فکر نہ کریں... انھوں نے ایک
حیرت انگیز خبر سنی تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ... اچھا۔"

اور وہ باہر چلے گئے...

"اس چٹان کی جگہ اب ایک بہت بڑا اور گہرا گڑھا نظر
آ رہا ہے... لیکن اس کی تہ نظر آتی ہے... جس کا مطلب
یہ ہے کہ چٹان کم از کم زمین میں نہیں دھنسی۔"

"اگر... اگر وہ زمین میں نہیں دھنسی تو پھر کہاں
گئی۔"

"کم از کم شہر کی طرف تو آئی نہیں... ورنہ اسی وقت
شہر میں ہل چل مچی ہوتی۔" فاروق منمنایا... شونٹرر اور اس

کے ساتھی اسے گھور کر رہ گئے...

"ہم بھی اس گڑھے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں... بلکہ اب ہم معائنہ ہی اس گڑھے کا کریں گے۔"

"بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے... لیکن پہلے آپ صحت یاب تو ہو لیں۔"

"ہم اب خود کو بالکل ٹھیک محسوس کر رہے ہیں۔" شونڈر بولا۔

آخر یہ قافلہ ایک بار پھر پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا... وہ اس جگہ پہنچے... جہاں چٹان تھی... ٹیم نے گڑھے کا جائزہ لینا شروع کیا... اس غرض کے لیے انھوں نے اپنے آلات استعمال کیے... آخر شونڈر نے کہا:

"میں خود کو بہت بڑا ماہرِ ارضیات خیال کرتا تھا... لیکن اس چٹان نے میری ساری مہارت بھلا دی... میں اعلان کرتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"تب پھر... اب ہم لوگ یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے... آیئے چلیں۔"

وہ ہیڈ کوارٹر آئے... ایس پی اکرم خان نیازی موجود تھے... انھوں نے ان کا استقبال کیا...

"کہیے کیا رہا۔"

"ہم اس چٹان کو گم کر چکے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا فرمایا... چٹان کو گم کر چکے ہیں۔" نیازی کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"جی ہاں... چٹان کھو گئی ہے۔" مکھن بولا۔

"آپ... لوگ... کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

اور جب انھیں بتایا گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں تو ان کی آنکھیں باہر کو اُبل پڑیں... کئی سیکنڈ تک سکتے کا عالم طاری رہا... پھر کانپتی آواز میں بولے:

"اُف مالک... یہ آج میں نے کیا سنا ہے..."

"ابھی آپ کو نہ جانے کیا کچھ سننا ہے۔" انسپکٹر جمشید پراسرار انداز میں بولے۔

"جی... کیا مطلب۔"

"میں ذرا آپ کا فون استعمال کروں گا... دوسرے یہ کہ ہیڈ کوارٹر کے گرد سخت حفاظتی انتظامات کی ضرورت ہے... نہ کوئی باہر سے اندر ہم تک آنے پائے... اور نہ اندر سے کوئی باہر جانے کی کوشش کرے... آپ یہ ہدایات دے دیں... میں فون کرتا ہوں۔"

"کک... کیا آپ کوئی بڑا خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔"

"صرف بڑا نہیں... بہت بڑا... بلکہ اس سے بھی بڑا،" وہ بولے۔

"بہت بڑے سے بھی بڑا... کتنا بڑا ہوتا ہے ابا جان۔" فاروق رہ نہ سکا۔

"چپ رہو..." انھوں نے بھنّا کر کہا اور خود فون پر جھٹ گئے... نیازی اپنے ماتحتوں کو ہدایات دینے کے لیے باہر نکل گئے۔

"ڈانٹ پڑی... ہمیں مزا آیا..." فرحت نے فاروق کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ڈرو اس وقت سے جب تم ان گنت ڈانٹوں کی زد میں ہو گی اور مجھے مزے پر مزا آ رہا ہو گا۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"آج تو تم فرزانہ کی جوتی کو بھی پیچھے چھوڑ رہے ہو فاروق۔" آفتاب نے چہک کر کہا...

"اب میں تمہیں اجازت دیتا ہوں... تم آگے بڑھ جاؤ۔"

"چپ... رابطہ قائم ہو گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید غرائے اور وہ سہم گئے... اسی وقت انسپکٹر جمشید بولے:

"یس سر... یہ میں ہوں... آپ کا خادم..."

"خیر تو ہے جمشید... تمہاری آواز میں کپکپی سی ہے۔"

"جی ہاں... بات کچھ ایسی ہی ہے... چٹان غائب ہو گئی۔"

"کیا مطلب... چٹان غائب ہو گئی... کیا کہہ رہے ہو بھئی۔"

"کیا کیا جائے سر... کہے بغیر نہیں رہا جاتا۔"

"لیکن کیا... یہ بھی تو سوچو..."

"بات اب سوچنے کی نہیں رہی سر... ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں... چٹان اب وہاں نہیں ہے... اب وہاں صرف ایک گہرا گڑھا ہے... ہم اور وناٹس کی ٹیم گہری نیند سو رہے تھے... تین دن تک سوتے رہے... تین دن بعد بیدار ہوئے تو چٹان غائب تھی... اس پُر اسرار نیند کا راز بھی ہم ابھی تک نہیں جان سکے۔"

"اُف اللہ! میں نے اس قدر عجیب بات شاید اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی۔" صدر صاحب بولے۔

"لیکن میں آپ کو اس سے بھی زیادہ عجیب بات سنانے کی اجازت چاہتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب... اس سے بھی کوئی عجیب بات ہو سکتی

ہے۔"

"بالکل ہو سکتی ہے... لیکن پہلے آپ وشاس کی انتظامیہ سے بات کر لیں... جس کے ذریعے یہ ٹیم ہمارے ہاں آئی ہے۔"

"کیا... کیا مطلب۔" صدر صاحب چونکے۔

"کیا مطلب؟" ٹیم کے افراد ایک ساتھ بولے۔

"کیا مطلب؟" خود ان کے ساتھیوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا... لیکن انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ان میں شامل نہیں تھی۔

دُھواں

"یس سر... آپ انھیں فون کر لیں... کیا انھوں نے واقعی ان ٹیم ہمارے ملک کی طرف روانہ کی ہے۔"

"اچھی بات ہے... تم انتظام کرو جمشید۔" انھوں نے کانپتی آواز میں کہا۔

ادھر انسپکٹر کامران مرزا کے ہاتھ میں اب پستول نظر رہا تھا... اور اس کا رخ وشاس کی ٹیم کی طرف تھا:

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے... مہمانوں کے ساتھ کس قسم سلوک ہو رہا ہے۔"

"ہم معافی مانگ لیں گے جناب... آپ فکر نہ کریں۔" ار نے فراخ دلانہ انداز میں کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو محمود... ہم اور ان سے معافی مانگ ں گے... لیکن کیوں۔" آصف نے جھنجھلا کر کہا۔

"بھئی اگر یہ واقعی وناٹس کے بھیجے ہوئے ثابت ہو گئے تو ہمیں ان سے معافی مانگنا ہی ہو گی۔"

"اوہ ہاں! اس صورت میں تو ضرور مانگیں گے۔"

"آپ لوگ بلاوجہ ہم پر شک کر رہے ہیں... ہم غلط لوگ نہیں ہیں۔"

"شک دور کرنے میں حرج بھی کیا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ضرور دور کریں... ہم اعتراض نہیں کریں گے... لیکن اپنے ملک جا کر احتجاج ضرور کریں گے۔"

"آپ کو اس کا حق ہو گا... ضرور کیجیے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

اور پھر اشارہ موصول ہوا... انسپکٹر جمشید فوراً متوجہ ہو گئے...

"یس سر۔"

"وناٹس کی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ ٹیم واقعی بھیجی گئی ہے۔"

"اوہ... اچھا... بہت بہت شکریہ جناب عالی... شاید میں پھر آپ کو زحمت دوں۔"

"کوئی بات نہیں... میں اس طرف موجود ہوں۔" انھوں

نے کہا اور ریسیور رکھ دیا...

اب انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے:

"مسٹر شونڈر... اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے... کہ آپ لوگوں کو واقعی آپ کے ملک کی انتظامیہ نے چٹان کا معائنہ کرنے کے لیے بھیجا ہے۔"

"تو پھر... اب کیا رہ گیا... ہمیں اجازت دیں... اب ہم اپنے وطن جائیں گے۔"

"کیا آپ لوگ پہلے دارالحکومت جائیں گے؟"

"ہاں بالکل... ہم وہیں سے اپنے ملک کے لیے پرواز کر سکتے ہیں۔"

"ہمیں ایک اور اجازت دیں..." انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اجازت... کیا مطلب... کیسی اجازت۔"

"ہم ذرا یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کہیں گیارہ نقلی لوگوں نے مسٹر شونڈر اور ان کے ساتھیوں کی جگہ نہیں لے رکھی۔" انھوں نے جلدی سے یہ الفاظ ادا کر ڈالے۔

"کیا!!!" وہ زور سے چلائے۔

"بھئی واہ... بات تو ثابت ہو گئی۔" فاروق حیرت زدہ انداز میں بولا۔

"کیا بات ثابت ہو گئی۔" مسٹر شونڈر نے جھنجھلا کر کہا۔

"آپ لوگوں کا لب و لہجہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ آپ نقلی ہیں۔"

"یہ غلط ہے۔"

"اچھا تو ہمیں ثابت کرنے کا موقع دیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں... آپ اپنی پوری کوشش کر لیں۔ لیکن ہم اپنے ملک جا کر اپنی ذلت کی کہانی اپنی حکومت کو ضرور سنائیں گے اور پھر جو ہماری حکومت آپ کی حکومت کے ساتھ سلوک کرے گی... وہ رہتی دنیا تک سب کو یاد رہے گا۔"

"ایسا شاندار سلوک تو ہونا بھی چاہیے۔" آصف بولا۔

"آپ کے پورے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔"

"بھئی واہ... کتنا مزا آئے گا... جب اینٹیں بجیں گی۔" مکھن چہکا۔

"یہ... یہ بچے پاگل تو نہیں ہیں۔"

"پاگل نہیں... البتہ خطرناک ضرور ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"میں نے کہا ہے... پورے ملک میں زلزلہ آ جائے گا۔"

"پروا نہیں... اللہ مالک ہے... ہم وہ نہیں ہیں... جو بڑی طاقتوں سے ڈرتے ہیں۔"

"تمہاری حکومت تو بھیگی بلی بنی رہتی ہے۔"

"بنی رہتی ہو گی... اس وقت تم لوگ ہمارے قبضے میں ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"خیر... تم لوگ کرنا کیا چاہتے ہو۔"

"چہروں کی مرمت... اگر ان پہ میک اپ کیا ہوا تو اندر سے اصلی چہرے نکال باہر کریں گے۔" محمود مسکرایا۔

"کوشش کر دیکھو۔"

انسپکٹر کامران مرزا، خان رحمان اور منور علی خان انھیں اپنے پستولوں کی زد پہ لیے رہے، انسپکٹر جمشید نے ان کے چہروں کا معائنہ شروع کر دیا... آخر انھوں نے کہا:

"تیزاب کی مدد سے چہرے صاف کرنا ہوں گے... اس کے بغیر میک اپ نہیں اترے گا۔"

"تیزاب... ارے باپ رے... ان کے چہرے جھلس

نہیں جائیں گے۔" فاروق گھبرا گیا۔

"نہیں... صرف وہ جلد جھلسے گی جو انھوں نے اصلی...

پہ چڑھا رکھی ہے۔"

"تو آپ کو یقین ہے کہ یہ میک اپ میں ہیں"

"ہاں بالکل..." انھوں نے کہا۔

آخر تیزاب کا بندوبست کیا گیا... چمٹیوں میں رو...

پکڑ کر تیزاب روئی پہ لے کر شونڈر کے چہرے...

پھیرا گیا... شونڈر کا مارے غصے کے برا حال تھا... ا...

پھر انھوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا... کھال...

رنگت کی باریک سی تہ شونڈر کے چہرے پر سے...

چلی جا رہی تھی... ایک منٹ بعد ہی ان کے نیا...

ایک بالکل نیا چہرہ نکل آیا... لیکن نیا چہرہ اور...

ہر لحاظ سے نیا تھا... اور زیادہ حیرت انھیں ا...

بات پہ تھی...

"یہ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" ان کے م...

سے نکلا۔

"خود میں بھی حیرت زدہ ہوں۔" انسپکٹر جمشید...

بولے۔

"میں نے کبھی اپنی زندگی میں ایسے نقوش والا انسا...

...تک نہیں دیکھا..." انسپکٹر کامران مرزا بولے

"تت... تو... تو کیا... یہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق...

..." پروفیسر داؤد چلائے۔

"اس کے علاوہ ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔"

"لیکن... لیکن... کسی دوسرے سیارے کی مخلوق...

...ری زمین کی کسی زبان میں کس طرح باتیں کر سکتی ہے۔"

...ن رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

"ان سوالات کا جواب مسٹر نقلی شونڈر ہی دے...

...تے ہیں۔"

"ہاں! ہم اس زمین کے نہیں ہیں... بلکہ ہم... نہیں...

...یں کچھ بتاؤں... میرے پیارے ساتھیو... میری طرف

...یکھو... دیکھو... میں تمھارا لیڈر ہوں... اور ہمیں یہی

...یت ہے کہ..."

اس نے اپنا منہ بند کر لیا... اس کے ساتھیوں

...ں سے کوئی بھی نہ بولا... اچانک وہ تڑاتڑ

...رنے لگے... یہاں تک کہ دس کے دس گر کر

...لاک ہو گئے...

"ارے انھیں کیا ہوا۔"

"یہ مر گئے... میں نے انھیں مار دیا... تاکہ تم لوگ ان سے کچھ نہ پوچھ سکو۔"

"تو کیا ہوا... ہم تم سے پوچھ سکتے ہیں۔" شوکی نے منہ بنا کر کہا۔

"مجھے یہی ہدایات تھیں... اگر ہم خطرے میں گھر جائیں تو میں اپنے دس کے دس ساتھیوں کو ہلاک کر دوں۔"

"لیکن... تم نے انھیں ہلاک کیسے کیا؟"

"زہریلی سوئیوں کے ذریعے... سوئیاں پھینکنے والا پائپ میرے منہ میں ہے... لیکن اب اس میں کوئی زہریلی سوئی نہیں ہے..."

"گویا تم نہیں مرو گے... اور ہم ہر بات تم سے پوچھ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"غلط خیال ہے تم لوگوں کا... تم مجھ سے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکو گے... ہماری انتظامیہ کو شاید پہلے ہی معلوم تھا کہ ہمیں کہاں بھیجا جا رہا ہے... لہٰذا انھوں نے اس قسم کے انتظامات کر رکھے تھے..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ارد گرد سفید دھواں پھیل گیا... انھیں یوں لگا تھا... جیسے دھواں اس کے جسم سے نکلا ہو...

"خبردار..." انسپکٹر جمشید چلائے۔

آن کی آن میں دھواں پورے کمرے میں بھر گیا... وہ گھبرا کر باہر کی طرف دوڑے... ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے اندازے سے شونڈر پر فائر کر دیا... دوسرے ہی لمحے ان کے منہ سے چیخ نکلی... گولی دھوئیں کی طرح گئی تھی، اور اسی طاقت سے ان کی طرف آئی تھی... انھیں کندھے میں آگ سی لگتی محسوس ہوئی...

"خبردار... کوئی فائر نہ کرے۔"

اور پھر انھوں نے دھوئیں کو باہر جاتے دیکھا... جمشید پہلے ہی باہر نکل کر چلا چلا کر پولیس کو کہہ چکے تھے کہ خبردار... کوئی فائر نہ کرے... کچھ بھی نہ کرے... اور پھر دھواں ہیڈ کوارٹر سے باہر نکل گیا۔

پھر انھوں نے دھوئیں کو باہر کھڑی ایک جیپ میں سوار ہوتے دیکھا... جیپ پولیس کی تھی... چابی انجن میں ہی چھوڑ دی گئی تھی...

جلد ہی جیپ وہاں سے روانہ ہوئی... دھوئیں نے بھی جیپ کو گھیر رکھا تھا... وہ اپنی جیبوں کی

طرف دوڑے...

تھوڑی دیر بعد وہ سب دھوئیں دار جیپ کا تعاقب کر رہے تھے... لیکن یہ تعاقب زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا... اچانک جیپ رک گئی... اس وقت تک شہر میں ہل چل مچ چکی تھی.... لوگ دھوئیں کو جیپ چلاتے دیکھ دیکھ کر بے ہوش ہو ہو کر گر رہے تھے...

انھوں نے دھوئیں دار جیپ کو گھیر لیا...

جلد ہی دھواں چھٹ گیا... لیکن اب جیپ میں شونڈر نہیں تھا... وہ جیپ رکتے ہی جیپ سے اتر گیا تھا... لیکن بہرحال... انھوں نے دھوئیں کو جیپ سے نکلتے نہیں دیکھا تھا... اب نہ جانے وہ کس طرح جیپ سے جدا ہوا تھا... پورے شہر میں پولیس نے دوڑ لگا دی... لیکن شونڈر کا کہیں پتا نہ چل سکا...

تھک ہار کر انھیں لوٹنا پڑا... انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر صدر صاحب کو فون کیا، حالات سنائے تو صدر صاحب سناٹے میں رہ گئے۔

"کیا واقعی جمشید... وہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق تھی۔"

"اس کے چہرے کے نقش و نگار سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن بھئی... ابھی تک کسی دوسرے سیارے پر کوئی مخلوق ثابت نہیں ہو سکی۔"

"سائنس دانوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا سر... کہ انھوں نے تمام تر سیارے چیک کر ڈالے ہیں.... بلکہ ابھی تو ہماری اسی دنیا کے بے شمار ایسے حصے ہیں... جہاں انسان کا گزر نہیں ہو سکا... ان حصوں میں بھی تو ایسی مخلوق ہو سکتی ہے۔"

"ارے ہاں! اس کا امکان ہے۔" صدر صاحب بولے۔

"اب پہلے تو ونڈاس سے بات کریں... یہ کس طرح ممکن ہو گیا کہ اس کی ٹیم کی جگہ ایک اور ہی مخلوق نے لے لی... اور انھیں معلوم تک نہیں ہوا... پہلے یہ تو معلوم ہو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے... میں رابطہ قائم کراتا ہوں... تم انتظار کرو۔" انھوں نے کہا۔

بیس منٹ بعد ان کا فون آیا:

"ہاں جمشید... بات سامنے آ گئی... میرے فون سے پہلے ہی وہ اپنے ملک کے ایک صحرا سے اپنے گیارہ ساتھیوں کی لاشیں تلاش کر چکے ہیں... گویا اس مخلوق نے اصل گیارہ آدمیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور... حیرت کی بات یہ کہ ان کے جسموں پر کوئی زخم نہیں تھا... بس ہر ایک کے سینے میں ایک باریک سا سوراخ تھا... جلا ہوا سوراخ۔"

"جی... کیا مطلب... جلا ہوا سوراخ۔"

"ہاں! جیسے لوہے کی باریک سلاخ گرم کر کے لکڑی میں ٹھونس دینے سے بنتا ہے۔"

"اوہ... حیرت کی بات ہے... آخر ونٹاس میں وہ دوسری دنیا کی مخلوق کیسے آ گئی۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" صدر صاحب بولے۔

"خیر ہم اس سلسلے میں اپنا کام جاری رکھیں گے، کیوں کہ تمام حالات حد درجے عجیب و غریب ہیں۔"

"شکریہ جمشید... مجھے تم لوگوں سے یہی امید ہے۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

انھوں نے گفتگو سب کو سنا دی...

"ہر قدم پر حیرت بڑھ رہی ہے... اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس دوسری دنیا کی مخلوق نے ونٹاس پہنچ کر اس ٹیم کو اغوا کیا... اغوا کر کے صحرا میں لائی... وہاں ان کے کپڑے اتارے... ان کا میک اپ اپنے چہروں پر کیا اور پھر ہمارے ملک کا رخ کیا۔"

"جی ہاں! اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"یہ سب باتیں حد درجے عجیب ہیں... ہمارے حلق سے نہیں اتر رہیں... لیکن ہم کیا کریں... اتارنا پڑ رہی ہیں... یہی کیا کم حیرت کی بات تھی کہ وہ چٹان کسی بھی ملک کی پارٹی کی سمجھ میں نہیں آ سکی... دوسری اس سے بھی بڑھ کر حیرت اس پر اسرار نیند کی ہے... تیسری حیرت چٹان گم ہونے پر ہے... چوتھی حیرت اس دوسری دنیا کی مخلوق پر ہے... پانچویں حیرت اس دھوئیں پر ہے..." انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

"کک... کہیں... اس مرتبہ ہم حیرتوں کی زد میں تو نہیں ہیں..." آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"حیرتوں سے ڈرنے والے اسے آسماں نہیں ہم..." فاروق مسکرایا۔

"نہیں... یوں کام نہیں چلے گا... اس معاملے کا کھوج لگانا پڑے گا۔" شوکی بولا۔

"تب پھر شاید ہمیں اس سیارے پر ہی جانا پڑے گا۔" مکھن نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا ہوا... چلے آئیں گے... ہمارے کوئی پیر گھستے ہیں۔" اشفاق نے کہا۔

"کیا کر رہے ہو بھئی۔" شوکی نے اسے گھورا۔

"اوہ... تو کیا اس سفر میں پیر گھسنے کا زیادہ امکان ہے۔" اخلاق بولا۔

"نہ صرف پیر... بلکہ دماغ بھی۔"

"پتا نہیں... ہمیں سفر کرنا بھی پڑتا ہے یا نہیں... خیالی پلاؤ ضرور شروع کر دی ہے۔" منور علی خان نے منہ بنایا۔

"ہم... ان دس لاشوں کو تو بھول ہی گئے... ان کو بھی تو دیکھنا چاہیے... اور پھر ان کو اٹھوانا بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید کو جیسے اچانک یاد آیا۔

وہ سب اس کمرے کی طرف آئے... جس میں وہ دس گرے تھے... دروازے پر ہی پہنچے تھے کہ بدبو کا ایک شدید بھبکا نتھنوں میں آ گھسا... وہ سب گھبرا

کر پیچھے ہٹ گئے... پھر انسپکٹر کامران مرزا نے ہمت کی اور اندر داخل ہو گئے... لیکن انھیں ناک ضرور بند کرنا پڑی...

پھر وہ گھبرا کر باہر نکل آئے...

"وہ... وہ بھی نہیں بچے۔" انھوں نے کانپ کر کہا۔

"جی... کیا فرمایا... آپ نے۔" وہ گھبرا گئے۔

دس کے دس آدمی پانی بن چکے ہیں... ان کے اپنے پانی میں ان کے کپڑے موجود ہیں... اور یہ بدبو اس پانی کی ہے...

"اُف!" وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ آئے...

ان کی طبیعت متلانے لگی... پھر وہ ہیڈ کوارٹر سے ہی باہر نکل آئے... بہت دیر بعد ان کی طبیعتیں بحال ہوئیں۔

"چٹان ہم دیکھ چکے... نقلی شونڈر بھی ہاتھ سے نکل گیا... دس لاشیں پانی بن گئیں... ان حالات میں ہم کریں تو کیا... کریں..." خان رحمان بڑبڑانے کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"کچھ کرنے کی اب ضرورت ہی کیا رہ گئی ہے..."

واپس چلتے ہیں۔" مکھن بولا۔

"لیکن... لوگ ہم سے پوچھیں گے... چٹان کا راز کیا تھا... ونٹاس کی ٹیم نے کیا معلوم کیا... ہم کس نتیجے پر پہنچے... آخر ہم کیا جواب دیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تب پھر... آپ ہی بتائیں... ہم کیا کریں۔"

"ہم غور کریں گے... ان حالات میں غور کرنا بہت مفید ہو گا..." انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"خیر... آپ کہتے ہیں تو کر لیتے ہیں غور... ہمارا کیا جاتا ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

صدر صاحب کو ایک بار پھر فون کر کے حالات بتائے گئے... انھوں نے بھی یہی حکم دیا کہ اس سلسلے میں کام جاری رکھا جائے... لیکن انھیں تو کام جاری رکھنے کا کوئی سرا ہی نہیں مل رہا تھا... کرتے تو کیا کرتے...

"اگر آپ لوگ بُرا نہ مانیں... تو میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔" ایسے میں فرحت کی آواز سنائی دی۔

"ضرور فرحت... کیوں نہیں..." انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"چٹان کے غائب ہونے کے بعد اس گڑھے کا

معائنہ ہمارے ملک کے ماہرین نے نہیں کیا... شاید وہ اس کا معائنہ کر کے کچھ بتا سکیں... اور ہو سکتا ہے ہمارے لیے آگے بڑھنے کا کوئی راستا نکل آئے..." فرحت نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"بہت خوب فرحت... تمھاری تجویز اندھیرے میں روشنی کی مانند ہے... ہم فوری طور پر یہ کام کریں گے۔"

اور پھر ماہرین کو وہاں بلایا گیا... ان کے جمع ہونے کے بعد وہ ایک بار پھر ان پہاڑوں کی طرف چل پڑے... آخر اس گڑھے تک پہنچ گئے... ماہرین نے اپنا کام شروع کر دیا... یہ کام ان کی سمجھ کا تو تھا ہی نہیں... اس لیے وہ پیچھے ہٹ آئے...

"سچ بات تو یہ ہے کہ میں بہت بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بے چینی کا کیا ہے انکل... لیجیے ہم بھی محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں۔" آصف مسکرایا۔

"نہیں بھئی... میں بہت سنجیدہ ہوں... یہ واقعات ضرور کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہیں۔"

"ایک تو مجھے یہ پیش خیمہ سمجھ میں نہیں آیا۔"

فرحت نے بھنّا کر کہا۔

"اردو میں کمزور ہو گیا۔"

"ہائیں... ماہرین تو واپس آ رہے ہیں..." فاروق بول اٹھا۔

انھوں نے نظریں اٹھائیں... ماہرین واقعی واپس آ رہے تھے... ان کے چہروں پر بے پناہ جوش تھا... شاید انھوں نے کوئی اہم بات معلوم کر لی تھی...

سیاہ ستارہ

وہ ان کے نزدیک آ کر رک گئے۔

"ہمیں رپورٹ اب لوگوں کو دینا ہو گی یا اپنے انچارج کو" — ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہمیں ہی دے دیں، انچارج سے بھی تو ہمیں لینا پڑے گی۔"

"شکریہ — گڑھا آگ کی طرح گرم ہے اور ابھی شاید کئی روز تک گرم رہے گا — ایسا معلوم ہوتا ہے — جیسے کوئی مشینری اس گڑھے میں پھنس گئی تھی — اس مشینری نے گڑھے میں سے نکلنے کے لیے زور مارا — اس طرح جو زور صرف ہوا — اس سے گڑھا گرم ہو گیا — لیکن ہم نے آج تک ایسی کوئی مشینری نہیں دیکھی جو اس طرح کسی گڑھے سے نکل سکے۔"

"ہم — مشینری — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب — اس

گڑھے میں تو وہ چٹان موجود تھی ۔ جس کا ذکر اس وقت پورے ملک میں گونج رہا ہے۔" شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

" اوہو اچھا۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

" جی ہاں !" فاروق مسکرایا۔

" تب پھر ۔ وہ چٹان کہاں ہے ؟"

" چٹان غائب ہے ۔ ہم اس کی تلاش میں ہیں۔" آفتاب بولا ۔

" کیا کہ رہے ہیں آپ ۔ چٹان غائب ہے ۔ اور آپ اس کی تلاش میں ہیں۔"

" ہاں ۔ تلاش میں نہ ہوں تو کیا کریں ۔ نہ جانے بے چاری کہاں ہو گی ۔ اور کس حال میں ہو گی۔" مکھن بڑبڑایا۔

" جی ۔ کیا فرمایا۔" ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

" بہر حال جناب ۔ ہماری رپورٹ بس اتنی ہی ہے۔ ہاں ۔ اتنا اور سن لیں کہ گڑھے کی سطح بالکل سیاہ ہو گئی ہے ۔ اس قدر کہ اگر اس پر انگلی پھیریں تو سیاہی اس پر لگ جاتی ہے۔"

" ابھی تو آپ کہ رہے تھے کہ گڑھے کی سطح آگ کی طرح گرم ہے ، پھر انگلی کس طرح پھیری جا سکی۔" خان رحمان بولے ۔

" سطح کے گرم ہونے کا اندازہ تو ہمیں پہلے ہی ہو گیا تھا ۔ لہٰذا تیزی کے عالم میں انگلی سے چھونا مشکل نہیں تھا۔"

" شکریہ جناب ! آپ لوگ جا سکتے ہیں ۔ ہم ابھی یہیں ٹھہریں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے ان سے کہا۔

اور وہ اپنی گاڑی میں چلے گئے ۔

" اور ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے انکل۔" فرزانہ بولی۔

" ان ماہرین نے ایک بات کہی ہے ۔ یہ کہ کوئی مشینری اس گڑھے میں سے نکلی ہے ۔ جو پھنس گئی تھی ۔ تم نے بھی چٹان کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ چٹان ہرگز نہیں ہے ، تو پھر فرزانہ ۔ کیا وہ چٹان کوئی مشینری ہو سکتی ہے ؟"

" شش ۔ شاید ۔ ہو ۔ میں یقین سے کیا کہ سکتی ہوں۔"

" شونڈر اگر غائب نہ ہو گیا ہوتا تو شاید ہم اس سے بہت کچھ معلوم کر سکتے تھے۔"

" لل ۔ لیکن ۔ ہے تو وہ شہر میں ہی ۔ فرار ہونے کا موقع تو ملا نہیں ہو گا اسے ، کیوں کہ ہم نے فوراً ناکہ بندی کر دی تھی۔" خان رحمان بولے ۔

" یہاں کی ناکہ بندی کی بھی ایک ہی کہی ۔ شہر کے تین طرف تو پہاڑ ہیں ۔ ان پہاڑوں کی طرف سے اگر

کوئی نکلنا چاہے تو ناکہ بندی کیا کر سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"م ۔ میں ایک نقطہ دیکھ رہی ہوں۔" فرحت نے گویا اعلان کیا ۔

"ایک کیا ۔ ہماری طرف سے تم سو نقطے دیکھو۔" فاروق نے منہ بنایا ۔

"اور وہ نقطہ انتہائی تیزی سے نیچے آ رہا ہے۔"

"نیچے آ رہا ہے ۔ لیکن کہاں سے ؟" مکھن چہکا ۔

"صاف ظاہر ہے ۔ ہر نیچے آنے والی چیز اوپر سے آتی ہے ۔ نقطہ آسمان سے آ رہا ہے۔"

"نقطہ ۔ آسمان سے آ رہا ہے ۔ کیا اور کوئی چیز نہیں رہ گئی آنے کے لیے۔" محمود بڑبڑایا۔

اب وہ سب اوپر دیکھنے پر مجبور ہو گئے ۔ واقعی سیاہ رنگ کا ایک نقطہ سا بلا کی رفتار سے نیچے گرتا نظر آ رہا تھا ۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئے ۔

"یہ ضرور کوئی ستارہ ہے۔" آصف بولا ۔

"ستارے سیاہ نہیں ہوتے۔" محمود نے اسے گھورا ۔

"دور ہونے کی وجہ سے یہ سیاہ نظر آ رہا ہوگا۔" آفتاب نے کہا ۔

"دماغ تو نہیں چل گیا ۔ ستارے پہلے ہی کون سا نزدیک ہوتے ہیں ۔ میں نے تو آج تک آسمان پر کوئی سیاہ ستارہ نہیں دیکھا۔"

"ہوں ۔ بات تو یہ بھی ٹھیک ہے ۔ ارے ہاں ۔ یہ ضرور کوئی شہاب ثاقب ہوگا۔"

"اُف مالک ۔ یہ تو سیدھا ہمارے سروں پر آتا محسوس ہو رہا ہے ۔ ہمیں اپنے بچاؤ کی کوشش کرنی چاہیے۔" منور علی خان گھبرا گئے ۔

"ایسی کوئی بات نہیں ۔ بلندی پر ہونے کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔" پروفیسر غوری بولے ۔

"لل ۔ لیکن ۔ بالکل سروں پر تو گرتا محسوس نہیں ہونا چاہیے۔"

"گر لینے دیجیے ۔ سمجھا دیں گے بعد میں۔" فاروق نے منہ بنایا ۔

"کک ۔ کس کو سمجھا دیں گے۔" پروفیسر داؤد نے بے دھیانی کے عالم میں کہا ۔

"اس ۔ اس نقطے کو ۔ یا جو کچھ بھی وہ ہے۔"

"ہائیں ۔ تم نقطے کو سمجھاؤ گے۔" پروفیسر داؤد بولے ۔

"جی ہاں ۔ کیا حرج ہے۔"

"مسٹر جگنو۔ آپ کا اس نقطے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اچانک انسپکٹر جمشید بولے، کیوں کہ انھیں اس کے چہرے پر حد درجے حیرت نظر آئی تھی۔

"ہم۔ میں۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہ۔ یہ اُڑن طشتری ہے۔"

"اُڑن طشتری۔" اُن سب کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! ان پُر اسرار اُڑن طشتریوں نے ساری دُنیا کو پریشان کر رکھا ہے۔ اچانک فضا میں نمودار ہوتی ہیں اور غائب ہو جاتی ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ اُڑن طشتریوں کے بارے میں یہ باتیں تو آئے دن اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی کسی مُلک کی فضا میں یہ نظر آتی ہیں تو کبھی کسی مُلک کی فضا میں۔ لیکن بس۔ تھوڑی دیر کے لیے نظر آتی ہیں، پھر غائب ہو جاتی ہیں۔ آج تک ان کا راز معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ کہاں سے آتی ہیں اور کہاں چلی جاتی ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ۔ اُڑن طشتریاں کسی دُوسرے سیارے کی مخلوق کے لڑاکا طیارے ہیں جنھیں وُہ تجرباتی طور پر زمین کی طرف بھیجتے رہتے ہیں۔ اور اسی لیے دُنیا ان سے کسی حد تک خوف زدہ ہے۔" پروفیسر

داؤد کہتے چلے گئے۔

"اور مَیں چند جملوں کا اضافہ کرنا چاہوں گا۔ سائنس دانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ اُڑن طشتریاں کسی دُوسرے سیارے کے خلائی جہاز ہیں۔ عام طور پر یہ سورج کے مخالف سمت میں دیکھی جاتی ہیں۔ یعنی دُنیا کے جن اطراف میں سورج نکلا ہوتا ہے، اس کے دُوسری طرف۔ تاکہ ان کا سایہ نہ دیکھا جا سکے۔ ہوائی جہازوں کا سایہ سورج کی روشنی میں نظر آ جاتا ہے۔" پروفیسر غوری بولے۔

"اگر اجازت ہو تو ایک دو جملے میں بھی کہتا چلوں۔" پروفیسر عقلان بولے۔

"کیوں نہیں۔ پروفیسر انکل۔" شوکی بولا۔

"ان اُڑن طشتریوں کا کئی مرتبہ ہوائی جہازوں کے ذریعے تعاقب بھی کیا گیا۔ لیکن یہ آن کی آن میں غائب ہو جاتی ہیں۔ آج تک کامیاب تعاقب نہیں کیا جا سکا۔ درمیانی فاصلہ بھی کم نہیں کیا جا سکا۔"

"جی ہاں! یہ باتیں بھی ہیں۔" جگنو نے کہا۔

"اُف۔ نقطہ اب بہت بڑا ہو گیا ہے۔" فرزانہ کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔

اُن کی نظریں اُوپر کی طرف جم کر رہ گئیں۔ نقطہ

اب ایک پلیٹ کی طرح نظر آ رہا تھا۔ جو تیزی سے گردش کرتا اور نیچے اُترتا دکھائی دے رہا تھا۔

" ابھی بھی — یہ زمین سے بہت بلندی پر ہے — لیکن مَیں یقین سے کہ سکتا ہوں کہ یہ اُڑن طشتری ہے، کیوں کہ مَیں ایک بار رصدگاہ سے اسے اُترتے دیکھ چکا ہوں۔"

" لیکن ابھی تو پروفیسر صاحب بتا رہے تھے کہ یہ سورج کے مخالف سمت میں نظر آتی ہے — یہاں تو سورج نکلا ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

" بھلا اس بارے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

ان کی نظریں بدستور اُوپر جمی رہیں — اور پھر انھوں نے ایک بالکل گول چیز کو دیکھا —

" اب اس میں کوئی شک نہیں ہے — کہ یہ اُڑن طشتری ہی ہے۔" پروفیسر غوری چلّائے۔

" اور اس کے ارادے خطرناک نظر آتے ہیں، کیونکہ آج تک کوئی اُڑن طشتری اس حد تک نیچے نہیں آئی، اس بلندی پر تو اسے طیاروں کے ذریعے گھیرا جا سکتا ہے۔" خان رحمان نے چلّا کر کہا۔

" اور اس کی سیدھ بھی عین ہمارے سروں پر ہے — اگر اس نے بم باری شروع کر دی تو ہم تو گئے کام سے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

" بم باری — اور اُڑن طشتری کرے گی — دماغ تو نہیں چل گیا — دُوسرے کسی سیارے پر اگر کوئی مخلوق آباد ہے — جیسا کہ ہم شونڈر کے ساتھیوں کو دیکھ چکے ہیں — اور یہ اُڑن طشتریاں ان کی ایجاد ہیں تو بھی — یہ صرف اور صرف جاسوسی کے کام آ سکتی ہیں — بم باری کے نہیں — آج تک کسی اُڑن طشتری نے بم باری نہیں کی۔"

" لیکن — اُڑن طشتریاں آج تک بہرحال ایک راز ہیں — یہ راز ابھی تک دُنیا پر کُھل نہیں سکا — لہٰذا کیا کہا جا سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

" احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کسی محفوظ جگہ میں دبک جائیں — آخر ایسا کرنے میں ہمارا کیا نقصان ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے —

" بات معقول ہے۔" کئی آوازیں اُبھریں۔

" لیکن — وُہ محفوظ جگہ ایسی ہونی چاہیے — جہاں سے ہم اسے دیکھ بھی سکیں۔" محمود نے کانپتی آواز میں کہا۔

وُہ دوڑ پڑے — اچانک انھوں نے سائبان کی طرح

جھکی ایک چٹان دیکھی۔ ان حالات میں اس سے بہتر
پناہ کی جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس کے نیچے
سمٹ گئے۔ اُڑن طشتری اب انھیں بالکل صاف نظر آ
رہی تھی۔ یہ کسی بڑے مسافر جہاز سے کسی طرح کم
نہیں تھی۔ بلکہ کچھ زیادہ بڑی ہی نظر آ رہی تھی۔
لیکن اس کی شکل جہاز کی سی نہیں تھی۔ یہ بالکل گول
تھی اور درمیان سے اُبھری ہوئی۔

"شہر کے لوگوں نے بھی اب تک اسے دیکھ لیا ہو
گا۔ اور وہاں ہل چل کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو گی۔"
فاروق بولا۔

"ہاں! سارا شہر اسے دیکھ رہا ہو گا۔ لیکن شاید
ابھی شہر کے لوگوں نے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا ہو
گا۔" آصف بولا۔

اچانک بادلوں کی گڑگڑاہٹ سی سُنائی دی۔ ان
کے دل دہل گئے۔ آواز حد درجے خوف ناک تھی۔
شدید بارش کے وقت جب مثبت اور منفی بادل
آپس میں ٹکراتے ہیں۔ اور بجلی چمکتی ہے۔ تو اس قسم
کی کڑک سُنائی دیتی ہے کہ دل دہل جاتے ہیں۔ یہ
آواز اگرچہ اس کڑک سے مختلف تھی، لیکن۔ اس کڑک

کی نسبت بہت ہول ناک تھی۔

"یا اللہ رحم۔ یہ۔ یہ آواز کیسی تھی۔ کہیں بجلی تو
کڑکتی دکھائی نہیں دی۔" شوکی نے کانپ کر کہا۔

"یہ بجلی کی کڑک نہیں تھی۔" پروفیسر غوری بولے۔

"تو پھر۔ کیا تھا؟"

"شش۔ شاید۔ یہ اسی اُڑن طشتری کی آواز ہے۔"

"اس کی آواز تو ہم پہلے ہی سُن رہے ہیں۔
بالکل کسی لڑاکا طیارے کی آواز بہت دیر سے سُنائی
دے رہی ہے۔"

"ہوں۔ بھئی جمشید۔ میرا خیال ہے۔ اس اُڑن طشتری
نے اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔ اور شہر پر حملہ آور ہو چکی
ہے۔" خان رحمان نے مُردہ آواز میں کہا۔

"اگر ایسا ہے بھی خان رحمان۔ تو ڈرنے، گھبرانے
یا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ہمارے طیارے
ابھی اٹھیں گے اور اسے مار گرائیں گے۔ یا بھگا دیں گے،
اگر انھوں نے اسے گرا لیا تو یہ اور بھی بہتر ہو
گا۔ اڑن طشتریوں کا راز راز نہیں رہ جائے گا۔
شاید ساری دُنیا ان کے بارے میں جان جائے گی۔"

"ابھی تک تو ہمارے طیاروں کا نام و نشان تک

نظر نہیں آ رہا۔ اگرچہ یہ شہر بھی چھاؤنی ہے۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"زندگی میں پہلی مرتبہ اُڑن طشتری اس حد تک نزدیک دکھائی دی ہے۔ حیرت دُور ہو گی تو تعاقب کا خیال آئے گا نا۔" پروفیسر داؤد نے مسکرا کر کہا۔

اچانک ایک بار پھر گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ ان کے دل زور سے اُچھلے۔

"اس گڑگڑاہٹ سے دل کے مریض مر ہی نہ جائیں۔" جگنو نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

اور پھر سائرن کی آواز ان کے کانوں نے سُن لی۔

"ہاں! اب ہوا ہے پروگرام شروع۔" خان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

"چلیے۔ آپ کے منہ پر رونق تو نظر آئی۔"

"زمین سے بھی اس پر وار کیا جا سکتا ہے۔ صرف ہوا میں ہی مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! یہ بھی کیا جائے گا۔ لیکن تیاری میں کچھ تو وقت لگے گا۔ اب کسی کو معلوم تو نہیں تھا کہ ایک

عدد اڑن طشتری صاحبہ آ وارد ہوں گی۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

اچانک انھوں نے چار طیارے اُٹھتے دیکھے:

"وہ مارا۔ اب آئے گا مزا۔ اڑن طشتریوں سے ہمارے طیاروں کی جنگ ہو گی۔" آصف نے اُچھل کر کہا۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ اُڑن طشتریاں سالوں سے دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ لیکن اس قدر نزدیک سے آج پہلی بار دیکھا گیا ہے۔ آخر یہ جو دُنیا کے اس حد تک قریب آئی ہیں۔ تو کچھ تو بات ہو گی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بالکل۔ ٹھیک کہا آپ نے۔" پروفیسر عقلان بولے۔

جلد ہی انھوں نے دیکھا۔ چار طیاروں نے اُڑن طشتری کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ایک طیارہ عین اس کے اوپر تھا۔ دُوسرا عین اس کے نیچے۔ تیسرا دائیں۔ چوتھا بائیں طرف۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اڑن طشتری نے ذرا بھی بچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ابھی تک وہ شہر کے اوپر اس طرح گردش کر رہی تھی جیسے اسے کسی طیارے نے نہ گھیرا ہو۔

"اُف — اتنی بے خوفی — مجھے تو چکر آ گیا ہے۔" خان رحمان گھبرا کر بولے۔

"جی — انکل — کیا مطلب؟"

"اڑن طشتری ہمارے جہازوں سے ذرا بھی خوف زدہ نظر نہیں آتی — حالاں کہ اگر اس نے ہمارے جہازوں کی ہدایات پر عمل نہ کیا تو پھر وہ اس کے ساتھ جنگ شروع کیے بغیر نہیں رہیں گے۔"

"جنگ کرنے سے تو یہی بہتر ہو گا کہ ہم اسے نیچے اُترنے پر مجبور کر دیں۔"

"اُڑن طشتری کے پائلٹ نے حکم مانا تب نا — ورنہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"تت — تو اس میں پائلٹ بھی ہے۔" شوکی نے حیران ہو کر کہا —

"تو اور کیا — تمھارے خیال میں یہ بغیر پائلٹ کے اُڑتی ہیں۔"

"میرا خیال تھا۔"

شوکی کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اسی وقت تڑا تڑ کی آواز گونجی تھی — چاروں طیاروں نے اُڑن طشتری پر گولیاں برسانا شروع کر دی تھیں — اور پھر

انھوں نے ایک ہول ناک منظر دیکھا —

چاروں طیارے آگ اور دھوئیں کی لپیٹ میں نیچے گرتے نظر آئے —

"یہ — یہ کیا ہوا — اُڑن طشتری نے تو شاید کوئی فائر نہیں کیا۔" خان رحمان چلّائے۔

"ہاں! اس نے فائر نہیں کیے — لیکن ہمارے طیاروں نے تو فائرنگ کی ہے نا — وہی گولے اُلٹ کر ہمارے طیاروں کو لگے — اور وہ تباہ ہو گئے — بالکل اس طرح جیسے — شونڈر پر فائر کیا گیا تھا — اور وہ پلٹ کر مجھے لگا تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اپنے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا — جہاں اب پٹی بندھی تھی — گولی نے صرف گوشت کو چھوا تھا — ہڈی محفوظ رہی تھی — اسی لیے وہ ان کے ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے —

"اُف — یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" محمود کی آواز میں کپکپی تھی —

"بلکہ کیا سن رہے ہیں۔" آصف نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہ جانے شہر کے حالات کیا ہوں گے — قیامت ہی مچی ہو گی — یہ چاروں طیارے بھی عین شہر پر گرے ہوں گے۔" پروفیسر داؤد دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

اُڑن طشتری اب فضا میں آزادانہ چکر کاٹ رہی تھی۔
ایک بار پھر گڑگڑاہٹ سُنائی دی۔ انھیں اپنے سانس
سینے میں اٹکتے محسوس ہوئے اور پھر اُڑن طشتری اُوپر
اُٹھتی محسوس ہوئی۔ وُہ بالکل عمودی اُٹھ رہی تھی۔
آہستہ آہستہ وُہ نقطے میں بدل گئی اور پھر نقطہ بھی ان
کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

دوسرا حصہ
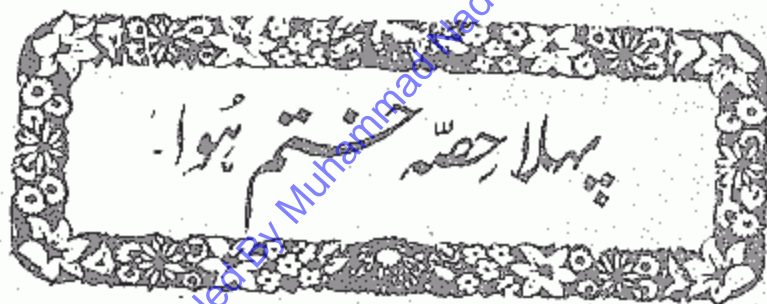
مشترکہ رائے

وہ شہر میں داخل ہوئے ___ شہر آگ اور دھوئیں میں ڈوبا ہوا تھا ___ یوں لگتا تھا جیسے سارے شہر پر آگ اور دھوئیں کی بارش ہوئی ہو ___ اُن کے دل خون کے آنسو رو دیے ___ انھوں نے جلد از جلد ہیڈ کوارٹر پہنچنے کی کوشش کی، لیکن وہاں تو اُلّو بول رہے تھے ___ ایک آدمی بھی موجود نہیں تھا ___ بس دروازے پر چوکیدار تھا ___ وہ بھی کھڑا آنسو بہا رہا تھا:

"کیا خبریں ہیں بابا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خبریں ___ آپ کو معلوم نہیں۔"

"نہیں ___ ہم شہر سے باہر تھے۔"

"اَن گنت عمارتیں تباہ ہو گئیں ___ سیکڑوں لوگ مارے گئے۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"اُن چاروں جہازوں کے گرنے سے۔"

"ایسا ان کے گرنے سے پہلے ہو چکا تھا۔ اُڑن طشتری کی فائرنگ سے۔"

"اوہ! تو اس نے فائرنگ کی تھی۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! اس کی فائرنگ کی آواز بادلوں کی گڑگڑاہٹ کی سی تھی۔ گولیوں کا جیسے مینہ برس رہا تھا۔ گولیوں میں بم بھی شامل تھے۔ بموں نے عمارتوں کو اڑا کر رکھ دیا۔ اور گولیوں نے انسانوں کو چھلنی بنانے کا کام کیا۔ رہی سہی کسر گرنے والے جہازوں نے پوری کر دی۔ وہ اسے تو نہ گرا سکے۔ خود گر گئے۔ ان کی اپنی گولیاں ہی انھیں لگیں اور وہ نیچے آ رہے۔ شہر کے چار بڑے حصے ان سے تباہ ہو گئے۔ اس طرح بھی نہ جانے کتنے آدمی مرے ہوں گے۔ یہ اندازہ تو ابھی کئی روز تک لگایا جا سکے گا۔ اس وقت تو امدادی کام جاری ہے۔ زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا جا رہا ہے۔ ملبے میں دبے لوگوں کو نکالا جا رہا ہے۔"

ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ انھوں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اُڑن طشتریاں یہ کام بھی دکھا سکتی ہیں۔ اور پھر سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ کہ اُڑن طشتری کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ گویا ان

کے جہاز اس کا کچھ بھی بگاڑنے کے قابل نہیں تھے۔

اب سکتے میں رہ کر بھی وہ کیا کر سکتے تھے، لہٰذا انسپکٹر کامران مرزا نے چونک کر کہا:

"ہمیں بھی امدادی کاموں میں حصّہ لینا چاہیے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

وہ ایک متاثرہ علاقے میں پہنچ گئے اور دکھی انسانیت کے کام آنے کے لیے جو کچھ دوسرے کر رہے تھے، وہی کچھ کرنے لگے۔ قدم قدم پر جلی ہوئی اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی لاشیں دیکھ کر ان کے دل کھل کر روئے، آنکھیں برس پڑیں۔ قدم بوجھل ہو گئے، لیکن وہ ان بوجھل قدموں اور شل ہاتھوں سے بھی کام کرتے رہے۔

امدادی کام تین دن تک جاری رہے۔ تب کہیں جا کر کام ختم ہوا۔ اس دوران ماہرین نقصانات کا اندازہ لگا چکے تھے۔ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات ان خبروں کو نشر کر رہے تھے۔

شہر کی سو کے قریب عمارتیں تباہ ہوئی تھیں، ان میں ہوٹل بھی تھے، بینک بھی تھے۔ سرکاری عمارات بھی تھیں اور لوگوں کے گھر بھی تھے۔ سات سو آدمیوں کی ہلاکت کا اندازہ لگایا گیا تھا۔ زخمی تو ہزاروں تھے۔ ہسپتالوں

میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ بے شمار زخمیوں کو آس پاس کے ہسپتالوں میں منتقل کیا گیا تھا۔

تیسرے روز شہر جلبان کے سرکاری ریسٹ ہاؤس میں انتظامیہ اور ماہرین کا اجلاس ہوا، اس اجلاس میں انھوں نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں سب سے بڑا جو سوال اُٹھایا گیا، یہ تھا کہ جو کچھ ہو چکا ہے۔ وہ تو ہو چکا ہے۔ آیندہ کے لیے کیا کیا جائے۔ اُڑن طشتری کا کیا علاج کیا جائے اس کا مُقابلہ کس طرح کیا جائے۔

پوری دُنیا چونکہ اس واقعے سے پریشان تھی۔ اس لیے اس اجلاس میں دُوسرے مُلکوں کے نمایندے بھی شریک تھے۔ لیکن کوئی بھی اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ آخر یہی فیصلہ کیا گیا کہ بڑے بڑے مُلکوں کے ماہرین کا اجلاس ہو۔ اور اس میں غور کیا جائے، کیوں کہ یہ مسئلہ صرف ایک مُلک کا نہیں تھا۔ دُوسرے مُلک بھی اس لپیٹ میں آ سکتے تھے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ کب کوئی اور اُڑن طشتری کسی اور شہر پر یا کسی مُلک کے اوپر نمودار ہو جائے۔

دو دن بعد ماہرین کا بڑا اجلاس ہوا۔ اس میں حفاظتی انتظامات کا جائزہ لیا گیا۔ جدید قسم کے طیارہ شکن میزائل ہر شہر میں نصب کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ اور بھی ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے کے بارے میں مشورے ہوئے۔ انشارجہ اور ونٹاس نے پُوری دُنیا کے ملکوں کو حفاظتی چیزیں مُفت دینے کا اعلان کیا۔ اس اعلان نے دُنیا بھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔

بہت تیزی سے انتظامات شروع ہوئے۔ ایک دن اچانک ریڈیو، ٹی وی چلّا اُٹھے۔ شارجستان کے ایک شہر پر اُڑن طشتری نمودار ہوئی ہے۔

بس پھر کیا تھا۔ تمام مشینری حرکت میں آ گئی۔ اُڑن طشتری کے مقابلے کے لیے جو سامان تیار تھا۔ وہ کام میں لایا گیا۔ لیکن اُڑن طشتری کا کچھ بھی نہ بگڑا۔ مقابلے کے لیے جو آٹھ طیارے اُڑے۔ وہ اپنی ہی گولیوں کا نشانہ ہو گئے۔ اُڑن طشتری کی بم باری اور فائرنگ نے جلبان سے بھی زیادہ بُرا حشر شارجستان کے شہر کا کیا۔

اب تو پوری دُنیا ہل گئی۔ سکون برباد ہو گیا، بے اطمینانی پھیل گئی۔ ہر کوئی ہراساں نظر آنے لگا۔ لوگ ڈر ڈر کر آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ کہ نہ جانے کب کس جگہ کوئی اُڑن طشتری نظر آ جاتی ہے۔

پھر ماہرین کے اجلاس ہوئے۔ مُقابلے کے لیے کچھ

اور چیزیں تجویز کی گئیں۔ اور ڈرے ڈرے انداز میں اُڑن طشتریوں کا انتظار ہونے لگا ۔ اس بار اڑن طشتری ایک عرب مُلک کے شہر پر نمودار ہوئی ۔ تمام تر مقابلے کے انتظامات ناکام ہو گئے ۔ اور پہلے سے بھی زیادہ تباہی ہوئی ۔۔

پوری دُنیا کے اخبارات، ریڈیو، ٹی وی چلا اُٹھے، ہر طرف شور مچ گیا ۔ ان حالات میں تو پوری دُنیا میں کوئی بھی ان اڑن طشتریوں سے محفوظ نہیں رہا تھا، طاقت ور ترین ہتھیار بھی بے کار ہو کر رہ گئے تھے، جدید ترین ہتھیار ۔ تباہ کُن ترین ہتھیار ضائع گئے تھے، اور یہی بات سب کے لیے عذاب بنی ہوئی تھی کہ اب کیا ہو گا ۔ کریں تو کیا ۔ ان سے بچیں تو کس طرح ۔۔

اجلاس پر اجلاس ہوئے ۔ ادھر اُڑن طشتریاں کبھی کسی مُلک میں نمودار ہوتی رہیں، کبھی کسی ملک میں ۔۔ اب اُڑن طشتریوں کے مقابلے میں طیارے نہیں اُڑتے تھے ۔ لوگ کونوں کھدروں میں گھس جاتے تھے ۔ لیکن اس طرح بھی بھلا کوئی بچا ہے ۔ جب عمارتیں ہی اُڑ جائیں، تو کونوں میں گھسے ہوئے لوگ کس طرح بچ سکتے ہیں،

لہٰذا تباہ کاریاں جاری رہیں ۔ ایک دن ونٹاس کے ایک شہر پر بھی اُڑن طشتری نمودار ہوئی ۔ اس روز کی تباہی سب سے زیادہ بڑھ گئی ۔ پانچ ہزار افراد اپنے خون میں نہا گئے ۔ سیکڑوں عمارتیں زمین بوس ہو گئیں ۔۔ اگلے روز انشارجہ کی بھی باری آ گئی ۔ ایک دن بیگال پر اڑن طشتری نمودار ہوئی ۔ غرض ہر مُلک باری باری اس کی زد میں آتا رہا ۔۔

بیس روز بعد اچانک انشارجہ پر پانچ اُڑن طشتریاں ایک ساتھ نمودار ہوئیں ۔ اور پھر فضا میں ایک اعلان گونجنے لگا :

"کوئی نہیں ۔ جو ہمارا راستا روکے ۔ پوری دُنیا کو ہمارا غلام بننا ہو گا ۔ غلام بنے بغیر اس تباہی سے کوئی نہیں بچ سکے گا ۔ جو مُلک بھی غلامی کا اعلان کرے گا، اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا ۔ لیکن اس مُلک میں پھر ہمارا حکم چلے گا ۔ ہماری ہدایات پر عمل کیا جائے گا ۔"

یہ اعلان پوری دُنیا میں سُنا گیا ۔ ریڈیو اور ٹی وی کے مقامی پروگرام غائب ہو گئے ۔ اور یہ آواز گونجتی سُنائی دینے لگی ۔۔

ادھر دُنیا کے بہترین ماہرین کا اجلاس طے پا گیا۔
یہ اجلاس انشارجہ میں بُلایا گیا۔ اور اس کی دل چسپ ترین بات یہ تھی کہ اس میں انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کو بھی دعوت دی گئی تھی۔

اور یہ بات ان کے لیے صد درجے حیرت انگیز تھی:

"انشارجہ جیسے بڑے مُلک میں دُنیا کے بہترین ماہرین کا اجلاس۔ اور اس میں ہمیں دعوت۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ذرا بھی عجیب نہیں ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی۔ کیا فرمایا۔ یہ بات ذرا بھی عجیب نہیں ہے۔ اگر یہ بات بھی عجیب نہیں ہے تو پھر عجیب بات کیسی ہوتی ہے انکل۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"عجیب باتیں بہت عجیب ہوتی ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"تو یہ بات عجیب کیوں نہیں ہے۔ اس پر بھی تو روشنی ڈالیے نا۔"

"یہ بڑے بڑے مُلک۔ ان کی حکومتیں بہت چوکس ہیں۔ یہ جانتی ہیں۔ دُنیا میں کہاں۔ کون کیا کر رہا ہے۔ یا کیا ہے۔ کس پائے کا آدمی ہے۔ ہم نے آخر اللہ کی مہربانی سے اتنی بڑی بڑی مہمات سر کی ہیں۔

تو ہمارے بارے میں بھلا انھیں کیوں معلوم نہ ہوگا۔ اور انھوں نے اس اجلاس میں ہماری شرکت کی ضرورت محسوس کی ہو گی تبھی دعوت دی ہے۔ لٰہذا اس میں عجیب بات کیا ہو گی۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"چلیے۔ آپ کہتے ہیں تو نہیں ہو گی۔ کیا ہم سب کو جانا ہو گا؟"

"ہاں! یہ اجلاس دو چار آدمیوں کا نہیں۔ اس میں سیکڑوں آدمی ہوں گے۔ لٰہذا ہم سب کا وہاں کیا پتا چلے گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

تیسرے دن وہ اجلاس میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے۔ اجلاس کا انتظام شہر کی سب سے بڑی عمارت وائٹ روز میں کیا گیا تھا۔ مہمانوں کو ٹھہرانے کے لیے شہر کے بہترین ہوٹل کا انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ باتیں انھیں ایرپورٹ پر ہی معلوم ہو گئیں۔ سرکاری گاڑیاں مہمانوں کو پہنچانے کے لیے وہاں موجود تھیں، لیکن انسپکٹر جمشید نے ان گاڑیوں کی طرف قدم نہ بڑھائے:

"نہیں بھئی۔ ہم ہوٹل میں نہیں ٹھہریں گے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" سرکاری میزبان نے حیران ہو کر کہا۔

"اُڑن طشتری اس شہر پر بھی تو نمودار ہو سکتی

ہے۔ بڑے ہوٹل اور بڑی عمارتیں اس کی زد میں پہلے آئیں گی ۔ میرا اب تک کا مشاہدہ یہی ہے کہ وہ چھوٹی عمارتوں پر گولہ باری نہیں کرتی۔"

"یہ۔ یہ بات پہلی بار کسی نے کہی ہے۔" میزبان نے کانپ کر کہا۔

"خیر۔ ہم سب کو خوف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے، چلیے ۔ ہم خود ہی مہمانوں سے یہ بات کر دیں گے ۔ پھر جس کا جی چاہے ۔ وہ ہوٹل میں ٹھہرے۔ جس کا جی چاہے نہ ٹھہرے۔"

"شکریہ ۔ یہ بہتر رہے گا۔"

انھیں ہوٹل میں لایا گیا۔ ایک بڑے ہال میں تمام مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جو لیٹ کر آرام کرنا چاہتے تھے، ان کے لیے الگ انتظام تھا۔ لیکن شاید۔ کوئی ایک بھی الگ لیٹنے کا خواہش مند نہیں تھا، ہر کوئی ہال میں جا کر دوسروں کو دیکھنے کا، ان سے باتیں کرنے یا باتیں سننے کا مشتاق تھا۔ ان حالات میں یہ لوگ بھی اندر داخل ہوئے ۔

ان کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ ہال میں گونج رہی تھی۔ انسپکٹر جمشید کو قدرے دکھ ہوا، ان میں سے کسی کے چہرے پر بھی حالیہ ہولناک ترین واقعات اور اموات کا اثر نہیں تھا ۔ یوں لگتا تھا ۔ جیسے کوئی خوف ناک یا دردناک بات ہوئی ہی نہ ہو۔ اب ان سے رہا نہ گیا۔ بلند آواز میں بولے:

"حاضرین ۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ کیا آپ صرف ایک منٹ کے لیے خاموشی اختیار کریں گے۔ تاکہ میں اپنی بات آپ کے کانوں تک پہنچا سکوں۔"

ان سب نے مڑ کر دیکھا۔ ایک مشرقی آدمی کو اپنے سے مخاطب دیکھ کر ان کے منہ بن گئے۔ چند ایک نے تو یہاں تک کر دیا:

"ان مشرقیوں کو کس نے دعوت دے دی۔ یہ تو بالکل بے وقوف لوگ ہوتے ہیں اور مجلس کے آداب بھی نہیں جانتے۔"

انھوں نے یہ الفاظ سن لیے۔ بچہ پارٹی کے چہرے سرخ ہو گئے۔ خان رحمان اور منور علی خان بھی غصے میں تن گئے۔ پروفیسر صاحبان کے منہ پھول گئے، تاہم انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے چہروں پر مسکراہٹیں تھیں۔ اس لمحے انسپکٹر جمشید کی آواز

اُبھری :

"یہ درست ہے کہ ہم مشرقی لوگ بے وقوف ہوتے ہیں ۔ لیکن ہماری بے وقوفانہ بات سُن لینے میں حرج بھی کیا ہے ۔ اور کچھ نہیں تو ۔ آپ کو مسکرانے کا موقع تو مل ہی جائے گا۔"

"ارے ہاں ! بات تو ٹھیک ہے ۔ خیر کہیے بھئی۔" ایک نرم مزاج آدمی نے جلدی سے کہا ۔ شاید وہ تلخی کو کم کرنے کا خواہش مند تھا ۔

"میری گزارش ہے کہ ہم سب کو اس بڑے ہوٹل میں جمع نہیں ہونا چاہیے ۔ کسی دُور دراز ۔ بے آباد مقام پر ، بے شک آسمان کے نیچے ۔ جمع ہو جائیں ۔ اور بات چیت کر لیں ۔ یہ ہمارے حق میں بہتر رہے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ۔ وُہ سب کے سب ہنسنے لگے ۔ کئی تو بُری طرح ہنس رہے تھے ۔

"دیکھا ۔ میں نہ کہتا تھا ۔ یہ لوگ ہوتے ہی بے وقوف ہیں ۔ کس قدر بے وقوفی کی بات کی ہے ۔ آخر کوئی تُک بھی ہے ۔ اس بات کی۔"

"بالکل نہیں ۔ بالکل نہیں۔" بیسیوں آوازیں اُبھریں ۔

"اگر آپ تُک کی بات کہتے ہیں تو میں تُک بھی

سمجھا دوں ۔ اڑن طشتریوں نے ابھی تک بڑے بڑے شہروں اور بلند و بالا عمارتوں کو ہی نشانہ بنایا ہے ۔ انھوں نے جنگلوں اور غیر آباد علاقوں کا رُخ نہیں کیا ، کیوں کہ وُہ تو زیادہ سے زیادہ خوف و ہراس پھیلانا چاہتی ہیں۔"

یہاں تک کہ کر انسپکٹر جمشید رک گئے ۔ اس بار بھی بہت سے لوگ ہنسے تھے ، لیکن پہلے کی نسبت کم ۔

"نہیں جناب ۔ آپ اپنا مشورہ اپنے پاس رکھیں۔" کچھ لوگوں نے کہا ۔

"بہت بہتر ۔ ہم تو پھر جا رہے ہیں ۔ جب اجلاس شروع ہو گا ۔ آ جائیں گے۔"

"کیوں ۔ اس وقت ڈر نہیں لگے گا آپ کو۔" ایک نے ہنس کر کہا ۔

"ضرور لگے گا ۔ لیکن ہمیں دعوت دی گئی ہے ۔ شرکت کرنا مجبوری ہو گی ۔ پھر جو سب کا حال ہو گا ۔ ہمارا بھی ہو جائے گا ۔ ہم اسے تقدیر کا لکھا سمجھ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ۔

"جائیے جائیے ۔ کسی جنگل میں وقت گزار لیے ۔ کل ٹھیک صبح آٹھ بجے آ جائیے گا ۔ سوا آٹھ بجے اجلاس

شروع ہو گا۔" ایک بھاری بھر کم آدمی نے کہا۔

"آؤ بھئی چلیں۔"

وہ ہوٹل سے نکل آئے۔ ٹیکسیوں میں بیٹھے ۔۔۔ اگرچہ سرکاری گاڑیوں میں انھیں لے جانے کی پیش کش بھی کی گئی، لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔

اُن کے جنگل کی طرف جانے کے ٹھیک دو گھنٹے بعد ایک اُڑن طشتری اس شہر پر نمودار ہوئی ۔۔۔ اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتے ۔ خبردار ہو سکتے ۔۔۔ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ کر سکتے ۔۔۔ اندھا دھند گولیاں اور بم برسنے لگے ۔۔۔

دو گھنٹے بعد وہ شہر میں حالات معلوم کرنے کے لیے داخل ہوئے تو وہ ہوٹل ٹوٹ کر بکھر چکا تھا۔ اور ماہرین کی زیادہ تعداد ہسپتال پہنچ چکی تھی۔ ان میں سے چار موقعے پر ہی چل بسے تھے۔

اجلاس ایک ہفتے کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ وہ ایک گھٹیا سے ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ اگرچہ ان کے لیے سرکاری مہمان خانے حاضر تھے، لیکن انھوں نے ان میں ٹھہرنا منظور نہ کیا۔

ایک ہفتے بعد پھر اجلاس ہوا، لیکن اس مرتبہ یہ

اجلاس جنگل میں گھنے درختوں کے درمیان ہوا۔ ان سب کی نظریں جھکی ہوئی تھیں؛ تاہم انسپکٹر جمشید وغیرہ نے انھیں شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ ان میں سے چند ایک تبصرہ کرنے سے نہ رہ سکے۔ ایک نے کہا:

"کاش ۔۔ ہم نے ان مشرقیوں کی بات مان لی ہوتی۔"

"اور ہم نے انھیں بے وقوف بھی تو کہا تھا۔ ان کا مذاق بھی تو اڑایا تھا۔" ایک بھاری بھرکم آدمی نے کہا۔

"اوہ ہاں ۔۔ ہم سب کو ان سے معافی مانگنا چاہیے۔"

"نہیں صاحبان ۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اور ان کے چہرے جھک گئے۔ آخر اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔ ایک ماہر نے بلند آواز میں کہا:

"اس وقت تک کے واقعات نے ہمیں اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ ہم ان اُڑن طشتریوں کو تباہ کرنے کے قابل نہیں ہیں ۔۔ ہو سکتا ہے ۔۔ ہم کچھ مدّت کے تجربات کے بعد انھیں تباہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ لیکن اس سے پہلے ہی یہ دنیا کا بیشتر حصّہ تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گی۔ لہٰذا ان کے مقابلے کی کوئی اور ترکیب سوچی جائے۔"

یہ افتتاحی تقریر تھی۔ اس کے بعد مشورے شروع

ہوئے۔ ایک ماہر نے کہا:

"ابھی تک ہم نے ان کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال نہیں کیے۔ کیوں نہ یہ تجربہ بھی کر لیا جائے۔"

"اس طرح تو وہ شہر بھی ایٹمی اثرات کی زد میں آ جائے گا۔ اور اُڑن طشتریوں سے بھی زیادہ تباہی ہو گی۔" دُوسرے نے اعتراض کیا۔

"ہوں! تب پھر کیا کیا جائے؟"

"اگر آپ لوگ پسند فرمائیں تو ہم بھی ایک رائے دینا چاہتے ہیں۔ یہ رائے ہماری مشترکہ رائے ہو گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" سب نے ایک آواز ہو کر کہا۔ اب ان کی آوازوں میں طنز کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔

"شکریہ۔ ابھی تک ہم نے ایک پہلو کی طرف قطعاً توجہ نہیں دی۔ اور وہ یہ کہ یہ اڑن طشتریاں آتی کہاں سے ہیں۔ اگر ہم کسی طرح یہ معلوم کر لیں۔ تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

"حل ہو سکتا ہے۔ لیکن کیسے؟" کئی آوازیں اُبھریں۔

"واقعی۔ مسٹر جمشید نے ایک اہم بات کہی ہے۔"

مجلس کے صدر نے کہا:

"لیکن سر۔ اس طرح بھی آخر مسئلہ کیسے حل ہو جائے گا۔"

"میرا خیال ہے۔ اس کا جواب بھی ہمیں انسپکٹر جمشید سے لینا چاہیے۔"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ لیکن میں یہ بات اس اجلاس میں نہیں کہہ سکتا۔"

"تو پھر۔ آپ اس سوال کا جواب ایسے کس اجلاس میں دے سکتے ہیں۔" ایک ماہر نے منہ بنا کر کہا۔

"ایسے کسی اجلاس میں بھی نہیں۔ جس میں یہ تمام ماہرین موجود ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بول پڑے۔

"کیا مطلب۔ تو کیا۔ آپ لوگ غیر ماہرین کے سامنے بتائیں گے؟" ایک اور صاحب بولے۔

"یہ بات بھی نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"تو پھر بات کیا ہے۔ یہ بتائیں نا۔"

"ہم بتا تو دیں، لیکن آپ بُرا مان جائیں گے۔"

"کیوں بُرا مان جائیں گے۔ ہرگز نہیں مانیں گے۔ بھلا اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے۔ ہمارا دماغ تو نہیں چل گیا کہ بُرا مانیں۔"

"چلیے خیر۔ ہم مان لیتے ہیں کہ آپ بُرا نہیں مانیں گے۔ لہٰذا بتائے دیتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں اس اجلاس میں کم از کم ایک آدمی غدار ضرور ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا!!!"

وہ بُری طرح اُچھلے۔ اُن کے چہرے غُصّے سے سُرخ ہو گئے۔

وزنی سوال

چند لمحے تک وہ سب انھیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے رہے، آخر صدرِ مجلس نے قدرے تلخ لہجے میں کہا:

"مسٹر انسپکٹر کامران مرزا۔ ہم نے آپ کے مُلک کے صدر سے یہ درخواست کی تھی کہ اس اجلاس میں شرکت کے لیے آپ لوگوں کو بھی بھیجا جائے، اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ آپ کی شہرت بہت اچھی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ہم سب کو غدار خیال کر لیں۔"

"آپ ہمارا مطلب غلط سمجھے۔ اور پھر ہم نے سب کو نہیں۔ یہاں موجود لوگوں میں سے کم از کم ایک کو غدار کہا ہے۔"

"اور وہ کون ہے؟"

"ہم نہیں جانتے۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ آپ جانتے بھی نہیں اور یہ دعویٰ بھی کر رہے ہیں کہ کوئی ایک غدار ہے۔" صدر نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں! ہم یہ دعویٰ کرنے پر مجبور ہیں۔"

"آخر کیسے۔ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔" ایک ماہر نے جھلا کر کہا۔

"اس ہال میں۔ ایک آٹو میٹک کیمرہ اور ایک آٹو میٹک ٹیپ ریکارڈر موجود ہیں۔ بہت ہی چھوٹے سائز میں۔ ان دونوں چیزوں کو بہت خوب صورتی سے چھپایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں موجود تمام لوگوں کی تصاویر بھی لے لی جائیں اور گفت گو بھی ٹیپ کر لی جائے۔ آخر کیوں۔ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"یہ۔ یہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔" صدر صاحب گرجے۔

"ہاں بالکل۔ یہ صرف خیالی باتیں کر رہے ہیں۔ ان مشرقیوں کی یہی تو عادت ہے۔ کہ بس اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع کر دیتے ہیں۔" ایک نے کہا۔

"ہم اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید

نے اعلان کیا۔

"خوب۔ تب تو بات تسلیم کی جائے گی۔ مہربانی فرما کر ثابت کریں۔"

"بہت بہتر!" انھوں نے کہا، پھر فاروق کی طرف دیکھا:

"فاروق! کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر نکال کر دکھا دو۔"

فاروق دھک سے رہ گیا، اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ دونوں چیزیں کہاں چھپائی گئی ہیں؛ تاہم اس نے پُرسکون انداز میں حاضرین پر ایک نظر ڈالی، مسکرایا اور اُٹھتے ہوئے بولا:

"جو حکم ابا جان۔"

یہ کہہ کر وہ صدر دروازے کی طرف قدم اُٹھانے لگا۔ سب کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ محمود وغیرہ بھی حیران تھے۔ کہ فاروق کہاں جا رہا ہے۔ انھیں بھی کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

ہال کے صدر دروازے کے دائیں بائیں مصنوعی پھولوں کے دو گملے دیوار میں نصب تھے۔ ان گملوں میں گلدستے کی صورت میں پھول موجود تھے۔ فاروق نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دائیں طرف کے گل دستے میں ہاتھ ڈال دیا۔

اس کا ہاتھ جب باہر نکلا اور اوپر اٹھا تو اس میں ایک ننھا سا کیمرہ تھا۔ اب وہ بائیں طرف کے گملے کی طرف گیا اور ٹیپ ریکارڈر نکال کر دکھا دیا۔

"یہ — یہ کیا؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"بہت خوب فاروق۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لل — لیکن۔" محمود نے بوکھلا کر کہنا چاہا۔

"کہو بھئی — کیا کہنا چاہتے ہو؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"فاروق کو ان چیزوں کے بارے میں قطعاً معلوم نہیں تھا — پھر آخر یہ خود بخود ان گملوں کی طرف کیوں بڑھ گیا؟" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کک — کیا مطلب؟" نہ صرف وہ سب لوگ — بلکہ ان کے ساتھی بھی چلا اٹھے —

"ہاں! یہ ٹھیک ہے — فاروق کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا — نہ صرف فاروق کو — بلکہ ان سب کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا — صرف میں نے اور انسپکٹر کامران مرزا نے ان گملوں کو ضرور حیرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"تب پھر — آپ نے فاروق سے کیوں کہا — جب کہ آپ جانتے تھے — فاروق کو کچھ معلوم نہیں ہے؟"

"میں ان لوگوں کو بتانا چاہتا تھا — مشرقی اتنے بھی بے وقوف نہیں ہوتے — جتنا کہ انھوں نے خیال کر رکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ! لیکن ابا جان — فاروق بالکل سیدھا ان گملوں کی طرف کیوں کر چلا گیا؟" فرزانہ بولی۔

"ہاں فاروق — تم ہی بتاؤ۔"

"جب آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے حیرت زدہ انداز میں آپ کی طرف دیکھا — ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ اس وقت میری طرف دیکھ رہے ہوتے، لیکن نہیں — آپ تو ان گملوں کی طرف دیکھ رہے تھے — بس مجھے خیال گزرا — ہو نہ ہو — دونوں چیزیں ان پھولوں میں ہیں۔"

"بہت خوب!" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہم اپنے الفاظ واپس لیتے ہیں۔" ایک ماہر بول اٹھا۔

"لیکن کون سے الفاظ جناب؟" آفتاب بولا۔

"جو ہم نے مشرقی لوگوں کے بارے میں کہی — ہم غلطی پر تھے۔" دوسرے نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"چلیے خیر — کوئی بات نہیں — سوال تو اب یہ ہے کہ ہم میں غدار کون ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اور یہ بہت خوف ناک سوال ہے۔" صدر صاحب بولے۔

"لیکن میرے پاس اس خوف ناک سوال کا ایک بہت مزے دار جواب ہے۔" ایک صاحب نے کہا۔

"مسٹر آرٹام - آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"ان لوگوں نے نہایت آسانی سے کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر دریافت کر لیے - کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دونوں چیزیں خود انھوں نے یہاں چھپائی تھیں۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"اور پھر خود ہی ظاہر کیوں کر دیں؟" محمود نے جل کر پوچھا۔

"اس لیے کہ یہ اپنی دھاک بٹھا سکیں - اپنا رُعب جما سکیں - خود کو عقل مند ثابت کر سکیں - لیکن ایسی بچگانا باتوں سے بھی بھلا کوئی ذہین ثابت ہوا ہے۔"

"اوہ - یہ ہو سکتا ہے۔" ایک اور صاحب نے چونک کر کہا۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس صورت میں جب ہم میں سے کوئی غدار ثابت نہ ہو سکے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"لیکن - اب یہ بات کس طرح ثابت ہو۔" صدر صاحب نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"ہمیں اجازت دیں۔ ہم ثابت کریں گے یہ بات۔" خان رحمان پُر جوش انداز میں بولے۔

"ٹھیک ہے - آپ ثابت کریں، لیکن اگر آپ ثابت نہ کر سکے تو پھر ہم آپ لوگوں پر ہی شک کریں گے اور پھر آپ لوگ اس اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے - آپ کو ناپسندیدہ افراد خیال کر لیا جائے گا۔" صدر صاحب بولے۔

"وہ تو جناب ہم اب بھی ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔ صدر صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا - آخر انھوں نے کہا:

"مہربانی فرما کر وقت ضائع نہ کریں۔ بات ثابت کریں۔"

"شوکی - یہ کام تم کرو گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" شوکی اُٹھا اور منہ جھکائے ماہرین کے پاس سے گزرتا چلا گیا - وہ کسی کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا - آخر ایک کرسی کے سامنے وہ رُک گیا۔ اور اس پر بیٹھے ہوئے شخص سے بولا:

"آپ کا نام؟"

"میں شاکاف ہوں۔"

"وٹاس سے تعلق ہے آپ کا؟"

"ہاں!" اس نے بھنّا کر کہا۔

"آپ ہی وہ شخص ہیں جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔ آپ نہیں جانتے۔ میں کون ہوں اور کس طرح یہاں تک پہنچا ہوں۔ یہ بات آپ کو اجلاس کے صدر ہی بتا سکتے ہیں۔"

"ہاں مسٹر شوکی۔ آپ تشریف رکھیے۔ یہ کام آپ کے بس کا نہیں۔ ایسے ہی دوسروں پر شک کا اظہار نہ کریں۔" صدر صاحب نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے انکل؟" شوکی نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"واپس اپنی کرسی پر آ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

شوکی اسی طرح چلتا ہوا اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ سب کی نظریں صدر صاحب پر جمی تھیں اور وہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھ رہے تھے:

"کام رک کیوں گیا سر؟" ارطام نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"انسپکٹر صاحب۔ ثابت کریں نا۔"

"ہم تو نشان دہی کر چکے۔ آپ نے ہماری نشان دہی کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"کیا مطلب؟" صدر صاحب اور کچھ دوسرے لوگ زور سے چونکے۔

"کیا ثابت کر چکے۔ مسٹر شوکی نے مسٹر شاکاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مسٹر شاکاف دنتاس کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ اور یہ اپنی پارٹی کے لیڈر ہیں۔ یہ سیدھے میرے ہاں آئے تھے۔ میرے ساتھ ہی اس ہال تک پہنچے ہیں، ہم دونوں ایک دوسرے کے پرانے واقف ہی ہیں۔" صدر صاحب نے جلدی جلدی کہا۔

"تو پھر۔ ان سب باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ یہ بے گناہ تو ثابت نہیں ہو جاتے اس طرح۔" انسپکٹر کامران مرزا نے

غدار بھی تو ثابت نہیں ہو گئے اس طرح۔" صدر نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر ہم غدار ثابت بھی کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے ہمیں چند چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ اور وہ چیزیں اس ہال میں موجود نہیں ہوں گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ لکھ کر دے دیں۔ ہم منگوا دیتے ہیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

اور انسپکٹر جمشید نے ان چیزوں کے نام لکھ دیے۔
ایک آدمی کو فوراً ہی ان چیزوں کے سلسلے میں دوڑا دیا
گیا۔ اب حاضرین کے چہروں پر اکتاہٹ نظر آنے لگی:
"صاحبِ صدر۔ بہت وقت ضائع ہو گیا اور ابھی ا
ہو گا۔"
"لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ اگر کیمرے اور ٹیپ ریکا
نہ ملتے تو میں ان کی باتوں کو ہرگز خاطر میں نہ لاتا۔"
"اس کا جواب تو موجود ہے۔ دونوں چیزیں یہ خو
یہاں لائے تھے۔"
"یہ بات ابھی تک ثابت نہیں ہو سکی۔" صدر صاحب
بولے۔
"لیکن ہم ثابت کر سکتے ہیں۔" اُرٹام نے جلدی سے کہا
"کیا مطلب۔ کس طرح ثابت کر سکتے ہیں آپ؟" صدر
صاحب چونکے۔
"اس طرح کہ۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اُرٹام اُٹھا ا
تیز تیز قدم چلتا انسپکٹر جمشید کی طرف آیا۔ پھر اس کا
ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس نے ان
کی ناک کا نشانہ لیا تھا۔ انھوں نے فوراً جھکائی د
اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہی مروڑ دیا۔ وہ گھوم گیا

اب اس کی کمر انسپکٹر جمشید کی طرف تھی اور سینہ دوسرے
لوگوں کی طرف۔ اور چہرہ سُرخ ہوتا جا رہا تھا۔
"یہ۔ یہ کیا؟" اس کے منہ سے نکلا۔
"مجھے کیا پتا۔ آپ بتائیں۔ آپ میری طرف کیا کرنے
آئے تھے؟"
"میں آپ لوگوں کو میک اپ میں ثابت کروں گا۔"
"لیکن اس کا یہ طریقہ ہرگز نہیں کہ آپ میرے ناک
پر مکّا دے ماریں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"انسپکٹر جمشید۔ مسٹر اُرٹام کو چھوڑ دیں۔ انھوں نے
غلطی کی۔ یہ ہم مانتے ہیں۔"
"لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہاتھ آزاد
ہوتے ہی یہ پھر مجھ پر حملہ نہیں کریں گے۔" انسپکٹر جمشید
بولے۔
"مسٹر ارٹام۔ آپ حملہ نہیں کریں گے اور اپنی سیٹ
پر آ کر بیٹھ جائیں گے۔"
"ٹھیک ہے سر۔ میں یہی کروں گا۔" اس نے غصّے
میں آ کر کہا۔
انسپکٹر جمشید نے اسے چھوڑ دیا۔
"لگ۔ کہیں ہم سے غلطی تو نہیں ہونے والی ابّا جان۔"

فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"کیا مطلب۔ کیسی غلطی؟" وہ چونکے۔

"ہم نے شک شاکاف پر ظاہر کیا ہے۔ اور آپ پر حملہ اُرطام نے کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"اگر آپ پر شاکاف حملہ کرتا تو ایک بات بھی تھی آخر اُرطام کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یا تو وہ بھی غلط آدمی ہے۔ یا اسے صرف ہم پر غصہ آ رہا تھا۔" انھوں نے کہا۔

آخر وہ چیزیں آ گئیں۔ اب انسپکٹر جمشید اُٹھے۔ اور شاکاف کے نزدیک پہنچ گئے:

"میں آپ کے چہرے پر کچھ چیزیں لگاؤں گا۔ چند ادویات سمجھ لیں۔ اُمید ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" انھوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہو گی۔" شاکاف نے پریشان ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ آپ اپنا کام شروع کریں۔ اور یہ سوچ لیں کہ یہ دیر صرف اور صرف آپ کی وجہ سے ہو

وہی ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ لیکن۔ ایک غدار کی موجودگی میں یہاں کوئی فیصلہ کرنا۔ یا طریقۂ کار طے کرنا بہت غلط ہو گا۔ اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ پہلے غدار کو یہاں سے ہٹا دیا جائے۔ اور اس کے بعد فیصلے کیے جائیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے چند لوشن ایک خالی شیشی میں ملائے اور پھر روئی تیار شدہ لوشن میں تر کر کے اس کے چہرے کی طرف ہاتھ لے گئے۔ اسی وقت ان کے پیٹ میں ایک زبردست مُکا لگا۔ وہ تڑ سے گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ ساتھ ہی شاکاف کے ہاتھ میں عجیب وضع کا پستول نظر آیا:

"جس نے بھی حرکت کی۔ وُہی مارا گیا۔" اس نے بلند آواز میں کہا اور پھر وہاں سے اُٹھ کر ہال کے دروازے کی طرف چل پڑا۔

"آپ جا رہے ہیں مسٹر کاشاف؟" شوکی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"تو اور یہاں رک کر کیا کروں۔" اس نے کہا۔

"تو آپ اجلاس میں شرکت جاری نہیں رکھیں گے۔"

آفتاب بولا۔

"نہیں — جہنم میں گیا تمھارا یہ اجلاس۔"

"ابھی تک تو نہیں گیا — اگر گیا تو آپ کو اطلاع د
دیں گے، فکر نہ کریں۔" مکھن بولا۔

"خاموش رہو — میں تم سب کو جلی ہوئی لاشوں میں
تبدیل کر سکتا تھا — لیکن تم پر ترس کھا رہا ہوں۔" ا
نے بلند آواز میں کہا۔

"سوال تو یہی ہے — کہ ترس کیوں کھا رہے ہو؟"

"پتا نہیں کیا چکر ہے — اتنا رحم دل میں پہلے تو
کبھی نہیں تھا۔"

"میں سمجھ گیا جناب — آپ کیوں ترس کھا رہے ہ
محمود بول اٹھا۔

"کیوں کھا رہا ہوں۔" وہ چونکا۔

"اس پستول سے شاید کوئی شعاع وغیرہ نکلتی ہے۔
ہم سب کو بھسم کر دے گی — کیوں یہی بات ہے نا۔" ا
نے کہا۔

"ہاں! بات ضرور یہی ہے — لیکن — اس سے تر
کی وجہ تو ظاہر نہیں ہوئی۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ترس کی وجہ ہم اب بتا دیتے ہیں — ایسی کون

بات ہے۔" محمود نے کہا۔

"ارے تو بتاؤ نا — پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو۔"

"یہاں آپ کا کوئی ساتھی بھی موجود ہے۔" محمود نے
یک دم کہا۔

"کیا!" کاشان زور سے اچھلا — اور ساتھ ہی وہ اوندھے
منہ گرا —

اس کی کمر کی طرف سے آصف نے اس پر چھلانگ
لگائی تھی — عین اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا نے چیتے کی
سی تیزی سے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف چھلانگ
لگا دی — اور ایک ماہر پر جا گرے — وہ کرسی سمیت
دوسری طرف الٹ گیا — انسپکٹر کامران مرزا اس کے اوپر
تھے — انھوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے — اور پھر
پُرسکون آواز میں بولے:

"نہیں دوست — اب تم شعاعی پستول نہیں نکال سکتے۔"

انھوں نے اپنی کہنی اس کی کن پٹی پر اس زور
سے رسید کی کہ وہ فوراً ساکت ہو گیا — اب انھوں نے
اس کی تلاشی لی اور شعاعی پستول نکال لیا —

ادھر خان رحمان شاکاف کو چھاپ چکے تھے —
پستول پہلے ہی گرتے وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا

تھا - جس کو مکھن نے کیچ کیا اور پھر گھبرا کر یہ کہتے ہوئے اسے آفتاب کی طرف اُچھال دیا:

"ارے باپ رے - کک - کہیں یہ چل نہ جائے۔"

انسپکٹر کامران مرزا شاکاف کے ساتھی پر سے اور خان رحمان شاکاف پر سے اُٹھ آئے - دونوں بے ہوش ہو چکے تھے - خان رحمان نے بھی اس کے سر پر چند تابڑ توڑ وار کیے تھے - جن سے وُہ ساکت ہو گیا تھا -

اب سارے ہال پر سکتہ طاری تھا - ہر کوئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں بے ہوش آدمیوں اور انھیں دیکھ رہا تھا - کسی کے پاس شاید کہنے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا - چند سیکنڈ اسی عالم میں گزرے - آخر انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"بہتر ہو گا کہ ان کے ہوش میں آنے سے پہلے ان کے میک اپ اُتار دیے جائیں۔"

"ہاں - ضرور۔" صدر نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

انھوں نے دوائیں پھر ایک شیشی میں ملائیں اور رُوئی کی مدد سے ان کے چہرے کو تر کرنے لگے - جلد ہی ان کے چہروں سے باریک سی جھلی اُترتی چلی گئی، لیکن ابھی ان چہروں کو صاف کرنے کا مسئلہ تھا - صاف

کرنے کے بعد ہی صاف نقوش نظر آ سکتے تھے - اسی وقت انسپکٹر جمشید ہوش میں آ گئے اور حالات جاننے کے بعد صدرِ مجلس سے مخاطب ہوئے:

"جنابِ صدر - میری درخواست ہے - آپ ونٹاس کی انتظامیہ کو اسی وقت فون کریں اور ان دونوں کے بارے میں بات کریں - ان کا حلیہ پوچھیں اور یہ بھی کہ وُہ خود بھی چیک کریں - کہیں اصل آدمی اپنے گھروں میں یا کہیں اور مُردہ تو نہیں پڑے - شاید ان دونوں نے جن کی جگہیں لی ہیں - ان کی لاشیں انھیں جلد مل جائیں اور مکمل طور پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ انھوں نے کسی کی جگہ لی ہے - یا یہ پہلے سے ہی ونٹاس کو دھوکا دے رہے ہیں۔"

"ہوں - ٹھیک ہے - لیکن ایک عجیب ترین بات میرے حلق سے نہیں اُتر رہی - پہلے اس کی وضاحت کر دیں۔"

"فرمائیے - وُہ کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جہاں تک ہمارا خیال ہے - اُڑن طشتریاں کسی دُوسرے سیارے کی مخلوق نے تیار کی ہیں - اُڑن طشتریاں تو خیر فضا میں آ جاتی ہیں - سوال یہ ہے کہ اس سیارے کی مخلوق ہماری سرزمین پر کیسے آ گئی - اور اگر یہ دونوں

اس سیارے کی مخلوق نہیں ہیں تو پھر۔ اس اجلاس میں کسی غدار کو شرکت کی کیا ضرورت تھی۔ یہ مسئلہ تو پوری دنیا کا مسئلہ ہے۔ کسی ایک مُلک کا نہیں۔" صدر صاحب کہتے چلے گئے۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا سوال بہت وزنی ہے۔ ارے۔ یہ۔ یہ۔ یہ کیا۔"

انسپکٹر جمشید کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا۔ ان کی نظریں بے ہوش آدمیوں کے چہروں پر جم گئیں اور پھر تو سبھی کی آنکھوں میں حیرت اور خوف دوڑ گیا۔

زمبوٹا

انھوں نے دیکھا۔ ان دونوں کے چہرے بالکل ان دس آدمیوں جیسے تھے۔ جو ونٹاس کی ٹیم کے بھیس میں شہر جلبان میں چٹان کا معائنہ کرنے آئے تھے۔ اور یہ چہرے اس دنیا کی مخلوق کے چہرے ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔

"یہ۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ یہ تو واقعی کسی دوسرے سیارے کے ہیں۔" ایک ماہر چلّایا۔

"ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔" صدر صاحب بڑبڑائے۔

سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان چہروں کو دیکھ رہے تھے۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق اس وقت ہماری سرزمین پر موجود ہے۔

اور نہ صرف مَوجود ہے، بلکہ سازش میں بڑی مہارت سے حصّہ لے رہی ہے۔" صدر صاحب نے کہا۔

" اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔" ایک ماہر نے کہا —

" لیکن ہم نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔" کوئی بولا —

" انھیں ہوش میں لانے کی تدبیر کرنی چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

انھوں نے انھیں ہلانا جلانا شروع کیا۔ آخر انھوں نے آنکھیں کھول دیں:

" کیا تم ہمارے سوالات کے جوابات دینے کے لیے تیار ہو؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

" سوالات — کیسے سوالات؟"

" تمھارا تعلق کون سے سیارے سے ہے؟"

" زمبوٹا۔" ایک نے کہا۔

" زمبوٹا — ہم نے تو اس سیارے کا کبھی نام نہیں سُنا۔"

" تم لوگ اس کو کچھ اور کہتے ہو گے۔"

" لیکن — تم ہماری زبان کیسے بول سکتے ہو؟"

" ہم زمین پر بہت عرصہ پہلے اُتر چکے ہیں۔ زبان باقاعدہ سیکھی ہے ہم نے۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لیا ہے — تب کہیں جا کر اپنی اڑن طشتریوں سے کام لینا شروع کیا ہے۔"

" جانتے بھی ہو — تم لوگ ہمارے مُلک پر کیا مصیبت لے آئے ہو۔"

" ابھی کیا ہے — ابھی تو بہت عظیم مصیبت نازل ہو گی — اس وقت دیکھنا — یہ تو صرف تجربہ کیا گیا ہے — اصل وار تو ابھی شروع ہو گا۔"

" لیکن اس تباہی سے تمھیں آخر کیا فائدہ ہو گا؟"

" پتا نہیں — یہ ہمارے بڑے جانیں۔ ہمیں نہیں معلوم۔" اس نے کہا۔

" خیر — صدر صاحب — ان دونوں کو حوالات میں بند کروا دیں — تاکہ ہم اپنا کام شروع کر سکیں۔"

" ٹھیک ہے۔"

ان پر ایک بار پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اور جب ایمبولینس آ گئی — وہ لوگ ان دونوں کو اُٹھانے کے لیے آئے — اور ان کی طرف بڑھے تو دھک سے رہ گئے —

اُن کے جسم تو پانی بنتے جا رہے تھے۔ اور ہال میں تیز بُو پھیلتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ اس بُو سے واقف تھے۔ فوراً ہال سے باہر نکل آئے۔ دُوسروں نے بھی باہر نکلنے میں دیر نہ لگائی۔

"یہ تو بہت حیرت کی بات ہو گئی۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"کون سی بات۔ یہ ان کے پانی بننے والی۔" صدر بولے۔

"جی نہیں۔ اس قسم کا سین ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ یہ تو صرف دو آدمی ہیں۔ ہم نے تو پورے دس آدمیوں کو پانی بنتے دیکھا ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔" ان سب نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ۔ عجیب بات کون سی ہو گئی۔" ایک ماہر نے بے چین ہو کر کہا۔

"چٹان والے معاملے کا تعلق اڑن طشتریوں والے معاملے سے ثابت ہو گیا ہے۔ اور یہ بات کچھ کم عجیب نہیں ہے۔"

"کیا آپ شہر جلیان کی چٹان کی بات کر رہے ہیں۔" صدر بولے۔

"ہاں!" انھوں نے کہا۔

"مہربانی فرما کر تفصیل سے بتائیں۔ ابھی یوں بھی ہمارے پاس اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کا وقت ہے۔ دُوسرے ہال کا انتظام ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور چٹان والے سارے واقعات دہرا دیے۔

سب ان واقعات کو سُن کر سناٹے میں آ گئے، چکر اب اور گہرا ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ اس سیارے کی مخلوق ہمارے معاملات میں اس حد تک دل چسپی لے رہی ہے کہ دُوسرے مُلکوں کے ساتھ اس نے بھی چٹان کے بارے میں جاننے کی پوری پوری کوشش کی، اب یہ معلوم نہیں کہ وُہ کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہوئی تھی یا نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ ان میں سے دس پانی بن گئے تھے اور ان کا انچارج شونڈر غائب ہو گیا تھا۔"

"اور چٹان بھی تو غائب ہو گئی تھی۔"

"ہاں! لیکن کیسے۔ اس سوال کا جواب ہم ابھی تک تلاش نہیں کر سکے۔"

"اور ہمیں ضرورت بھی نہیں، کیوں کہ اس وقت پوری دُنیا کے لیے خوف ناک ترین مسئلہ ان اڑن طشتریوں کا ہے، ہم انھی کے بارے میں غور کرنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں"؛ ایک ماہر نے کہا۔

دو گھنٹے کے بعد ان کا اجلاس پھر شروع ہوا:

"کیا خیال ہے مسٹر انسپکٹر جمشید۔ اب ہم آزادانہ بات چیت شروع کر سکتے ہیں یا نہیں"۔

"جی ہاں! خیال تو یہی ہے کہ اب ہم میں کوئی غدار نہیں۔ ارے ہاں۔ ونٹاس کی طرف سے کیا جواب ملا ہے؟" انھوں نے چونک کر پوچھا۔

"یہ کہ ان کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ کس طرح ان کے آدمیوں کی جگہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق نے لے لی ہے۔ وہ خود بہت پریشان ہیں کہ یہ ہو کیا رہا ہے"۔

"اس نئی مخلوق نے پہلے بھی ونٹاس کی طرف سے اپنا راستہ بنایا اور اب بھی۔ شاید انھوں نے ونٹاس کو ہی اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ہے۔ لیکن بے چارے ونٹاس کو معلوم ہی نہیں ہے"۔

"معلوم ہو بھی کیسے۔ مقابلہ دوسرے کسی سیارے

کی مخلوق سے ہے۔ اور یہ مخلوق اس قدر ترقی یافتہ ہے کہ اس کی تیار کردہ اڑن طشتری کا مقابلہ دُنیا کے کسی مُلک کے بس کی بات نہیں ہے۔ کوئی بڑی طاقت بھی ایک اُڑن طشتری تک تیار نہیں کر سکی۔ ان حالات میں اگر وہ زمینی معاملات میں دخل اندازی کر رہے ہیں تو یہ کون سی عجیب بات ہے"۔

"مطلب یہ ہے کہ دُنیا اس وقت اپنی زندگی کے سب سے بڑے خطرے سے دو چار ہے"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"جی ہاں! یہی کہا جا سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم اس سلسلے میں کیا کریں اور کیا کر سکتے ہیں"۔

"ہمیں ان اڑن طشتریوں کا راستا معلوم کرنا ہو گا۔ سب سے پہلا کام یہی ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔

"ہم پہلے ہی کوشش میں مصروف ہیں، آلات دن رات کام کر رہے ہیں۔ اور بہت جلد ہم ان کا راستا معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

"بس تو پھر۔ جب تک ہم راستا معلوم نہیں کر لیتے۔ اس وقت تک کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ایک بار راستا

معلوم ہو جائے اور ہم اڑن طشتریوں کے دیس میں جا
پہنچیں ۔ پھر ہم ان کو دیکھ لیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا
نے کہا۔

"راستا معلوم کرنے کے لیے سر توڑ کوشش ہو رہی
ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

اور اس طرح یہ اجلاس ختم ہوا۔ سات دن کے
بعد انھیں پھر بلایا گیا۔ اور اجلاس کے صدر نے انھیں
خوش خبری سنائی:

"ہم نے راستا معلوم کر لیا ہے۔ لیکن مکمل نہیں
نامکمل۔"

"جی نامکمل ۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"بات اس طرح ہوئی کہ اڑن طشتری کا تعاقب کیا گیا،
فاصلہ اتنا رکھا گیا کہ اس کی فائرنگ سے محفوظ رہا جا
سکے۔ اس سلسلے میں اسٹیشن بنائے گئے تھے۔ ہر اسٹیشن
سے خبریں آگے گردش کرتی چلی گئیں۔ اور اس طرح
ہم نے اڑن طشتریوں کے نمودار ہونے اور غائب ہونے
کا مقام معلوم کر لیا۔"

"ارے۔ تب پھر یہ کامیابی نامکمل کیسے ہے ۔ یہ
تو بہت شاندار کامیابی ہے۔" پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

"یہی تو مصیبت ہے۔ اڑن طشتریوں کو کسی سیارے
میں داخل ہوتے یا سیارے سے نکلتے نہیں دیکھا گیا۔"
صدر نے کہا۔

"تو ۔ پھر؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تو پھر یہ کہ ۔ دنیا کے انتہائی شمال میں دھند اور کہر
کے سمندر ہیں ۔ یہ دھند اور کہر سارا سال منجمد سی رہتی
ہے۔ چھٹتی نہیں ۔ نہ ہلکی ہوتی ہے۔ اس دھند کے
نیچے کیا ہے۔ کہر کہاں تک ہے ۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں،
یہ اڑن طشتریاں بس اس دھند اور کہر میں غائب ہو جاتی
ہیں اور اس میں سے ہی نکلتی نظر آتی ہیں۔ ہمارے
مصنوعی سیاروں میں یہ طاقت نہیں کہ اس دھند میں داخل
ہو سکیں۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"یہ ایک اور نئی بات معلوم ہوئی۔ خیر۔ اب آپ
لوگوں نے کیا سوچا ہے؟"

"ہم نے سراغ لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ایک ٹیم
روانہ کی جائے گی۔ وہ ٹیم یہ جاننے کی کوشش کرے گی
کہ دھند اور کہر کے نیچے کیا ہے۔ یا اس میں سے اڑن
طشتریاں کہاں اور کس سمت میں جاتی ہیں۔"

"اور اس ٹیم میں کس کس ملک کے نمائندے ہوں

گئے۔"
" انشارجہ، ونٹاس، بیگال اور تمام بڑے بڑے ملکوں
کے۔ آپ لوگوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔"
" اس کا مطلب ہے۔ ہمیں اپنی تیاریاں مکمل کر لینی
چاہئیں۔"
" ہاں بالکل۔ تاریخ اور وقت سے آپ کو بعد میں مطلع
کر دیا جائے گا۔"
" میں ایک درخواست کروں گا اس موقعے پر۔"
" ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔"
" جن لوگوں کو جانا ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو بھی
اس مہم کی سن گن نہ لگنے دیں۔ اگر اڑن طشتریوں کو سن
گن ہو گئی تو پھر ہماری خیر نہیں۔"
" ہر ممکن راز داری برتی جائے گی مسٹر انسپکٹر جمشید،
آپ لوگ بے فکر رہیں۔"
" بہت بہت شکریہ۔" انھوں نے کہا۔
اور وہ اپنے اسی گھٹیا سے ہوٹل میں آ گئے۔
اس دوران اڑن طشتریوں کی تباہ کاریاں جاری تھیں۔
بے گناہ لوگ بے موت مر رہے تھے۔ شہروں کے
شہر تباہ ہو رہے تھے۔ ادھر وہ لوگ جانے کی تیاریوں

میں مصروف تھے۔ انھیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ کب اور
کس وقت جانا پڑتا ہے۔ ایسے میں ونٹاس کا ایک
اعلان نشر ہوا۔ اس اعلان نے پوری دنیا کو چونکا کر
رکھ دیا۔ اعلان یہ تھا:
" ونٹاس کے سائنس دانوں نے اڑن طشتریوں کے
مقابلے میں ایک فی صد کامیابی حاصل کر لی۔"
ساری دنیا اس اعلان کی تفصیلات جاننے کے لیے
بے چین ہو گئی۔ آخر ریڈیو اسٹیشن سے تفصیلات نشر کی
گئیں۔ ان کا خلاصہ تھا:
" دنیا کو مبارک ہو۔ ہم نے ایک فی صد کامیابی
حاصل کر لی ہے۔ آخر ہمارے لڑاکا طیاروں
نے ایک اڑن طشتری کا ایک چھوٹا سا حصہ تباہ
کر دیا ہے۔ وہ حصہ ونٹاس کے ایک جنگل میں
گرا ہے۔ اس حصے کو محفوظ کر لیا گیا ہے اور
اس پر تجربات شروع کر دیے گئے ہیں۔ اب
وہ وقت دور نہیں۔ جب ان اڑن طشتریوں کو
ہمارے ملک کے جہاز آن کی آن میں تباہ کرنے
کے قابل ہو جائیں گے۔ دنیا والو۔۔۔ تمھیں
مبارک ہو۔ مبارک ہو۔"

یہ اعلان سن کر وہ ساکت رہ گئے۔ کئی سیکنڈ تک کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی، پھر خان رحمان بولے:

"پروفیسر صاحبان۔ کیا آپ لوگ اس اعلان پر کوئی تبصرہ کریں گے؟"

"ہم غور کر رہے ہیں۔ جمشید! اگر تم کوئی تبصرہ کرنا چاہتے ہو تو ہم سننے کے لیے تیار ہیں۔"

"نہیں۔ ابھی میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، ہاں۔ آپ لوگوں کا تبصرہ ضرور سننا چاہوں گا۔" انھوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"فرض کر لیں۔ ونٹاس اڑن طشتریوں کو ٹھکانے لگانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تو پھر۔ اس سے کیا ہو گا۔ کیا ان کی تباہی سے پورا ملک محفوظ ہو جائے گا۔" پروفیسر غوری بولے۔

"نہیں۔ صرف ونٹاس محفوظ ہو گا۔ یا اس کے دوست ملک۔ دشمنوں کی وہ کیا مدد کرے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"یہی میں کہنا چاہتا تھا۔ کہ یہ کامیابی پوری دنیا کی نہیں ہو گی۔ صرف ونٹاس کی ہو گی۔ یا پھر وہ

اپنی شرائط پر مدد کرے گا۔ اڑن طشتریوں کا خوف ونٹاس کی تمام شرائط ماننے پر دنیا کے ممالک کو مجبور کر دے گا۔ اور یہ صورت بھی کم خوف ناک نہیں ہو گی۔ لہٰذا ہمیں اس پر سنجیدگی سے غور کرنا ہو گا۔"

"ہوں۔ واقعی۔" شوکی نے سرد آہ بھری۔

اور وہ سب سوچ میں ڈوب گئے۔ اچانک فرزانہ نے سر اٹھایا:

"میری ایک تجویز ہے۔"

"کہو فرزانہ۔"

"ہمیں اڑن طشتری کے اس حصے کو ضرور دیکھ لینا چاہیے۔ جو ونٹاس نے گرایا ہے۔ اور جس پر اب تجربات ہو رہے ہیں۔"

"ہوں۔ یہ بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ اس طرح مناسب نہیں رہے گا۔ اجلاس کے صدر سے میں یہ درخواست کروں گا۔ کہ پوری ٹیم ہی دیکھنے کے لیے جائے۔"

"یہ اور بھی اچھی تجویز ہو گی۔" خان رحمان بولے۔

یہ تجویز صدر کے سامنے رکھی گئی۔ انھوں نے فوراً منظور کر لی۔ فوراً ہی وہ ایک سپیشل جہاز کے

ذریعے وِنٹاس پہنچ گئے۔ انھیں اڑن طشتری کا وہ حصہ دکھایا
گیا۔ اس حصے کو دیکھ کر باقی لوگوں نے کچھ محسوس
کیا یا نہیں کیا۔ فرزانہ کا چہرہ ضرور لٹک گیا۔
واپسی پر انسپکٹر جمشید نے اس سے پوچھا:
"خیر تو ہے۔ تم بہت مایوس دکھائی دے رہی ہو؟"
"تو اور کیا کرے بے چاری۔ اس کا خیال تھا
اس حصے کو دیکھ کر ضرور کوئی خاص بات معلوم ہو گی،
لیکن معلوم خاک بھی نہیں ہوا۔ گویا ڈھاک کے وہی تین پات۔"
فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔
"میرے خیال میں تو یہاں کھودا پہاڑ نکلا چوہا
فٹ بیٹھتا ہے۔" آفتاب مسکرایا۔
"بیٹھتا ہو گا۔ ہم ضرب الامثال اور محاورات پر
بات نہیں کر رہے۔" منور علی خان بھنّائے۔
"خیر تو ہے انکل۔ آپ بہت غصے میں ہیں۔"
"غصے میں اس لیے ہوں کہ اتنے دن ہو گئے دھکے
کھاتے۔ اور ہم کسی اڑن طشتری کا بال تک بیکا نہیں
کر سکے۔" انھوں نے کہا۔
"کریں بھی کیسے انکل۔ ان اڑن طشتریوں کے بال
تو سرے سے ہیں ہی نہیں۔" شوکی نے معصومانہ انداز میں

کہا۔
"پریشان ہونے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ بہت صبر
اور سکون سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا موت کی
دہلیز پر ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"مم۔ موت کی دہلیز۔" فاروق ہکلایا۔
"ہاں۔ ہاں۔ کر دو۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا
ہے۔ ویسے ہو تم بھی عجیب۔ دنیا کو جان کے لالے
پڑے ہیں۔ تمھیں ناولوں کے ناموں کی سوجھ رہی ہے۔"
آصف نے اسے گھورا۔
"شش۔ شاید اسی کو زندگی کہتے ہیں۔" فاروق گنگنایا۔
"خوب۔ بہت خوب فاروق۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خوش
ہو کر کہا۔
"کیا ہوا انکل۔ میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں
کہی کہ آپ تعریف کرنے لگیں۔"
"یہ جملہ قابلِ تعریف ہے۔ زندگی واقعی یہی ہے۔
کہ موت کے منہ میں بھی آدمی مسکراتا رہے اور ہنسی خوشی
اپنے رب سے جا ملے۔"
"لل۔ لیکن۔ لیکن انکل۔ میں نے موت کے منہ
کی بات کب کی ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے بھئی۔ موت کا منہ اور موت کی دہلیز۔ ایک ہی بات تو ہے۔"

ٹھیک تین دن بعد انھیں صدر کا پیغام ملا۔ پیغام یہ تھا:

"فوراً آئیے۔"

اور وہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔

کیسا دورہ

ہال میں سبھی بڑے ملکوں کے نمایندے موجود تھے۔ صدر کے چہرے پر گہری سنجیدگی کے بادل یہ بتا رہے تھے کہ معاملہ بہت سنجیدہ ہو چکا ہے۔ سب کے آجانے کے بعد صدر کی آواز ہال میں گونجنے لگی:

"ہمارے اس آخری اجلاس میں ونٹاس کے ماہرین بھی موجود ہیں۔ پوری دنیا کے بڑے بڑے ملکوں نے ونٹاس سے درخواست کی تھی کہ اڑن طشتریوں سے مقابلے کے سلسلے میں جو کوششیں ہو رہی ہیں، ان میں دوسرے ملکوں کے ماہرین کو بھی شریک کیا جائے لیکن ونٹاس نے یہ تجویز ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ونٹاس نے اگر اڑن طشتریوں کو تباہ کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تو یہ کامیابی صرف اور صرف ونٹاس کی ہو گی، اس کامیابی

سے دوسرے ملکوں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اب جب اڑن طشتریاں دوسرے ملکوں پر حملہ آور ہوں گی تو پھر وٹناس سے مدد مانگنے پر مجبور ہوں گے اور وٹناس اس مدد کی منہ مانگی قیمت وصول کرے گا، اپنی تمام شرائط منوائے گا۔ اور بھی کئی طرح کے دباؤ ڈالے گا اور اس کی تمام شرائط اور تمام دباؤ تمام مُلکوں کو ماننا ہوں گے۔ اور اس طرح دُنیا وٹناس کی غلام بن سکتی ہے۔ لہٰذا چند بڑے مُلکوں نے آپس میں ایک فیصلہ کیا ہے۔ وہ فیصلہ اب اس اجلاس کو بھی سُنایا جا رہا ہے۔ اُمید ہے، آپ لوگ اتفاق کریں گے۔ فیصلہ یہ ہے کہ اڑن طشتریوں کے دیس کی تلاش میں جو مشترکہ ٹیم روانہ ہونے والی ہے۔ اس میں وٹناس کو شریک نہ کیا جائے۔ کیا آپ سب اس فیصلے سے اتفاق کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" بے شمار آوازیں اُبھریں۔

"وٹناس کے انچارج کھڑے ہو جائیں اور کچھ کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔" صدر نے کہا۔

وٹناس کا صدر نمائندہ اُٹھ کھڑا ہوا:

"میں نے فیصلہ سُن لیا ہے۔ میری حکومت اگر یہ

فیصلہ کر چکی ہے کہ وہ اڑن طشتریوں کے مقابلے کے لیے جو کچھ بھی کر رہی ہے۔ اس میں کسی دوسرے مُلک کو شریک نہ کرے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ ہمارے بارے میں آپ جو بھی فیصلہ کریں۔ ہم اسے تسلیم کریں گے۔"

"تب پھر آپ لوگ اپنے مُلک جا سکتے ہیں۔ ہاں اتنا موقع ضرور آپ لوگوں کو دیا جا سکتا ہے۔ کہ آپ فون پر اپنی حکومت سے مشورہ کر لیں۔ شاید وہ کوئی لچک پیدا کرنے کے بارے میں سوچ لیں۔"

"شکریہ! میں فون ضرور کروں گا اور اگر آپ اجازت دیں تو ابھی کیے لیتا ہوں۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" صدر بولے۔

وٹناس کا نمائندہ نمبر ملانے لگا۔ سلسلہ ملنے پر اس نے ساری صورتِ حال بتائی۔ پھر دوسری طرف کی باتیں سُنتا رہا۔ آخر اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا:

"میری حکومت نے ہمیں واپس بُلا لیا ہے۔ ہم ابھی اور اسی وقت جا رہے ہیں۔"

"شکریہ۔ آپ لوگ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

انچارج اور اس کے ساتھی کمرے سے نکل گئے۔

ان کے جانے کے چند منٹ بعد تک خاموشی رہی، پھر
صدر صاحب بولے:

" میرے خیال میں تو اس قدر خاموشی کی کوئی ضرورت
نہیں ہے۔"

وہ سب چونک اٹھے، پھر ایک ماہر نے کہا:

" ونٹاس کا اس طرح اپنے نمائندوں کو بلا لینے کا
صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔"

" اور وہ کیا؟" کئی آوازیں ابھریں۔

" یہ کہ اسے اڑن طشتریوں کے مقابلے میں کامیابی
کا سو فیصد یقین ہو چلا ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے، اس وقت
تک وہ مکمل طور پر کامیاب ہو بھی چکا ہو۔"

" ہوں! شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے
کہ اب ہم کیا کریں؟" کسی ماہر نے کہا۔

" کرنا کیا ہے۔ ہم اپنا کام کریں گے۔ اگر ہم
اڑن طشتریوں کا دیس تلاش کر لیتے ہیں اور اس دیس
کو ہی تباہ کر دیتے ہیں۔ تو یہ ہمارے ملکوں کو تباہ
کرنے کہاں سے آئیں گی۔ اس صورت میں ونٹاس اپنی
کامیابی کو بیٹھ کر چاٹتا رہے گا۔" پروفیسر داؤد نے منہ
بنا کر کہا۔

" آپ نے ٹھیک کہا پروفیسر صاحب، لیکن اگر ہم اپنے
مشن میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اڑن طشتریوں کے دیس
کا کھوج نہ لگا سکے، یا کھوج لگا بھی لیا اور اس
دیس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تو کیا ہوگا؟" خان رحمان نے
کہا۔

" وہی ہوگا۔ جو اللہ کو منظور ہوگا۔ ہمارا کام تو
کوشش کرنا ہے۔ کامیابی اور ناکامی اللہ کے ہاتھ ہے۔"

" اس کا مطلب ہے۔ ہمیں چلنا چاہیے۔"

" ہاں! بالکل۔"

" تو پھر آج سے دو دن کے بعد ٹھیک رات کے
تین بجے ہمارا جہاز یہاں سے روانہ ہوگا۔ اس روانگی
کو حد درجے خفیہ رکھا جائے گا۔ کسی دشمن کو بھی سن
گن نہ ملے۔"

" ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" سب نے ایک زبان ہو کر
کہا۔

" آپ لوگ اپنے اپنے ہتھیار اور آلات ساتھ رکھیں
گے۔ آلات اور ہتھیاروں کی حفاظت بھی آپ کی اپنی ذمے
داری ہوگی۔" صدر صاحب بولے۔

" ٹھیک ہے۔"

"کیا اس موقعے پر میں کچھ کر سکتی ہوں؟" فرحت نے اٹھ کر کہا۔

"کہیے — یہاں سب کو آزادی ہے۔ اپنی رائے ضرور ظاہر کریں۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے — ہمارا سفر خطرات سے خالی نہیں ہوگا — کیا ہم لوگ اپنے اپنے گھروں میں یہاں سے خیریت کی اطلاعات دے سکتے ہیں؟"

"جی نہیں — البتہ ہماری یہاں سے روانگی کے بعد ضرور ایسا کیا جا سکے گا — آپ لوگ اپنے اپنے پیغامات لکھ کر دے دیں — وہ پہنچا دیے جائیں گے۔"

"ہوں! شکریہ — اسی طرح سہی — کم از کم انھیں معلوم تو ہو جائے گا۔"

اپنے گھٹیا ہوٹل آ کر وہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے — ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اب میں سوچ رہا ہوں — سب لوگوں نے ونٹاس کو الگ کر کے اچھا نہیں کیا — اگر ونٹاس کے ماہرین ہمارے ساتھ چلے جاتے تو ہماری مہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا — لیکن اب کھلم کھلا دشمنی والی بات ہو گئی اور ہو سکتا ہے، ونٹاس ہماری مہم کے

راستے میں روڑے اٹکائے۔"

"روڑے — اس بے چارے کے پاس کہاں سے آ گئے؟" فاروق بولا۔

"روڑوں کی بھی ایک ہی کہی — بھئی روڑوں کا کیا ہے — بے بھاؤ مل جاتے ہیں۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا — میں روڑوں کی بات کر رہا ہوں۔" فاروق بھنا گیا۔

"میرا خیال ہے — ہمیں روانہ ہونے سے پہلے ہی روڑوں کے امکانات کا جائزہ لے لینا چاہیے — اس مہم میں ہماری ناکامی سراسر ونٹاس کے حق میں جاتی ہے — ونٹاس یہی چاہے گا کہ ہم ہرگز ہرگز کامیاب نہ ہوں — اڑن طشتریوں کی تباہ کاریاں جاری رہیں اور تمام ملک اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"اور اگر ایسا ہو گیا — تو تمام ممالک کہیں کے بھی نہیں رہیں گے — پوری دنیا ونٹاس کی غلام بن جائے گی۔"

"اور غلامی کی زندگی سے موت بہتر ہوتی ہے۔" پروفیسر داؤد نے کہا —

"جی ہاں ۔ اس میں کیا شک ۔ شک ۔" مکھن کی زبان اٹکنے لگی ۔ ساتھ ہی فرزانہ اور فرحت کی آنکھوں میں بھی خوف دوڑ گیا ۔

اور پھر سبھی نے اڑن طشتری کی گھن گرج سُن لی گویا تباہی شروع ہونے والی تھی ۔

"اس شہر کی باری اور دُوسری مرتبہ ۔ کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ۔"

"ہاں ! اطلاعات کے مطابق اس وقت تک ایک شہر کی باری صرف ایک ہی مرتبہ آئی ہے ۔ شاید اڑن طشتریاں زیادہ نہیں ہیں ۔ اور پھر ہو سکتا ہے ، ان کے ایندھن ختم ہو جانے کا بھی مسئلہ ہو ۔" پروفیسر عقلان بول اُٹھے

عین اسی وقت بادلوں کی گڑگڑاہٹ سُنائی دی ۔

اب وہ ہوٹل کے اندر بیٹھے نہ رہ سکے ۔ باہر نکل آئے ۔ دُور دُور تک کوئی نہیں تھا ۔ سب لوگ کونوں کھدروں میں گھسے ہوئے تھے ۔ یُوں لگتا تھا ۔ جیسے اس پُورے شہر میں ان کے علاوہ کوئی زندہ انسان موجود نہ ہو ۔ اڑن طشتری شہر کے ایک سرے سے فائرنگ کرتی دُوسرے سرے کی طرف جاتی دکھائی دی ۔ گولیوں کی بارش میں چند بم بھی گرائے گئے ۔ ہولناک دھماکے ہوئے ۔ اور

آگ اور دُھوئیں کے بادل اُٹھتے نظر آئے ۔

چند منٹ بعد سارا شہر آگ اور دُھوئیں میں چھپ چکا تھا ۔ اڑن طشتری غائب ہو چکی تھی ۔ امدادی کام شروع ہوئے ۔ رات گئے تک نقصانات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا ۔ دُوسرے دن اخبارات نے ضمیمے شائع کیے ۔ ان سے تفصیلات معلوم ہوئیں ۔ شہر کے سو سے زائد مکانات تباہ ہوئے تھے ۔ پانچ بڑی عمارات مسمار ہو گئی تھیں اور قریباً پانچ ہزار انسان موت کی نیند سو گئے تھے ۔ گویا کونوں کھدروں میں چھپ جانے کے باوجود پانچ ہزار آدمی اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے ۔ اور یہ سب کچھ صرف تین منٹ کی فائرنگ سے ہوا تھا ۔ اڑن طشتری کے مقابلے میں کوئی لڑاکا طیارہ نہیں اڑایا گیا تھا ، کیوں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا ۔ اُلٹا مزید نقصان ہوتا ۔ ان طیاروں کے گرنے سے کچھ اور عمارتیں گرتیں ، کچھ اور لوگ مرتے ۔ لہٰذا اس کے سوا کچھ بھی نہیں کیا گیا کہ لوگ اِدھر اُدھر چھپ گئے ۔

پُورا شہر سوگ میں ڈوب گیا ۔ دُوسری شام انھوں نے ٹی وی پر خبریں سنیں ۔ دُنیا کے بیس مختلف ملکوں پر اُڑن طشتریوں نے حملے کیے تھے ۔ پُوری دُنیا

گویا تباہی کے دہانے پر تھی۔ اور شاید جب سے دُنیا
بنی تھی ۔۔ اس کی آنکھوں نے ایسی تباہی نہیں دیکھی تھی
اسی روز ونٹاس کی طرف سے اعلان نشر کیا گیا:
"دُنیا کے ملکوں کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم سب
کو غلام بنانے کے خواہش مند ہیں۔۔ ہم نے ایک
ہتھیار تیار کر لیا ہے۔۔ پہلا تجربہ ایک دو روز
کے اندر کیا جائے گا۔۔ اگر ہم نے اڑن طشتری
کو مار گرایا تو پھر بہت جلد ان ہتھیاروں کی
تیاری بڑے پیمانے پر شروع کر دی جائے
گی۔۔ اس بات کا انتظام کر لیا گیا ہے کہ یہ
ہتھیار پلٹ کر ہمارے طیاروں کو نہ لگ
سکے۔ ہتھیار ہر قسم کی لہروں کے جال کو توڑنے
کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔۔ پھر ونٹاس دُنیا
کی ایسی خدمت کرے گا کہ کیا کبھی کسی نے
کی ہو گی۔"
یہ اعلان سن کر وہ سوچ میں ڈوب گئے۔۔
"کیا۔۔ ونٹاس اپنے ان الفاظ میں مخلص ہو سکتا
ہے؟" شوکی بڑبڑایا۔۔
"ہرگز نہیں۔۔ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے

دُنیا کے ملکوں کے خلاف ونٹاس کو سازشیں ہی کرتے دیکھا
ہے۔" محمود بولا۔
"خاص طور پر اسلامی ملکوں کے خلاف۔ لیکن یہ مسئلہ
صرف اسلامی ملکوں کا نہیں ہے۔۔ ساری دُنیا کے ملک
پلیٹ میں آگئے ہیں۔" آصف نے فوراً کہا۔
"کچھ بھی ہو۔۔ ونٹاس اپنی کوشش میں کامیاب ہو یا
ناکام۔۔ ہمیں اپنی مہم پر ہر حال میں روانہ ہونا پڑے گا۔"
"ہوں۔۔ یہ تو خیر ہے۔"
تیسرے دن ونٹاس کی طرف سے پھر ایک اعلان
کیا گیا۔ اعلان یہ تھا:
"آج شام ایک اُڑن طشتری ونٹاس کی فضا
میں اُبھری۔۔ ہمارے طیارے بالکل تیار تھے،
انھوں نے فوراً پرواز کی۔ طیاروں نے اُڑن
طشتری کو گھیرے میں لے لیا۔ اس نے بچنے
کی کوشش بھی نہیں کی، کیوں کہ وہ تو ہر خطرے
سے بے پروا تھی؛ چناں چہ اس نے گولہ باری
شروع کر دی۔۔ ہماری چند عمارات اُڑ گئیں۔
اس وقت تک ہمارے طیارے اسے زد میں لے
چکے تھے۔۔ انھوں نے ہتھیار فائر کیا۔۔ چار ہتھیار

ایک ساتھ اڑن طشتری پر فائر کیے گئے۔ چار میں سے ایک اُڑن طشتری کو لگا۔ اُڑن طشتری لڑکھڑا گئی ۔ اس میں سے دُھواں نکلتے ہوئے دیکھا گیا ۔ اس دوران ہمارے چاروں طیارے بھی گولیاں لگنے سے بے کار ہو گئے اور زمین پر آ رہے ۔ اڑن طشتری سے آگ بھی نکلتے دیکھی گئی ۔ لیکن افسوس ۔ وہ ہماری سرزمین پر یا اپنے راستے کے کسی مُلک میں گرتے نہیں دیکھی گئی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے نقصان کم پہنچا ہے ، لیکن یہ کامیابی بھی کچھ کم کامیابی نہیں ۔ ہم اب اپنے ہتھیار کو مزید طاقت ور بنائیں گے اور دُوسرا تجربہ خالی نہیں جائے گا ۔ ایک عدد اڑن طشتری ضرور مار گرائی جائے گی ۔ اور ایک بار ہم ایک اڑن طشتری مار گرانے میں کامیاب ہو گئے ۔ پھر کامیابی ہی کامیابی ہو گی ۔ اور ان کا نام و نشان دُنیا سے مٹا دیا جائے گا ۔ دُنیا کے لوگوں کے لیے خوش خبری ہم نے اڑن طشتری سے جنگ کا پورا منظر فلم بند کیا ہے جسے آج رات تمام ٹی وی سٹیشنوں پر دکھایا

جائے گا۔"

آخری الفاظ نے دل چسپی کی لہر پُوری دُنیا میں دوڑا دی ۔ ہر کوئی وقت سے پہلے ہی اپنا ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا ۔ اور پھر پروگرام دکھایا گیا ۔ اعلان کے مطابق واقعی اڑن طشتری سے پہلے دُھواں اور پھر آگ نکلتی نظر آئی ۔ اور پھر وہ غائب ہو گئی ۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے ونٹاس کامیاب ہو جائے گا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے ۔

"نظر تو یہی آتا ہے۔" وہ بول اُٹھے ۔

دُوسرے دن کے اخبارات نے ہل چل سی مچا دی ۔ دُنیا کے کئی مُلکوں نے ونٹاس سے درخواست کی تھی کہ وہ ہر طرح اس کے ساتھ ہیں ۔ اس کی ہدایات پر ہر طرح عمل کریں گے ۔ بس انھیں اڑن طشتریوں سے بچایا جائے ۔

"اُف مالک ۔ یہ تو وقت سے پہلے ہی غلام بننے کی تیاری کرنے لگے۔"

"اڑن طشتریوں کا خوف ہی اس قدر پھیل چکا ہے ۔ اور اب ایک ذرا سی کامیابی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے۔"

"آخر ہم اب تک کیوں روانہ نہیں ہوئے۔" خان رحمان نے بے تابانہ لہجے میں کہا۔

"میں آج صدر کو فون کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

رات کے وقت فون کیا گیا۔ وہ سب فون پر ہونے والی گفت گو کی طرف متوجہ ہو گئے:

"ہیلو سر۔ آپ نے ونٹاس کا پروگرام ٹی وی پر ملاحظہ فرما لیا ہوگا۔ اب آخر ہم کب روانہ ہوں گے"

"تمام تر تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ امید ہے کہ ہم مقررہ وقت پر روانہ ہو جائیں گے۔ میں آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔" صدر نے کہا۔

"کیا کوئی کسر باقی ہے ابھی؟"

"ہاں! آج رات انشارجہ اور ونٹاس کے صدروں کی ملاقات ہو رہی ہے۔ اس ملاقات کی پیش کش ونٹاس کی طرف سے ہوئی ہے۔ پتا نہیں۔ وہ کیا تجویز ان کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ بہر حال یہ ملاقات رات کے گیارہ بجے ختم ہو گی۔ اسی وقت انشارجہ کے صدر مجھے فون کریں گے۔ اور میں آپ لوگوں کو بتا سکوں گا کہ ہمیں وقت مقررہ پر روانہ ہونا ہے یا پروگرام

ایک آدھ دن کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ ہمیں رات کے گیارہ بجے تک جاگتے رہنا ہے۔"

"ہاں! اس کی ضرورت ہے۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

ٹھیک سوا گیارہ بجے فون موصول ہوا:

"ہم صبح روانہ ہو رہے ہیں۔ دونوں صدروں کی گفت گو ناکام ہو گئی ہے۔ انشارجہ کے صدر نے ونٹاس کے صدر کی شرائط ماننے سے انکار کر دیا ہے۔"

"لیکن۔ وہ کیا شرائط منوانا چاہتے تھے؟"

"ونٹاس کے صدر چاہتے تھے کہ ان کے ماہرین کو بھی ساتھ لے جایا جائے۔ اور انھیں رہنمائی کرنے دی جائے۔ انشارجہ کے صدر نے رہنمائی والی شرط ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ ونٹاس کے صدر نے کہا تھا کہ اگر انھیں رہنمائی کرنے دی گئی تو وہ بھی انشارجہ کو بلا معاوضہ اڑن طشتریوں سے بچائے گا، لیکن انشارجہ کے صدر نے بات نہیں مانی۔ اب ایک اور دلچسپ بات سن لیں۔"

"جی فرمائیے۔"

"گفت گو ناکام ہونے کے فوراً بعد وشاس نے اعلان کیا ہے کہ اب ان کے ملک کی ٹیم الگ روانہ ہو گی۔"

"یعنی اڑن طشتریوں کے دیس کی تلاش میں وہ الگ کوشش کریں گے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ اور ہمیں ہدایات دی گئی ہیں کہ اگر کہیں راستے میں ہماری ان سے ٹکر ہو جائے تو لڑنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ہاں اگر وہ لڑنے پر مجبور کر دیں تو پھر ضرور ان سے نبٹ لیا جائے۔"

"گویا ہمیں راستے میں ان کی طرف سے بھی چوکنا رہنا ہو گا۔"

"بالکل۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ ہم بری طرح ناکام ہو جائیں۔"

"اللہ مالک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"صبح ٹھیک تین بجے آپ لوگ ہال میں آ جائیں، وہیں سے سب ایک ساتھ روانہ ہوں گے۔"

"بہت بہتر۔" انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

فون کی گفت گو انھیں بتائی۔

"اب ہم سو کر کیا کریں گے۔ تین ساڑھے تین گھنٹے

بعد تو یہاں سے چلنا پڑے گا۔" آصف نے منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"یہ کہ۔ اب ہم ذرا باتوں کا میدانِ کارزار بھی گرم کر لیں۔ بہت دن ہو گئے۔ خاموشی اختیار کیے ہوئے۔" آصف نے کہا۔

"یہ خاموشی ہم نے نہیں۔ اڑن طشتریوں نے پھیلائی ہے۔ پوری دنیا خوف کا شکار ہے۔ ان حالات میں مسکرانے کو جی نہیں چاہتا۔ ہم باتوں کا میدان کیا گرم کریں گے۔" شوکی بولا۔

"لیکن اب منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بھی تو نہیں بیٹھا جا سکتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تو پھر اس کی ترکیب مجھ سے سن لو۔" فرحت مسکرائی۔

"اپنی ترکیب کی ہی بات کی۔ اور کوئی بات تو سوجھ ہی نہیں سکتی۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"ایک تو ترکیب بتاؤ۔ اوپر سے ان کی جلی کٹی سنو، میں تو باز آئی ترکیب بتانے سے۔" فرحت نے برا مان کر کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے فرزانہ — یہ تو گئی ترکیب بتانے سے۔" آصف مسکرایا۔

"میں بھی اپنی بہن کا ساتھ دوں گی۔"

"ہائیں ہائیں — تو کیا تم بھی گئیں ترکیب بتانے سے۔" فاروق بوکھلا گیا۔

"ان حالات میں ہم کر ہی کیا سکتے ہیں — تم سب ایک طرف ہو گئے اور ہم دو بے چاریاں ایک طرف۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ارے — تو بے چاریاں ایسی ہوتی ہیں — کمال ہے۔" مکھن نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں ہو گا — ہمیں کیا۔"

"کیا ہو گا؟" پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا۔

"کمال — اور کیا۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"بلاوجہ غریب ران کو تکلیف دے رہے ہو۔" آصف بولا —

"تم کیوں جلے جا رہے ہو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"جلتی ہے میری جوتی۔"

"جوتا کہیے — جوتی فرزانہ کی جلتی ہے۔" مکھن مسکرایا۔

"ارے — تم — میری جوتی کے بارے میں کچھ کہنے والے کون ہوتے ہو۔" فرزانہ بھنّا اٹھی۔

"ج — جی — میں ہوں مکھن — عرف آفتاب۔" مکھن گڑبڑا گیا —

"غلط — بالکل غلط — تم آفتاب عرف مکھن ہو۔" پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

"لیجیے — بڑوں کی بھی رال ٹپک پڑی۔" خان رحمان مسکرائے —

"بھئی کیا کریں — ان کو دیکھ کر خود بھی بچّہ بن جانے کو جی چاہنے لگتا ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"تو بن جائیے نا انکل — سچ بڑا مزا آئے گا۔" فرحت نے چہک کر کہا۔

"کیسے بن جائیں — یہاں بچّہ بننے کی کوئی مشین تو لگی ہوئی نہیں ہے۔" پروفیسر غوری بولے۔

"دیکھا — خان رحمان — بڑے بھی کم نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب کیا کیا جائے بھئی — آخر یہ تین گھنٹے بھی تو گزارنا ہیں۔" پروفیسر غوری بولے۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں — بڑے ہماری گفت گو میں

برابر کا حصّہ لے سکتے ہیں۔" اشفاق نے کہا۔

" اور کیا — ہم کنجوس تھوڑا ہی ہیں۔" اخلاق بولا۔

" چلو شکر ہے — ان دونوں کی بھی آوازیں سنائی دیں۔" محمود نے کہا—

" کک — کن دونوں کی؟" شوکی ہکلایا۔

" اشفاق اور اخلاق کی۔"

" بس — یہ ذرا کم گو ہیں۔" مکھن نے کہا۔

" کم گو ہو گے تم خود۔" اخلاق بولا۔

" کک — کیا کہ رہے ہو بھئی — کم گو اور مکھن۔" آفتاب کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

" شش — شاید — غلط کہ گیا۔" اخلاق نے گھبرا کر کہا—

" شاید نہیں — تم یقیناً غلط کہ گئے۔" محمود مسکرایا۔

" ایک بات میں بھی کہوں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" ضرور ضرور ابّا جان — ہمیں بہت خوشی ہو گی۔"

" تو پھر سنو — یہ سیلاب اب شروع ہو چکا ہے، اب سب کے سب اس میں بہہ کر رہیں گے — لہٰذا — پہلے ہمیں سامان ایک جگہ جمع کر کے رکھ دینا چاہیے — تاکہ باتوں میں اس حد تک وقت نہ گزر

جائے کہ بعد میں سامان جمع کرنے کی بھی مہلت نہ رہے، کیا خیال ہے؟"

" بہت ہی مناسب بات ہے۔"

" آپ تو ہمارے سیلاب سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ لگتے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

اور وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے — سامان رکھ کر جو ایک جگہ بیٹھے تو سب کے سب چپ — جب کئی سیکنڈ گزر گئے تو فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

" یہ — یہ ہمیں کیا ہو گیا ہے؟"

" چپ کا دورہ پڑ گیا ہے۔" آفتاب نے فوراً کہا—

" چلیے — اچھا ہی ہے — چپ کا دورہ بھی دیکھ لیا — کیسا ہوتا ہے — ورنہ حسرت ہی رہتی۔"

" کک — کس بات کی حسرت رہتی؟" پروفیسر داؤد بولے—

" جی — چپ کے دورے کی۔"

" اوہ ہاں — واقعی۔"

" لیکن یہ کیسا چپ کا دورہ ہے — کہ ہم بول بھی رہے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جل کر کہا۔

"یہ بھی کوئی بولنے میں بولنا ہے انکل۔" محمود نے جھک کر کہا۔

"اور کیا — یہ تو جب بولیں گے۔ چھپر پھاڑ کر بولیں گے۔" مکھن بولا۔

"تو تمہیں مرچیں چبانے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے، چھپر بھی تو ان کا اپنا ہو گا۔" شوکی نے اسے گھورا۔

"مرچیں چبائیں میرے دشمن۔" مکھن نے کہا۔

"نہیں بھئی — مرچیں چبانا اب اتنی بُری بات بھی نہیں ہوئی کہ دشمنوں کی طرف رُخ کر دیا جائے۔ بعض لوگ تو ہری مرچیں بہت شوق سے چباتے ہیں۔" آصف نے کہا۔

"لیجیے — اب ہری مرچوں تک جا پہنچے۔" فاروق بولا —

"لک — کیا غلطی کی ہے میں نے؟" آصف نے گھبرا کر پُوچھا —

"پپ — پتا نہیں۔" محمود نے اسی کے انداز میں کہا —

"کاش ہم ان باتوں میں چند باتیں کام کی بھی کر لیں۔" [illegible] ان مرزا نے سرد آہ بھری —

"کام کی باتیں — یہ کام کی باتیں کہاں سے ٹپک پڑیں انکل؟" فاروق کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"میرے خیال میں اس وقت کام کی چند باتیں کرنے کی بہت ضرورت ہے۔" ان کے لہجے میں حد درجے سنجیدگی تھی —

وہ سب یک لخت سنجیدہ ہو گئے اور ٹکر ٹکر ان کی طرف دیکھنے لگے —

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں انکل؟"

"یہ کہ — ہمیں سوچنا چاہیے — وناس کس کس انداز سے ہمارے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہے۔"

"اوہ — واقعی — یہ تو ایک بہت ہی ضروری موضوع ہے۔" خان رحمان چونکے —

"تو یہ ضروری موضوع آپ سوچ لیں — ہمیں ہماری باتیں کرنے دیں۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

"یہ تو ہو ہی نہیں سکتا — جب تم لوگ باتیں کر رہے ہو — آدمی کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔" پروفیسر داؤد بولے —

"تب تو — بہت اثر ہے ہماری باتوں میں۔" آفتاب

نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! اتنا کہ لوگ کام کی باتیں بھول جاتے ہیں۔"
انسپکٹر کامران مرزا نے جل کر کہا اور خان رحمان وغیرہ مسکرا دیے۔

"شش!"

اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا۔ یہ سب کو خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔

پاس کا نام

انھوں نے فوراً فرزانہ کی طرف دیکھا۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ کیا بات ہے۔ فرزانہ نے انھیں اشاروں میں بتایا کہ دروازے پر کوئی ہے اور غالباً ان کی باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا یہ اشارہ سمجھتے ہی انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے:

"بھئی میری ایک بات اور سن لو۔"

انھوں نے حیران ہو کر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا، کیوں کہ فرزانہ نے تو ان سب کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا تھا۔ اور وہ کہہ رہے تھے کہ میری ایک بات سن لو۔

"جی۔ فرمائیے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" محمود ان کا مطلب سمجھ کر بولا۔

"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔ اور وہ

یہ کہ دشمن کس طرح ہمارا راستا روکنے کی کوشش کرے گا۔"

"ارے ۔ اچھا۔ تو یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہے ۔ کمال ہے۔" فاروق بولا۔

"تو پھر بتائیے نا انکل۔" آفتاب نے کہا۔

اس وقت تک انسپکٹر کامران مرزا آواز پیدا کیے بغیر دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ اور انھوں نے خود کو ایک طرف رکھتے ہوئے ۔ چٹخنی آہستہ آہستہ گرانا شروع کر دی تھی ۔ اس طرح کہ ذرا بھی آواز پیدا نہ ہو سکی ۔ اور پھر ۔ دروازہ یک دم کھل گیا۔

دروازے سے لگا ہوا آدمی اپنے ہی زور سے اندر کی طرف آ گرا ۔ انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً اسے گردن سے پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ بند کر دیا ۔

اب انھوں نے دیکھا ۔ وہ اس ہوٹل کا بیرا تھا۔

"تم ہماری باتیں کس خوشی میں سن رہے تھے مسٹر" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

"ہم ۔ میں ۔ نہیں تو۔"

"نہیں تو ۔ کیا مطلب ۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم

ہماری باتیں نہیں سن رہے تھے؟"

"ج ۔ جی ہاں ۔ میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"تب پھر تم میرے کمرے کے دروازے سے لگے کیوں کھڑے تھے۔"

"میں تو یہ پوچھنے آیا تھا ۔ کہ آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔"

"ضرورت ہوتی تو ہم خود تمھیں بلا لیتے ۔ اور پھر تم پہلے تو کبھی یہ پوچھنے نہیں آئے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا ۔

"بس ۔ میں نے سوچا ۔ آپ بھی کیا سوچیں گے۔"

"گویا ۔ تو تم ہماری باتیں نہیں سن رہے تھے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خوش ہو کر کہا۔

"جی نہیں ۔ بالکل نہیں۔"

"اچھا ۔ یہ لو ایک سو روپے کا انعام۔" انھوں نے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر کہا۔

"جی ۔ کیا مطلب ۔ انعام کیسا؟" وہ بھونچکا رہ گیا۔

"ہم تو اس طرح بات بے بات انعام دینے کے عادی ہیں بھئی ۔ ویسے تم چاہو تو پانچ سو روپے بھی

انعام پا سکتے ہو۔"

"جی۔ جی۔ وہ کیسے بھلا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ اس طرح کہ تم یہ بتا دو۔ کہ ہماری باتیں کیوں سُن رہے تھے۔ کیا کسی نے تمہیں ایسا کرنے کے لیے کہا تھا؟"

"جج۔ جی۔ نہیں تو۔" وہ گھبرا گیا۔

"اب تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس طرح یہ چھے سو روپے تمہارے ہاتھ سے جائیں گے۔"

"م۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ اس نے اس سے بھی بڑا لالچ دیا ہے۔ خیر بھئی۔ ایک ہزار کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"پتا نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"تم اس آدمی کے بارے میں ہمیں بتا دو۔ جس نے تمہیں اس کام پر لگایا ہے۔ اور ایک ہزار روپے انعام پا لو۔ ہم اسے ہرگز نہیں بتائیں گے کہ یہ بات ہمیں تم نے بتائی ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں۔ اس بات پر غور ہو سکتا ہے۔"

"ہاں۔ آ۔ ہو سکتا ہے۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً کہا۔ انھوں نے اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

"ہاں تو بتاؤ۔ ویسے تم مسلمان لگتے ہو؟"

"جی۔ جی ہاں۔ ایک ہزار روپے تو دیں نا پہلے۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ یہ لو۔" انھوں نے کہا اور ہزار روپے کا ایک نوٹ اور نکال کر اسے دے دیا۔

"مجھے اس کام پر مسٹر خوشو نے مقرر کیا ہے۔ انھوں نے بھی ایک ہزار روپے دیئے تھے۔"

"اور یہ مسٹر خوشو کون ہیں؟"

"جس روز آپ ہوٹل میں آ کر ٹھہرے تھے۔ اسی روز انھوں نے بھی آپ کے ساتھ والا کمرہ کرائے پر لیا تھا، لیکن وہ اپنے کمرے سے بہت کم نکلتے ہیں۔ نکلتے بھی ہیں تو اس وقت جب آپ کہیں باہر چلے جاتے ہیں۔ آج صبح انھوں نے مجھے ہزار روپے دیئے اور کہا کہ میں آپ لوگوں کی باتیں سُن کر انھیں بتاؤں۔"

"تو پھر۔ تم نے باتیں سُننا شروع کر دیں۔"

"ہاں۔" اس نے کہا۔

"اور انھیں کیا بتایا؟"

"اسی وقت پہلی مرتبہ تو موقع ملا ہے سننے کا۔"

"اچھا چلو۔ سن لیں تم نے باتیں۔ اب کیا بتاؤ گے جا کر۔"

"ہم۔ میں کیا بتاؤں گا۔ یہ تو ابھی تک میرے فرشتے بھی نہیں سمجھ سکے کہ میں مسٹر خوشو کو کیا بتا سکتا ہوں۔"

"ہوں۔ خیر۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ اچھے اچھے ہماری باتیں نہیں سمجھ سکے۔" فاروق مسکرایا۔

"اور مسٹر خوشو ہمارے ساتھ والے کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں ہیں؟"

"امید یہی ہے۔"

"شکریہ۔ اب تم ایک کام کرو۔"

"جی فرمایئے۔ آپ جو کہیں گے، کروں گا، آپ نے مجھے ایک ہزار روپے دیے ہیں۔"

"ہوں۔ بات تو معقول ہے۔ تو پھر دو ہزار ایک سو روپے جیب سے نکالو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی۔ کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"بھئی تم نکالو تو۔"

اس نے کانپتے ہاتھوں سے نوٹ نکال لیے۔

"اب یہ مجھے دے دو۔" وہ بولے۔

"آپ۔ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"تم اس ہوٹل میں ملازمت کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

"بالکل کرنا چاہتا ہوں۔ ملازمت نہیں کروں گا تو اپنے بچوں کا پیٹ کس طرح پالوں گا۔" اس نے کہا۔

"ہم تمہارے ہوٹل کے مینجر سے تمہاری کوئی شکایت نہیں لگائیں گے۔ ورنہ ہم چاہیں تو تمہیں اسی وقت ہوٹل سے نکلوا دیں۔"

"نن۔ نہیں۔ ایسا نہ کیجیے گا۔ آپ یہ دو ہزار ایک سو روپے لے لیں۔" وہ کانپ گیا۔

"اب ہوئے ہو نہ سیدھے۔"

"غریب آدمی سیدھا نہ ہو تو کیا کرے گا صاحب۔ تین جوان بچیاں گھر میں بیٹھی ہیں۔ ان کی شادیاں میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ کروں تو کیا، ایسے میں اس طرح کوئی رقم ملنے لگتی ہے تو میں غلط کام بھی کر بیٹھتا ہوں۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے، پھر انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"یہ تو معاملہ الٹ ہو گیا۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ الٹ کیا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ جملہ میں نے تم سے نہیں کہا مسٹر۔ اپنے ساتھیوں سے کہا ہے۔" وہ بولے۔

"واقعی۔ الٹ ہو گیا ہے۔" آصف بولا۔

"خیر۔ اب اسے سیدھا کرنا بھی ہماری ذمے داری ہے۔" انھوں نے کہا، پھر بیرے کی طرف مڑے:

"یہ لو اپنے دو ہزار ایک سو روپے۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"اور یہ ایک ہزار روپے اور بھی لے لو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جیب سے ایک ہزار روپے اور نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ابھی کیا ہے۔ ابھی تو تم پتا نہیں کیا کچھ دیکھو گے۔ یہ میری طرف سے رکھ لو۔" انسپکٹر جمشید نے بھی

دو ہزار روپے نکال کر اسے دے دیے۔

"ہائیں۔ کیا واقعی۔" وہ بولا۔

"دیکھو بھئی۔ ابھی زیادہ حیران نہ ہوتا۔" فاروق نے گویا اسے خبردار کیا۔

"یہ میری طرف سے لیں۔" خان رحمان نے نوٹوں کی ایک گڈی ہی اس کی طرف بڑھا دی۔

اب تو اس کی حیرت اور بڑھ گئی۔ شاید اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اور پھر کمرے میں موجود سبھی افراد نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال دیے، ایک منٹ بعد بیرے کے سامنے نوٹوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اور وہ اس ڈھیر کو حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

"کک۔ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔"

"اگر تم ایک منٹ کے اندر ان نوٹوں کو سمیٹ کر کمرے سے نہ نکل گئے تو یہ ضرور تمھارے لیے ایک خواب ہو جائے گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، کیوں کہ وہ اس کی شرمندہ نظریں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اس نے فوراً اپنی جھولی پھیلا لی، ان میں نوٹ بھرے۔ اور کمرے سے نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اس

نے دوڑ لگا دی ۔ شاید وہ ڈر رہا تھا ۔ کہ وہ لوگ اسے
روک نہ لیں گے اور ساری رقم واپس نہ لے لیں ۔
انھوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا،
پھر انسپکٹر جمشید بولے :
"فاروق اور آفتاب ۔ تم دونوں ذرا مسٹر خوشبو سے
ملاقات کر آؤ۔"
"ج ۔ جی بہتر۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا اور کمرے
سے نکل کر ساتھ والے دروازے پر جا کھڑے ہوئے،
فاروق نے آہستہ سے دستک دی ۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ
کھلا ۔ اور ایک لمبے چہرے والے پر نظر پڑی اس
کی آنکھیں گہری نیلی تھیں ۔ قد بھی بہت لمبا تھا ۔
"مسٹر خوشبو؟" فاروق نے سوالیہ انداز میں کہا ۔
"یس ۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" اس نے
انگریزی میں کہا ۔
"پہلی خدمت تو یہ کہ ہمیں اندر بٹھائیے۔" آفتاب
نے کہا ۔
"ضرور ۔ آئیے۔" اس نے راستہ دیا ۔
دونوں کمرے میں داخل ہو گئے ۔ کرسیوں پر بیٹھنے
کے بعد اس نے کہا :

"جی ہاں ! اب فرمائیے۔"
"آپ کا نام خوشبو ہے ۔ مسٹر خوشبو۔" آفتاب نے کہا ۔
"یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" اس نے منہ
بنایا ۔
"شکریہ ۔ آپ جانتے ہیں، آپ کے ساتھ والے کمرے
میں کون لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔" فاروق بولا ۔
"میں کیوں جاننے لگا ۔ مجھے کیا غرض دوسروں
سے۔" اس نے کہا ۔
"لیکن ان کمروں پر جو بیرا مقرر ہے ۔ اس کا
بیان کچھ اور ہے۔" فاروق نے کہا ۔
"کیا مطلب ؟"
"آفتاب ۔ مطلب تم بتاؤ۔" فاروق اس کی طرف مڑا ۔
"اچھی بات ہے ۔ میں مطلب بتانے کے لیے بالکل
تیار ہوں، بلکہ ہر وقت تیار ہوں، لیکن مطلب بتاؤں
کس بات کا۔" اس نے حیران ہو کر کہا ۔
"عجیب ہو تم بھی ۔ اتنی سی بات نہیں سمجھتے۔" فاروق
جل گیا ۔
"تو تم ہی اتنی سی بات کیوں نہیں بتا دیتے۔"
آفتاب کو بھی غصہ آ گیا ۔

"آپ دونوں کا۔ آپس میں لڑنے کا تو کوئی ارادہ نہیں؟" وُہ گھبرا گیا۔

"جی نہیں ۔۔ فی الحال نہیں۔ کم از کم آپ کے کمرے میں ہرگز نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ اِدھر اُدھر آپ آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں ! کیا کریں۔ مجبور ہیں۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"مجبور ہیں ۔ یعنی لڑنے پر۔"

"نہ صرف لڑنے پر بلکہ مرنے پر بھی۔" فاروق بولا۔

"پپ ۔ پتا نہیں آپ کیا کر رہے ہیں، ارے ہاں ! آپ کیا کر رہے تھے؟"

"ان کمروں پر جو بیرا مقرر ہے ۔ اس کا بیان یہ ہے کہ آپ نے اسے ایک ہزار روپے دیے ہیں۔"

"اچھا تو پھر ۔۔ میں نے اپنی جیب سے دیے ہیں، آپ کو اس سے کیا؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"لیکن ساتھ میں اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ آپ نے ہزار روپے اس لیے دیے ہیں کہ وُہ ہماری گفتگو سُنے اور آپ کو آ کر بتائے۔"

"کیا ۔ تو یہ بات اس نے آپ کو بتا دی۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"جج ۔۔ جی ہاں ۔ اس سے غلطی ہو گئی۔ اسے معاف کر دیں۔" آفتاب نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"کیا مطلب ۔ کیا آپ اس کے لیے معافی مانگنے آئے ہیں؟"

"کیوں آفتاب ۔۔ ہم کس لیے یہاں آئے ہیں؟"

"کیا پوچھا ۔ تم نے ۔۔ ہم اور یہاں کس لیے آئے ہیں۔" آفتاب گھبرا گیا۔

"ہاں ! یہی پوچھا ہے ۔ بتاؤ نا۔"

"یار ۔ کچھ یاد نہیں آ رہا۔ ویسے کم از کم معافی مانگنے کے لیے تو ہرگز نہیں آئے۔"

"مجھے یاد آ گیا ۔ ہم اس بیرے کے بیان کی تصدیق کرنے کے لیے آئے ہیں ۔ ہاں تو مسٹر خوشو ۔۔ مہربانی فرما کر تصدیق کر دیں۔"

"ہل ۔۔ لیکن کس بات کی؟"

"اس بات کی ۔ کہ آپ واقعی ہماری جاسوسی کرا رہے تھے ۔ دیکھیے ۔ ہمیں اپنے بڑوں کو جا کر رپورٹ بھی دینا ہے۔"

"تم لوگوں کا شاید دماغ خراب ہے — میں ابھی ہوٹل
ے مینیجر کو بلاتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور ایک
ر گھماتے ہی بولا:

"مینیجر صاحب — خوشو بول رہا ہوں — فوراً یہاں آئیے۔"

دوسری طرف کا جواب سن کر اس نے ریسیور رکھ
یا اور خوش ہو کر بولا:

"مسٹر مینیجر آ رہے ہیں۔"

"خیر — جب تک وہ آئیں — آپ یہ بتائیں — آپ
اری گفتگو سننے کے خواہش مند کس لیے ہیں؟"

"ارے! میں کیوں ہوتا خواہش مند یہ ہوائی کسی دشمن
نے اڑائی ہو گی۔" یہ جملہ اس کے منہ سے اردو میں نکل
یا —

"مسٹر خوشو — آپ اردو جانتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں — میں تو کئی زبانوں کا ماہر ہوں۔"

"تو پھر مہربانی فرما کر ہم سے اردو میں ہی بات
کریں۔"

"اچھی بات ہے — مجھے کوئی اعتراض نہیں — اب
غور سے سن لیں — میں نے کسی بیرے کو اس کام پر

نہیں لگایا — آخر مجھے کیا ضرورت تھی۔"

"ہوں — خیر — دیکھتے ہیں۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی، پھر دستک
ہوئی —

"چلے آئیے مینیجر صاحب — دروازہ اندر سے بند نہیں
ہے۔" خوشو بولا — الفاظ انگریزی میں ادا کیے تھے۔

ایک ادھیڑ عمر کا سرخ رنگ کا آدمی اندر داخل
ہوا، اس نے ان تینوں پر ایک نظر ڈالی، پھر قدرے
پریشان آواز میں بولا:

"خیر تو ہے مسٹر خوشو؟"

"خیر کہاں جناب — یہ حضرات مجھے پریشان کر رہے ہیں،
اور شاید یہ ہوٹل کے قانون کے بالکل خلاف ہے۔"

"ہے تو سہی، لیکن انھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت
ہے۔"

"ہم نے ان سے صرف ایک بات پوچھی ہے — اور
اس کا جواب چاہتے ہیں — آپ خود بتائیں — کیا یہ
پریشان کرنا ہوا؟"

"پہلے یہ بات بتائیے — کہ بات کیا پوچھی گئی ہے —
اس طرح میں کیا جواب دے سکتا ہوں۔"

"خیر۔ یوں ہی سہی۔ ان لوگوں نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں نے ان کی گفت گو سننے کی کوشش کی ہے۔"

"کیوں جناب۔ کیا یہ بات درست ہے؟"

"بالکل!" فاروق نے فوراً کہا۔

"آپ لوگ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"اس طرح کہ۔ انھوں نے ان لوگوں کے بیرے کو ایک ہزار روپے اس کام کے لیے دیے ہیں۔"

"نن۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میرے ہوٹل کے بیرے ایسے کام نہیں کرتے۔"

"تب تو۔ آپ پہلے اپنے بیرے کو یہاں بلائیں۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ یہی کرنا چاہیے۔" خوشو جلدی سے بولا۔

آخر مینجر نے اس بیرے کو بلایا۔ انھیں ایک جگہ دیکھ کر بھی اس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار پیدا نہیں ہوئے:

"میرے لیے کیا حکم ہے جناب؟" اس نے کہا۔

"آؤ جیری۔ مسٹر خوشو نے تمھیں ایک ہزار روپے دیے ہیں۔ اس کام کے لیے کہ تم ان لوگوں کی گفت گو

سن کر انھیں بتاؤ۔"

"جی۔ نہیں تو۔ یہ کس نے کہ دیا آپ سے۔" بیرے کے لہجے میں حیرت تھی۔

اور وہ دھک سے رہ گئے۔ انھیں ایک فی صد بھی امید نہیں تھی کہ بیرا اس طرح صاف انکار کر دے گا۔

"تو انھوں نے تمھیں ایک ہزار روپے نہیں دیے۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے کہا۔

"اب آپ لوگ کیا کہتے ہیں۔" مینجر ان کی طرف مڑا۔

"کیا ہم نے آپ کو گفت گو سنتے ہوئے نہیں پکڑ لیا تھا۔ اور پھر آپ نے یہ بیان نہیں دیا تھا کہ ان صاحب نے آپ کو اس کام کے لیے ایک ہزار روپے دیے ہیں۔ ہم نے بھی آپ سے یہ بات اگلوانے کے لیے ایک ہزار روپے پیش کیے تھے۔ پھر جب ہم نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کام کیوں کیا تو آپ نے بتایا کہ آپ کی تین جوان بیٹیاں گھر میں بیٹھی ہیں، ان کی شادی کا بوجھ آپ کے سر پر ہے۔ اور انتظام نہیں ہے۔ اس پر ہم نے آپ کی مدد بھی کی، کیا آپ اس سے بھی انکار کرتے ہیں؟"

"یہ سب جھوٹ ہے۔ میں بھلا کیوں کسی سے امداد

لینے لگا — میں تو خود کماتا ہوں — اور نہ میرے گھر میں تین جوان بیٹیاں بیٹھی ہیں۔" اس نے چلّا کر کہا۔

فاروق نے آفتاب کی طرف اور آفتاب نے فاروق کی طرف دیکھا:

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ان حالات میں ہم کیا کہیں گے۔"

"گویا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں — اور یہ لوگ مجھے شاید بلیک میل کرنے کے لیے آئے تھے — میں درخواست کروں گا کہ آپ انھیں پولیس کے حوالے کر دیں۔"

"ضرور — کیوں نہیں — مجھے یہی کرنا ہوگا۔" مینیجر نے کہا اور ریسیور اٹھا کر پولیس کو فون کرنے لگا — فاروق اور آفتاب نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی —

"پولیس آیا ہی چاہتی ہے۔" اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا —

"چلیے ٹھیک ہے — آپ ان لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دیجیے گا۔"

"پولیس کے حوالے کرنا میرا کام نہیں — پولیس خود فیصلہ کرے گی — کہ انھیں گرفتار کرے یا نہ کرے۔"

"چلیے پھر — یوں ہی سہی۔" خوشو نے کندھے اُچکائے۔ آخر پولیس کمرے میں داخل ہوئی —

"کیا معاملہ ہے جناب؟"

معاملہ پولیس کو بتایا گیا — سب انسپکٹر نے چند سیکنڈ تک ان کی طرف دیکھا:

"آپ دونوں کے پاس کوئی ثبوت ہے، کیونکہ بیرے کے انکار کے بعد آپ کی بات پر یقین کس طرح کیا جا سکتا ہے؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن ہمارے پاس ثبوت موجود ہے۔"

"کیا کہا — ثبوت موجود ہے۔" سب انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا —

"جی ہاں — بالکل پکا ثبوت۔"

"تو پھر پیش کیجیے۔"

ثبوت کا لفظ سن کر بیرے کے چہرے پر خوف دوڑ گیا — فاروق نے اپنی جیب سے ننھا سا ٹیپ ریکارڈر نکال کر آن کر دیا — ان کی اور بیرے کی گفت گو سنائی دینے لگی — سب انسپکٹر اور مینیجر کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں — آخر گفت گو ختم ہو گئی —

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"یہ بیرے کا کوئی اپنا چکر ہے — میرا اس چکر سے کوئی تعلق نہیں — میں نے اسے کوئی رقم نہیں دی۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب۔" بیرا تڑپ اُٹھا —

"کیوں — کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"ہاں ! بالکل — آپ نے مجھے ایک ہزار روپے دیے تھے — اور یہ کہا تھا کہ میں ان لوگوں کی گفت گو سن کر آپ کو بتاتا رہوں۔"

"بالکل جھوٹ — شاید تم اس طرح لوگوں کو بلیک میل کرتے ہو۔" خوشو نے کہا۔

"خیر — اب مجھے بھی ثبوت پیش کرنا ہو گا۔" بیرا مسکرایا —

"کیا مطلب ؟" اس مرتبہ فاروق اور آفتاب بھی چونکے تھے — منیجر، سب انسپکٹر اور خوشو کو تو خیر چونکنا پڑا ہی تھا —

"ہاں جناب — یہ دیکھیے — ایک ننھا سا ٹیپ ریکارڈر میرے پاس بھی ہے — اب ان کی اور میری گفت گو سنیے۔"

یہ کہہ کر اس نے ٹیپ ریکارڈر چلا دیا — گفت گو سننے کے بعد سب انسپکٹر نے کہا :

"ثابت ہو گیا کہ آپ نے بیرے کو ایک ہزار روپے دیے تھے — اور ان لوگوں کی گفت گو جاننے کے لیے دیے تھے — اور یہ جُرم ہے — لہٰذا آپ کو اور بیرے کو گرفتار کیا جاتا ہے۔"

ان دونوں کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا — ایسے میں فاروق نے کہا :

"مسٹر جیری — آپ نے تین بیٹیوں والی بات بھی جھوٹ کہی تھی۔"

"ہاں !" اس کے منہ سے نکلا۔

"تب تو انسپکٹر صاحب — پہلے اس سے ہماری وہ رقم دلوائیں۔"

"اوہ ہاں — واقعی۔" اس نے کہا۔

"اور ایک بات میں بھی کہوں گا — منیجر صاحب نے بیرے صاحب کا نام جیری لیا ہے — کیوں جناب — نا کیا یہ مسلمان نہیں ہے ؟" ہماری

"ارے نہیں — یہ تو پکا عیسائی ہے، لیکن ا یہ دھوکا بازی پہلی مرتبہ میرے سامنے آئی ہے ن مرزا

اب اسے ہرگز ملازمت میں نہیں رکھوں گا۔"

"ملازمت میں تو آپ اس وقت رکھیں گے نا۔ جب ہم اسے چھوڑیں گے۔ ابھی تو ان حضرت کو جیل کی ہوا کھانا پڑے گی۔"

آخر بیرے کو اس کے کمرے میں لایا گیا۔ وہاں سے رقم نکالی گئی۔

"انسپکٹر صاحب۔ آپ سے ایک درخواست ہے۔" ایسے میں فاروق نے کہا۔

"کہیے۔"

"اس سارے معاملے کا تعلق اڑن طشتریوں والے معاملے سے بھی ہے۔ اس لیے مہربانی فرما کر مسٹر خوشو کو ہمارے باقی ساتھیوں تک لے چلیے۔ وہ بھی اس سے چند سوال کریں گے۔"

"آپ کے باقی ساتھی پولیس اسٹیشن آ جائیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ نہیں جانتے۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ [ہم] اس ٹیم میں شامل ہیں جو اڑن طشتریوں کی تلاش میں روانہ ہونے والی ہے۔"

"کیا مطلب؟" سب انسپکٹر حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں! اس لیے تو اس شخص کا ہماری نگرانی کرانے کا تعلق اڑن طشتریوں والے معاملے سے ہو سکتا ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ لیکن۔ آپ لوگ اور اس گھٹیا سے ہوٹل میں۔"

"انسپکٹر صاحب۔ آپ میرے سامنے میرے ہی ہوٹل کو گھٹیا کہہ رہے ہیں۔" مینجر نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ معاف کیجیے گا۔ ہاں تو جناب۔ آپ یہاں کیوں رہ رہے ہیں۔ آپ لوگوں کے لیے تو بہترین سرکاری انتظامات ہیں۔"

"ان سرکاری انتظامات کو ہم نے منظور نہیں کیا تھا۔ ہم غریب لوگ بھی نہیں ہیں کہ یہاں ٹھہرتے۔ ہم نے ایسا احتیاطاً کیا ہے۔"

"ہوں۔ خیر۔ آپ جائیں۔ چلیے۔ ہم مسٹر خوشو کو ان کے پاس لیے چلتے ہیں۔"

وہ سب ان کے پاس آ گئے۔

"ہم ان لوگوں کو لے آئے ہیں۔ مسٹر خوشو کو یہ ماننا پڑ گیا ہے کہ انھوں نے واقعی جیری کے ذریعے ہماری نگرانی کرائی تھی۔"

"ہوں۔ مسٹر خوشو۔ آپ کون ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا

بولے۔

"ہم۔ خخ۔ خوشو ہوں۔"

"وہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔ آپ حقیقت میں کون ہیں؟" محمود بولا۔

"میں حقیقت میں بھی خوشو ہوں۔"

"خیر ہوں گے، ہمیں کیا۔ یہ بتائیں۔ ہماری نگرانی کیوں کر رہے تھے آپ؟"

"باس کا حکم۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

"بہت خوب۔ اپنے باس کے بارے میں بتانا پسند کریں گے۔"

"نہیں۔ اجازت نہیں ہے۔"

"اگر ہم آپ پر سختی کریں۔ تو کیا پھر بھی نہیں بتائیں گے؟"

"نہیں۔ مجبوری ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ آپ کو باس کا پتا ہے۔"

"ہاں! پتا تو خیر ہے۔"

"تب تو آپ ہمارے لیے بہت قیمتی آدمی ہیں۔ انسپکٹر صاحب۔ انھیں کرسی سے بندھوا دیں۔ اگلوا ہم خود لیں گے۔"

"بہت بہتر!"

خوشو کو فوراً کرسی کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اب انسپکٹر جمشید آگے بڑھے اور انھوں نے اس کی ہنسلی کی ہڈی والے گڑھے میں نہ جانے کس طرح انگلی کا دباؤ ڈالا کہ وہ بلند آواز میں چلّا اُٹھا:

"ٹھہرو۔ بتاتا ہوں۔"

"بھئی۔ ٹھہرنے کی فرصت نہیں ہے۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"اچھا تو پھر سُنیے۔ میرے باس کا نام۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا جسم زور سے تڑپا۔

آخری شمع

وہ سکتے میں رہ گئے۔ ایک خنجر آکر اس کے سینے میں پیچھے سے لگا تھا۔ وہ باہر کی طرف بھاگے لیکن برامدہ بالکل خالی پڑا تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا مینجر کی طرف پلٹے:

"مینجر صاحب۔ آپ کے ہوٹل میں کوئی اس قدر جلد کس طرح غائب ہو سکتا ہے؟"

"ہم۔ میں خود حیران ہوں۔" وہ ہکلایا۔

"لفٹ نیچے ہے۔ سیڑھیوں کے ذریعے جانے کی وہ جرأت نہیں کر سکتا، کیوں کہ ہم اس تک پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا میرا خیال ہے۔ وہ اسی برامدے کے کسی کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"اوہ!" مینجر کے منہ سے نکلا۔

"انسپکٹر صاحب۔ آپ برامدے کی ناکہ بندی کرلیں، ہم ایک ایک کمرے کو چیک کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

تمام کمروں کو چیک کیا گیا، لیکن کسی پر بھی وہ باس کا شبہ نہ کر سکے۔ خود انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے یہ کام کیا تھا۔ اور ان سے اندازے کی غلطی بہت کم ہوتی تھی۔ آخر انسپکٹر جمشید نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا:

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔ اتنے کم وقت میں وہ برامدہ عبور نہیں کر سکتا تھا، کیوں کہ ہم نے فوراً ہی کمرے سے باہر چھلانگیں لگا دی تھیں۔ برامدہ بہت لمبا ہے۔ نیچے اترنے کا راستا یا تو برامدے کے اس طرف ہے۔ یا پھر اس طرف۔ اور یہ کمرہ برامدے کے عین درمیان میں ہے۔ ہم تجربہ کر سکتے ہیں۔ خان رحمان۔ تم بھی کچھ کم تیز آدمی نہیں ہو۔ لو، ہم سب کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ اسی پوزیشن میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تم دروازے پر نمودار ہو کر خنجر پھینکنے کے انداز میں ہاتھ چلاتے ہی بھاگ جانا۔ ہم فوری طور پر باہر نکلنے کی کوشش کریں گے۔ تم پوری رفتار سے بھاگو گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

سب اس تجربے کے لیے تیار ہو گئے۔ خان رحمان دروازے پر نمودار ہوئے۔ اندر سب لوگ کرسی پر بندھے ہوئے مسٹر خوشو کی طرف متوجہ تھے۔ جو تھوڑی دیر پہلے زندہ تھا۔ لیکن اب اس کی سینے پر ڈھلک جانے والی گردن بتا رہی تھی کہ۔ وہ مر چکا ہے۔ خان رحمان نے کچھ کی آواز منہ سے نکالی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے فوراً ہی باہر کی طرف چھلانگیں لگائیں۔

اُنھوں نے دیکھا۔ خان رحمان ابھی لفٹ اور زینے دونوں سے کافی دُور تھے۔

"بس خان رحمان۔ آجاؤ۔ تجربہ ہو گیا۔"

"ہو سکتا ہے جناب۔ حملہ آور ان سے زیادہ تیز رفتار رہا ہو۔" سب انسپکٹر بولا۔

"نہیں۔ یہ کم تیز رفتار نہیں ہیں۔ ہمیں جو بات جاننا تھی۔ جان چکے۔"

"لیکن ابّا جان۔ مشکل یہ ہے کہ کمروں کے مُسافروں کے بارے میں بھی یہ خیال آپ کا ہی ہے کہ ان میں سے کوئی حملہ آور نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں! ہم انھیں بہت احتیاط سے ٹٹول چکے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تب پھر قاتل کہاں ہے۔ اسے یہ برآمدہ کھا گیا یا آسمان نگل گیا۔ مَیں نے زمین اس لیے نہیں کہا کہ زمین بہت نیچے ہے۔" فاروق بولا۔

"قاتل کہیں بھی نہیں گیا۔ اسے کہیں جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا کہا۔" وہ چلّائے۔

"بہت خوب فرزانہ۔ میں اِسی انتظار میں تھا کہ تم میں سے کون یہ بات کہتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"دھت تیرے کی۔ یہ بات تو میرے ذہن میں بھی آ چکی تھی۔ بس مَیں نے اظہار نہیں کیا۔" محمود نے جھلّا کر کہا۔

"اب پچھتائے کیا ہوت۔ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

"آپ۔ آپ لوگ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ۔"

اُن کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت

فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے جلدی سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اور پریشان ہو گئے۔ اس وقت تک انھیں مقررہ جگہ پر پہنچ جانا چاہیے تھا:

"ہیلو۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"حیرت ہے۔ ابھی آپ لوگ یہیں موجود ہیں۔"

"یہاں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آگیا ہے۔"

"لیکن آپ کو ہر حال میں یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ہم رک نہیں سکتے۔"

"کیا آپ چند منٹ بھی نہیں رک سکتے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ن۔ نہیں۔ کوئی بھی اس کے لیے تیار نہیں ہوگا۔"

"تب پھر۔ آپ روانہ ہو جائیں۔ ہم بعد میں پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب یہی کرنا ہوگا۔ ہم تک آپ کا پہنچنا اب آپ کی ذمے داری ہے۔ ہم دنیا کے آخری شہر مڈونکا میں قیام کریں گے اور وہاں سے پیدل اڑن طشتریوں کے دیس کی طرف روانہ ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب مڈونکا پہنچنا ہماری اپنی ذمے داری ہے۔"

"اور یہ بات بھی سن لیں کہ ہم وہاں بھی اپنے پروگرام میں ردّ و بدل نہیں کریں گے۔ انتظار نہیں کریں گے۔"

"بہت بہتر!" انھوں نے کہا اور دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا۔

"کیا بات ہوئی انکل؟" فرحت نے بے تابانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ۔ لوگ رکنے کے لیے تیار نہیں اور ہم اس معاملے کی چھان بین کیے بغیر یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتے، خیر۔ تم لوگ فکر نہ کرو۔ ہم انھیں پکڑ لیں گے۔"

اب وہ پھر سب کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے دیکھا۔ مینجر کا چہرہ اترا اترا سا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں اور بولے:

"تو بم آپ نے پھینکا تھا مینجر صاحب؟"

"ہاں!" اس نے کھوتے کھوئے انداز میں کہا۔

"اور آپ ہی مسٹر شو کے باس ہیں؟"

"ہاں!" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"تب پھر۔ یہ بھی بتا دیں کہ ہمارے چکر میں کیوں ہیں؟"

"میں اپنے مُلک کا ایجنٹ ہوں۔"

"اور تمھارا مُلک کون سا ہے؟"

"پتا نہیں۔" اس نے بے خوف ہو کر کہا۔

"دیکھو بھئی۔ یہ بتائے بغیر تو تمھاری جان نہیں چھوٹ سکتی۔"

"وہ تو ویسے بھی نہیں چھوٹے گی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بہت نڈر ہیں، لیکن ہم نے بھی بڑے بڑے نڈر دیکھے ہیں۔"

"پھر۔ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ اپنے مُلک کا نام بتا دیں۔"

"ہرگز نہیں بتاؤں گا۔"

"خیر تو پھر ہم سے سُن لیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے شوخ آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ صِرف اور صِرف بنگالی ہیں۔"

"نن۔ نہیں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"تمھارے چونکنے کا انداز کہہ رہا ہے کہ ہمارا اندازہ غلط نہیں۔ بنگال کو اس پوری ٹیم میں سب سے

زیادہ اہم ہم ہی نظر آ سکتے ہیں، کیوں کہ بنگالی حکومت ہمیں بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ لہٰذا انھوں نے سوچا۔ ہماری نگرانی کرائی جائے۔ کہ کہیں ہم کامیابی کو اچک نہ لیں۔ یہی بات ہے نا؟"

مینیجر کے منہ سے ایک لفظ نہ نِکلا۔

"سب انسپکٹر صاحب۔ آپ کا اب کیا ارادہ ہے؟"

"میں انھیں حکامِ بالا کے سامنے پیش کر دوں گا۔ وہ جانیں۔ ان کا کام جانے۔" سب انسپکٹر نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"لہجے میں خوف کا مطلب یہ ہے کہ انتارجہ کے لوگ بنگالیوں سے ڈرتے ہیں۔ یا پھر بنگالیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

اس کے لہجے سے جھوٹ صاف جھلک رہا تھا۔ اور یہ بات ان کے لیے حیرت کی نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے۔ بنگال انتارجہ پر بہت اثر انداز ہے، لیکن اب وہ اس کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے۔ کہ مینیجر کو سب انسپکٹر کے حوالے کر دیں۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی وہ

اجلاس روم کی طرف دوڑ پڑے، لیکن ان کے پہنچنے سے
چند منٹ پہلے ٹیم روانہ ہو چکی تھی۔ اب انھوں نے
ایئرپورٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن وہ ٹیم کو پھر بھی نہ
پکڑ سکے۔ وہاں بھی چند منٹ کا فاصلہ رہ گیا۔ انھوں نے
جہاز کو پرواز کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

"قدرت کو یہی منظور تھا کہ ہم ان کے ساتھ نہ
جائیں۔" محمود نے سردِ آہ بھری۔

"اب ہمیں حکومت سے بات کرنا پڑے گی۔ تاکہ ہم
بھی کسی طرح روانہ ہو سکیں گے۔"

اچانک انھوں نے گھن گرج سُنی۔ وہ کانپ اُٹھے،
یہ اشارہ تھا اُڑن طشتری کے آنے کا۔

"اُف۔ یہ کیا۔ عین اسی وقت اڑن طشتری۔ جب کہ
دُنیا کی ٹیم پرواز کر رہی ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ابھی تو جہاز بھی ہماری نظروں سے اوجھل نہیں
ہوا۔" فرحت بڑبڑائی۔

"ہمیں جہاز کی نہیں۔ اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ہم
اس وقت انتہائی خطرناک جگہ موجود ہیں۔" انسپکٹر جمشید چلّائے۔

لوگوں میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ وہ افراتفری کے عالم
میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ عین اسی وقت گولیوں

کی تڑا تڑاہٹ گونجنے لگی۔ پھر بموں کے دھماکے ہونے
لگے۔ ان کے دائیں بائیں بھی گولیاں گریں۔ وہ سب
خطرناک ترین حالت میں تھے۔

اسی وقت ایک بھیانک آواز آئی۔ اور یہ آواز اس
جہاز کے پھٹنے کی تھی۔ جو ابھی ابھی ٹیم کو لے کر
اڑا تھا۔

وہ سکتے کے عالم میں رہ گئے۔ ساتھ ہی انھوں
نے اُڑن طشتری کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھا۔
گویا وہ صرف اور صرف اس جہاز کو تباہ کرنے آئی
تھی۔

○

سارے شہر پر سوگ طاری تھا۔ انشارجہ کی مرکزی
انتظامیہ نے انھیں بلا لیا تھا اور وہ اس وقت چند
بڑے بڑے حکّام کے ساتھ بیٹھے تھے:

"ہماری ٹیم تباہ ہو گئی۔ ٹیم کا ایک آدمی بھی نہیں
بچ سکا۔ بلکہ ہم تو ان کے ٹکڑوں کو جمع بھی نہیں
کر سکے۔" انشارجہ کے صدر کہہ رہے تھے۔

"اور آپ لوگ خوش قسمتی سے بچ گئے۔" نائب صدر نے کہا۔

"جی ۔ جی ہاں ۔ اللہ کی مرضی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فوری طور پر تمام ملکوں کی نئی ٹیم ترتیب دینا بہت مشکل ہے ۔ ادھر ہم دیر بھی نہیں کر سکتے ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا کریں؟"

"جو ٹیم بھی روانہ ہو گی ۔ اڑن طشتریاں اسے تباہ و برباد کر دیں گی ۔ لہٰذا جو بھی کرنا ہے ۔ پہلے اچھی طرح سوچ لیں۔" ایک آفیسر نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ زمبوٹا کے سائنسدان ہم سے بہت آگے ہیں ۔ وہ کسی طرح فوراً پتا چلا لیتے ہیں کہ کیا کرنے والے ہیں ۔ اس کی تازہ ترین مثال ٹیم کے جہاز کی تباہی ہے ۔ ادھر جہاز بلند ہوا، ادھر اڑن طشتری نمودار ہو گئی ۔ اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ انھیں ہماری ذرا سی مصروفیات کا علم ہو جاتا ہے ۔ اب جب بھی کوئی ٹیم روانہ ہو گی ۔ انھیں علم ہو جائے گا ۔ لہٰذا اڑن طشتری اڑے گی اور جہاز کو تباہ کر دے گی ۔ ہمیں تو سوچنا یہ ہے کہ ان لوگوں کو بے خبر رکھ کر روانہ کس طرح ہوں۔

اصل مسئلہ ٹیم دوبارہ ترتیب دینا نہیں۔"

وہ سب سوچ میں گم ہو گئے ۔ بات بہت معقول تھی ۔ پھر اجلاس ختم ہو گیا ۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ پہلے اس پہلو پر غور کریں گے ۔ اس کے بعد قدم اٹھایا جائے گا ۔

وہاں سے رخصت پر انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"یوں کام نہیں چلے گا ۔ ہمیں اپنے طور پر کچھ کرنا ہو گا۔"

"تو پھر ہوٹل کی بجائے جنگل چلتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان ۔ جنگل میں جا کر کیا کریں گے؟"

"بھئی جنگل میں جا کر منگل منائیں گے اور کیا کر سکتے ہیں۔" وہ بولے۔

"منگل کا کیا ہے ۔ وہ تو ہر ہفتے خود ہمارے پاس آ جاتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے جمشید ۔ اب ہم جو فیصلہ بھی کریں گے جنگل میں جا کر کریں گے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

آخر انھوں نے تین ٹیکسیاں روکیں ۔ اور ان میں بیٹھ کر جنگل میں پہنچ گئے ۔

"ہم ابھی تک معلوم نہیں کر سکے کہ زمبوٹا کے لوگ ہماری جاسوسی کس طریقے سے کر رہے ہیں۔ لہٰذا ہم کسی ایسی جگہ سے کیوں نہ روانہ ہوں۔ جہاں آس پاس کوئی بھی نہ ہو۔"

"میں نے تمام راستے خیال رکھا ہے۔ کسی نے ہمارا تعاقب نہیں کیا۔ ٹیکسیوں کو بھی ہم نے واپس بھیج دیا ہے۔ لہٰذا کیوں نہ ہم میک اپ کر لیں اور کچھ پیدل چلنے کے بعد کہیں سے ٹیکسیاں پکڑ کر شہر میں گم ہو جائیں۔ ایک بار ہم اتنے بڑے شہر میں گم ہو گئے تو پھر ہمیں تلاش کرنا آسان نہیں ہو گا۔ میں نے سوچا ہے۔ اب ہم انشارجہ کی مدد سے نہیں۔ اپنی کوشش سے دُنیا کے آخری شہر تک پہنچیں گے۔ زمبوٹا کی نظروں سے بچنے کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں رہ گئی۔" انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

"ہوں۔ بات معقول ہے۔ سرکاری پروگرام تو بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پہلے یہ ٹیم جمع کریں گے۔ پھر ٹیم کو زمبوٹا کے جاسوسوں سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ اور روانہ ہوں گے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کی دُوسری کوشش کامیاب ہو جائے۔ اس بات کا زبردست امکان ہے کہ اڑن طشتری دوسرا جہاز بھی تباہ کر دے، لہٰذا ہم اب خود جائیں گے اور انشارجہ کی حکومت سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ وہ ہمارے ہوٹل کو فون کریں گے، لیکن ہم وہاں نہیں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے، وہ ہمیں شہر میں تلاش کروائیں، لیکن ہم میک اپ میں ہوں گے، اس لیے انھیں نہیں ملیں گے۔ یا پھر ہو سکتا ہے، اس سے پہلے ہی ہم شہر سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

آخر اس تجویز پر عمل کیا گیا۔ انھوں نے پہلے تو عمارت سے میک اپ کیے اور پھر شہر کا رُخ کیا، آبادی کی حدود چھوتے ہی انھیں ٹیکسیاں مل گئیں۔ اچانک انسپکٹر جمشید نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا:

"طیاروں کی کسی پرائیویٹ کمپنی کے دفتر لے جا سکتے ہیں ہمیں۔"

"جی ہاں کیوں نہیں۔ یہاں تو بیسیوں کمپنیاں ہیں۔" اس نے کہا۔ حیرت اس لیے نظر نہیں آئی کہ انھوں نے سیاحوں کا میک اپ کیا تھا۔

"مہربانی فرما کر کسی اچھی اور با اصول کمپنی تک ہمیں لے چلیں۔"

"تشریف رکھیے۔"

ٹیکسی ڈرائیوروں نے انھیں فوراً ہی ایک طیارہ کمپنی تک پہنچا دیا۔ عملے کے ایک آدمی سے انھیں بات کرنے کا موقع ملا:

"ہم سیاح ہیں۔ جہاز پر بیٹھ کر شہر کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور کریں۔ ہمارے ریٹ یہ ہیں۔" اس نے ایک کارڈ پیش کر دیا۔

انھوں نے چار گھنٹوں کے لیے ایک طیارہ کرائے پر لیا۔ جلد ہی وہ اس میں بیٹھ چکے تھے۔ ان کے ذہن تیزی سے کام کر رہے تھے۔ ایسے میں پائلٹ ان کی طرف مڑا:

"ایک بات آپ لوگوں سے نہیں کی جا سکی۔ اڑن طشتریوں کی اچانک آمد کے باعث اگر آپ لوگوں کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو کمپنی ذمے دار نہیں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمیں منظور ہے۔"

"میرا مطلب ہے۔ آپ کوئی کیس نہیں کر سکیں گے"

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اور جہاز پرواز کر گیا۔ وہ ایک ننھا سا جہاز تھا۔ جوں ہی وہ اونچا ہوا۔ انسپکٹر جمشید بولے:

"کیا جہاز میں چار گھنٹے کا ایندھن ہے؟"

"ہاں بالکل۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"اگر ہم اپنا پروگرام تبدیل کرنا چاہیں تو کیا فضا میں ہی تبدیل کر سکتے ہیں؟"

"ضرور کیوں نہیں۔ چار گھنٹے تک کے لیے آپ جہاز کو جس طرف چاہیں، لے جا سکتے ہیں۔"

"آپ لوگ قابلِ تعریف ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"شکریہ جناب۔"

"مہربانی فرما کر ہمیں شہر سے باہر لے چلیے۔"

"لیکن آپ شہر سے باہر جا کر کیا کریں گے۔ نظارہ تو شہر کے اوپر کا کرنا چاہیے۔"

"نہیں۔ ہم صحراؤں اور جنگلوں میں زیادہ دل چسپی رکھتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی۔"

پائلٹ نے رخ موڑ دیا۔ جلد ہی وہ جنگلوں کے اوپر پرواز کر رہے تھے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

"بس! ہمیں یہیں اُتار دیں۔"

"کیا کہا۔ یہیں اُتار دوں۔ کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم بالکل سنجیدہ ہیں۔"

"لیکن میں آپ کو یہاں کس طرح اُتار سکتا ہوں، ہم تو اس وقت ایک جنگل کے اوپر سے گزر رہے ہیں۔"

"آپ کو اس سے کیا۔ بس آپ اُتار دیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"آخر کیسے۔ آپ اُڑتے جہاز سے نیچے اُتریں گے۔" اس نے جھنّا کر کہا۔

"ہاں! بالکل اُتریں گے۔ آپ کو کیا۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"میں بتاتا ہوں جناب۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے آج تک پیرا شوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ بس اتنی سی بات ہے کہ ہم پیرا شوٹ کے ذریعے اُتر کر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ محسوس کرنا چاہتے ہیں کہ جب آدمی پیرا شوٹ کے ذریعے نیچے جا رہا ہوتا ہے۔ تو اسے کیسا

محسوس ہوتا ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں جناب۔ کیا ہوا؟"

"اب میں سمجھ گیا۔ کئی لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ سیاح لوگ دراصل آدھے پاگل ہوتے ہیں۔ آپ نے میری بات کا بُرا تو نہیں مانا۔"

"بالکل نہیں، لیکن ہمارا خیال ذرا مختلف ہے، سیاحوں کے بارے میں۔" شوکی بول اُٹھا۔

"آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟"

"یہ کہ سیاح پورے پاگل ہوتے ہیں۔"

"ارے۔ اور آپ۔ آپ خود بھی تو سیاح ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ ہم بھی پاگل ہیں۔" آصف مسکرایا۔

"پتا نہیں۔ آپ کس قسم کے لوگ ہیں۔" اس نے جل کر کہا۔

"تو آپ ہمیں پیرا شوٹ کا تجربہ نہیں کروا سکتے۔"

"کرا کیوں نہیں سکتا، لیکن کمپنی نے اگر مجھ سے پیراشوٹوں کا حساب مانگا تو میں کیا جواب دوں گا۔ کیوں کہ پیرا شوٹ تو صرف حادثے کی صورت میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور جب جہاز ہی تباہ ہو جاتے

تو پیرا شوٹوں کو کون پوچھ سکتا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں — ہم آپ کو پیرا شوٹوں کی قیمت ادا کر دیتے ہیں۔ اگر ہم بخیریت نیچے اُتر گئے اور شہر واپس بھی پہنچ گئے تو آپ کی کمپنی کو یہ دے کر اپنی رقم لے لیں گے۔ اور اگر کمپنی یہ بھی منظور نہیں کرے گی تو پھر ہم صبر کر لیں گے — لیکن پیرا شوٹوں کا تجربہ ضرور کریں گے۔ یُوں سمجھ لیں — یہ ہماری خواہش ہے۔"

"اچھا۔ آپ لوگ بھی کیا یاد کریں گے۔ چلیے۔ باندھ لیجیے پیرا شوٹ — وہ ان خانوں میں ہیں۔" اس نے اشارہ کیا —

انھوں نے خانے سے پیرا شوٹ نکالے اور انھیں باندھ لیا —

"اب آپ چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

"جی بس — تیار ہی ہیں۔"

"اس وقت ہم گھاس کے ایک بڑے میدان پر سے گزر رہے ہیں، میں طیارہ نیچے لے جا رہا ہوں — تاکہ آپ کم سے کم خطرہ مول لیں — اور بخیریت اُتر جائیں، آپ ایمرجنسی دروازہ کھول کر باری باری چھلانگ لگائیں

گے ایک ساتھ چھلانگ لگانے کی صورت میں گڑبڑ ہو سکتی ہے — کیا یہ باتیں آپ کو منظور ہیں۔ مجھ پر کسی قسم کی ذمے داری نہیں ہو گی۔"

"جی بالکل — بھلا منظور کیوں نہ ہوں گی۔"

اور پھر ایسا ہی کیا گیا — انھوں نے چھلانگیں لگا دیں — پیرا شوٹ کھلتے چلے گئے — آخری آدمی کے چھلانگ لگاتے ہی جہاز شہر کی طرف چلا گیا — وہ اب فضا میں تیر رہے تھے — تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پیراشوٹ غباروں کی مانند تیر رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے — مسکرا رہے تھے — ایسے میں فاروق کی آواز بلند ہوئی:

"بھئی واہ — بہت مزا آ رہا ہے — جی چاہتا ہے — تمام عمر اسی طرح فضا میں تیرتا رہوں۔"

"لیکن پھر تم کھا پی کس طرح سکو گے — نماز روزہ کس طرح ادا کر سکو گے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"بس اسی لیے ساری عمر نہیں تیروں گا — ورنہ مجھے تو تیرنے کے سوا کوئی کام نہ ہوتا۔" فاروق بولا۔

"مرنے کے بعد اپنی خواہش پوری کر لیجیے گا۔" محمود بولا —

"کک ۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مرنے کے بعد اگر آدمی کو جنت مل جائے گی تو پھر وہ جو جی چاہے ۔ کھا پی سکے گا ۔ جس طرح چاہے گا، کر سکے گا ۔ لہٰذا اس وقت فضا میں تیرنا بھی مشکل نہیں ہو گا ۔ دوسرے یہ کہ وہاں بھوک پیاس کی مجبوری بھی نہیں ہو گی ۔ نماز روزے کی پابندی بھی نہیں ہو گی۔" مکھن نے جلدی جلدی کہا۔

"چلو ٹھیک ہے ۔ ایسا ہی کر لیں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر ۔ کب تک ارادہ ہے؟" فرحت نے شوخ آواز میں پوچھا ۔

"کس بات کا؟"

"ہم ۔ مرنے کا۔" فرحت نے کہا۔

"موت کا وقت صرف اللہ کو معلوم ہے ۔ اور کوئی نہیں جانتا۔"

"نہ صرف موت کا وقت ۔ بلکہ سورۃ لقمان کی آخری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کوئی کل کیا کرے گا، کوئی کب مرے گا، بارش کب ہو گی، اولاد نر ہو گی یا مادہ، اور کوئی نہیں

جانتا کہ قیامت کب ہو گی ۔ ان پانچ باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں دیا۔"

"واقعی ۔ یہ تو بالکل درست باتیں ہیں ۔ قرآنِ کریم ایک بات کا واضح اعلان کرے تو پھر شک کیسا ۔ ہم سب کو ان باتوں پر کامل یقین ہونا چاہیے، نہیں ہو گا تو ہم مسلمان کیسے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا ۔

"لیکن آج کے دور میں کچھ بد نصیب ایسے بھی ہیں ۔ جو قرآن کی آیات کا انکار کرتے ہیں، یا ان کے مطلب کچھ کے کچھ گھڑ لیتے ہیں۔"

"ایسے لوگوں کا انجام سوائے جہنم کے کچھ نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

"ہم پیرا شوٹ سے جہنم تک پہنچ گئے۔" فرزانہ بولی۔

"نن ۔ نہیں تو ۔ یہ ہمارے نیچے جہنم تو نہیں ہے ۔ یہ تو کھابل کا میدان ہے ۔ اور اب ہم اُترنے ہی والے ہیں۔"

دو منٹ بعد وہ سب زمین کو چھو چکے تھے ۔ اور ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے، کیوں کہ سب کے سب ایک دوسرے سے فاصلے پر گرے تھے ۔

"اب ہم ایک بات یقین سے کہہ سکتے ہیں۔" محمود نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"اور وہ یہ کہ — یہاں کوئی ہماری نگرانی نہیں کر رہا — زمبوٹا کا کوئی باشندہ بھی یہاں موجود نہیں — گویا ہم ان کی نظروں سے بچ نکلنے میں کامیاب رہے — ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا —

"ہاں! لیکن یہ کامیابی اس قدر آسانی نہیں ہوگی، اب ہمیں نہ جانے کب تک پیدل جنگل کی خاک چھاننا پڑے گی۔" آفتاب نے کہا۔

"کوئی بات نہیں — خاک چھاننا ہمارے لیے کوئی نئی بات نہیں۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"میری ایک تجویز ہے — ہم اب ان پیرا شوٹوں سے پیچھا چھڑا لیں — اس میک اپ میں بھی قدرے تبدیلی کر لیں اور یہاں سے کوچ کر جائیں — زمبوٹا کے لوگ بہت تیز ہیں — کہیں ہماری تلاش نہ شروع کر دیں۔ اگر وہ یہاں پہنچ گئے تو ہماری محنت برباد ہو جائے گی۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"بالکل ٹھیک — بالکل ٹھیک۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"مجھے تو رہ رہ کر اس ٹیم کا خیال آ رہا ہے — بے چاری ساری کی ساری موت کے منہ میں چلی گئی۔"

"ہم بھی ٹیم میں شامل تھے، لیکن قدرت کو ابھی ہماری زندگی منظور تھی۔"

انھوں نے پیرا شوٹ ایک کھائی میں پھینکے، میک اپ میں قدرے تبدیلی کی — اپنا ضروری سامان وہ ساتھ لانا نہیں بھولے تھے — یہاں تک کہ منور علی خان کا تھیلا بھی ان کے کندھے سے لٹک رہا تھا — پروفیسر داؤد کے ننھے سے بیگ میں چند بہت اہم چیزیں موجود تھیں — انسپکٹر جمشید کا بیگ بھی ان کے ساتھ تھا — فاروق اور آفتاب کی جیبیں تو پہلے ہی ان کے ساتھ رہتی تھیں — اور محمود کا چاقو بھی جوتے کی ایڑی میں موجود تھا —

چہروں کی تبدیلی کے بعد وہ چل پڑے — اب انھیں چلتے رہنے کے سوا کوئی کام نہ تھا — تمام دن انھوں نے سفر جاری رکھا — پھر ایک چھوٹے سے شہر کے آثار دکھائی دیے — یا شاید وہ کوئی گاؤں تھا —

"ہم سب کا گاؤں میں داخل ہونا مناسب نہیں ہوگا — صرف میں جاتا ہوں — کچھ کھانا خرید لاؤں

گا اور گاؤں کے حالات کا جائزہ بھی لے لوں گا۔ ہو سکا تو دُنیا کا کوئی نقشہ خرید لاؤں گا۔ تاکہ ہم اس کی مدد سے اپنا سفر کر سکیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انکار یا بحث کا موقع نہیں تھا؛ چناں چہ وہ روانہ ہو گئے اور انھوں نے درختوں کے ایک جھنڈ میں پڑاؤ ڈالا۔ انھیں دو گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا۔ اس وقت تک رات ہو چکی تھی۔ آخر انسپکٹر جمشید آتے دکھائی دیے۔ رات بھی چاندنی تھی۔

"لو بھئی۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی آ گئیں اور نقشہ بھی۔ یہ شہر انشارجہ کے دارالحکومت کے مشرق میں ہے۔ نقشے پر غور کرنے سے ہم جان سکیں گے کہ اب ہمیں کس کس طرح سفر کرنا پڑے گا۔ ویسے میرا اندازہ ہے، اگر ہم نے جہاز کے بغیر سفر کیا تو ایک ماہ سے پہلے نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"اوہ۔ لیکن ہم جہاز سے سفر کیوں نہ کریں۔ اب تو ہم زمبوٹا والوں کی نظروں سے محفوظ ہو چکے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اب کسی جہاز کے ذریعے سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تب پھر کریں سفر۔ منع کون کرتا ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

اس چھوٹے سے شہر سے انھوں نے ایک بڑے شہر تک کا سفر ٹرین کے ذریعے کیا۔ وہاں سے دُنیا کے آخری شہر کے لیے جہاز پکڑا۔ کاغذات کا مسئلہ پہلے ہی انشارجہ کے صدر نے حل کر دیا تھا۔ اس ٹیم کے ہر ممبر کو دُنیا کا کوئی بھی مُلک نہیں روک سکتا تھا۔ اور ٹیم کے کاغذات ان کے پاس تھے ہی۔ لہٰذا کہیں بھی انھیں روکا نہیں گیا۔ لیکن ایک بدقسمتی ان کی تاڑ میں تھی، اور اس کے بارے میں انھوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

وہ آخری شہر کے بالکل نزدیک پہنچ چکے تھے اور صرف بیس منٹ کا سفر باقی تھا کہ اچانک اڑن طشتری جہاز کی سکرین پر نمودار ہوئی۔ اور انھوں نے اس کی گھن گرج بھی سنی۔ پائلٹ اور جہاز کے عملے کا رنگ اڑ گیا۔ یہ کوئی پرائیویٹ جہاز نہیں تھا۔ عام جہاز تھا، اور اس میں چار سو کے قریب مسافر موجود تھے۔

ان سب نے چیخنا چلّانا شروع کر دیا:

"خاموش رہیے۔ خاموش رہیے۔ چیخنے چلانے کا کوئی

فائدہ نہیں ہوگا۔ عملے کے ایک آدمی نے خود بھی چلّا کر کہا، لیکن اس کی آواز کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

ادھر اڑن طشتری تیر کی طرح چلی آ رہی تھی۔

"خاموش۔ خاموش" عملے کے سب آدمی ایک ساتھ چلّائے۔

"یہ اس طرح خاموش نہیں ہوں گے۔" اچانک انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"تو۔ تو پھر۔ کس طرح خاموش ہوں گے؟" عملے کا ایک آدمی جلدی سے بولا۔

"جہاز کا کنٹرول میرے ہاتھ میں دے دیں۔"

"آپ آپ جہاز کو کنٹرول کریں گے۔" پائلٹ تک ان کی آواز پہنچ گئی۔

"ہاں! اور میں اڑن طشتری سے بچنے کی کوشش بھی کروں گا۔ اگرچہ بچنے کا امکان ایک فی صد سے بھی کم ہے۔ لیکن ہم اللہ پر بھروسہ کر کے کوشش تو کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی بچیں گے تو نہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن کیا آپ پائلٹ ہیں؟"

"کوئی ایسے ویسے۔ یہ تو دنیا کے بہترین پائلٹ ہیں۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔ انھیں خوف محسوس ہوا

تھا کہ کہیں باتوں میں وقت ضائع نہ ہو جائے اور اڑن طشتری سر پر نہ آ جائے۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر آ جائیں۔"

ان جملوں کے دوران۔ مسافر بالکل خاموش رہے تھے۔ نہ جانے کیوں وہ چلّانا بھی بھول گئے تھے۔ اور سب کے سب انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھنے لگ گئے تھے۔

وہ اپنی سیٹ سے اٹھے اور پائلٹ سیٹ پر جا بیٹھے۔ چند سیکنڈ تک انھوں نے جہاز کے آلات کا جائزہ لیا۔ پائلٹ سے ایک دو باتیں پوچھیں۔ اسی وقت اڑن طشتری سر پر آتی محسوس ہوئی۔ اور پھر اچانک انسپکٹر جمشید نے جہاز کو غوطہ دیا۔ وہ اس طرح نیچے چلا۔ جیسے کہ انجن بالکل بند ہو گیا ہو۔ اور وہ نیچے گر رہا ہو۔

مسافروں کی چیخیں نکل گئیں۔ جہاز اس تیزی سے نیچے گر رہا تھا کہ انھیں پیروں تلے سے جہاز نکلتا محسوس ہوا۔

"اگر آپ لوگ اس طرح چلّاتے رہے تو پھر ضرور ہم بچیں گے۔ خاموش رہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا خوفناک لہجے میں دھاڑے۔

ان سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ادھر انھوں نے

اڑن طشتری کو بھی غوطہ لگاتے دیکھا۔ وہ بھی عین ان کے سر پر آکر غوطہ زن ہوئی تھی، کیوں کہ جہاز کے غوطہ کی وجہ سے درمیانی فاصلہ بہت بڑھ گیا تھا اور گولا باری اثر نہیں کر سکتی تھی۔

انھیں یوں لگا جیسے اڑن طشتری ان پر اب گری کہ اب گری۔ تمام مسافروں نے آنکھیں بند کر لیں۔ البتہ ان کے سب ساتھیوں کی آنکھیں کھلی رہیں۔ وہ کلمۂ طیبہ کا ورد کر رہے تھے۔ اپنے اللہ سے مدد مانگ رہے تھے۔ اس وقت کون تھا۔ جو اس کے سوا ان کی مدد کرتا۔

اور پھر جہاز زمین کے اس قدر نزدیک پہنچ گیا کہ پائلٹ چلا اٹھا:

"بس کیجیے۔ ورنہ جہاز زمین سے ٹکرا جائے گا۔ اور ہم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔"

انسپکٹر جمشید نے جیسے سنا ہی نہیں، پھر اچانک انھوں نے غوطے کو روک لیا۔ جہاز کو ایک جھٹکا لگا۔ بہت زبردست جھٹکا۔ مسافروں کی ہڈیاں تک ہل گئیں۔ اور پھر جہاز ایک سمت میں اڑنے لگا۔ ٹھیک اس جگہ۔ جس جگہ سے جہاز نے اڑنا شروع

کیا۔ اڑن طشتری سے ہزاروں گولیوں کی بوچھاڑ گری۔ ایک لمحے کی تاخیر ہو جاتی تو جہاز تباہ تھا۔

اب اڑن طشتری نے بھی رخ بدلا۔

"کک۔ کیا۔ ہم بچ سکتے ہیں۔" پائلٹ نے کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ مسکرا رہے ہیں۔"

"ہاں! یہی تو وقت ہے مسکرانے کا۔"

اور انھوں نے ایک بار پھر جہاز کا رخ بدلا۔ ساتھ ہی بولے:

"ہوشیار ہو جائیں۔ میں جہاز کو نیچے اتار رہا ہوں۔ بچنے کی اب کوئی صورت نہیں، لیکن شاید۔ زمین پر اترتے ہی چھلانگیں لگا دینے کی صورت میں ہم میں سے کچھ بچ جائیں۔"

"اف۔ مر گئے۔ مدد۔ مدد۔ کوئی ہے۔ جو ہمیں بچا سکے۔" بے شمار مسافر چلائے۔

"سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"اللہ!!!" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ عین اسی وقت جہاز سے گولیاں ٹکرائیں۔ اور

دوسرے ہی لمحے جہاز زمین سے لگ گیا۔ وہ دوڑ رہا تھا۔ اس کو آگ لگ چکی تھی۔ اور انسپکٹر جمشید اس کے تمام دروازے کھول چکے تھے۔

"چھلانگیں لگا دو۔ ہم میں سے کچھ ضرور بچ سکتے ہیں" وہ پوری قوت سے چلائے۔

اندھا دھند انداز میں چھلانگیں لگائی گئیں۔ کسی کو کسی کا پتا نہ رہا۔ اس وقت ایک دوسرے کے لیے کچھ کیا بھی تو نہیں جا سکتا تھا۔

زمین سے جہاز کے دروازوں کی اونچائی کچھ کم نہیں تھی۔ لیکن موت کے خوف کے مقابلے میں یہ اونچائی کچھ بھی نہیں تھی۔

نہ جانے کتنے گرے اور گرتے ہی زخمی ہو گئے۔ کچھ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ جہاز کے پہیوں تلے کچلے گئے۔ ادھر جہاز بری طرح آگ پکڑ چکا تھا۔ اور کسی لمحے بھی ایک ہولناک دھماکے سے پھٹ سکتا تھا۔ اب انسپکٹر جمشید کو بھی چھلانگ لگانا پڑی۔ چھلانگ لگاتے ہوئے انھوں نے کہا:

"جہاز سے جس قدر دور ہو سکتے ہیں۔ ہو جائیں"

جن میں ہمت تھی۔ انھوں نے دوڑنا شروع کر

دیا۔ جن میں دم نہیں تھا۔ وہ گھسٹنے اور رینگنے لگے۔ غرض ہر کوئی موت کے خلاف جد و جہد کر رہا تھا۔ موت ایک طرف کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اسے اللہ کا حکم مل چکا تھا کہ ان میں سے اتنے کی روحیں قبض کرنا ہیں۔ اتنے زندہ چھوڑنا ہیں۔ لیکن مسافروں کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ انھیں تو آخری لمحے تک کوشش جاری رکھنا تھی۔

اور پھر جہاز کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اس کے ٹکڑے نہ جانے کتنے انسانوں کے ٹکڑے اڑا گئے۔ ہر طرف انسانی خون کے چھینٹے پھیل گئے۔ اعضا ادھر بکھر گئے۔ زندہ بچ جانے والے بھی منہ کے بل گر کر بے ہوش ہو گئے۔ کسی کو کسی کا تو کیا۔ اپنا بھی ہوش نہ رہا۔

فرزانہ کو ہوش آیا تو اس کے کانوں نے عجیب سی آواز سنی۔ جیسے دور کہیں کوئی نقارہ بج رہا ہو۔ پرانے زمانے کی جنگوں میں نقارے ہی تو بجائے جاتے تھے۔

اس نے گردن اِدھر اُدھر گھمائی۔ اور پھر اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے کان بجے تھے۔ آخری شہر

سے امدادی ٹیمیں پہنچ گئی تھیں اور یہ آوازیں ان کی
بھاگ دوڑ کی تھیں۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو اس نے خود
کو ہسپتال کے بستر پر پایا۔

ہسپتال میں بہت ہل چل تھی۔ اتنے بہت سے
زخمی جو لائے گئے تھے۔ ہل چل نہ ہوتی تو کیا سکون
ہوتا۔ دو دن بعد وہ چلنے پھرنے اور یہ جائزہ
لینے کے قابل ہوئے کہ ان کا کون ساتھی کہاں
اور کس حال میں ہے۔ پھر انھوں نے ایک جگہ جمع
ہونے کی کوشش شروع کر دی۔

معلوم ہوا۔ زخمی تو سبھی ہوئے تھے، لیکن شدید
زخمی ان میں سے کوئی بھی نہیں ہوا تھا؛ تاہم
ابھی انھیں ہسپتال میں ہی رہنا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے
اپنے کاغذات دکھا کر ایک الگ ہال حاصل کر لیا اور
ان سب کو اس ہال میں پہنچا دیا گیا۔

"میں نے یہ ہال دوسروں کے فائدے کے لیے
لیا ہے۔ نہ کہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کی آسانی کے
لیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ کیا مطلب۔ یہ کیسے؟"

"اگر ہم عام وارڈ میں رہتے تو ہماری وجہ سے

دوسرے زخمیوں کو بہت تکلیف ہوتی۔ تم لوگ بات چیت
کے ڈونگرے برسائے بغیر تو رہتے نہ۔ لہٰذا دوسرے
تنگ ہی ہوتے۔"

"اوہ ہاں! اس لحاظ سے تو بات بالکل ٹھیک ہے۔"
آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ آخر ہم آخری شہر پہنچ گئے
ہیں۔ کس حالت میں پہنچے۔ یہ اور بات ہے۔ گویا
صحت یاب ہونے کے بعد ہم اپنی اگلی اور اصلی مہم
پر روانہ ہو سکیں گے۔"

"ہوں۔ ہمیں ٹھیک ہونے میں ابھی وقت لگے گا۔
دوسرے یہ کہ جہاز کے حادثے میں ہمارا ضروری سامان
ہم سے چھن گیا۔ ان سب چیزوں کا بھی انتظام کریں
گے۔"

"یہ مہم تو کچھ لمبی ہی ہوتی جا رہی ہے۔" مکھن
نے منہ بنایا۔

"پتا نہیں اس شہر میں بھی اڑن طشتریاں آتی ہیں یا
نہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے۔" محمود مسکرایا۔
اس وقت ایک نرس قریب ہی موجود تھی۔ محمود

نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا:

"سسٹر! اس شہر میں بھی اڑن طشتریاں آتی ہیں، تباہی مچاتی ہیں؟"

"ابھی تک تو نہیں۔ ہاں شہر کی فضا سے آتی جاتی ضرور دکھائی دیتی ہیں۔ یہ عجیب بات ہے۔" نرس نے کہا۔

"عجیب نہیں سسٹر۔ غریب۔ کیوں کہ ان اڑن طشتریوں کا دیس یا تو ادھر ہی کہیں ہے۔ یا پھر ان کا عارضی اڈا یہاں بنایا گیا ہے۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ ہمارے شہر میں؟" نرس نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں۔ شہر میں نہیں۔ شہر سے باہر دور۔ بہت دور۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ادھر تو پہاڑوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ اور اس سلسلے کے دوسری طرف کیا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں۔"

"کیوں۔ کسی کو کیوں معلوم نہیں۔"

"یہ آج کی نہیں۔ بہت پرانی تحقیقات ہیں۔ ہیلی کاپٹروں کی مدد سے پہاڑوں کی آخری حدود تک جا کر دیکھا گیا۔ بلکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُتر کر دیکھا گیا۔

ان چوٹیوں کے دُوسری طرف کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ وہاں صرف دھند اور کہر ہے۔ بلکہ دھند اور کہر کا ایک سمندر ہے، اس سمندر میں کیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا۔"

"ہوں۔ اور آج کی تحقیقات کیا کہتی ہیں؟"

"اب تو کوئی ہیلی کاپٹر لے کر اس طرف جانے کی جراَت ہی نہیں کر سکتا۔ منٹ منٹ بعد تو دھند میں سے اڑن طشتریاں نکل آتی ہیں۔ پھر۔ کیا ہیلی کاپٹر ان کی مار سے بچ جائے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ یہ بات ہم دُنیا کو بتائیں گے۔"

"کیا۔ کون سی بات؟" نرس نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ دھند کے اس سمندر کے نیچے کیا ہے۔"

"آپ کس طرح بتائیں گے۔ کیا آپ نجومی ہیں؟"

"نجومی۔ نہیں۔ ہم میں سے تو کوئی بھی نجومی نہیں ہے۔ کیا کوئی نجومی کوئی اندازہ لگا سکا ہے۔"

"ہاں! یہ شہر تو یوں بھی نجومیوں کا شہر ہے۔"

"اوہو اچھا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔ ہم بھی شاید ان کی خدمات حاصل کریں۔" آصف چہکا۔

"ایسی جراَت بھی نہ کیجیے گا۔ یہ نجومی لوگ بہت مہنگے

ہیں ۔ آدمی ان کی فیس ہی ادا نہیں کر سکتا۔"

"تب پھر ان کا کام کیسے چل رہا ہے۔" فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

"بہت رئیس لوگ جاتے ہیں ان کے پاس ۔ چھوٹے موٹے دولت مندوں کو تو وہ گھاس بھی نہیں ڈالتے۔"

"ہوں! اور ان لوگوں نے دھند کے سمندر کے بارے میں کیا باتیں بتائیں۔"

"بہت ہی عجیب و غریب باتیں ۔ کوئی کہتا ہے ۔ کوہ قاف اسی کے نیچے تو ہے۔"

"کیا کہا ۔ کوہ قاف ۔ یہ نام تو شاید ہم نے کہیں سُنا ہے۔" مکھن چلّا اُٹھا۔

"لیجیے ۔ کوہ قاف کو بھی بھول گئے ۔ ارے بھئی ۔ جنّوں، بھُوتوں اور پریوں کے مرکزی شہر کو کوہ قاف کا نام دیا گیا ہے ۔ یہ مخلوق سب کی سب اسی میں تو رہتی ہے۔"

"اوہ ۔ لیکن پھر ۔ ہمارے مُلکوں اور شہروں میں کیا کرنے آ جاتی ہے۔" اشفاق نے معصومانہ لہجے میں کہا۔

"چہل قدمی کرنے اٹھکیلیاں کرنے ۔ ان میں دراصل مذاق کرنے اور دُوسروں کو ستانے کی بہت عادت ہوتی ہے ۔ ان کی اس عادت کی وجہ سے تو اللہ میاں

نے انھیں انسانوں سے الگ رہنے پر مجبور کر دیا۔"

"لیکن ۔ اب تو اس دھند کی طرف سے جنّوں کی بجائے اڑن طشتریاں آ رہی ہیں۔"

"ارے ۔ گگ ۔ کہیں ۔ کہیں ۔ کہیں ۔ کہیں۔" فارُوق بُری طرح ہکلانے لگا ۔ سب حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے ۔

جدید ترین روپ

"کچھ منہ سے کھو گے بھی یا کہیں کہیں ہی کرتے رہو گے۔ ویسے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ چاہے دن رات کہیں کہیں کہتے رہو، کچھ بھی فائدہ نہیں ہو گا۔" آفتاب نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"مجھے ایک خوف ناک خیال سوجھا ہے، لیکن میں اپنا خیال ظاہر کر کے سب کو خوف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔"

"اب ہم اتنے بزدل بھی نہیں ہیں کہ تمھارا خوفناک خیال سن کر دہل جائیں گے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"چلو۔ تم نہ دہلے، لیکن یہاں سسٹرز بھی تو ہیں۔ ڈاکٹر صاحبان بھی تو ہیں۔ دوسرا عملہ بھی تو ہے۔"

"نہیں جناب۔ ہم بھی اتنے بزدل نہیں ہیں۔ آپ ضرور اپنا خیال ظاہر کریں۔" ایک ڈاکٹر بول اٹھا۔

وہ سب ان کی باتوں میں دل چسپی لینے پر مجبور ہو گئے

تھے۔

"اگر آپ اجازت دینے کے معاملے میں اتنے ہی سخی ہیں تو میں بھی ضرور بتاؤں گا، لیکن ذرا پہلے اپنے دل تھام لیں۔ حوصلے بلند کر لیں اور ہمتیں جوان کر لیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔ دوسرے برے برے منہ بنانے لگے، کیوں کہ اب ہسپتال کے سب لوگ۔ جتنے بھی کمرے میں موجود تھے۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ وہ مرہم پٹی کو بھی بھول چکے تھے۔ اور دوا وغیرہ کو بھی۔

"ہاں ہاں۔ آپ فکر نہ کریں۔" ایک ڈاکٹر بے تابانہ بولا۔

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ جنوں اور بھوتوں نے ان اڑن طشتریوں کا روپ دھار لیا ہے۔ جدید ترین روپ۔" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے اور پھر ان کی آنکھیں خوف کے مارے پھیل گئیں۔

پھر وہ چیختے چلاتے کمرے سے نکل بھاگے۔

"ارے ارے — کیا ہوا بھئی — آپ تو کہہ رہے تھے — آپ لوگ بہت دلیر ہیں — بہادر ہیں — میں نے ایسی کیا بات کہہ دی۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

لیکن اس کی بات کسی نے نہ سُنی — اب کمرے میں ان کے سوا کوئی نہیں تھا۔

"حیرت ہے — ان لوگوں کو کیا ہو گیا — اس حد تک خوف زدہ ہونے والی تو کوئی بات نہیں تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے —

"خود میرا بھی مارے حیرت کے بُرا حال ہو گیا ہے — میں تو یُوں ہی مذاق کر رہا تھا۔" فارُوق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہزار بار کہا ہے — ایسے اوٹ پٹانگ مذاق نہ کیا کرو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"کیا کر رہے ہو بھئی — اوٹ پٹانگ مذاق — بھلا کوئی اوٹ پٹانگ مذاق سے بھی اس حد تک خوف زدہ ہوتا ہے۔" آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"بات واقعی حیرت کی ہے — ان لوگوں کو بلا کر معلوم کرنا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انھوں نے گھنٹی پر گھنٹی بجانا شروع کی — تب کہیں

جا کر ایک ڈاکٹر ڈرتا ڈرتا اندر داخل ہوا — اس نے سہمی سہمی نظروں سے ان سب کو دیکھا، پھر مری مری آواز میں بولے:

"آپ — آپ لوگ گھنٹیاں کیوں بجا رہے ہیں؟"

"تو اور ہم کیا کریں — آپ لوگوں کو کیا ہوا تھا — آپ تو بھاگ ہی نکلے۔"

"م — میں — پہلے اپنے ساتھیوں کو بلا لوں۔"

"اچھی بات ہے — بلا لیں — ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

وہ کمرے سے نکل گیا — جلد ہی وہ سب اندر داخل ہو گئے — ان کے چہروں پر ابھی تک خوف طاری تھا —

"ہاں! اب بتائیے — آپ کو کیا ہو گیا تھا؟"

"ایک نجومی نے — کچھ عرصہ پہلے ایک عجیب پیشن گوئی کی تھی۔" اسی ڈاکٹر نے کہا جو پہلے اندر داخل ہوا تھا۔

"کیسی پیش گوئی؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اس نے کہا تھا — میری بات سچ ثابت ہونے کا وقت آ گیا ہے — جب لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کون سی سچی بات، تو اس نے جواب دیا کہ اس

نے آج سے بیس سال پہلے یہ کہا تھا کہ دھند کے
نیچے جنوں، بھوتوں، چڑیلوں، ڈائنوں اور پریوں
کا ملک کوہ قاف ہے۔ اس وقت میری بات پر
کسی نے اعتبار نہیں کیا تھا، لیکن اب سب کو
اعتبار آ کر رہے گا۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ
کیسے، تو اس نے کہا کہ اب جن اور بھوت کوہ قاف
سے نکل کر دنیا میں پھیل جائیں گے اور
تباہی مچائیں گے۔ وہ مشینی صورتوں میں نظر آئیں گے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"یہ پیشین گوئی اس نجومی نے کب کی؟"

"آج سے صرف چھے ماہ پہلے۔"

"اور اس نجومی کا کیا نام ہے؟"

"بلا جوف۔" اس نے کہا۔

"بلا جوف ... یہ مسٹر بلا جوف بھلا کہاں رہتے ہیں؟"

"یہیں ... مشرقی سمت میں اس کا بہت بڑا مکان ہے،
پُر اسرار مکان۔"

"بہت دل چسپ شخصیت ہیں وہ تو اس شہر کی
ان سے ملاقات کرنا پڑے گی۔"

"آپ ملاقات کریں گے ... ناممکن جناب۔"

"کیوں ... کیا بات ہے؟"

جلد از جلد

"بہت نیس ہے ان کی ... سیکنڈوں کے حسا
ان نے کہا۔
یا گئے؟"

"لیکن ہم ان سے اپنی قسمت کا حال اسے جھوٹا
نہیں جائیں گے۔"

"چاہے آپ کسی نیت سے بھی جائیں گی ... ہم آپ کو
بغیر بات نہیں کریں گے۔"
رتے ہیں۔"

"اور اگر کبھی پولیس چلی جا۔
تو؟"
کرنے چلے گئے۔ انھوں

"وہ پولیس سے بات ہی نہ دن صبح تک انھیں
میں نے کوئی جرم کیا ہے
غیر قانونی طور پر داخل ہو کر کی یہ ترکیب خوب
اور مقدمہ چلاؤ ... اگر مجھے مجرم ثا
تو پھر میں سب پولیس والوں لا جوف سے ملیں گے۔"

"اور ... کیا اس دھمکی سے پ
ایں؟"
حیرت زدہ رہ گئے۔

"ہاں! انھوں نے آج تک ان سے ملنے کی ضرورت بھی تو
کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یوں بھی۔
رہے نہیں۔" ڈاکٹر نے جلدی جلدی

نے آج سے ... یہ وجہ تھی آپ لوگوں کے خوف زدہ ہونے کی۔"
نیچے جنوں، ... قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔
کا ملک کوہ قا ... "کیا یہ کوئی چھوٹی سی وجہ ہے — ان
کسی نے اعتبار ... تو حرف بحرف درست ثابت ہو گئی
اعتبار آ کر رہے ... کا یہ مطلب ہے کہ — دھند کے نیچے واقعی
کیسے، تو اس نے کہ ... کا دیس ہے لیکن اب وہ اڑن
سے نکل کر دنیا ... میں اُوپر آ رہے ہیں"
تباہی مچائیں گے — وہ ... یں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"
"اوہ! ان کے منہ ... اس وہم سے نکالنے کے لیے کہا
"یہ پیشین گوئی اس ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"
"آج سے صرف چھ ... ہی چھوڑتے رہتے ہیں۔"
"اور اس نجومی کا ... کی بات سو فی صد درست ثابت ہو
"بلا جوف" اس نے ... ت میں تو یہ بات نہیں کہی جا سکتی
"بلا جوف — یہ مسٹر بلا ... ثابت کر سکتے ہیں" انسپکٹر کامران
"یہیں — مشرقی سمت ... کہا۔
پُر اسرار مکان۔" ... بت کر سکتے ہیں آپ؟"
"بہت دل چسپ ... شخص ... یہ چھوڑ دیں — اور ہمارا ایک کام کر
ان سے ملاقات کرنا ... کہا۔
"آپ ملاقات کر ... ڈاکٹر بولا۔

"ہمیں فوراً ہسپتال سے فارغ کر دیں — یا جلد از جلد فارغ کر دیں۔"

"اچھی بات ہے، لیکن پھر آپ کیا کریں گے؟"

"ہم مسٹر بلا جوف سے ملاقات کر کے اسے جھوٹا ثابت کریں گے۔"

"یہ بہت ہی دل چسپ بات ہوگی — ہم آپ کو جلد از جلد فارغ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ!"

کچھ دیر بعد ڈاکٹر اپنا کام کرنے چلے گئے — انھوں نے اُمید دلائی تھی کہ دوسرے دن صبح تک انھیں فارغ کر دیا جائے گا —

"ہسپتال سے فارغ ہونے کی یہ ترکیب خوب سوچی آپ نے" آصف بولا۔

"نہیں بھئی — ہم واقعی مسٹر بلا جوف سے ملیں گے۔" وہ بولے —

"اوہو اچھا — یہ ہے" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے — ہم ملنے کی ضرورت بھی تو محسوس کر رہے ہیں۔"

"کیسی ضرورت؟" وہ چونکے —

"آخر اسے کیا ضرورت تھی — یہ گپ اڑانے کی۔"

"ہوں اور اس میں خاص بات یہ ہے کہ اس نے چھ ماہ پہلے مشینی انداز والی بات کی تھی۔ آخر اسے کس طرح یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ یہاں سے اڑن طشتریاں اڑنے کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔"

"شروع ہو گئی جاسوسی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اسی کے لیے تو یہاں آئے ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

دوسرے دن صبح سویرے ڈاکٹر صاحبان نے انھیں چھٹی دے دی، لیکن رخصت کے وقت کہا:

"مسٹر بلا جوف سے ملاقات کی تفصیل آپ ہمیں ضرور بتائیں گے۔"

"ضرور — کیوں نہیں — فکر نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اور پھر وہ ٹیکسیوں میں لد کر بلا جوف کے پاس پہنچے — محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی — اندر گھنٹی بجنے کی آواز انھوں نے سنی — عین اسی وقت فرزانہ نے کہا:

"شاید ہم سے کوئی غلطی ہونے والی ہے۔" یہ بات اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہی، لیکن سب نے سن لی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" خان رحمان نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"پتا نہیں۔" وہ بولی۔

"پتا بھی نہیں۔ اور کہہ بھی رہی ہو۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"یہ میرا احساس ہے، لیکن میں ابھی اپنے احساس کو خود بھی سمجھنے کے قابل نہیں ہوں۔"

"چلو — جب قابل ہو جاؤ — بتا دینا۔" فاروق نے کہا —

"مم — میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں — فرزانہ بہن کا خیال درست ہے۔" شوکی کی آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب — کیا آپ بھی یہی محسوس کر رہے ہیں کہ ہم سے کوئی غلطی ہونے والی ہے؟" محمود نے طنزیہ لہجے میں پوچھا —

"ہاں — بالکل۔"

"تب تم دونوں احمق ہو، کیوں کہ ابّا جان اور انکل نے اب تک یہ بات محسوس نہیں کی۔" محمود نے جھنّا کر کہا۔

"نہیں بھئی — انھیں احمق نہ کہو — یہ احمق نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید معنی خیز لہجے میں بولے۔

"جی — کیا مطلب — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ ہم واقعی غلطی کرنے والے ہیں — لیکن یہ بات نہیں ہے کہ ہم انجانے میں چلے آئے ہیں — مجھے اور انسپکٹر کامران مرزا کو تو پہلے ہی یہ بات معلوم

تھی کہ یہاں آ کر ہم ایک عدد غلطی کریں گے، لیکن اس کے باوجود ہم غلطی کرنے پر مجبور تھے۔ اس لیے آنا پڑا۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"بات سمجھنے کی۔"

اسی وقت قدموں کی آواز اُبھری اور پھر دروازہ کھلا۔ ان کے سامنے ایک انتہائی بدصورت آدمی کھڑا تھا، اس کا جسم بالکل سیاہ تھا، لیکن آنکھیں سفید تھیں جن کی وجہ سے وہ بہت خوف ناک لگ رہا تھا۔

"آپ لوگ کون ہیں؟"

اس کی آواز سن کر وہ حیران ہی رہ گئے۔ جتنا اس کا ڈیل ڈول تھا، اتنی ہی اس کی آواز باریک اور کمزور سی تھی۔

"ہم لوگ اس شہر میں مہمان ہیں، اس لیے پروفیسر بلا خوف ہمیں نہیں جانتے ہوں گے۔ بس اتنا بتا دیں کہ کچھ لوگ ملنے آئے ہیں۔"

"ان کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کو بتانے کی ضرورت ہے۔" وہ مسکرایا، اس کی مسکراہٹ بھی

عجیب سی تھی۔

"نہیں کیا بتانے کی ضرورت ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔

"پروفیسر صاحب سے ملاقات کی فیس ایک ہزار روپے فی سیکنڈ ہے۔ ایک وقت میں صرف ایک آدمی ان سے بات کر سکتا ہے۔ آپ ان کے سامنے جا تو سب سکتے ہیں، لیکن بات ایک کرے گا۔"

"لیکن ہم ان سے قسمت کا حال پوچھنے نہیں آئے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"نہ آئے ہوں۔ پروفیسر صاحب کسی کے ملازم نہیں ہیں، کسی کے غلام نہیں ہیں، وہ آزاد ہیں اور خودمختار ہیں۔ کسی سے ملاقات کریں یا نہ کریں، یہ ان کی مرضی کی بات ہے۔ انھوں نے ملاقات کا یہی ریٹ مقرر کر رکھا ہے۔ اب اگر آپ کو منظور ہو تو ایک منٹ کے ساٹھ ہزار روپے جمع کرا دیں۔ میں آپ کی ان سے ملاقات کرا دیتا ہوں۔ اگر ملاقات ایک منٹ سے بڑھتی نظر آئی تو آپ کو مزید ساٹھ ہزار دینا پڑیں گے۔ وہ ایک منٹ سے کم وقت کی ملاقات نہیں کرتے۔"

یہ شرائط کافی سخت تھیں۔ خاص طور پر ان حالات میں جب کہ ان کے پاس رقم نہیں تھی۔ ہسپتال سے نکلتے وقت وُہ رقم کے بارے میں سوچنا تو بھول ہی گئے تھے۔

"کیا ہمیں ساٹھ ہزار آپ کو ادا کرنا ہوگا؟"

"نہیں — اندر کلرک بیٹھا ہے — وُہ آپ سے رقم لے کر چٹ بنا دے گا — آپ وُہ چٹ لے کر اندر جائیں گے۔"

"شکریہ — ہمیں کلرک تک لے چلیں۔"

"آئیے جناب، لیکن میرا انعام نہ بھولیے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اور وُہ انھیں لے کر اندر آیا — اندر ایک سفید رنگ کا بوڑھا آدمی ایک میز کے دوسری طرف بیٹھا تھا — اس کی آنکھوں پر عینک تھی۔

"مسٹر کلرک — انھیں ایک منٹ کی چٹ دے دیں۔ نکالیے جناب ساٹھ ہزار۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے جیب میں ہاتھ ڈالا، پھر محمود سے بولے:

"بھئی تم ذرا اپنے جوتے کی ایڑی کو توٹٹولو۔"

"جوتے کی ایڑی — کیا مطلب — کیا آپ نقدی جوتے کی ایڑی میں رکھتے ہیں؟"

"نقدی نہیں — کچھ اور۔"

اس وقت تک محمود جھک کر چاقو نکال چکا تھا — اس نے چاقو ان کی طرف بڑھا دیا:

"یہ کیا ہے بھئی؟" سیاہ آدمی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"اسے چاقو کہتے ہیں۔"

"اتنے ذرا سے چاقو سے آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"تمھارے ناک اور کان کی ضرورت ہے۔"

"شاید تم لوگ پروفیسر بلا جوف کو اتنا ہی احمق خیال کرتے ہو۔"

"تت — تو کیا نہیں کرنا چاہیے۔" شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! بالکل نہیں — وُہ تو اپنے وقت کا عقلمند ترین آدمی ہے۔"

"اچھا — وُہ کیسے؟"

"یہ عقل مندی نہیں تو کیا ہے کہ اس نے مجھے

نگران مقرر کیا۔

"تو یہ عقل مندی کی ہے اس نے۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! اس لیے کہ میں ایک وقت میں دس طاقتور ترین آدمیوں سے لڑ سکتا ہوں اور انھیں بآسانی شکست دے سکتا ہوں۔"

"لیکن میرے خیال میں تو تم ایک آدمی سے بلکہ ہمارے ساتھ موجود ایک بچّے سے بھی نہیں لڑ سکتے۔" خان رحمان نے جل کر کہا۔

"کیا کہا۔" وہ بھنّا اُٹھا۔

"بالکل ٹھیک کہا۔"

"یہ بات ہے۔ تو پھر پہلے تم میں سے کوئی ایک مجھ سے مقابلہ کرے۔ پروفیسر صاحب سے مُلاقات اب تم لوگ جیتنے کی صورت میں ہی کر سکتے ہو۔ اور یہ میرا وعدہ رہا، اگر میں شکست کھا گیا تو مُلاقات بالکل مُفت کرا دوں گا۔"

"طے رہی۔" محمود نے ہاتھ آگے کر دیا۔

"بالکل۔" اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

محمود اسی انتظار میں تھا۔ فوراً اس کا ہاتھ پکڑ

کر اس نے آگے کی طرف جھٹکا دیا۔ سیاہ فام لڑکھڑا گیا، دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے نکلا:

"اوہو۔ اچھا۔ کمال ہے۔"

"یہ تو ہلکا سا نمونہ تھا مسٹر سیاہ فام۔" محمود بولا۔

"تت۔ تم نے مجھے سیاہ فام کہا۔"

"اگر تمھیں بُرا لگا تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، لیکن مقابلہ ضرور ہو گا۔"

"کون کرے گا مجھ سے مقابلہ؟" سیاہ فام نے کہا۔

انھوں نے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا۔ اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا:

"شوکی۔ تم کرو گے اس کا مقابلہ۔"

"حیرت ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب۔ آپ کو کس بات پر حیرت ہے؟"

"میں بھی شوکی کا ہی نام لینے والا تھا۔"

"کیا یہ فیصلہ غلط نہیں ہے ابّا جان۔" محمود نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو محمود؟"

"شوکی بھائی۔ سیاہ فام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔" محمود بولا۔

"جب کہ ہمارے خیال کے مطابق شوکی اس مقابلے کے لیے بالکل مناسب ہے۔ میں نے کچھ سوچ کر ہی شوکی کا نام لیا ہے۔ دراصل ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ شوکی بھائی اس مقابلے کو بہت جلد ختم کر دیں گے۔" آصف نے بُرا مان کر کہا۔

"ہاں! تم لوگ باقاعدہ مقابلہ کرو گے۔ لیکن یہ بے قاعدہ لڑائی لڑے گا۔" وہ مسکرائے۔

"پتا نہیں۔ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔"

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" انھوں نے کہا اور شوکی کی طرف دیکھا۔

"مم۔ میرا بھی یہی خیال ہے انکل۔ کہ میں یہ لڑائی نہیں لڑ سکوں گا۔ آپ نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔" شوکی نے لرزتی آواز میں کہا۔

"کچھ بھی ہو شوکی۔ یہ مقابلہ تو کرنا ہی ہوگا۔"

"کیا آپ مجھے موت کے گھاٹ اتروانا چاہتے ہیں انکل۔ میں نے تو آپ کی شان میں کوئی گستاخی کبھی نہیں کی۔" شوکی بولا۔

"شوکی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں چلیں گی۔ یہ مقابلہ تو

ہی کرنا ہوگا۔"

"جج۔ جیسے آپ کی مرضی۔"

یہ کہہ کر شوکی لرزتا، کانپتا آگے بڑھا، اس کی حالت دیکھ کر سیاہ فام زور سے ہنسا اور بولا:

"میرے مقابلے میں بھیجا بھی تو کس کو۔ یہ تو میرا ایک ہاتھ برداشت نہیں کر سکے گا۔"

یہ کہہ کر سیاہ فام اندھا دھند انداز میں آگے بڑھا اور پورے زور میں ایک مکا شوکی کی طرف اچھال دیا۔ اسے یقین تھا۔ اس کا مقابل اپنی جگہ سے سرک بھی نہیں سکے گا۔ اور یہی اس کی غلطی تھی۔ شوکی حیرت انگیز پھرتی سے فرش پر گرا اور لڑھک گیا۔ سیاہ فام کا مکا میز کے کونے پر لگا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اور وہ اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر بیٹھتا چلا گیا۔

"مسٹر سیاہ فام۔ تمہارا مقابل بالکل درست حالت میں کھڑا ہے۔ مقابلہ کرو نا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیوں بھئی۔ میرا انتخاب درست تھا یا نہیں؟"

"واقعی۔ ہم اس سے باقاعدہ مقابلہ کرتے۔ جنگ ہوتی اور اس میں ضرور کچھ وقت لگتا۔ جب کہ اس جنگ

میں ذرا سا بھی وقت ضائع نہیں ہوا۔"

"اسی لیے تو میں نے شوکی کا نام لیا کیونکہ اپنے خوف کے پردے میں دشمن کو شکست دینے کا گُر جانتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اچھا — اب یہ چاقو سنبھالو — اور اس کے سر پر موجود رہو — آصف تم کلرک کو سنبھالے رکھو ہم ذرا پروفیسر بلا خوف سے مل کر آتے ہیں۔"

"بلا خوف یا بلا جوف۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہاں — یہی — نام ہی ایسا ہے کہ منہ سے غلط نکلتا ہے۔"

اور پھر وہ اندر کی طرف بڑھے — سامنے ہی ایک بند دروازہ نظر آیا — ایک طرف پروفیسر بلا جوف کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی — وہ دبے پاؤں آگے بڑھے — اور دروازے سے کان لگا دیئے — اندر کوئی کہہ رہا تھا:

"آپ اپنی اربوں روپے کی دولت بچانا چاہتے ہیں یا نہیں —"

"بھلا میں یہ نہیں چاہوں گا تو اور کیا چاہوں گا —" دوسری آواز اُبھری۔

"تو پھر ایک کروڑ روپے خرچ کرنا ہوں گے — اس

کے بغیر یہ کام نہیں کیا جا سکتا — آپ کا دشمن آپ کے سر پر سوار رہے گا — لیکن اگر آپ نے ایک کروڑ خرچ کیا — تو پھر آپ اپنے دشمن کو کبھی دیکھ بھی نہیں سکیں گے — وہ اس طرح غائب ہو جائے گا جیسے ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔"

"سوال یہ ہے کہ آپ اسے غائب کس طرح کریں گے؟"

"اپنے علم کے زور سے — اور پھر قانون کا کوئی محافظ، کوئی جادوگر، کوئی عامل اسے تلاش نہیں کر سکے گا — اور جب تک اسے تلاش نہ کر لیا جائے، اس کے قتل کا مقدمہ قائم نہیں ہوتا — آپ اسی بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں آپ پر مقدمہ قتل قائم نہ ہو جائے۔"

"ہاں بالکل — پولیس تو مجھ پر ہی شک کرے گی — کہ میں نے اپنے کاروباری شریک کو قتل کروا دیا ہے — میرے علاوہ بھلا اسے کون قتل کرائے گا — وہ تو لوگوں میں حد درجے مقبول ہے — سب کے سب اسے پسند کرتے ہیں۔"

"بس تو پھر — اس کا حل صرف اور صرف یہی

ہے کہ اسے غائب کر دیا جائے۔ نہ پولیس اس کی
لاش تلاش کر سکے گی اور نہ آپ پر مقدمہ چلے گا۔"

"تب پھر میری ایک شرط ہے۔"

"ضرور کہیے۔ اگر ماننے کے قابل ہوئی تو ضرور مان
لوں گا۔"

"نصف کروڑ اسی وقت لے لیں، نصف کروڑ
اس وقت جب پولیس پوری کوشش کے باوجود سیٹھ
بوگا کو تلاش نہیں کر سکے گی۔"

مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ چاہے آپ نصف کروڑ
بھی اس وقت نہ دیں۔ میں ساری رقم بعد میں لے
لوں گا۔ کیوں کہ یہ کام میں اپنے علم کے ذریعے
کروں گا۔ نہ کہ اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے غائب
کراؤں گا۔ آدمیوں کے غائب کیے ہوئے کو آدمی تلاش
کر سکتے ہیں۔ لیکن جس کو علم غائب کرے۔ اس کو
آدمی کس طرح تلاش کر سکتا ہے۔"

"ہوں۔ بات دل کو لگتی ہے۔"

"بس تو پھر آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ آپ کا
کام ہو جائے گا۔"

بہت بہت شکریہ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی کرسی گھسٹنے کی آواز سنائی
دی۔ وہ جلدی سے ادھر ادھر ہٹ گئے۔ دروازہ کھلا
اور ایک پتلا دبلا آدمی باہر نکلا۔ محمود نے خان رحمان
کو اشارہ کیا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور یہ
لوگ اچانک کمرے میں داخل ہو گئے۔ اتنے بہت
سے لوگوں کو دیکھ کر پروفیسر بلا جوف پریشان ہو گیا۔
اس کے نقش و نگار بھی عجیب و غریب تھے، لیکن وہ
سیاہ فام نہیں تھا۔ شاید میک اپ میں تھا:

"کون ہو تم لوگ۔ اور اس طرح داخل ہونے
کی جرأت کس طرح کی؟"

"باقاعدہ فیس ادا کر کے آئے ہیں۔ بے قاعدہ نہیں۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"میں نہیں مانتا۔ اتنے لوگوں کو داخل ہونے کی
اجازت میرے ملازم دے ہی نہیں سکتے۔"

"ہم ایسے ملازموں کی پروا نہیں کیا کرتے۔"
انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ شاید تمھاری ملاقات میرے
سیاہ فام ملازم سے نہیں ہوئی۔ وہ تو بنا دیتا تمھاری
چٹنی اور تم بھاگتے نظر آتے۔"

"ہم ان میں سے نہیں جو بھاگتے نظر آیا کرتے ہیں۔"

پروفیسر بلا جوف نے بُرا سا منہ بنایا۔ گھنٹی بجائی اور دروازے کی طرف تکنے لگا، لیکن دروازے پر کون آتا ــــ

"وہ نہیں آئے گا۔ اس نے ہمیں روکنے کی کوشش کی تھی، لیکن ہم رکنے والے ہیں ہی نہیں، رُکتے کس طرح۔"

"یہ ــ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس نے تم لوگوں کو روکنے کی کوشش کی تھی ــ اور تم لوگ رُکے نہیں۔"

"بات تو یہی ہے۔"

"جھوٹ ــ میں نہیں مانتا۔" وہ جل کر بولا۔

"یہ آپ کی مرضی ــ آپ مانیں یا نہ مانیں ــ ہم اس وقت یہاں موجود ہیں۔"

اُس نے کھا جانے والی ایک نظر سب پر ڈالی اور پھر گھنٹی بجائی، لیکن کوئی بھی اندر نہ آیا:

"تت ــ تم نے میرے دونوں ملازموں کے ساتھ کیا کیا ہے۔"

"دونوں بخیریت ہیں، فکر نہ کریں۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے بے خوف ہو کر پوچھا۔

"آپ نے ایک پیش گوئی کی تھی ــ یہ کہ پہاڑوں کے اس پار کوہ قاف ہے ــ جس میں جنّ اور بھوت رہتے ہیں، لیکن بہت جلد وہ جنّ اور بھوت دُنیا کی طرف آ جائیں گے ــ وہ بھی مشینی انداز میں۔"

"ہاں! کی تھی ــ تو پھر۔"

"پھر یہ کہ آپ کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، تمھیں کیوں بُری لگی ہے۔"

"بُری نہیں لگی ــ ہم بھی یہ سُن کر خوش ہوئے ہیں، ہمیں تو آپ صرف اتنا بتا دیں کہ آپ کا زمبوٹا سے کیا تعلق ہے؟"

"کیا کہا ــ زمبوٹا۔" وہ چلّا اُٹھا۔

"ہاں ــ زمبوٹا۔"

"پتا نہیں ــ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"زمبوٹا ایک سیارے کا نام ہے ــ یہ نام اس دُنیا کے لوگوں کا دیا ہوا نہیں ہے ــ اس سیارے کی مخلوق کے نزدیک سیارے کا یہی نام ہے ــ جیسے ہماری دُنیا کا نام زمین ہے ــ سُنا ہے ــ اب جو اُڑن طشتریاں زمین پر تباہی مچا رہی ہیں ــ وہ زمبوٹا سے آتی ہیں ــ لیکن یہ

اُڑن طشتریاں سائنس دانوں نے کہر اور دھند کے اس
سمندر سے آتی محسوس کی ہیں۔ جو ان پہاڑوں کے اس
پار ہے۔ اور اس جگہ سے آپ نے مشینی انداز میں جنّ
اور بھوت نمودار ہونے کی پیش گوئی کی تھی۔ تو یہ چکر
کیا ہے؟

"بھلا میں کیا جانوں۔ کہ کیا چکر ہے۔ میں تو بس اتنا
جانتا ہوں کہ اپنے علم کے زور سے میں نے ایک پیشگوئی
کی تھی۔"

"لیکن ہم اس بات کو نہیں مانتے۔"

"کس بات کو؟"

"اس پیش گوئی کو۔ اگر آپ واقعی اس قسم کا علم جانتے
ہیں تو بتائیے۔ باہر آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ
ہم نے کیا سلوک کیا ہے۔"

"مم۔ میں۔ میں۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"ہم جانتے ہیں۔ تمہارے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم،
معلوم ہوتا تو تم ہم سے حیران ہو کر یہ کیوں پوچھتے
کہ ہم نے تمہارے دونوں ملازموں کے ساتھ کیا سلوک
کیا ہے۔"

"علمِ نجوم واقعی ایک علم ہے۔ لیکن اس میں حساب

کتاب لگانا پڑتا ہے۔ ستاروں کی گردش پر غور کرنا
پڑتا ہے۔ لہٰذا اس میں وقت لگتا ہے۔ میں فوری
طور پر نہیں بتا سکتا کہ باہر کیا ہوا ہے۔"

"خیر۔ تم یہ بتا دو کہ کب مرو گے۔"

"کیا مطلب؟"

"اگر تم علمِ نجوم جانتے ہو۔ یا ایسے کسی علم کے
ماہر ہو تو تم نے ضرور یہ جاننے کی کوشش کی ہو گی کہ
تم کب تک زندہ رہو گے۔"

"ن۔ نہیں۔ میں نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یا تو تم ایسے کسی علم کے
عالم نہیں ہو۔ اگر ہو تو پھر یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور
کی ہو گی۔ اب دو میں سے ایک بات تسلیم کر لو۔"

"اچھا! ٹھیک ہے۔ میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی
تھی۔" آخر اس نے کہا۔

"چلو۔ تم نے ایک بات تو مانی۔ اب یہ بتاؤ۔ تم
کب مرو گے۔"

"ابھی میں پورے چالیس سال اور زندہ رہوں گا۔
ٹھیک چالیس سال بعد ۱۰ نومبر کو میری موت واقع ہو
جائے گی۔"

"اچھی طرح حساب لگایا تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں بالکل!"

"اچھا تو پھر سنو — ہمارا قرآن کہتا ہے — کوئی نہیں جانتا کب مرے گا — سوائے اللہ کے — یعنی صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں — لہٰذا ہم تمھارے اس خیال کو غلط ثابت کرنے لگے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"تمھیں ابھی اور اسی وقت موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں — تاکہ تم مرتے وقت جان لو کہ تمھارا علم جھوٹا تھا۔"

"نن — نہیں — تم قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔"

"بہت خوب — اور ابھی تم جو ایک شخص کو غائب کرنے کا سودا کر چکے ہو — کیا یہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا نہیں ہے؟"

"اوہ — تو تم یہ باتیں سن چکے ہو۔"

"ہاں! بالکل — سن چکے ہیں — اور ٹیپ بھی کر چکے ہیں — تم اب قانون سے نہیں بچ سکو گے، لیکن ہم قانون سے بھی پہلے تمھارا کام تمام کر دیں گے — اگر بچنا چاہتے ہو تو اس پیش گوئی کے بارے میں بتادو۔"

"میں کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ سرد آواز میں بولا۔

"اچھی بات ہے — گھی اُلٹی اُنگلیوں سے نکلے گا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا آگے بڑھے — اور انھوں نے اسے گدی سے پکڑ لیا — ان کی گرفت لمحہ بہ لمحہ سخت ہوتی چلی گئی — آنکھیں باہر کو اُبلنے لگیں — پھر اس نے ہاتھ اُٹھا کر مشکل سے کہا:

"ٹھہرو — بتاتا ہوں۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے گرفت کچھ ہلکی کر دی۔

"ہمارے اس شہر میں — ایک دن زمبوٹا کا ایک آدمی آیا تھا — پہاڑوں کی طرف سے — رات کی تاریکی میں وہ اتفاق سے میرے گھر میں گھس گیا تھا — میں اسے دیکھ کر ڈر گیا، لیکن اس نے مجھے کچھ نہ کہا — ہنس ہنس کر مجھ سے باتیں کرتا رہا — زمبوٹا کے بارے میں بتاتا رہا، اس نے ہی یہ اڑن طشتریوں والی بات بتائی تھی — میں نے اسے نجوم کا رنگ دے کر لوگوں میں مشہور کر دیا — تاکہ میری دکان داری خوب چمک اُٹھے۔"

"اور اس مخلوق کا کیا بنا؟"

"وہ پہاڑوں کی طرف چلی گئی تھی۔"

"پیدل؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں! وہ لوگ ان پہاڑوں تک ٹہلتے ہوئے اکثر آجاتے ہیں — میں نے راتوں کو جاکر اکثر انھیں دیکھا ہے — اس دن سے میں ان کے چکر میں رہنے لگا ہوں۔" اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"بھئی تم سچ تو کہہ رہے ہو نا؟" مکھن نے شک کی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یقین نہیں تو رات کے وقت پہاڑوں پر جاکر دیکھ لیں — معلوم ہو جائے گا۔"

"ہُوں! ہم ضرور دیکھیں گے۔"

اور پھر پولیس کو فون کیا گیا — ٹیپ ان کو سنائی گئی — وہ حیران رہ گئے — پھر نجومی اور اس کے ملازموں کو گرفتار کرکے لے گئی —

"کیا اس مُلاقات سے ہمیں اپنی مہم کے سلسلے میں کوئی فائدہ ہوا ابّا جان؟" آفتاب بولا۔

"شاید فائدے کی صُورت نکل آئے، ورنہ نقصان تو ضرور ہوا ہے — اس وقت ہم یہ کہنے لگے تھے کہ پروفیسر بلاجوت سے ملنے میں خطرہ ہے — یعنی اگر اس کا تعلق زمبوٹا سے ہوا تو زمبوٹا کے ایجنٹ ہماری طرف سے چوکنے ہو جائیں گے — جب کہ ہم نے اب تک

خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے بہت پاپڑ بیلے ہیں — یہ سارے پاپڑ خراب ہو جائیں گے — دُوسری طرف ہم ملے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔

"پھر — اب کیا ہوگا — اسے تو گرفتار کر لیا گیا ہے — اس کی گرفتاری کی خبر ایجنٹوں کو ہو جائے گی — تو پھر کیا بنے گا؟"

"بنے گا یہ کہ پھر ہمارے راستے میں ہر لمحے رکاوٹ کھڑی ہو گی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ بنا تو نہیں — اسے تو بگڑا کہتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"اب کچھ بنے یا بگڑے — ملاقات ہو چکی ہے — تجربہ ہو چکا ہے — اور ہمیں پہاڑوں کے اس پار جانے کے لیے تیاریاں کرنا ہیں — لہٰذا کچھ وقت اس شہر میں بھی لگے گا — اور اس غرض کے لیے ہم کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے — اس مکان میں ہی کیوں نہ ٹھہریں؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اس — اس مکان میں — یہاں کہیں رُوحیں وغیرہ نہ رہتی ہوں — یہ نجومی لوگ نجومی کم — اور جادوگر زیادہ ہوتے ہیں — جادو کے ذریعے کام لے کر کچھ معلوم کرتے ہیں اور نام نجوم کا بتاتے ہیں۔" شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ بہت ڈرتے ہو جنوں بھوتوں سے۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! ڈرتا تو ہوں۔ بلکہ ہم چاروں ہی ڈرتے ہیں۔"

"جب کہ جنوں اور بھوتوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" محمود بولا۔

"پتا نہیں۔ ضرورت ہے یا نہیں۔ ہم ان کے ماہر تو ہیں نہیں۔" مکھن نے منہ بنایا۔

عین اسی وقت اندر کہیں ٹوں ٹوں کی آواز سنائی دی۔ وہ سب زور سے چونکے۔

دو باتیں

"اوہو۔ یہاں تو وائرلیس سیٹ بھی موجود ہے، اس کا مطلب ہے۔ بلا جوف واقعی کسی کا ایجنٹ ہے، آؤ دیکھیں۔"

وہ اندرونی کمرے میں آئے۔ آواز ایک الماری سے آ رہی تھی، لیکن الماری میں تالا تھا۔

"ذرا کھولنا بھئی اس تالے کو۔"

مڑے تڑے تار کی مدد سے آصف نے فوراً تالا کھول دیا۔

"واہ کوئی۔ ماہر چور بھی اتنا کم وقت نہ لگاتا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے الماری کھولی۔ اور پھر سیٹ کا بٹن آن کر کے بلا جوف کی آواز میں انگریزی میں بولے:

"یس سر۔"

"بلا جوف۔ سننے میں آیا ہے کہ اس شہر میں کچھ خطرناک لوگ داخل ہوئے ہیں، ہم ان کی حقیقت جاننے کے چکر میں ہیں۔ تم ہوشیار رہنا۔ اگر وہ تمہاری طرف آئیں تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔"

"اوکے سر۔"

"بس یہی کہنا تھا۔"

آواز بند ہو گئی۔ انھوں نے بھی سیٹ کو آف کر دیا۔

"اس کا مطلب ہے۔ ہم لوگوں کی سن گن انھیں لگ چکی ہے۔"

"پروا نہیں۔ ہم تو کب کے اپنے سر اوکھلیوں میں دے چکے ہیں۔" مکھن بولا۔

"ہاں! اس لیے کہ اوکھلیوں کا اور ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے نا۔" فاروق نے کہا۔

"اور ساتھ میں موسلوں کا بھی تو۔ ان کے بغیر تو کام مکمل نہیں ہوتا۔" آفتاب مسکرایا۔

"نہ جانے کیا بات ہے۔ اس مکان میں اب مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" فرزانہ نے اعلان کیا۔

"تم تو روز بروز ہوتی جارہی ہو ڈرپوک۔" محمود نے اسے گھورا۔

"جب سے باس نے وائرلیس پر بات کی ہے، اس وقت سے تو ڈر مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے۔" فرحت بڑبڑائی۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ اگر ہم سب کو ڈر لگنے لگا تو کام کیوں کر چلے گا۔" آصف گھبرا کر بولا۔

"اس ڈر کا تو پھر کوئی انتظام کرنا چاہیے۔" خان رحمان بولے۔

"ڈرنے والوں کا انتظام کیوں نہ کریں۔"

"میرا خیال ہے۔ پہلے ذرا ہم دنیا کی خبریں کیوں نہ سن لیں۔ خبروں کا وقت ہے۔ ذرا دیکھیں تو سہی، اڑن طشتریوں نے کسی طرف چہل قدمی تو نہیں کی۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"چہل قدمی۔ اور اڑن طشتریوں کی۔" اکرام کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

"ان کی چہل قدمی۔ ہماری تباہی۔" اخلاق بولا۔

اور انسپکٹر جمشید نے ریڈیو آن کر دیا۔ وہ خبریں سنتے رہے۔ اچانک ریڈیو اناؤنسر کی آواز میں گھبراہٹ

پیدا ہوگئی:

" بقیہ خبریں — ٹھہر کر — ہم اڑن طشتری کی آواز سُن رہے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی خبریں بند ہوگئیں —

" اس کا مطلب ہے — اڑن طشتریاں اپنا پروگرام جاری رکھے ہوئے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

ادھر انسپکٹر جمشید کوئی دوسرا سٹیشن تلاش کرنے لگے، آخر ایک جگہ سے آواز آنے لگی:

" ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ طوفان کے شہر صبران پر اڑن طشتری نے حملہ کیا — اور بے پناہ عمارتیں تباہ کر دیں — اَن گنت لوگ مارے جا چکے ہیں — زخمیوں کو دھڑا دھڑ ہسپتالوں کی طرف لے جایا جا رہا ہے — نقصانات کا درست اندازہ دو تین روز بعد لگ سکے گا — پوری دنیا میں اڑن طشتری اب روزانہ کہیں نہ کہیں نمودار ہو رہی ہیں — کوئی دن اب خالی نہیں جاتا — خبریں ختم ہوئیں۔"

" لو بھئی — انھوں نے تو روزانہ کا پروگرام شروع کر دیا ہے۔"

" گویا ساری دنیا کو تباہ کرنے کا پروگرام ہے ان

کا۔" شاہد بڑبڑایا۔

" لیکن خالی دنیا کا یہ لوگ کیا کریں گے — یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

" ہو سکتا ہے — زمیوٹا پر ان کی آبادی بہت بڑھ گئی ہو اور یہ زمین کو خالی کرا کر اپنی آبادی کو اس میں بسانا چاہتے ہوں۔" پروفیسر غوری نے خیال ظاہر کیا۔

" اوہ! ایسی کوئی بات واقعی ہو سکتی ہے۔"

" اگر یہ بات ہوتی تو پھر اڑن طشتریاں ایک ایک کر کے نمودار نہ ہوتیں — ایک ہی وقت میں کئی کئی آتیں اور ہم کے شہر تباہ کر ڈالتیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے نفی میں سر ہلایا۔

" تب پھر — آپ کے خیال میں یہ سب کیا ہو رہا ہے — ان کا کیا پروگرام ہے؟"

" پروگرام ابھی تک میرے ذہن میں صاف نہیں ہو سکا۔" وہ بولے۔

" خیر — جوں ہی صاف ہو — بتا دیجیے گا۔"

" اور ہمیں اب اس مکان کو خالی کر دینا چاہیے — کیوں کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" فرزانہ نے گویا انھیں یاد

دلایا۔

"ڈر تمھیں لگ رہا ہے۔ خالی بھی تم کرو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"نہیں بھئی۔ یہاں ٹھہرنا واقعی درست نہیں۔ بلا جوت کے باس کو شک ہو گیا تو ہم اُلجھن میں پڑ جائیں گے۔"

"اچھا تو ہے۔ اس طرح باس سے ملاقات تو ہو جائے گی۔"

"ضروری نہیں۔ کہ وہ خود آئے۔ اپنے کارندوں کو بھی بھیج سکتا ہے۔"

"بلکہ بھیج چکا ہے۔ اور وہ اپنا کام کر کے جا چکے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے۔ وہ یہاں کوئی بم رکھ کر جا چکے ہوں۔"

"تم تو ہمیں ڈرائے دے رہی ہو۔ نکل ہی چلیں۔"

وہ سب افراتفری کے عالم میں باہر نکل آئے۔ اور ایک ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ ہوٹل تک پہنچانے کے لیے انھوں نے ٹیکسی ڈرائیوروں سے درخواست کی تھی۔ اور پھر ان کے کانوں نے ایک دھماکے کی آواز

سنی۔ وہ لرز کر رہ گئے۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی ہل گیا۔

"یہ۔ یہ کیا ہوا؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"کہیں دھماکا ہوا ہے۔ شاید کوئی بم پھٹا ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔

ان کا سفر جاری رہا۔ ایک بہترین ہوٹل کے دروازے پر انھیں اُتار دیا گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے، اندر دھماکے کی خبریں تھیں۔

"کیا ہوا ہے بھئی؟" انسپکٹر جمشید نے کلرک سے پوچھا۔

"پروفیسر بلا جوت کا مکان ایک دھماکے سے اڑ گیا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر ان سب کی نظریں فرزانہ کی طرف اٹھ گئیں جیسے کہ رہے ہوں، فرزانہ تمھارا شکریہ۔ وہ صرف مسکرا دی۔

اور پھر انھوں نے تین کمرے کرائے پر لیے اور اپنے کمروں میں آ گئے۔

"میرا خیال ہے۔ اب ہم خطرے میں گھر چکے ہیں، زمبوٹا کے آدمیوں کی نظروں میں ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ پروفیسر بلا جوت کی گرفتاری کی خبر انھوں نے سن لی ہو گی۔ اب وہ ہماری تلاش شروع کریں گے۔ شاید یہاں ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان

حالات میں ہمیں جلد از جلد تیاریاں مکمل کر لینی چاہییں،
میں ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لیے ابھی اور اسی
وقت نکل جاتا ہوں — آپ سب لوگ یہاں رہ کر میرا
انتظار کریں اور کمروں تک ہی رہیں — ہال میں بھی
نہ جائیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ ہم میں سے ایک آدھ کو تو ساتھ لے لیں۔"
فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے — خان رحمان — تم میرے ساتھ آ
جاؤ — انسپکٹر کامران مرزا کی یہاں موجودگی ضروری
ہے۔" وہ بولے۔

"ٹھیک ہے۔"

وہ خان رحمان کے ساتھ چلے گئے — انھوں نے
کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا — تینوں کمرے
اندر سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے — یعنی ان
میں دروازے کھلتے تھے — ان دونوں کو گئے ابھی چند
منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی،
وہ چونک اٹھے — انسپکٹر کامران مرزا نے انھیں پُرسکون
انداز میں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا — خود دروازے پر
آئے اور یک دم اسے کھول دیا —

دروازے پر تین آدمی کھڑے تھے، ان کے حلیے
عجیب سے تھے:

"آپ لوگوں کو ہماری خدمات کی ضرورت تو نہیں۔"
وہ ایک ساتھ بولے۔

"آپ کون ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہم گائیڈ ہیں — سیاحوں کو سیر کرانے کا پیشہ
کرتے ہیں۔"

"اوہ اچھا — آپ لوگ اندر آ جائیں۔" انسپکٹر کامران مرزا
نے خوش ہو کر کہا اور انھیں اندر آنے کے لیے راستا
دیا — خود وہ دروازے کے پاس رہ گئے — انھوں نے
دروازہ اندر سے بند کیا اور ان کی طرف مڑے —
"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو۔" انھوں نے سرد آواز
میں کہا —

"ہاتھ اوپر اٹھا دیں — لیکن کیوں؟"
وہ چونک کر بولے — انسپکٹر کامران مرزا کا ہاتھ کوٹ
کی جیب میں نظر آیا — اور ایک نوک سی ان تینوں کی
طرف اٹھی ہوئی تھی — گویا پستول کی نال —

"میں نے کہا نا — ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" وہ انتہائی
سرد آواز میں بولے —

تینوں گھبرا اُٹھے۔ اِس قدر جلد ایسا لہجہ انھوں نے پہلی مرتبہ سُنا تھا۔ ہاتھ اوپر اُٹھتے چلے گئے۔

"اب بتاؤ۔ تم کون ہو؟"

"گائیڈ ہیں۔ بتایا تو ہے ہم نے۔"

"خیر۔ ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ محمود۔ آصف۔ ذرا ان کے چہرے ٹٹولو۔"

"کیا مطلب؟" تینوں چونکے۔

"ذرا صبر کرو۔"

"آپ بھی ذرا صبر کریں۔ پہلے ہاتھ باہر نکال کر دکھائیں۔ آپ کے ہاتھ میں پستول ہے بھی یا یوں ہی ہمیں ڈرا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔ لو میں ہاتھ باہر نکالے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے خالی ہاتھ باہر نکال دیا:

"دیکھا۔ اس کے پاس پستول نہیں ہے۔" ان میں سے ایک ہنسا۔

"لیکن۔ ہم تمھارے لیے پستول سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا پہلے سیدھی طرح بتا دو۔ کہ کون ہو؟" وہ بولے۔

"ہرگز نہیں۔ ہم کچھ نہیں بتائیں گے۔ تم ضرور بتاؤ گے کہ کون ہو اور یہاں کس لیے آئے ہو؟"

"ابھی تو کہہ رہے تھے۔ گائیڈ ہیں۔ گائیڈوں کو ایسے سوالات کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" آفتاب مسکرایا۔

"ضرورت ہے۔ تم نہیں جانو گے۔"

"تم ہم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہو۔ ہم تم سے۔ چلو معلومات کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ بتاؤ۔ تم کون ہو؟"

تینوں نے اچانک انسپکٹر کامران مرزا پر چھلانگ لگا دی۔ وہ ترچھے ہو گئے۔ تینوں دروازے سے ٹکرائے۔

"بے چارے دروازے نے کیا بگاڑا ہے تمھارا؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب دروازے کا نقصان خود ہی پورا کرنا۔ ہمارے پاس تو پہلے ہی نقدی نہیں ہے۔" آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"آہستہ بولو بھائی۔ اگر ہوٹل کے مینیجر نے سُن لیا تو ابھی ہمیں باہر نکال دے گا، کیوں کہ ابھی ہم نے انھیں کوئی رقم ادا نہیں کی۔ یہ کہا تھا کہ اوپر جا کر سامان کھول کر رقم ادا کرتے ہیں۔"

"اوہ واقعی۔ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔"

اتنی دیر میں وہ تینوں ان کی طرف مڑ چکے تھے۔ لیکن اب ان کے ہاتھوں میں لمبے پھلوں والے چمک دار خنجر تھے۔

"یہ کیا بھئی۔ اب گائیڈوں والی بات بالکل ہی بھول گئے۔"

"تم لوگ کون ہو؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اس شہر میں مہمان۔" فاروق نے کہا۔

"کیا کرنے آئے ہو؟"

"اڑن طشتریوں کے دیس کی تلاش میں۔" انھوں نے کہا۔

"یہ کیا انکل۔ آپ نے یہ بات انھیں کیوں بتا دی۔"

"اور کیا کرتا بھئی۔ یہ جاننے کے لیے بُری طرح بے چین تھے۔ میں نے سوچا۔ ان بے چاروں کی بے چینی کو دُور کر دوں۔"

"تو پھر اب ہماری بے چینی کو بھی تو دُور ہونا چاہیے۔ انھیں بھی تو بتانا چاہیے کہ یہ کون ہیں۔"

"ہاں۔ چاہیے تو۔" وہ بولے۔

"کیوں بھئی۔ بتاتے ہو یا نہیں۔" آصف ان کی طرف

مُڑا۔

"ضرور کیوں نہیں۔ ہم زمبوٹا کے باشندے ہیں۔ اور اپنی اڑن طشتریوں کے خلاف زمین پر جو بھی سازش کی جائے۔ اس کو کچلنا ہماری ذمے داری ہے۔" ایک نے کہا۔

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔" پروفیسر عقلان نے کہا۔

"ہاں! بات ہے تو یہی۔ اب تم جو چاہو، سمجھ لو۔"

"ہمیں کچھ اور سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اچھا ہوا، آپ لوگوں سے یہاں ملاقات ہو گئی۔ ان خنجروں کو جیبوں میں رکھ لیں۔ ہم دوستانہ فضا میں بات کریں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم ہم لوگوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔"

"تمھاری مرضی۔ یہ خنجر ہمارے لیے کوئی چیز نہیں ہیں۔"

"جب چلیں گے۔ اس وقت یہ بات کہنا۔" ان میں سے ایک نے بُرا مان کر کہا۔

"تمھارے لہجے میں اور زمین کے انگریزی بولنے والوں کے لہجے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے زمین پر ایک مدّت تک رہ کر بہت محنت کی ہے۔"

اب وہ انسپکٹر کامران مرزا کی طرف بڑھنے لگے۔

"یہ کیا بھئی — تم تینوں صرف ان کی طرف کیوں بڑھ رہے ہو — یہاں اور لوگ بھی تو ہیں۔"

"ہمارا اصول ہے — جڑ کے آدمی کو پہلے ختم کرو، باقی لوگوں کو ختم کرنا ذرا بھی مشکل نہیں ہوتا۔" اس نے کہا —

"ہوں! شاید تمھاری بات درست ہو — خیر کوئی بات نہیں — تم تینوں مل کر بھی۔" فاروق کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — ان تینوں نے ایک ساتھ خنجروں سے انسپکٹر کامران مرزا پر حملہ کیا تھا —

وہ اچھلے — تینوں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے — ایک کا خنجر دوسرے کے گال کو چھو کر گزر گیا، دوسرے کا خنجر تیسرے کے بازو میں لگا — تیسرے کا ہوا میں لہرا کر رہ گیا —

"اسے اللہ کی مہربانی کہتے ہیں دوستو۔" آفتاب چہکا۔

تیسرا جو محفوظ رہا تھا — پلٹا — اور اندھا دھند انداز میں خنجر کا وار ان کے منہ پر کیا — ان کا ہاتھ تیزی

سے حرکت میں آیا اور اس کی کلائی پر جم گیا — دوسرے ہی لمحے اس کا بازو مڑتا چلا گیا — اور خنجر گر گیا —

آصف نے آگے بڑھ کر خنجر اٹھانے کی کوشش کی، لیکن انسپکٹر کامران مرزا بول اُٹھے:

"نہیں آصف! خنجر اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوٹل کے مینجر کو فون کرو — اس سے کہو — پولیس کے ساتھ فوراً اوپر آئے۔"

آصف نے فون کیا اور ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا —

"باقی دو کا خیال رکھنا — دونوں بہت معمولی سے زخمی ہوئے ہیں، ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔"

ان کی نظریں ان پر جم گئیں — آخر مینجر پولیس کے ساتھ اندر داخل ہوا — ابھی انسپکٹر کامران مرزا پولیس کو ساری کہانی سنانے بھی نہیں پائے تھے کہ انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے، وہ چیزوں سے لدے پھندے نظر آ رہے تھے:

"آپ سُن لیں — میں انھیں تفصیلات ہی بتا رہا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

کہانی سُن کر پولیس انسپکٹر نے ان کے چہروں کا جائزہ

لیا۔

"یہ لوگ کبھی دیکھنے میں تو آئے نہیں۔" اس نے کہا۔

"ان کے چہرے ہمیں چیک کرنے دیں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا آگے بڑھے۔ تینوں کے چہروں کا جائزہ لیا اور پھر انھوں نے ان کے چہروں پر سے جھلیاں اُتار دیں۔

دُوسرے ہی لمحے وُہ دھک سے رہ گئے۔ یہ لوگ واقعی میک اَپ میں تھے۔ لیکن ان کے چہرے انشارجہ کے باشندوں جیسے نہیں تھے۔ غیر مُلکی ضرور تھے۔

"تمھارا تعلق کس مُلک سے ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا غرّائے۔

"انشارجہ سے۔" ایک نے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں۔ تمھارے نقش و نگار انشارجہ کے لوگوں جیسے ہی ہیں۔" وُہ بولے۔

"تو پھر۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ میں کیا کہوں۔ انشارجہ کے لوگوں کو تو ہماری فکر ہونی ہی نہیں چاہیے۔ انشارجہ کی حکومت کا تو اجازت نامہ میری جیب میں پڑا

ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"انشارجہ کے لوگ ہمیں قتل کرنے کے لیے نہیں نکل سکتے ان اڑن طشتریوں کا مسئلہ جہاں ساری دنیا کا مسئلہ ہے، وہاں انشارجہ کا بھی ہے۔"

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہے کہ یہ دوہرے میک اَپ میں ہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ہاں محمود! یہی بات ہے۔ اب ذرا تم اپنا کام دکھاؤ۔ ان کے چہروں پر میک اَپ کی ایک اور تہ ثابت کر دو۔"

"جی بہتر!"

محمود نے کہا اور آگے بڑھ کر ان کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ جلد ہی اس نے ان کا نچلا میک اَپ اُتار دیا۔ دُوسرا لمحہ حیران کُن ترین تھا۔

انھوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان تینوں کو دیکھا، وُہ ان کے جانے پہچانے چہرے تھے۔

"ہائیں۔ بھئی۔ ان میں سے دو کے چہرے تو ہمارے جانے پہچانے لوگ ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔

"جی ۔ کیا مطلب؟" پولیس والے چونک اُٹھے ۔

"ہاں! ہمیں ان سے دو دو باتیں کرنے دیں ۔ اس کے بعد انھیں آپ لے جائیں گے ۔ ویسے آپ لوگ بھی تشریف رکھیے۔" انھوں نے کہا۔

سب بیٹھ گئے ۔ ادھر ان تینوں پر اوس پڑی معلوم ہو رہی تھی ۔ آخر انسپکٹر کامران مرزا کے ہونٹ ہلے ۔

کیا!!!

"مسٹر شونڈر ۔ مسٹر مارکوف اور مسٹر نا معلوم ۔ آپ کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔"

"مسٹر نا معلوم ۔ یہ کیا بات ہوئی۔" پولیس انسپکٹر نے حیرت زدہ انداز میں کہا ۔

"یہ صاحب بھی شونڈر کے ساتھی ہوں گے ۔ میں ان کا نام نہیں جانتا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا ۔

"میں پہلے بھی نکل گیا تھا ، اب بھی نکل جاؤں گا۔" شونڈر نے ایسے لہجے میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو ۔

"ضرور نکل جایئے گا ۔ ہم کوئی اعتراض نہیں کریں گے ۔ لیکن اتنا تو بتا دیں ، آخر یہ چکر کیا ہے ۔ آپ تو دھواں بن کر غائب ہو گئے تھے ۔ اور مسٹر مارکوف کو ہمارے ساتھی باندھ آئے تھے ، پھر کیا پولیس ان تک نہیں پہنچی۔"

"پولیس کو چکمہ دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہے ۔"

کوف بولا۔

"کیا بکواس ہے۔ تم اور ہمیں چکمہ دے سکو۔" پولیس انسپکٹر
اسے گھورا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ ذرا دیر بعد تم خود ہی دیکھ لو
ے۔" مارکوف بولا۔

"آپ کیا کہتے ہیں مسٹر شونڈر؟"

"میں دھواں بن کر اڑ نہیں گیا تھا۔ بلکہ ان دھوئیں
ں چھپ کر فرار ہو گیا تھا۔"

"پھر یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"ہمارے باس کا خیال تھا کہ اب آپ لوگوں سے اس
ھر میں ہی ملاقات ہو سکے گی۔ لہٰذا آپ کی تلاش میں
دھر اُدھر بھاگ دوڑ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس
لیے ہم سیدھے یہاں آ گئے۔"

"تب تو آپ کا باس بہت عقل مند ہے۔ کیا
نام ہے اس کا؟"

"راٹنگا۔"

"واہ۔ بہت خوب صورت نام ہے۔" فاروق نے
خوش ہو کر کہا۔

"اگر اتنا ہی پسند آ گیا ہے۔ تم بھی اپنا رکھ

لو۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"مشورے کا شکریہ۔ غور کروں گا۔ ورنہ تم رکھنے کے
لیے تیار رہنا۔" اس نے فوراً کہا۔

"ایک منٹ۔ ہاں مسٹر شونڈر۔ کیا تم زمبوٹا کی پیداوار
ہو؟"

"بالکل!"

"لیکن تم تو بالکل ہماری زمین کے لوگوں کی طرح
بولتے چالتے ہو اور غالباً کھاتے پیتے بھی ہماری طرح ہو،
یہاں تک کہ یہاں کی زبانیں بھی بول لیتے ہو۔"

"ہم نے ایک زمانہ یہاں گزارا ہے۔ اڑن طشتریاں
آج کی نہیں۔ چالیس سال پہلے کی ایجاد ہیں۔ جب
سے یہ ایجاد ہوئی ہیں۔ ہم نے دنیا پر قبضے کا
خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا اس کے لیے
ہم نے پوری دنیا میں اپنے جاسوسوں کا جال پھیلا
دیا۔ کوئی مذاق نہیں ہے۔" وہ روانی کے عالم میں
کہتا چلا گیا۔

"مذاق تو خیر یہ واقعی نہیں ہے۔ یہ بات ہم
بھی تسلیم کرتے ہیں۔" مکھن نے جلدی سے کہا۔

"اور ان کے پاس جدید ترین سائنسی آلات بھی

ہوں گے، کیوں کہ وہ ہمارے پروگراموں کا فوراً پتا چلا لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! لیکن — تم لوگوں کی گم شدگی کو نہیں بھانپ سکے تھے — باس نے ان سے جواب طلبی کی ہے — اور بہت جلد انھیں سزائیں سنائی جائیں گی۔"

"لیکن باس کا یہ خیال کس قدر درست ثابت ہوا کہ یہ لوگ اب سیدھے یہاں آئیں گے۔" شونڈر کے تیسرے ساتھی نے کہا۔

"ایک سوال اور — گائیڈوں کے روپ میں ہمارے سامنے آنے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی — تم لوگ تو مزے سے ہماری نگرانی کر رہے تھے۔"

"باس کا حکم — ہم کیا کریں؟"

"کیا مطلب؟"

"باس کا حکم ہے کہ تم لوگوں کو جس لمحے بھی موقع مل جائے — بس ختم کر دیا جائے۔"

"تو تم ہمیں ختم کرنے آئے ہو۔"

"ہاں اور یہاں سے ختم کر کے ہی جائیں گے۔" مارکوف نے کہا —

"آپ سن رہے ہیں انسپکٹر صاحب۔"

"بالکل — میں انھیں ابھی اور اسی وقت گرفتار کر کے لے جاتا ہوں — تھانے میں لے جا کر پوچھوں گا — ہاں بھئی، اب کیسے مزاج ہیں۔" پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"بے چارے پولیس انسپکٹر — ذرا سمجھ نہیں اسے۔" شونڈر مسکرایا —

"کیا مطلب — مم — مجھے سمجھ نہیں۔" انسپکٹر نے اسے گھورا —

"ہاں! دیکھتے نہیں — انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید جیسے لوگ ہم سے خوف زدہ کھڑے ہیں۔"

"یہ بات تو خیر تمھاری غلط ہے — ہم ہرگز تم سے خوف زدہ نہیں ہیں — سمجھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایسی بات بھی نہیں ہے — آپ لوگوں کے ذہنوں میں خطرے کی گھنٹیاں بدستور بج رہی ہیں۔" مارکوف طنزیہ لہجے میں بولا۔

اور وہ حیرت زدہ رہ گئے، کیوں کہ مارکوف کی یہ بات بالکل درست تھی — انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے:

"بج رہی ہوں گی، اس سے کیا فرق پڑتا ہے — آپ کے باس سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"زمبوٹا پر۔"

"اس تک جانے کا راستا؟" آصف نے فوراً کہا۔

"صرف اڑن طشتری کے ذریعے جا سکتے ہیں — اور آپ لوگوں کے پاس اڑن طشتری ہے نہیں۔" مارکوف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے — پہلے ہمیں ایک عدد اڑن طشتری حاصل کرنا ہوگی۔" شوکی بڑبڑایا۔

"ہاں! لیکن اڑن طشتری حاصل کرنا — تم لوگوں کے بس کی بات ہرگز نہیں ہے۔" شونٹڈر نے کہا۔

"ہم خود بنا لیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ بھی تم لوگوں کے بس کا روگ نہیں ہے — شاید سو سال بعد تم لوگ کامیاب ہو سکو — لیکن اس وقت سے تو بہت پہلے ہمارا دنیا پر قبضہ ہو چکا ہوگا — تمھارے سائنس دان ہمارے سائنس دانوں سے سو سال پیچھے ہیں۔"

"سن رہے ہیں پروفیسر صاحبان۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! سن رہے ہیں — لیکن جب تک ہم ان کے آلات نہ دیکھ لیں، اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کس قابل ہیں — اور ان سے واقعی سو سال پیچھے ہیں یا یہ صرف بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں۔"

"اگر باس کا حکم آپ لوگوں کو ختم کرنے کا نہ ہوتا، تو میں بتاتا — بلکہ دکھاتا آپ کو — کہ فضا میں کیا کیا تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

"آپ اپنی خیر منائیں — ہمیں کیا ختم کر سکیں گے۔"

"تم لوگ پتا نہیں کس خیال میں ہو — یہ لو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی شونٹڈر نے پاؤں زمین پر مارا — فوراً ہی ایک دھماکا ہوا اور کمرہ دھوئیں سے بھر گیا — وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ دھوئیں کا بم اس نے اپنے پاؤں کے ساتھ باندھ رکھا ہوگا — جونہی دھواں پھیلا، انھوں نے اِدھر اُدھر لوٹ لگا دی —

"انھیں دھواں چھٹنے تک ختم کرنا ہے مارکوف — جوفیانو۔" شونٹڈر کی آواز سنائی دی۔

وہ گھبرا گئے — دھواں انھیں بے ہوش کیے دے رہا تھا — اور ان تینوں نے شاید گیس ماسک اوڑھ لیے تھے کہ دھواں ان پر اثر انداز نہیں ہو رہا تھا — ان حالات میں وہ انھیں بہت آسانی سے ختم کر سکتے تھے، اور پھر کمرے میں ایک دل دوز چیخ گونجی —

"مارکوف — دھیان سے — کہیں تم مجھے اور جوفیانو کو اپنی زد میں نہ لے لینا۔"

"نہیں ۔ میں اس دھوئیں میں صاف دیکھ رہا ہوں،
میں نے باس کی دی ہوئی عینک لگا لی ہے۔"

"بس ٹھیک ہے ۔ اب یہ لوگ تمھارے لیے گاجر اور
مولی ہیں ۔ کاٹ کر رکھ دو انھیں۔"

یہ الفاظ سُن کر ان کی سٹی گم ہو گئی ۔ ادھر
بے ہوشی طاری ہو چلی تھی ۔ کسی آن بھی وہ بے ہوش ہونے
والے تھے ۔

ایسے میں ان میں سے دو ایسے تھے ۔ جنھوں نے
اپنے اوسان خطا نہ ہونے دیے ۔ اور دھوئیں کو اپنے
پھیپھڑوں میں داخل نہ ہونے دیا ۔ انھوں نے سانس
روک لیے تھے ۔ یہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا
تھے ۔ لیکن وُہ زیادہ سے زیادہ دو منٹ تک سانس روک
سکتے تھے ۔ دُوسرے یہ کہ طاقت بدستور کم ہوتی جا
رہی تھی ۔ انھیں گہرے دُھوئیں میں کچھ دکھائی نہیں
دے رہا تھا ۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا ۔ کم از کم
وُہ اپنی آنکھوں کو دھوئیں سے نہیں بچا سکتے تھے ۔
انھوں نے خود کو فوری طور پر دیوار سے لگا دیا ۔

اچانک انسپکٹر جمشید نے کسی کی موجودگی اپنے بالکل
قریب محسوس کی ۔ ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے

کا نیچے رہ گیا ۔ دھواں اس قدر گہرا تھا کہ کوئی بالکل
نزدیک پہنچ چکا تھا، لیکن ۔ انھیں قطعاً دکھائی نہیں
دے رہا تھا ۔ وہ اس پر جھپٹ بھی نہیں سکتے
تھے ۔ یہ ان کا اپنا کوئی ساتھی بھی تو ہو سکتا تھا،
اچانک ان کا دل اچھل کر حلق میں آ رہا ۔ سانس
کی بُندش انھیں پریشان کیے دے رہی تھی ۔ نہ
جانے ان کے دل میں کیا آئی ۔ وُہ یک دم نیچے
بیٹھ گئے ۔ فوراً ہی ٹھک کی آواز سنائی دی ۔ کوئی چیز
دیوار سے ٹکرائی تھی ۔ یہ ضرور مارکوف کا خنجر تھا ۔
وُہ کانپ گئے ۔ اگر ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو ۔ خنجر
ان کے سینے میں پیوست ہو چکا تھا ۔

وُہ تڑپے اور اپنے ہاتھ پھیلا دیے ۔ ان کے ہاتھ
کسی کی ٹانگوں سے ٹکرائے ۔ یہ مارکوف کے علاوہ کسی
کی ٹانگیں نہیں ہو سکتی تھیں ۔ بلا کی تیزی سے انھوں
نے ٹانگیں گھسیٹ لیں ۔ اسی وقت انھیں کندھے
میں آگ تیرتی محسوس ہوئی ۔ مارکوف کا خنجر ان کے
کندھے میں اُتر گیا تھا ۔

دُوسرے ہی لمحے انھوں نے مارکوف کے خنجر
والے ہاتھ پر ہاتھ جما دیا ۔ اور اپنا سر پوری قوت

سے اوپر کی طرف دے مارا۔ ان کا سر مارکوف کے منہ پر کسی جگہ لگا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ ٹانگیں پہلے ہی اس کی ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ پہلے وہ انھیں پکڑ کر گرنے سے بچ گیا تھا، لیکن منہ پر چوٹ کھا کر بُری طرح گرا۔ انھوں نے اس کی ٹانگیں تو چھوڑ دیں اور اپنے ہاتھ اس کے منہ پر پہنچا دیے۔ دُوسرے ہی لمحے اس کی عینک ان کے ہاتھ میں تھی۔ جُوں ہی انھوں نے عینک آنکھوں پر لگائی، انھیں دھوئیں میں صاف دکھائی دینے لگا۔ مارکوف کے ناک سے خون تیزی سے اُبل رہا تھا۔ اور وُہ ساکت پڑا تھا۔ ان کے سب ساتھی بے ہوش ہو چکے تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا ضرور ابھی تک ہوش میں تھے اور دیوار سے لگے دروازے کی طرف کھسک رہے تھے۔ شاید ان کی کوشش یہ تھی کہ دروازہ کھول دیں، تاکہ دُھواں کمرے سے نکل جائے۔

شونڈر اور اس کا ساتھی بھی ایک طرف کھڑے نظر آئے۔ اب وُہ ان کی طرف بڑھے۔ انھوں نے شونڈر کے سینے میں خنجر کا وار کیا۔ اس کی دل دوز چیخ نے کمرے کی فضا میں تھرتھراہٹ پیدا کر دی۔ انسپکٹر

کامران مرزا ساکت رہ گئے۔ کچھ نظر نہ آنے کی وجہ سے وُہ بھی مجبور تھے۔ اور منہ سے آواز اس لیے نہیں نکال سکتے تھے کہ دشمن ان کی پوزیشن جان لیتے، خنجر پھر بلند ہوا اور شونڈر کے ساتھی کے جسم میں اُتر گیا۔ اب انسپکٹر جمشید بولے:

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ مم۔ میں۔"

اور وُہ خود بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش آیا تو انسپکٹر کامران مرزا ان پر جھکے ہوئے تھے۔ کندھے پر پٹی کر دی گئی تھی۔ نظریں گھمائیں تو معلوم ہوا۔ سب لوگ ہسپتال میں تھے۔ دھوئیں نے ان کے اعصاب پر بُرا اثر کیا تھا:

"مارکوف زندہ ہے یا مر گیا؟"

"وُہ ابھی زندہ ہے۔ لیکن۔ اس کا ناک بالکل پچک گیا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے۔ مشکل ہی بچے گا، کیونکہ بھیجا اپنی جگہ سے ہل گیا ہے۔"

"ہُوں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ان کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے؛ تاہم اگر مارکوف ہمارے چند سوالات کے جواب دے سکے۔ تو بہتر ہے۔"

"ڈاکٹر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں،

...وں ہی وہ ہوش میں آیا، ہمیں اطلاع دی جائے گی۔"

"ہوں۔ باقی سب کتنی دیر میں کام کاج کے قابل ہو جائیں گے۔"

"دو تین گھنٹے تو ضرور لگیں گے۔"

"اور وہ سامان۔ جو میں لایا تھا" انھوں نے فکرمند ہو کر کہا۔

"وہ محفوظ ہے۔ ہوٹل کا کمرہ پولیس نے سیل کر دیا ہے۔ ہم ہی اسے جا کر کھول سکیں گے۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔"

ایک گھنٹے کے بعد ایک نرس تیزی سے ان کی طرف آئی۔

"وہ۔ وہ ہوش میں آ گیا ہے، لیکن۔ چند گھڑیوں کا مہمان ہے۔ جلدی کریں۔"

دونوں فوراً اس کے ساتھ ہو لیے۔ انسپکٹر جمشید کے کندھے سے ٹیسیں اٹھنے لگیں، لیکن انھوں نے پروا نہ کی۔

مارکوف کی آنکھیں کھلی تھیں۔ دونوں اس پر جھک گئے:

"مسٹر مارکوف۔ اڑن طشتریوں کا دیس کہاں ہے؟"

"زز۔ زز۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا تم زمبوٹا کہنا چاہتے ہو؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور پھر اس کی گردن ڈھلک گئی۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" انسپکٹر جمشید سیدھے ہوتے ہوئے بولے۔

"زز۔ سے اس کا اشارہ زمبوٹا کی طرف نہیں تھا، پھر وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔"

وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔ اب سب ہوش میں تھے:

"کیا رہا ابّا جان؟" محمود نے پوچھا۔

"ہم نے اس سے پوچھا تھا کہ اڑن طشتریوں کا دیس کہاں ہے۔ اس نے جواب میں صرف زز کہا، جب ہم نے پوچھا، کہ کیا وہ زمبوٹا کہنا چاہتا ہے۔ تو وہ صرف نفی میں سر ہلا سکا اور ساتھ ہی اس کی جان نکل گئی۔"

"تت۔ تو پھر۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا؟" آصف بولا۔

"سوچو۔ سوچنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"ہم ہسپتال میں ہیں نا۔ اس لیے۔ فاروق نے

بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اس لیے کیا؟" آفتاب نے اسے گھورا۔

"جو بات بھی سوچیں گے۔ بیمار بیمار سی سوچیں گے۔"

"تمھاری باتیں تو مجھے بھی بیمار کیے دے رہی ہیں۔" فرحت نے جل کر کہا۔

"ان حالات میں صحت مند باتیں کہاں سے لائیں۔" مکھن بولا۔

"انھیں تو بس موقع ملنا چاہیے۔"

"اور اس سے سنہری موقع اور کہاں مل سکتا ہے۔"

"سنہری موقع۔ سنہری چٹان۔ بھئی ہم اس چٹان کو تو بھول ہی گئے۔ یہ چکر شروع تو اس چٹان سے ہی ہوا تھا۔" خان رحمان کو اچانک یاد آیا۔

"بھول اس لیے گئے کہ وہ غائب ہو گئی تھی اور ادھر وہ غائب ہوئی۔ ادھر اڑن طشتری نمودار ہوئی۔ اب ہم اس بے چاری کو یاد کریں بھی تو کیسے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"چٹان کو بے چاری کہہ رہے ہو؟" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"بھئی۔ چٹان کی ہی کیا بات ہے۔ میں تو تمھیں

بھی بے چارہ کہہ سکتا ہوں۔" محمود مسکرایا۔

"ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا۔ زیادہ نہ بولیے گا۔" فرزانہ بولی۔

"اسی لیے کہ ہم کم بول رہے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیجیے۔ یہ ابھی کم بول رہے ہیں۔" پروفیسر غوری مسکرائے۔

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے۔ جب باتوں کا طوفان شروع ہوتا ہے۔ تو سب کچھ اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ جب کہ ابھی تک کچھ بھی لپیٹ میں نہیں آیا۔ اس کا صاف مطلب ہے۔ یہ کم بول رہے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے گویا ثبوت دیا۔

"آپ بہت طرف داری کرتے ہیں ان کی۔" پروفیسر عقلان مسکرائے۔

"کیا کیا جائے۔ یہ چیز ہی ایسی ہیں۔" انھوں نے بھی مسکرا کر کہا۔

"ہم چیز نہیں ہیں انکل۔ انسان ہیں۔ ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ انسان ہی ایسے ہیں۔"

"چلو بھئی۔ یوں ہی سہی۔"

تین گھنٹے بعد انھیں ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔

وہ پھر اپنے ہوٹل میں آئے۔ جوں ہی ہال میں داخل ہوئے۔ سب کی نظریں ان پر جم گئیں۔ وہ سیدھے اوپر آئے۔ کمرے کا دروازہ کھولا، اس میں سے اپنا سامان نکالا اور ایک اور کمرے میں آ بیٹھے۔

"اس شہر میں ہمارے لیے جو روڑے ثابت ہو سکتے تھے۔ خود صاف ہو گئے ہیں۔ ضروری سامان بھی غالباً آگیا ہے۔ اس لیے اب ہمیں سفر شروع کر دینا چاہیے۔ اب مزید یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جمشید بھئی۔ میں نے جو چیزیں لکھوائی تھیں۔ وہ۔" منور علی خان بولے۔

"وہ بھی آ گئی ہیں۔ پستول بھی خرید لایا ہوں۔"

"لل۔ لیکن۔ کیسے۔ آپ کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔" آصف بولا۔

"بھئی۔ صاف ظاہر ہے۔ کسی کی جیب پر ہی ہاتھ صاف کیا ہوگا۔"

"ان حالات میں اور کیا کیا جا سکتا تھا۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"چلیے خیر۔ آپ نے بھی کسی دولت مند کی جیب پر ہی ہاتھ صاف کیا ہوگا۔"

"ہاں بہت دولت مند۔ اتنا کہ اس کے نیچے بارہ لاکھ کی کار تھی۔"

"ارے باپ رے۔ بارہ لاکھ کی کار۔"

"ہاں! کاریں تو اس سے بھی مہنگی ہوتی ہیں۔"

"خیر۔ آپ نے اس کی جیب پر ہاتھ صاف کیا۔ کتنی نقدی تھی اس میں؟"

"بس۔ ہمارا کام آسانی سے چل گیا۔ اور کچھ نقدی بچ بھی گئی ہے۔"

"مجھے یہاں کچھ دیر لگے گی۔ اپنی چیزیں تیار کرنے میں۔ پھر نہ کہیے گا۔" منور علی خان گھبرا کر بولے۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ جتنی جی چاہے۔ دیر لگا سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

وہ اپنی چیزیں لے کر بیٹھ گئے اور ان کے سامنے ٹکر مارنے لگے۔ دوسرے اپنی تیاریاں کرنے لگے۔ خان رحمان بھی اپنی فوج کا جائزہ لے رہے تھے۔ اور ذہنی تیاریوں میں مصروف تھے۔

"کیوں نہ ہم اپنے ملک سے رابطہ قائم کر کے وہاں

کے حالات معلوم کر لیں ۔ اور انشارجہ فون کر کے معلوم کریں
ٹیم روانہ کی گئی ہے یا نہیں ؟" انسپکٹر جمشید بولے۔
" کوئی حرج نہیں" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔
اور وہ فون کرنے لگے ۔ فون کا ریسیور رکھ کر انھوں
نے کہا :
" اڑن طشتریوں کی تباہ کاریاں پوری دنیا میں جاری
اری ہیں ۔ اب تک لاکھوں لوگ ختم ہو چکے ہیں، ہزارہا
ارتیں تباہ ہو چکی ہیں ۔ ونٹاس کے جہاز تین مرتبہ اڑن
شتریوں کے مقابلے کی کوشش کر چکے ہیں ۔ آخری کوشش
ں وہ ایک اڑن طشتری کو نقصان پہنچانے میں کامیاب
و گئے ہیں۔"
" کیا!!!" وہ سب چلا اٹھے۔

فرزانہ کی ترکیب

خبر بہت سنسنی خیز تھی ۔ وہ سکتے میں آ گئے ۔ آخر خان رحمان بولے :
" تب تو ونٹاس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی، پوری دنیا پر چھا جائے گا وہ تو ۔"
" ہاں ! لیکن زمبوٹا کے سائنس دان بھی کم نہیں ہیں، وہ اڑن طشتریوں کی تیاری پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اب سب سے پہلے ونٹاس کو ختم کرنے کا سوچیں ۔ اور یک دم بہت سی اڑن طشتریاں پورے ونٹاس پر حملہ آور ہو جائیں۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔
" اوہ ۔ اوہ ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
" اور دوسری خبر یہ ہے کہ نئی ٹیم تیار کر کے روانہ کر دی گئی ہے ۔ وہ دو دن پہلے یہاں پہنچ چکی ہے،"

لیکن چوں کہ ٹیم کو ہمارے بارے میں کوئی ہدایات
دی گئی تھیں، اس لیے انھوں نے شاید یہاں پہنچ کر بس
آگے بڑھنے کی کی ہوگی۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ ہم سے پہلے روانہ
ہو چکے ہیں۔"

"ہاں؛ لیکن شاید ہم ان سے مل جائیں۔ ان کی
رفتار ہماری رفتار سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔" انسپکٹر کامران
مرزا بولے۔

اب وہ اور دیر نہیں کر سکتے تھے؛ تاہم انھیں
منور علی خان کی وجہ سے رکنا پڑ رہا تھا۔ وہ اپنی تمام
چیزیں روانہ ہونے سے پہلے ہی تیار کر لینے کے موڈ
میں تھے۔

"آپ کو اور کتنی دیر لگے گی انکل؟" آصف نے بے چین
ہو کر کہا۔

"بس۔ آدھ گھنٹے کی اور بات ہے۔"

"تو اس آدھ گھنٹے کو ذرا جلدی گزار لیں۔" آفتاب
بولا۔

"کیا کہ رہے ہیں بھئی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" مکھن
نے حیرت ظاہر کی۔

"ایسے۔" آفتاب نے کہا اور اپنی گھڑی آدھ گھنٹا آگے
کر دی۔

"اس سے کیا فائدہ۔ انکل تو جوں کے توں بیٹھے
ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کوئی ترکیب تمھارے ذہن میں ہو تو تم بتا دو۔"
اس نے جل کر کہا۔

"ترکیب فرزانہ یا فرحت سے پوچھو۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" منور علی خان بول اٹھے۔

"تو کیا۔ آپ تیار ہو گئے ہیں؟" محمود جلدی سے
بولا۔

"میں نہیں۔ میری چیزیں۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ۔ گویا ابھی آپ کی تیاری باقی ہے۔"

"نہیں بھئی۔ شکاری تکلفات کے عادی نہیں ہوتے۔
اسی حالت میں چل پڑنے کے لیے تیار ہوں۔"

"نہیں منور علی خان۔ انھیں کہنے دو۔ تم اطمینان سے
تیار ہو جاؤ۔"

"ان حالات میں اطمینان کہاں ملے گا ابّا جان۔"
آفتاب بولا۔

"کون کہاں سے ملے گا؟" پروفیسر داؤد نے بے خیالی

کے عالم میں کہا۔

" ایک تو آپ اپنی سوچوں میں گم ہو جاتے ہیں اور پھر اچانک چونک اُٹھتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

" کیا کیا جائے بھئی۔ ان سوچوں نے ہی تو مجھے سائنس دان بنایا ہے۔"

" اچھا۔ تب تو میں بھی آج سے سوچوں میں گم رہنا شروع کرتا ہوں۔" منور علی خان بولے۔

" تت۔ تو آپ شکاری سے سائنس دان بنیں گے اب۔" انسپکٹر کامران مرزا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

" مم۔ میں نے تمھیں منع تو نہیں کیا کامران مرزا۔ تم بھی بن جاؤ۔"

" سائنس دان بننا نہ ہوا۔ ہنسی کھیل ہو گیا۔" شوکی بولا۔

" اگر ہم یہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ تو نہ تو ہم سائنس دان بن سکیں گے۔ نہ شکاری ہی رہ جائیں گے اور نہ اُڑن طشتریوں کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔ لہٰذا قدم اٹھانا بہت ضروری ہے۔ اس کے بعد چاہے اِدھر اُدھر کی بھی ہانکتے رہیں۔" پروفیسر عقلان نے جلدی جلدی کہا۔

ان کی بات سب کو پسند آئی اور وہ ہوٹل سے

رخصت ہوئے، لیکن ہوٹل کا بل ادا کرنا نہیں بھولے تھے۔

" آگے روانہ ہونے والی ٹیم سے ہماری کوئی جان پہچان نہیں ہے۔ کہیں وہ ہمیں دشمن نہ خیال کریں۔"

" جب ہم ان کے خلاف کوئی ہتھیار ہی نہیں اٹھائیں گے تو پھر وہ ہمیں دشمن کیوں خیال کریں گے۔"

پہاڑی حدود تک ٹیکسیاں انھیں لے آئیں۔ یہاں سے سڑک ختم تھی۔ اور اونچے نیچے پہاڑوں کا سلسلہ شروع تھا۔ انھوں نے ٹیکسیوں کو رخصت کر دیا اور پیدل آگے بڑھے۔ تین دن اور تین راتیں انھوں نے سفر کیا۔ درمیان میں آرام بھی کرتے رہے۔ مسلسل سفر کرنا تو ناممکن سی بات تھی۔ پھر پہاڑی سلسلہ ایک جگہ ختم ہونے لگا اور گھنا جنگل نظر آیا۔ جنگل کو دیکھ کر منور علی خان کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ ان بلوں کو دوسروں نے بھی دیکھ لیا:

" خیر تو ہے۔ انکل؟"

" یہ جنگل میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے۔" منور علی خان نے عجیب سی آواز میں کہا۔

" عجیب احمق ہے۔" فاروق بولا۔

" کک۔ کون؟" پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"یہی۔ جنگل۔ آخر اسے انکل کے ذہن میں گھنٹی بجانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہے کوئی تُک۔"

"یار چپ رہو۔" آصف نے منہ بنایا۔

"ہمیں یہیں رک جانا چاہیے۔ صرف میں اس جنگل میں داخل ہوں گا۔"

"لیکن پھر ہم آگے کیسے جا سکیں گے۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"بھئی پہلے میں جنگل کا جائزہ تو لے لوں۔" منور علی خان نے بھنّا کر کہا اور آگے بڑھ گئے۔ باقی وہیں رک گئے۔ اور بُرے بُرے منہ بنانے لگے۔ ایسے میں آفتاب بولا:

"ایک تو یہ خونی جنگل ہمارے راستے میں آ جاتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"تو ہول ناک پہاڑ کب راستے میں نہیں آتے۔" مکھن نے منہ بنایا۔

"اور سمندر تو جیسے کبھی ہمارے راستے میں آتے ہی نہیں۔" آفتاب نے کہا۔

"تم تو اس طرح کہ رہے ہو جیسے صحراؤں سے ہماری گاڑھی دوستی ہو۔"

"اور پُر خوف وادیاں کہاں گئیں۔" آصف نے کہا۔

"اچھا بھائی۔ مان لیا۔ دُنیا کی ہر خوف ناک چیز ہمارے راستے میں آ جاتی ہے۔ تو پھر۔ اب کیا کریں؟" محمود نے پاؤں پٹخے۔

"یار تم کیوں جلے جا رہے ہو۔" آصف نے کہا۔

"جلنے بھُننے کا کام ہم پر چھوڑ دو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہم تو آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتے۔ جلنے بھننے کا کام تم پر کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"غالباً یہ ایک بالکل بے تُکی بات ہے۔" شوکی بولا۔

"بالکل ٹھیک۔ شوکی بھائی۔ تمہارا شکریہ۔ بر وقت توجہ دلائی۔"

"کس۔ کس بات پر؟" شوکی گھبرا گیا۔

"پتا نہیں۔ کس بات پر۔ یہ تو مجھے بھی یاد نہیں رہا۔"

"فرزانہ۔ روز بروز تمہاری یادداشت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔"

"خیرہ گاؤ زبان عنبری استعمال کیا کریں۔" اشفاق بول اٹھا۔

"یہ کیا چیز ہوتی ہے؟"

"بہت مزے کی چیز ہے۔" اخلاق نے کہا۔

"لیکن ۔ مزے کی چیز سے بھلا یادداشت کس طرح تیز ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو کوئی حکیم ہی بتا سکتا ہے۔"

"خاموش ۔ انکل آ رہے ہیں۔" مکھن نے اعلان کیا۔

"انکل نے جاتے وقت ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ میری عدم موجودگی میں خاموش رہنا۔" آصف بولا۔

"ہاں! نہیں کہا تھا ۔ لیکن ان کی آمد کے احترام میں تو خاموش ہو جانا چاہیے۔"

اور پھر وہ خاموش ہو ہی گئے، کیوں کہ منور علی خان نزدیک آ گئے تھے اور ان کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نظر آ رہے تھے:

"معلوم ہوتا ہے ۔ آپ خیر کی خبر نہیں لائے۔" اکرام کی آواز سنائی دی ۔

"بہت دیر بعد بولے انکل۔" فاروق نے کہا۔

"موقع ہی نہیں ملتا بولنے کا۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"میں نے بھی پوری کوشش کی کہ کوئی جملہ بول سکوں، لیکن کامیاب نہیں ہوا۔" شاہد بولا۔

"چلیے ۔ اب تو آپ دونوں کو موقع مل گیا۔" فاروق مسکرایا ۔

"منور علی خان ۔ تم کیا خبر سنانے والے ہو ۔ ہم اپنا حوصلہ مضبوط کر چکے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے پرسکون آواز میں کہا ۔

"اس جنگل کو عبور کیے بغیر ۔ ہم پہاڑوں کے دوسرے سلسلے تک نہیں جا سکتے۔" وہ بولے۔

"چلو مان لیا ۔ تو پھر۔"

"تو پھر یہ کہ یہ جنگل خطرات سے پٹا پڑا ہے۔"

"یہ بھی کوئی نئی بات نہیں انکل ۔ خطرات سے پُر جنگلات ہم پہلے بھی طے کرتے رہے ہیں۔"

"لیکن اس حد تک خطرناک جنگل ہم نے کبھی عبور نہیں کیا ہو گا ۔ خود میں نے بھی اپنی زندگی میں ایسا جنگل نہیں دیکھا ۔ اس میں کیا نہیں ہے ۔ شیر، ہاتھی، گینڈے ۔ اژدھا ۔ سانپ ۔ درخت سانپوں اور اژدھوں سے محفوظ نہیں ۔ اور زمین چیتوں، شیروں اور گینڈوں سے خالی نہیں ۔ اب اسے عبور کریں تو کس طرح؟"

"بذریعہ ہیلی کاپٹر۔" فاروق نے فوراً کہا۔

سب کے سب اس کی طرف گھوم گئے ۔

"بہت خوب۔ ہم اس شہر کی انتظامیہ سے ہیلی کاپٹر کی مدد لے سکتے ہیں؟" خان رحمان بولے۔

"عجیب بات ہے۔ اڑن طشتریوں کا خیال یک دم ذہنوں سے کس طرح نکل گیا۔ بھئی ادھر ہم ہیلی کاپٹر پر اونچے اڑیں گے۔ ادھر اڑن طشتری آموجود ہو گی۔ اور پھر ہم سب سیدھے موت کے منہ میں ہوں گے۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اور پیدل لوگوں کے لیے اڑن طشتری اس لیے نہیں بھیجیں گے کہ انھیں معلوم ہے۔ یہ جنگل عبور کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہو گی۔"

"ہوں۔ واقعی۔ سوچنے کا مقام ہے۔"

"سوچ کر بھی ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکیں گے، زمبوٹا کے لوگوں نے اڑن طشتریوں کا دیس اس طرف بلا وجہ نہیں بنایا۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"ہوں۔ منور علی خان۔ کچھ تم ہی کہو۔"

"میں۔ میں کیا کہوں۔ ایک پورا جنگل درندوں سے اٹا ہوا ہے۔ اس کو ہم چند آدمی کس طرح عبور کر سکتے ہیں۔ اگر درخت ہی سانپوں اور اژدھوں سے محفوظ ہوتے تو بھی بات تھی۔" انھوں نے جواب دیا۔

"ارے۔ لیکن ہم سے پہلے بھی ایک ٹیم ادھر آ چکی ہے۔ راستے میں تو ہماری اس سے کہیں ملاقات نہیں ہوئی۔" انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔

"اگر وہ جنگل میں داخل ہو چکی ہے تو پھر ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں ملے گا ہمیں۔" منور علی خان نے کہا۔

"اوہ!" وہ بولے۔

"ان کے ساتھ کوئی شکاری تو ہو گا نہیں۔ بے چارے اندھا دھند جنگل میں داخل ہو گئے ہوں گے۔"

"پھر۔ کیا ہم یہاں سے واپس لوٹ جائیں گے منور علی خان۔" انسپکٹر جمشید دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

"نہیں۔ میں کیا کہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ بولے۔

"ہماری ایک ٹیم میں اگر تم بھی نہ بولے منور علی خان، تو پھر کون بولے گا۔ جنگلوں کا تجربہ تو بس تمھیں ہے۔"

"اچھا میں غور کرتا ہوں۔ آپ لوگ بھی غور کریں، خاص طور پر میں فرزانہ اور فرحت سے کہوں گا۔"

"جی کیا مطلب ابا جان۔ ہم سے خاص طور پر کیوں؟" فرحت چونکی۔

"اس لیے کہ۔ تم دونوں ترکیبیں سوچنے میں بہت

ظاہر ہو۔" وہ بجھے بجھے انداز میں مسکرائے۔

"لیکن انکل۔ وہ ترکیبیں جاسوسی ترکیبیں ہوتی ہیں۔ جنگلی ترکیبیں نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"پھر بھی۔ عقل سے بڑی چیز کوئی بھی نہیں۔ ہم اس جنگل کو صرف اور صرف عقل کے زور سے مجبور کر سکتے ہیں، طاقت سے نہیں۔"

"ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن عقل بھی تو اس وقت کام کرے گی ابا جان۔ جب جنگل کے بارے میں معلومات ہوں گی۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"بات معقول ہے، اس کے باوجود میں یہی کہوں گا، تم دونوں کوئی ترکیب سوچو۔ نہ جانے کیوں مجھے یقین سا ہے کہ تم کوئی ترکیب سوچ لو گے۔"

"اگر آپ کہتے ہیں تو ہم ضرور اپنے دماغوں پر زور دیں گی۔ بلکہ اتنا زور دیں گی کہ کیا کبھی دیا ہو گا۔" فرحت بولی۔

"اتنا بھی نہ دینا کہ دماغ ہی پچک جائیں۔" فاروق بولا۔

"تم چپ رہو۔ اگر اس موقعے پر تم نے بات چیت چھیڑ دی تو کسی کا ذہن بھی سوچنے کے قابل نہیں رہے گا۔ جب کہ اس وقت شدید ضرورت ہے سوچ

کی۔" انسپکٹر جمشید تیز لہجے میں بولے۔

"اگر یہ بات ہے تو میں تو اب اس وقت تک نہیں بولوں گا۔ جب تک کہ جنگل میں داخل ہونے کی کوئی ترکیب نہ سوچ لی جائے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ظاہر ہے۔ مجھے بھی تمہارا ساتھ دینا پڑے گا۔" آفتاب بولا۔

"اور میں تو ہوں کس کھیت کی مولی۔" مکھن کی آواز سنائی دی۔

اور پھر موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ وہ زمین پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ میز اور کرسیاں کہاں سے لاتے۔ سوچ نے انہیں پوری طرح اپنے گھیرے میں لے لیا۔

جنگل سے ڈراونی آوازیں آ رہی تھیں اور ان کے کانوں سے ٹکرا ٹکرا کر انہیں خوف میں مبتلا کر رہی تھیں، آخر فرزانہ نے سر اوپر اٹھایا۔

"میں نے ترکیب سوچ لی۔"

"کیا کر رہی ہو فرزانہ۔" منور علی خان حیرت زدہ رہ گئے۔ دوسروں کا بھی مارے حیرت کے برا حال ہو گیا۔

"ش ش شاید تم مذاق کر رہی ہو۔" محمود ہکلایا۔

"میں بڑوں سے مذاق نہیں کیا کرتی۔ اس لئے

نہ بنا کر کہا۔

"پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم نے ترکیب سوچ
لی ہو۔"

"کیوں — ہو کیوں نہیں سکتا۔ خود ہمارا ہی تو قول ہے،
سب میں کیا نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں! یہ بات تو خیر ٹھیک ہے، لیکن بات ہے
حیرت کی۔ جس بات کو ابھی ہم تھوڑی دیر پہلے بالکل
ناممکن خیال کر رہے تھے۔ اس کی ترکیب اس قدر جلد
ذہن میں آگئی۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! آگئی۔ تم کیوں جلے جا رہے ہو۔"

"میں جل نہیں رہا۔ بلکہ خوشی محسوس کر رہا ہوں —
آخر تم میری بہن ہو۔" آصف بولا۔

"فرزانہ۔ اب وقت ضائع نہ کرو۔ ترکیب بتاؤ۔"

"ہاں کیوں نہیں — ترکیب بہت ہی سیدھی سادی اور
آسان ہے — اور قابلِ عمل بھی ہے — آپ لوگ سُن کر
حیران رہ جائیں گے اور سب کے سب کر اُٹھیں گے۔ واقعی
یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔" فرزانہ نے شوخ آواز میں کہا۔

"یہ تم نے ترکیب بتائی ہے۔" فاروق بھنّا اُٹھا۔

"ترکیب کا پیش خیمہ ہے یہ تو۔" فرحت بولی۔

"ہاں — بالکل ٹھیک کہا فرحت تم نے — ابھی جب میں
ترکیب بتاؤں گی۔ اس وقت ان حضرت کا حال دیکھنا۔"
فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیوں کیوں — میرا حال کیوں خراب ہونے لگا۔ میں
تو خود ترکیب کا استقبال کروں گا۔"

"لیجیے — اب ترکیبوں کا بھی استقبال ہونے لگا۔"

"اچھا بس — پہلے ترکیب۔" انسپکٹر کامران مرزا نے ہاتھ
اُٹھا کر کہا —

اور فرزانہ انھیں ترکیب بتانے لگی —

ترکیب کی بات

"میری ترکیب آپ سب کو شاید عجیب لگے گی۔ ہو سکتا ہے غریب بھی لگے، لیکن اس کے علاوہ ہمارے پاس دُوسرا صرف اور صرف ایک راستا ہے۔ اور ہم اس راستے پر عمل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"پہلے تو یہی بتا دو کہ وہ دُوسرا راستا کون سا ہے؟" فارُوق نے منہ بنایا۔

"یہ کہ ہم سب یا ہم سے کچھ واپس شہر جائیں۔ یعنی مدونکا شہر۔ اور وہاں ربڑ کے لباس بنوائیں۔ ہر قسم کے گولہ اور بارود سے لیس ہو کر آئیں۔ تاکہ ہم ان درندوں کا مقابلہ بھی کر سکیں اور ربڑ کے لباس ہمیں ان زہریلے سانپوں سے بھی بچا سکیں۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"شہر جانے کے بارے میں تو ہم واقعی نہیں سوچ

سکتے۔ اُڑن طشتریوں کی تباہ کاریاں پوری دُنیا میں جاری ہیں۔ ان حالات میں ہم وقت کس طرح ضائع کر سکتے ہیں۔ تم پہلی والی ہی ترکیب بتا دو۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ خیر۔ اب دُوسری ترکیب۔ ہمیں ایک دائرے میں سفر کرنا پڑے گا۔"

"دائرے میں سفر؟" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ منہ مارے حیرت کے کھل گئے، ادھر فارُوق کے منہ سے نکلا:

"دد۔ دائرے کا۔ سں۔ سفر۔"

"ایک تو تم کود پڑتے ہو ناول کا نام لے کر۔" آصف جل گیا۔

"میں نے تمھیں منع تو نہیں کیا۔ کود پڑو تم بھی۔" فارُوق بولا۔

"پہلے ترکیب۔ پھر کوئی اور بات۔"

"جی بہتر۔ ہاں تو فرزانہ۔ ترکیب اُگلو۔" فارُوق بولا۔

"افسوس! میں اُگلنے کا فن نہیں جانتی۔ میں تو بتا سکتی ہوں سیدھی سادی طرح۔"

"اچھا بابا۔ ہم نے مانا۔ اب کہو بھی۔" محمود جھلّا گیا۔

"میں کہہ رہی تھی۔ ہمیں دائرے میں سفر کرنا ہو گا، لیکن دائرہ سب ساتھی نہیں بنائیں گے۔ چند ساتھی دائرے کے اندر بھی رہیں گے۔"

"بات پلّے نہیں پڑی۔" مکھن بولا۔

"پڑے کیسے۔ عقل کو ہاتھ بھی تو مارو۔" آفتاب نے کہا۔

"ہائیں۔ تو کیا آپ عقل کو ہاتھ مار چکے ہیں؟" مکھن نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل۔ اور کیا تمھاری طرح۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"اچھا تو پھر بتائیں۔ کیا پلّے پڑا ہے۔" مکھن مسکرایا۔

"میں۔ میں بتاؤں۔" وہ ہکلایا۔

"پھر وقت ضائع ہو رہا ہے۔ فرزانہ۔ کیا تم رُکے بغیر نہیں بتا سکتیں۔"

"بتا کیوں نہیں سکتی۔ بس ذرا نخرے دکھانے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔" فرحت نے تلملا کر کہا۔

"اے۔ یہ تم کہہ رہی ہو۔ ہوش میں تو ہو۔ جانتی نہیں۔ میرا نام فرزانہ ہے۔" فرزانہ بپھر گئی۔

"اس میں نہ جاننے کی کیا بات۔ سبھی جانتے ہیں۔"

ہیں۔" فرحت نے سر کو جھٹکا دیا۔

"ہائیں ہائیں۔ تم نے کہیں اپنی شامت کو آواز تو نہیں دی۔"

"نہیں! وہ یہاں کہاں۔ ایک مدت ہو گئی ہے اس سے مُلاقات ہوئے۔" فرحت مسکرائی۔

"شاید تم سب نے مل کر یہ سوچ لیا ہے کہ فرزانہ کو ترکیب نہیں بتانے دیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا کی آواز میں درشتی آ گئی۔

"ج۔ جی۔ نہیں۔ تو بالکل۔ یہ۔ ہم نے تو ایسی بات نہیں سوچی۔ ہاں خود بخود ذہن میں آ گئی ہو تو اور بات ہے۔" فرحت بولی۔

"اچھا بس۔ اب کوئی نہ بولے۔" انسپکٹر جمشید نے چلّا کر کہا۔

یک دم خاموشی طاری ہو گئی۔ ہوا کی سائیں سائیں یا پھر دُور کہیں سے درندوں کی ہلکی ہلکی سی آوازیں ضرور باقی رہیں۔ اب وہ پھر فرزانہ کی طرف متوجہ تھے:

"ہاں۔ اب اگر تم بات مکمل کیے بغیر رُکیں تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

"بُرے ہوں آپ کے دشمن انکل۔ آپ کیوں بُرے

...رتے۔" فرحت سے رہا نہ گیا۔

"میں نے کہا تھا۔ اب کوئی نہ بولے۔"

"وحشت تیرے کی۔ یہ بات اچانک ہی ذہن سے نکل گئی۔" فرحت نے جھلا کر کہا۔

"اپنی ران پر ہاتھ تمھاری طرف سے میں مار لیتا ہوں۔" یہ کہ کر فاروق نے زور سے ہاتھ مارا، لیکن وہ آفتاب کی ران پر لگا۔

"اُف مرا۔"

"لو۔ ویسے تو بڑے بہادر بنے پھرتے ہو۔ اور بات بات پر مقابلہ کرنے کے لیے تل جاتے ہو اور ہلکا سا ایک ہاتھ کھا کر کر رہے ہو اُف مرا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں بالکل بے خبر بیٹھا تھا۔ اگر ہوشیار ہوتا تو تمھارا ہاتھ ہرگز میری ران پر نہ لگتا۔ بالکل اس طرح۔" یہ کہ کر اس نے بھی فاروق کی ران پر ہاتھ مارا۔ لیکن وہ لگا محمود کے بازو پر، کیوں کہ فاروق تو بلا کی پھرتی سے درمیان سے نکل گیا تھا۔

"بس جمشید۔ اب تم معلوم کر چکے فرزانہ کی ترکیب۔" خان رحمان شوخ انداز میں مسکرائے۔

"تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"کس چیز کی ترکیب۔ جنگل عبور کرنے کی۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"نہیں۔ وہ تو ہم فرزانہ سے پوچھ لیں گے۔ ان لوگوں کو خاموش کرانے کی ترکیب کی بات کر رہا ہوں میں۔" انھوں نے جل کر کہا۔

"اوہ۔ یہ کیا مشکل ہے۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"مشکل نہیں ہے تو پھر بتاؤ۔"

"انھیں دو گھنٹے تک خوب باتیں کرنے دو۔ پھر یہ خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔" وہ مسکرائے۔

"کیا کہا انکل۔ صرف دو گھنٹے۔" آفتاب گھبرا گیا۔

"کیوں۔ کیا ہوا۔ دو گھنٹے کم ہیں کیا۔" خان رحمان ہکلائے۔

"اور کیا، دو گھنٹے کی باتوں سے تو ہماری داڑھیں بھی گیلی نہیں ہوں گی۔" [illegible] بولا۔

"لو اور سنو۔ اب باتوں سے بھی داڑھیں گیلی ہونے لگیں۔" پروفیسر غوری بولے۔

"نہیں خان رحمان۔ ہم انھیں دو گھنٹے تو کیا دو منٹ بھی

...ں دے سکتے، پہلے فرزانہ ترکیب بتائے گی، اگر ترکیب
...ل عمل ہوئی تو پھر ہم فوری طور پر ترکیب پر عمل
...روع کر دیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے اور پھر فرزانہ کی
...رف مڑے:

" فرزانہ — تم یک دم ترکیب بتا دو۔ اس طرح جیسے
...مان سے تیر نکل جاتا ہے۔"

" جی بہتر — سنیئے — ہمارے سامنے جنگل کے بیرے
...ر ربڑ کے بہت بڑے اور پرانے درخت ہیں۔ ان
...کے تنوں کے ساتھ ربڑ بھی بے تحاشہ جمی ہوئی ہے
...شاید کبھی اتاری ہی نہیں گئی۔" فرزانہ ایک بار پھر
...کہتے کہتے رک گئی۔

" پھر رک گئیں تم۔" انسپکٹر جمشید جھنجلا اٹھے۔

" ہو ہی نہیں سکتا — کہ یہ رکے بغیر کوئی بات
...کر جائے۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

" بس چپ — فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید غرائے۔

انھیں جیسے سانپ سونگھ گیا — بہت خوف ناک غراہٹ
...تھی — فرزانہ جلدی جلدی کہنے لگی:

" ہم میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک لکڑی
...ہو گی — کافی لمبی لکڑی — ہر لکڑی کے سرے پر

ربڑ لپٹی ہوئی ہو گی — اور ربڑ کو آگ لگا دی جائے
گی اور ربڑ کو آگ لگا دی جائے گی — گویا ہر ساتھی
کے ہاتھ میں ایک تیزی سے جلتی ہوئی لکڑی ہو
گی — اور یہ سب لوگ ایک دائرے میں ہوں گے،
ان کے منہ جنگل کی طرف ہوں گے اور کمریں دائرے
کے اندر کی طرف۔" فرزانہ تیزی سے کہ رہی تھی کہ
فاروق اچانک بول اٹھا:

" ٹھہرو ٹھہرو — یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

" دھت تیرے کی — آخر پھر بول پڑے حضرت درمیان
میں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

" کیوں — ہو کیوں نہیں سکتا۔" فرزانہ نے فاروق کو
گھورا۔

" دائرے کی صورت میں جب ہم چلیں گے تو آگے
والوں کا منہ تو خیر درست سمت میں ہو گا — لیکن
پیچھے والوں کا منہ الٹی طرف ہو گا اور دائیں طرف
والوں کا منہ دائیں طرف — بائیں طرف والوں کا منہ
بائیں طرف — پھر دائرہ آگے کس طرح بڑھے گا۔" فاروق
نے کہا۔

" کیوں — کیا ہم الٹے نہیں چل سکتے — پہلو کی طرف

...ے نہیں چل سکتے ــ مجاہدانہ زندگی میں تو سبھی کچھ کرنا
...ڑتا ہے۔" فرزانہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرحت بول
...ی ــ

"میں سمجھ رہا ہوں فرحت ــ یہ سب کچھ ہو سکتا
...ہے ــ فرزانہ تم آگے بیان کرو ــ اور فاروق ــ کان
...ل کر سن لو ــ اب جب تک فرزانہ بات مکمل نہ کر
...ے ــ اس وقت تک تم ہرگز ہرگز نہیں بولو گے۔"

"یہ ــ یہ کیسے ہو سکتا ہے ابّا جان۔"

"کیا مطلب ــ ہو کیوں نہیں سکتا۔"

"فرض کر لیں ــ یہ صاحبہ بات مکمل ہی نہ کریں۔"

"فکر نہ کرو ــ میں تم جتنی باتونی نہیں۔"

"مان گئے بھئی انھیں ــ یہ بھی اپنے فن کے بادشاہ ہیں۔"
...ر علی خان ہنسے۔

"شکریہ انکل۔" فاروق خوش ہو گیا۔

"ٹھہرو! میں بتاتا ہوں تمہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید
...ے ایک دھول فاروق کی کمر پر رسید کر دی ــ

وہ دھب سے گرا ــ اور ساکت ہو گیا ــ

"ف ــ فاروق ــ تت ــ تم ٹھیک تو ہو۔" فرزانہ کا
...گ زرد پڑ گیا ــ

"تم ترکیب مکمل کرو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ ــ وہ ابّا جان ــ فاروق۔" فرزانہ ہکلائی۔

"عجیب مصیبت ہے ــ اب وہ خاموش ہوا ہے تو تم اس کی فکر میں مبتلا ہو گئی ہے۔"

"بھئی واہ ــ مزا آ رہا ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"آپ لوگوں کی وجہ سے ہی یہ اتنے شیر ہو گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید منہ بنا کر بولے۔

"چلو اچھا ہے ــ ہم انھیں بھیڑیں بنانا بھی تو نہیں چاہتے۔" خان رحمان بولے۔

"اچھا بابا ــ پہلے میں فاروق کی خیریت معلوم کر لوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید فاروق پر جھکے:

"بھئی تم بن رہے ہو یا واقعی دھول زور سے لگ گئی ہے۔"

"بنا بنایا تو میں پہلے ہی ہوں ابّا جان۔"

اور ان کی کھی کھی شروع ہو گئی ــ

"حد ہو گئی ــ میں کس قدر فکر مند ہو گئی تھی اور یہ حضرت ــ" فرزانہ نے بھنّا کر کہا ــ

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں ــ اِدھر اُدھر کی چھوڑو اور ترکیب کی بات کرو۔"

"ہوں۔ واقعی۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ ہم اس طرح دائرہ بنائیں گے۔ ہمارے باقی ساتھی دائرے کے اندر ہوں گے۔ دائرے والے ہر فرد کے ہاتھ میں ایک لکڑی ہو گی۔ ہر لکڑی پر ربڑ لپٹی ہو گی۔ اس ربڑ کو آگ لگی ہو گی۔"

"کیا۔ کہا۔ آگ۔"

"ہاں! ربڑ آگ پکڑ لے گی اور بہت تیزی سے جلے گی۔ دھواں بھی بے تحاشہ چھوڑے گی، ہمارے ملک میں تخریب کار ٹائر جلاتے ہیں۔ اس طرح راستے رک جاتے ہیں۔ دھواں پھیل جاتا ہے۔ ہم اس آگ اور دھوئیں کو لے کر آگے بڑھیں گے تو درندے ہمارے نزدیک نہیں آئیں گے۔ سانپ اور اژدھے بھی درختوں پر سمٹ جائیں گے۔ بجائے اس کے کہ ہمارے اوپر آ رہیں۔"

یہاں تک کہہ کر فرزانہ خاموش ہو گئی۔ اب ہر کوئی سکتے کے عالم میں فرزانہ کو دیکھ رہا تھا۔ جب کئی سیکنڈ گزر گئے اور کوئی کچھ نہ بولا تو اسی نے گھبرا کر کہا:

"خیر تو ہے۔ کیا میں نے کوئی بہت ہی بے وقوفانہ

ترکیب بتائی ہے۔"

"نہیں فرزانہ۔ ہم حیران ہیں۔ اس قدر زبردست ترکیب۔ جب کہ آس پاس کیا۔ دُور دُور تک کوئی ترکیب نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہم تو سب اس بات پر حیران ہیں۔"

"اب اتنا بھی حیران نہ ہوں کہ میں شرمندہ ہو کر رہ جاؤں۔"

"لیکن بہر حال۔ اس ترکیب میں ایک نقص بھی موجود ہے۔" آفتاب بول اُٹھا۔

"تمہیں اور نقص نظر نہ آئے۔ ہو ہی نہیں سکتا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"بھئی تنقید کا حق سب کو ہے۔ ہاں آفتاب۔ بتاؤ۔ کیا نقص ہے؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"بس صرف اتنا سا نقص ہے کہ ابھی یہ نہیں بتایا گیا، درمیان والے افراد کیا کریں گے؟"

"اوہ ہاں! میں بھول گئی۔ ان کے پاس ربڑ کا ذخیرہ ہو گا۔ جس کی لکڑی پر ربڑ ختم ہوتی نظر آئے، وہ اس کے سر پر اور ربڑ ڈالتے رہیں گے۔ اس طرح آگ کا سلسلہ جاری رہے گا۔"

"بہت خوب۔" پروفیسر عقلان بچّوں کی طرح چہکے۔

"اس کے علاوہ بھی ایک نقص ہے۔" محمود نے کہا۔

"تم بھی بتاؤ۔"

"اس طرح ہم بہت آہستہ آگے بڑھیں گے۔"

"تب پھر۔ ہم اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ سوال تو یہ ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ہوں! اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں سوجھ رہی، میرا خیال ہے۔ ہمیں اس پر عمل کرنے کے لیے تیاری شروع کر دینی چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

انھوں نے ربڑ کے درختوں سے ربڑ اتارنا شروع کی۔ موٹی موٹی شاخیں بھی کاٹیں جو لمبی بھی تھیں۔ پھر ان کے سروں پر ربڑ لپیٹا گیا۔ دائرے کے درمیان میں صرف شوکی برادرز کو رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ باقی لوگ دائرے کی صورت میں آ گئے۔ لائٹر ان کے پاس موجود ہی تھے، ایک لائٹر کے ذریعے ایک شاخ کے ربڑ کو آگ دکھائی گئی، اس نے آگ فوراً پکڑ لی۔ اس سے دوسری شاخیں جلائی گئیں اور دائرہ آگے بڑھنے لگا۔ اس طرح سفر کرتے انھیں ایک گھنٹہ گزر گیا:

"اگرچہ ترکیب پر عمل شروع ہو چکا ہے۔ اور ہم آگے

بڑھ رہے ہیں۔ لیکن مجھے اب تک حیرت ہو رہی ہے کہ فرزانہ کو یہ ترکیب کس طرح سوجھ گئی۔" پروفیسر عقلان بولے۔

"یہ اور فرحت۔ ترکیبوں کا خزانہ ہیں انکل" فاروق نے کہا۔

"میں کہاں۔ صرف فرزانہ۔" فرحت نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں" فرزانہ بولی۔

"انکل۔ ہمیں تو یہاں کوئی سانپ اور اژدھے درختوں پہ لپٹے نظر نہیں آ رہے۔" آصف نے منور علی خان کی طرف دیکھا۔

"فکر نہ کرو۔ ابھی تو ہم جنگل میں داخل ہوئے ہیں۔ سبھی کچھ نظر آ جائے گا۔"

"خیر۔ اس مرتبہ ہمیں ان میں سے کسی بھی چیز سے مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا۔" محمود بولا۔

"یہ ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے۔ مقابلے کی نوبت بھی آ جائے۔"

"وہ۔ وہ کیسے؟"

"ہو سکتا ہے۔ کوئی درندہ اندھا دھند ہم پر چھلانگ

لگا دے — وہ آگ کو بھی خاطر میں نہ لائے — اور نہ دھوئیں
کی پروا کرے۔"

"اس — اس طرح تو —"

عین اسی لمحے انھوں نے ایک زبردست پھنکار
سُنی — وہ کانپ اُٹھے — نظریں آواز کی سمت میں اُٹھ
گئیں — انھوں نے دیکھا — ایک ہولناک اژدھا اپنا اوپر
والا دھڑ اٹھائے ان کے راستے میں موجود تھا —
اس کا منہ پوری طرح کھلا ہوا تھا — اور اس کے منہ
میں کئی چھوٹے بڑے سانپ کلبلا رہے تھے —

انھوں نے اتنا ہولناک منظر شاید پہلے کبھی نہیں
دیکھا تھا — اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکل رہے
تھے — دم بار بار کوڑے کی طرح زمین پر لگ
رہی تھی — اس کی جلد کا رنگ سنہری تھا — یوں
لگتا تھا جیسے گوشت پوست کا بنا ہوا نہ ہو — سونے
کا ہو —

"اُف مالک — کس قدر خوف ناک منظر ہے یہ۔"

"ہمیں اس سے بچ کر نکل جانا چاہیے — راستہ
کاٹ دو۔" منور علی خان چلّائے۔

"بہت بہتر — گویا اس وقت ہماری کمان آپ کے

ہاتھ میں ہے۔" مکھن بولا۔

"ہاں! یہی سمجھ لو۔"

ان کا دائرہ اژدھے کے راستے سے ہٹ گیا —
دائرے نے ایک نصف چکر کھایا اور بچ کر نکل جانا چاہا،
لیکن یہ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہوگئی کہ اژدھا
پھر ان کے راستے میں تھا اور اس کی آنکھیں مشعلوں
پر جمی تھیں —

"بھئی منور علی خان — یہ تو پھر ہمارے راستے
میں ہے — اب کیا کریں؟" خان رحمان بے چارگی کے
عالم میں بولے —

"سوائے مقابلے کے اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔" انھوں
نے کندھے اُچکائے —

جلد ہی وہ اژدھے کے نزدیک ہو گئے — منور
علی خان اس کی بالکل سیدھ میں تھے — ایسے میں
انھوں نے کہا:

"صرف میں آگے بڑھوں گا — آپ لوگ دائرے
کی صورت میں پیچھے ہی رہیں — دائرہ نہ توڑیں — چاہے
کچھ بھی ہو جائے دائرہ نہ توڑیں — آپ سمجھ گئے۔"

"جج — جی ہاں! کیا کوئی خطرے والی بات ہے —"

آپ کا لہجہ ڈرا دینے والا ہے۔" اشفاق نے کانپ کر کہا۔

"اگر آپ لوگوں نے دائرہ نہ توڑا تو کچھ نہیں ہوگا، دائرہ ٹوٹ گیا تو شاید ہم سب خطرے میں گھر جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم اپنی پوری کوشش کریں گے کہ دائرہ نہ ٹوٹے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

یہ دیکھ کر ان کی حیرت اور پریشانی اور بڑھ گئی کہ منور علی خان کے آگے بڑھنے کے باوجود اژدھا اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اب تو ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔

"کک۔ کیا ہوا انکل؟"

"یہ۔ یہ عام اژدھا نہیں ہے۔" وہ بولے۔

"کیا مطلب؟"

"شاید اژدھوں کا بادشاہ ہے۔ اس کے منہ میں خود اس کے بچے کھیل رہے ہیں۔"

"خیر۔ ہوگا۔ لیکن آپ کیوں رک گئے۔"

"ہم۔ مجھے اژدھوں کے بادشاہ کے بارے میں ایک بات یاد آگئی۔ اور وہ یہ کہ یہ آگ سے نہیں ڈرتا، بلکہ یہ تو اگر خود زمین پر زور سے پھنکار مارے تو

تو گھاس پھوس میں آگ لگ جاتی ہے۔"

"اوہ۔ نہیں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"تت۔ تو کیا انکل۔ آگ اسے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچاتی؟"

"یہ بات نہیں۔ چونکہ خود آگ لگا دیتا ہے۔ اس لیے بس آگ سے خوف زدہ نہیں ہے۔ جب کہ دوسرے درندے سب کے سب آگ سے ڈرتے نظر آئیں گے۔ وہ تو بعد کی بات ہے، جب آگ اسے جلائے گی تو یہ بھاگے گا یا نہیں۔ لیکن اس وقت تو مقابلے پر اڑ گیا ہے نا۔"

"ہوں! پھر۔ اب آپ کیا کریں گے؟"

"سوائے مقابلے کے میں کیا کر سکتا ہوں، کیوں کہ جب تک یہ زندہ ہے۔ یا ہمارے راستے میں ہے۔ ہمارا دائرہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

"ہوں! تو پھر بسم اللہ کریں۔" آصف بولا۔

"ایک منٹ ابا جان۔ کیا ہم اسے گولی کا نشانہ نہیں بنا سکتے۔ انکل شہر سے پستول بھی تو خرید کر لائے تھے۔"

"نہیں۔ اس کا زہر اور خون وغیرہ چاروں طرف گرے۔ ہو سکتا ہے، ہم پر بھی گرے۔" انھوں نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"تو پھر آپ مقابلہ کریں — ہم یہ مقابلہ پوری توجہ
ے دیکھنے کا وعدہ کرتے ہیں۔" مکھن نے گھبرا کر کہا۔
ان سبھی کے چہروں پر گھبراہٹ کے آثار طاری
ھے — منور علی خان ایک ایک قدم اٹھاتے آگے بڑھ رہے
ھے — یہاں تک کہ وہ اس کے اس قدر نزدیک پہنچ
گئے کہ جلتی ہوئی لکڑی اس کے کھلے منہ میں داخل کر سکیں،
ور انھوں نے کیا بھی یہی —

کچھ اور

جوں ہی جلتی ہوئی لکڑی اژدھے کے منہ میں داخل
ہوئی، اس نے اپنا منہ بند کر لیا — ادھر اس کا منہ
بند ہوا، ادھر انھیں ایک جھٹکا لگا — وہ بُری طرح
لڑکھڑائے، ساتھ ہی ان کی کمر پر اژدھے کی دم
اس زور سے لگی کہ وہ دھب سے منہ کے بل زمین
پر گرے — ایک بار پھر اژدھے نے دم کا کوڑا ان
کی کمر پر مارا، لیکن وہ فوراً پلٹنی کھا گئے — دم زمین
پر لگی اور پھر کوڑے کی طرح لہرائی — منور علی خان
نے اژدھے سے بچنے کے لیے ایک لمبی چھلانگ لگا دی —
اژدھا کا منہ جل گیا تھا، وہ بُری طرح اپنا
منہ زمین سے رگڑ رہا تھا — لکڑی جو بجھ چکی تھی، اس
نے اگل دی تھی —
لمبی چھلانگ انھیں دُور لے گئی — اور اسی وقت

ایک گینڈے نے ان پر چھلانگ لگائی۔ سب کے سب ساکت رہ گئے۔ اس سے پہلے انھیں آس پاس کہیں گینڈے کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ نہ جانے یہ اچانک کہاں سے نکل آیا تھا۔

گینڈے کو دیکھ کر ان سب کی گھگھی گم ہو گئی۔ وہ اس قدر خوف ناک تھا کہ جسموں میں تھرتھری محسوس ہوئی۔ منور علی خان اس کے مقابلے میں بہت چھوٹے سے نظر آئے، لیکن ابھی گینڈا ان کے بالکل نزدیک زمین پر گرا ہی تھا کہ ایک ہاتھی کی چنگھاڑ سنائی دی۔ گینڈا منور علی خان کو بھول کر ہاتھی کی طرف مڑا۔ اور اس کی طرف دوڑ پڑا۔ ادھر ہاتھی مست انداز میں چلا آ رہا تھا۔ دونوں کی زبردست ٹکر ہوئی۔ ان کے سر سے سر ٹکرائے تھے۔ ایک زور دار اور ہولناک سی آواز پیدا ہوئی۔ زمین ہل کر رہ گئی۔ ٹکر لگنے کے فوراً بعد دونوں پیچھے ہٹنے لگے۔

سب لوگ حیرت کا بت بنے انھیں دیکھ رہے تھے، وہ ایک دوسرے کو بالکل بھول گئے تھے۔ منور علی خان بھی سکتے کے عالم میں پڑے رہ گئے تھے۔

اچانک ان دونوں کے سر پھر ٹکرا گئے۔ انھوں

نے صاف محسوس کیا کہ گینڈے کی کوشش اپنے سینگ سے کام لینے کی تھی۔ وہ سر کی بجائے سینگ دے مارنے کی کوشش میں تھا۔ جب کہ ہاتھی اس کے سینگ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش میں تھا۔ اور اس سلسلے میں نزدیک آتے ہی سر بالکل نیچے کر کے ٹکراتا تھا، اس طرح دونوں کے سر ضرور ٹکراتے تھے، لیکن گینڈے کا سینگ خالی جاتا تھا۔

اسی وقت وہ پھر پیچھے ہٹنے لگے۔

"یہ۔ یہ کیوں لڑ رہے ہیں انکل؟" آصف چلّایا۔

"ہاتھی گینڈوں کو پسند نہیں کرتے۔ نہ گینڈے ہاتھیوں کو۔ ہاتھی کا ڈیل ڈول گینڈے سے بہت بڑا ہے۔ گینڈے کے جلنے کی وجہ تو یہ ہے۔ گینڈے کے سینگ سے ہاتھی خطرہ محسوس کرتا ہے۔ اور اس کو اپنے لیے بہت خطرناک خیال کرتا ہے۔ یہ اس لیے اس کا دشمن ہے۔" منور علی خان بولے۔

"کیا آپ پہلے بھی کسی گینڈے اور ہاتھی کی لڑائی دیکھ چکے ہیں؟"

"ہاں! کئی بار اتفاق ہو چکا ہے۔"

"پھر ان میں سے کون جیتتا ہے؟" آفتاب بولا۔

"پہلے تم بتاؤ۔۔ اس لڑائی کے بارے میں تمھارا کیا
ال ہے؟"

"ہاتھی بہت بڑا اور طاقت ور نظر آتا ہے۔۔ اس
تو وزن ہی گینڈے سے دو تین گنا تو ضرور ہو گا۔"

"ہاں! لیکن جو پھرتی گینڈے میں ہے، وہ ہاتھی میں
یں ہو سکتی۔"

اسی وقت ان کے سر پھر ٹکرائے۔۔ زمین دہل گئی۔
خود ان کے دل بھی بُری طرح دھڑک رہے تھے۔۔ ان
کے ہاتھوں میں مشعلیں جل رہی تھیں، ان سے دھواں
ٹھ رہا تھا اور یہ دھواں درختوں پر موجود سانپوں
کو پریشان کر رہا تھا۔۔ وہ درختوں پر بنائے اپنے
بلوں میں گھس رہے تھے۔۔ لیکن اس وقت انھیں سانپوں
کی طرف توجہ دینے کی فرصت کہاں تھی۔۔ وہ تو
لڑائی دیکھ رہے تھے۔۔ یوں لگتا تھا جیسے
ان پر جنون سوار ہو گیا ہے اور وہ یہ ٹھان چکے
ہوں کہ آج ایک دوسرے کو ختم کیے بغیر نہیں
رہیں گے۔

اچانک انھوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔
دونوں پہلے کی طرح پیچھے ہٹ کر ایک دوسرے کو

ٹکر مارنے کے لیے دوڑے تھے۔۔ لیکن پھر گینڈے نے
اپنا رُخ بدل دیا۔۔ ہاتھی اپنی جھونک میں آگے کی
طرف گرا۔۔ اسی وقت گینڈا اس کے پیٹ کی طرف
پہنچ گیا۔۔ بس وہ بلا کی تیزی سے جھکا۔۔ اور اپنا
سینگ اس کے پیٹ میں بھونک دیا۔۔ ہاتھی بُری
طرح چنگھاڑا۔۔ اس کی چنگھاڑ نے سارے جنگل کو
ہلا کر رکھ دیا۔۔ پرندے پُر شور آواز کے ساتھ اڑے،
ایک شور سا مچ گیا۔۔ ادھر گینڈا ہاتھی کو چھوڑ کر
ان کی طرف بڑھا۔۔

اور اس وقت انھیں یاد آیا۔۔ ان کے ہاتھ میں
اب کوئی مشعل نہیں ہے:

"کامران مرزا۔۔ اپنی مشعل میری طرف پھینک
دو۔" وہ چلائے۔۔

"لو۔۔ سنبھالو۔" وہ بولے اور مشعل اچھال دی۔
انھوں نے مشعل کو دبوچ لیا۔۔ اور اس کو
لے کر گینڈے کی طرف بڑھے۔۔ گینڈا آگ اور
دھوئیں کو دیکھ کر بوکھلا سا گیا اور رک کر پیچھے
ہٹا۔۔ منور علی خان آگے بڑھے۔۔ وہ پیچھے ہٹتا چلا
گیا۔۔ یہ اپنی دھن میں آگے بڑھتے رہے۔۔

اچانک منوّر علی خان کی کمر پر ایک زور دار ٹکر
لگی — ان کے تمام ساتھی چلّا بھی نہ سکے — انھیں
چلّانے کا وقت ہی نہیں ملا تھا — وہ سب تو پلک
جھپکتے میں ہوا تھا — ایک دُوسرے گینڈے نے درختوں
کے ایک جھنڈ سے اچانک نکل کر ان کی کمر پر ٹکر
ماری تھی — وہ بہت دُور جا کر گرے — اور ساکت ہو
گئے۔ ان کی مشعل بھی ہاتھ سے گر گئی —
گینڈا تیر کی طرح ان کی طرف آیا — چند قدم
پیچھے ہٹا اور پھر اپنا سینگ جھکائے ان کی طرف
جھپٹا — شاید وہ سینگ ان کے بھی پیٹ میں بھونک
دینا چاہتا تھا —

"ابّا جان!" فرحت دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر
چلّائی — وہ بُری طرح گھبرا گئی تھی — گھبراہٹ تو خیر
سب کے چہروں سے ٹپک رہی تھی — جُوں ہی گینڈا
ان کے نزدیک پہنچا — اس نے اپنا سینگ ان کے
پیٹ میں دے مارا — لیکن وہ ساکت ضرور تھے —
بے ہوش یا بے خبر نہیں تھے — فوراً پلٹی کھا گئے
اور دونوں ہاتھوں سے سینگ پکڑ لیے — گینڈا بھلا ان
کے سینگ پکڑنے کو کب خاطر میں لاتا — اس نے

سر اُوپر اُٹھایا تو منوّر علی خان اس کے سینگوں کے ساتھ
ہی اُوپر اُٹھتے چلے گئے — گینڈے نے سر کو ایک زوردار
جھٹکا مارا — منوّر علی خان اگر سینگوں کو مضبوطی سے نہ
تھاما ہوتا تو وہ جھٹکا کھا کر نہ جانے کتنی دُور جا
کر گرتے — لیکن ان کی گرفت بہت مضبوط تھی — گینڈے
نے ان سے اپنے سینگ چھڑانے کے لیے دوڑ لگا دی،
اور پھر اچانک رُک کر سینگ زمین پر دے مارے —
لیکن اس کی یہ چال بھی بے کار گئی — منوّر علی خان
آخر اپنے وقت کے ماہر ترین شکاری تھے — جوں ہی اس
نے سینگ زمین پر مارنے چاہے — انھوں نے ہاتھ
ہٹا لیے — اب ہاتھ سینگوں کی جڑوں کی طرف تھے —
نوکیں زمین سے ٹکرائیں اور خود گینڈے کو چوٹ محسوس
ہوئی — اس نے جھلّا کر پھر سر اُوپر اُٹھایا، پُورے ن
جسم کو لہرایا اور پھر لوٹ لگا گیا — شاید وہ ا
نیچے لے کر انھیں کچل دینا چاہتا تھا، لیکن نہ گینڈے جیسا
صرف سینگوں سے چمٹے رہے — وہ ایک مشغل

"انکل — کیا میں اپنا چاقو پھینکوں" محمو...

"نہیں بھئی — اس چاقو سے اس کا کیا ہونی ہے" منوّر
آرام سے کھڑے رہو"

عین اُسی وقت شیر کی دھاڑ سُنائی دی۔ گینڈا یہ
دھاڑ سُن کر ہل گیا اور بے تحاشا آواز کے مخالف
سمت میں دوڑا۔ منور علی خان اب بھی اس کے
سینگوں سے چمٹے ہوئے تھے۔ اچانک انھوں نے خود
ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ اُچھلے اور ایک طرف گرے۔
گینڈے نے پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ادھر ایک شیر
چھلانگیں لگاتا چلا آ رہا تھا۔

وہ ساکت رہ گئے۔ ادھر منور علی خان بھی ساکت
تھے۔ شیر ان کے قریب آ کر رک گیا۔ ان کے دل
زور سے دھڑکے۔ ادھر منور علی خان دم سادھے پڑے
تھے۔ اس نے انھیں سونگھا اور پھر زخمی ہاتھی کی طرف
بڑھا۔ اس کے جسم سے ابھی تک خون بہ رہا تھا۔
آنکھیں کھلی تھیں۔ شیر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس
کے بدن میں تھرتھری دوڑنے لگی۔

ان کے اس منظر نے انھیں اور حیران کر دیا، لیکن جب
پیٹ میں دیکھا کہ اس کے جسم سے خون بہ رہا ہے
بے ہوش ہو... مُڑا جس طرف گینڈا گیا تھا۔ لیکن۔
اور دونوں اس نے ان کے دائرے کو دیکھ لیا۔
کے سینگ پکڑ کر گئے، پھر وہ ایک ایک قدم ان

کی طرف اُٹھانے لگا۔ یہ دیکھ کر منور علی خان نے
ان کی طرف لڑھکنا شروع کر دیا۔ آن کی آن میں
وہ ان کے قریب پہنچ گئے۔ وہ سب ساکت کھڑے
تھے۔ ایک خوف ناک شیر کو آزاد حالت میں اپنے اس
قدر نزدیک پہلی مرتبہ دیکھ رہے تھے۔ منور علی خان
نے دائرے کے دوسری طرف پہنچتے ہی ایک مشعل ہاتھ
میں لے لی۔ اور تیر کی طرح شیر کی طرف آئے۔
جوں ہی انھوں نے لمبی مشعل کا شعلہ شیر کی طرف
بڑھایا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

"یہ آگ سے بہت گھبراتا ہے، کیوں کہ اس کے لمبے
بال فوراً آگ پکڑ لیں گے۔" انھوں نے کہا اور آگے
بڑھے۔ شیر اور پیچھے ہٹا۔ انھوں نے جھٹکے سے مشعل کو
آگے کیا تو وہ بوکھلا کر مڑا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ منور علی
خان ہنس پڑے۔

"حیرت انگیز۔ جس درندے کو دیکھ کر گینڈے جیسا
طاقت ور اور پھرتیلا درندہ بھاگ نکلا۔ وہ ایک مشعل
سے خوف زدہ ہو گیا۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! لیکن میری کمر پر آگ لگی ہوئی ہے۔" منور
علی خان بولے۔

"جی کیا مطلب — آگ — کمر پر — آگ تو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔"

"اژدھے کی دُم — میری کمر پر لگی تھی — یہ دیکھیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے کمر پر سے قمیص ہٹا دی —

وہ سب کے سب لرز اٹھے — ان کی کمر کی کھال اُتر چکی تھی — اور خون رس رہا تھا — قمیص پر لگے ہوئے خون کے بارے میں وہ یہ خیال کرتے رہے تھے کہ ہاتھی کا بہنے والا خون لوٹ لگانے کے دوران لگ گیا ہوگا، لیکن اب انھیں معلوم ہوا — بات یہ نہیں تھی۔

"اُف — ابّا جان — آپ تو بُری طرح زخمی ہیں۔" فرحت کانپ اٹھی —

"شکر کرو فرحت — اژدھا سے مقابلے میں میں صرف زخمی ہی ہوا ہوں — ایک بار اس کا کوڑا اور کمر پر لگ جاتا تو ساری کمر ادھڑ جاتی اور پھر میں نہیں بچ سکتا تھا۔"

انھوں نے جلدی جلدی ان کی کمر کی مرہم پٹی کی اور آگے بڑھے — اژدھے کی دم ابھی تک ہل رہی تھی — اس کا منہ اندر سے جھلس گیا تھا — وہ مرا نہیں تھا — ہاتھی بھی ابھی زندہ تھا اور اس کی چنگھاڑوں

نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا — ابھی وہ آگے بڑھے تھے کہ زمین ہلنے لگی —

"یہ — یہ کیا انکل؟" فرزانہ کانپ کر بولی۔

"ہاتھیوں کا غول — اپنے ساتھی کی چنگھاڑیں سن کر آرہا ہے — ہمیں راستا فوراً کاٹ دینا چاہیے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور اپنی رفتار کو بڑھا دینا چاہیے۔"

وہ تیز تیز چلنے لگے — ہاتھیوں کا شور بڑھتا چلا گیا، لیکن منور علی خان پہلے ہی انھیں راستے سے ہٹا لائے تھے — ورنہ وہ ان کی لپیٹ میں آئے بغیر نہ رہتے۔

انھیں درختوں پر جگہ جگہ سانپ اور اژدھا نظر آئے لیکن شعلوں نے ان میں سراسیمگی پھیلا رکھی تھی۔

اس قسم کی مصیبت کا سامنا اس جنگل کے درندوں نے شاید پہلی مرتبہ کیا تھا —

ایک جگہ ان کے اٹھتے قدم رک گئے — ان کے منہ مارے دہشت کے کھلے کے کھلے رہ گئے — بیس کے قریب انسان ان کے سامنے مُردہ پڑے تھے — ان کے جسم کا گوشت جگہ جگہ سے نوچ لیا گیا تھا، اب ان کی ہڈیاں ہی ہڈیاں چمک رہی تھیں — ان کے

رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"یہ۔۔ یہ کہیں اس ٹیم کے افراد تو نہیں۔ جو ہم سے پہلے جنگل کی طرف چلے آتے تھے۔" محمود نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"ہاں! وہی لگتے ہیں۔ ورنہ اتنے انسان اس جنگل میں کہاں سے آ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن۔۔ یہ جنگل میں اتنی دور کس طرح نکل آئے۔ کیا راستے میں کسی درخت سے ان پر کسی سانپ یا اژدھے نے حملہ نہیں کیا؟"

"ضرور کیا ہو گا۔ یہ افراتفری کے عالم میں بھاگ نکلے ہوں گے۔ بھاگ کر سانپوں سے تو آدمی بچ سکتا ہے، لیکن ان درندوں سے بچنا قریب نا ممکن ہے۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن۔ یہ کن درندوں کے ہاتھ لگے ہوں گے؟"

"یہ کام صرف اور صرف شیروں کا ہے۔۔ ہاتھی اور گینڈے انسانوں کو صرف ہلاک کر سکتے ہیں۔۔ ان کا گوشت نہیں کھاتے۔۔ جب کہ شیر انسان کو شکار کر کے اس کا خون بھی پیتا ہے اور گوشت بھی کھاتا ہے بلکہ ہڈیاں بھی چبا جاتا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" گھن کانپ گیا۔

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ دنیا کی دوسری ٹیم بھی موت کے گھاٹ اتر گئی۔"

"اور ہم بھی ابھی اس جنگل میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارا بھی کیا پتا۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہاں بالکل!"

وہ دکھ اور صدمے کی کیفیت میں آگے بڑھے۔ اچانک انھوں نے سسکیوں کی آواز سنی۔ ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ چونک کر ادھر ادھر دیکھا، لیکن سسکنے والا کہیں بھی نظر نہ آیا۔

"کک۔ کیا۔ کیا ان میں سے کسی میں جان باقی ہے؟" خان رحمان گھبرا کر بولے۔

"ایسا نظر تو نہیں آتا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

وہ غور سے ان مردہ اور نچے ہوئے جسموں کو دیکھتے رہے۔ یہ جسم ایک جگہ نہیں پڑے تھے۔ کافی دور دور بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک میں بھی زندگی کی کوئی رمق محسوس نہ ہوئی۔ اور اسی وقت ایک بار پھر انھوں نے سسکیوں کی آواز سنی۔۔

"شش۔ شاید یہ جنگل ان لوگوں کی موت پر سسک رہا ہے۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"جنگل کے سسکنے کی آواز انسان کے سسکنے کی آواز جیسی نہیں ہو سکتی۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"میں نے صرف ایک خیال ظاہر کیا ہے۔ اس میں گھورنے کی کیا بات ہے۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"تو پھر جس میں گھورنے کی بات ہے۔ وہ بتا دو۔"

فاروق مسکرایا۔

"اللہ کے لیے۔ ان لاشوں کے سروں پر کھڑے ہو کر تو نہ مسکراؤ۔" پروفیسر داؤد کا رنگ زرد تھا۔

"وہ بھی ایسی صورت میں کہ۔ پاس ہی کوئی سسک رہا ہو۔"

"مم۔ میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا ایک طرف بڑھے۔ اور پھر ایک تن آور درخت کے پیچھے سے ایک آدمی کو پکڑ کر سامنے لے آئے۔ اس کے جسم پر جا بجا

زخم تھے۔ ان سب زخموں سے خون رس رہا تھا۔ اس کی ایک ران کا گوشت بالکل اڑا ہوا تھا اور اس جگہ ہڈی نظر آ رہی تھی۔ وہ اس کی حالت دیکھ کر لرز اٹھے۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر تکلیف میں ہو گا۔

"تم لوگوں پر کیا بیتی۔ کیا تمہارا تعلق اس ٹیم سے ہے۔ جو اڑن طشتریوں کا کھوج لگانے کے لیے روانہ ہوئی تھی؟"

"ہاں!" اس نے جلدی سے کہا۔

"پھر۔ کیا ہوا تھا؟"

"ہمارے پاس حفاظتی سامان تھا۔ ہم درختوں پر اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھتے تھے۔ سانپ فائرنگ کی آوازوں کی وجہ سے بلوں میں گھستے رہے۔ ہمارے مقابلے پر کوئی درندہ نہ آیا۔ ہم نے خیال کیا۔ جنگل میں صرف سانپ ہیں۔ لیکن یہ ہماری خوش فہمی تھی۔ اس جگہ پہنچے تھے کہ اچانک شیروں کے ایک غول نے ہم پر ایک ساتھ حملہ کیا۔ نہ جانے وہ اچانک کہاں سے نمودار ہو گئے تھے۔"

"اچانک نمودار نہیں ہوئے تھے وہ۔" منور علی خان بولے۔

"ج۔ جی۔ کیا مطلب؟"

"ہاں۔ وہ اچانک نمودار نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ کافی دیر تک آپ لوگوں کا تعاقب کرتے رہے تھے۔ شیر تعاقب کرنے میں بہت ماہر ہوتا ہے۔ وہ درختوں اور جھاڑیوں وغیرہ کی اوٹ لیتا ہوا اپنے شکار کا تعاقب کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ اب شکار اس سے بچ کر نہیں جا سکتا تو پھر اس پر چھلانگ لگا دیتا ہے۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم ان کا کیا کریں؟"

"میں۔ میں ابھی زندہ سلامت ہوں۔ زخمی ضرور ہوں زیادہ بڑا زخم ران کا ہے۔ باقی سب زخم چھوٹے ہیں۔ مجھے اس جنگل میں نہ چھوڑیں۔ ساتھ لے چلیں۔" اس نے درد بھری آواز میں کہا۔

وہ سوچ میں ڈوب گئے۔ اُلجھن ان کے چہروں سے جھانکنے لگی۔

"آپ تو سوچ میں پڑ گئے۔ کیا ایک انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں ہے آپ کی نظروں میں۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"ضرور ہے، لیکن یہاں سوال پوری انسانیت کا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"دُنیا بھر کے انسان اس وقت موت کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں۔ اگر اُڑن طشتریوں کا کوئی علاج نہ کیا گیا تو پھر دُنیا کس قدر بڑی تباہی کی پلیٹ میں آئے گی۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اگر ہم آپ کو ساتھ لے جائیں تو ہماری آگے بڑھنے کی رفتار بہت کم ہو جائے گی۔ اب ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ کریں تو کیا؟"

"یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ مجھے موت کے حوالے کرنا ہے تو بھی آپ کی مرضی۔" اس نے کہا۔

"آپ بات نہیں سمجھ رہے۔ آپ کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی شاید ضائع ہو چکی ہے۔ اور اس میں آپ کا کوئی قصور بھی نہیں۔ ہم بھی ان اڑن طشتریوں کے دیس کی تلاش میں نکلے ہیں۔ ہماری تاک میں دشمن بھی ہیں، دوسرے خطرات بھی اپنی جگہ پر ہیں۔ ان حالات میں آپ کو ساتھ لے جانا ہمارے لیے ایک بہت بڑا امتحان ہوگا۔ اب آپ ہی بتائیں۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"بس مجھے ساتھ لے جانا چاہیے۔"

"میں جانتا تھا۔ آپ یہی کہیں گے۔ اس لیے کہ

آپ مسلمان نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوئی؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ایک مسلمان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ اگر اس کی بجائے دوسرے کا بھلا ہوتا ہے تو یوں ہی سہی۔ کسی کی جان اس کی موت کی صورت میں بچتی ہے تو بھی یہ بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ایک غیر مسلم شاید ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔"

"ہو سکتا ہے۔ یہی بات ہو۔ لیکن پھر آپ میرے لیے کیوں نہیں سوچتے؟" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"سوچ رہے ہیں۔ بالکل سوچ رہے ہیں۔ کیا آپ چلنے پھرنے کے قابل ہیں؟"

"بالکل نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"ان حالات میں آپ کی وجہ سے ہم سب بھی خطرے میں گھر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم مجبور ہیں۔ آپ کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ کی مرضی۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے درد بھری آواز میں کہا۔

وہ پھر آگے بڑھے۔ زخمی انھیں حسرت زدہ انداز میں دیکھتا رہا۔ وہ بھی مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھتے رہے۔

اچانک زخمی نے کہا:

"اگر آپ کا اپنا ایک ساتھی اس حالت کو پہنچ جاتا تو کیا آپ اس کو بھی اسی طرح چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے؟"

وہ یک دم رک گئے۔ چند سیکنڈ تک اس کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"ہاں! ہم پوری انسانیت کے لیے اسے بھی اسی طرح چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے۔ بلکہ ہمارے ساتھی تو خود یہ پکار اٹھتے کہ مجھے یہیں چھوڑ دو۔ میری وجہ سے مشکلات میں نہ پڑو۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔ اور پھر وہ زمین پر گرتا چلا گیا۔

انھوں نے اپنے دل سخت کر لیے۔ اور آگے بڑھتے چلے گئے۔

"کبھی کبھی انسان کو اس حد تک سنگ دل بھی ہونا پڑتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"ج۔ جی۔ ہاں۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

ان کا سفر جاری رہا۔ منور علی خان قدم قدم پر انھیں خطرات سے نکال کر آگے بڑھنے میں مدد دیتے رہے، اور بار بار انھوں نے محسوس کیا۔ اگر اس سفر میں وہ

ساتھ نہ ہوتے تو نہ جانے وہ کن حالات کا شکار ہو جاتے، ایک جگہ منور علی خان نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا:

"مبارک ہو۔ جنگل کی خطرناک حدود ختم ہو گئیں۔"

"اوہ۔ تت۔ تو کیا اب ہم ان مشعلوں کو پھینک دیں؟"

"احتیاط کا تقاضا تو یہی ہے کہ ابھی اسی طرح آگے بڑھتے رہیں۔ کم از کم مشعلیں نہیں پھینکنی چاہییں۔" انھوں نے کہا۔

وہ سب ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھے، انھوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ جنگل واقعی اب خطرناک نہیں رہا تھا۔

"اب دائرے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہم عام انداز سے چل سکتے ہیں، لیکن مشعلیں اب بھی ہاتھوں میں رہیں گی۔" منور علی خان بولے۔

دائرہ ختم کر دیا گیا۔ اس وقت فاروق بولا:

"شکر ہے۔ دائرے کے سفر سے نجات ملی۔ ویسے یہ نام میرے ذہن میں گونجتا رہے گا۔ دائرے کا سفر۔ دائرے کا سفر۔"

"گونجنے دو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیوں۔ تم نے منہ کیوں بنایا؟" فاروق نے اسے گھورا۔

"بہت دیر سے ہم جنگل کے خوف و ہراس کی لپیٹ میں سفر کر رہے تھے۔ کسی نے کوئی بات چیت نہیں کی، جوں ہی خطرے سے باہر نکلے، یہ حضرت بول اٹھے۔" وہ بولی۔

"تب تو میرا شکریہ ادا کرو۔ میں نے یاد دلایا کہ ہمیں بات چیت تو شروع کر دینی چاہیے۔ ورنہ مُردوں میں اور ہم میں کیا فرق رہ جائے گا۔"

"بھئی واہ۔ بات تو ٹھیک ہے۔ خیر۔ میں پہل کرتا ہوں، فاروق تمھارا شکریہ۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اُف۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟" منور علی خان نے کانپ کر کہا۔

"آپ نے پروفیسر انکل کو شکریہ ادا کرتے ہوئے سنا ہے۔ لیکن۔ اس میں اس قدر خوف ہونے کی کیا بات ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ن۔ نہیں۔ میں کچھ اور سن رہا ہوں۔"

"ج۔ جی۔ کچھ اور سن رہے ہیں، لیکن کیا۔ یہ بھی تو بتایئے۔"

اچانک انھوں نے منور علی خان کی آنکھوں میں خوف دیکھا۔

می شونگ

"کیا بات ہے بھئی" ۔ اب تو انسپکٹر جمشید بھی گھبرا گئے ۔

"نف ۔ فرزانہ ۔ تم سن رہی ہو" انھوں نے کھوئی کھوئی آواز میں کہا۔

"جی ۔ میں ۔ میں کیا سن رہی ہوں ۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"ایک آواز ۔ آواز بہت دُور کی ہے ۔ دھمک سی سنائی دے گی ۔ غور کرو" وہ بولے۔

"اوہ ہاں ۔ ہم ۔ میں ۔ میں سن سکتی ہوں ابا جان" فرحت چلائی ۔

"آخر اس آواز میں ایسی کیا بات ہے ۔ کہ آپ خوفزدہ ہو گئے ہیں"

"اوہ ۔ اوہ ۔ اب میں نے بھی اس آواز کو سن لیا ہے" فرزانہ بولی۔

"اس کا مطلب ہے ۔ ہمیں ابھی کچھ دیر لگے گی" ۔ فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا اور ان حالات میں بھی چند چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی ۔

"منور علی خان ۔ کیوں ہمیں پریشان کر رہے ہو۔ بتا دو نا ۔ کیا بات ہے" ۔

"خونی نقارہ بج رہا ہے ۔ پہاڑوں پر چڑھنے سے پہلے ہمیں ۔ اس خونی نقارے سے نبٹنا ہوگا ۔ ہم بچ کر پہاڑ تک نہیں جا سکیں گے" ۔ انھوں نے کہا۔

"خونی نقارہ ۔ کیا ۔ وہ خود بخود بج رہا ہے؟"

"نہیں ۔ یہ آواز آدم خوروں کی خاص لے ہے ۔ وہ اسی طرز پر نقارہ بجاتے ہیں ۔ اور اس وقت بجاتے ہیں، جب اپنے انسانی شکار کو دیکھ لیتے ہیں ۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انھوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے" ۔

"آدم خور ۔ ارے باپ رے ۔ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس وادی میں آدم خور رہتے ہیں ۔ وہ انسانوں کو کھا جاتے ہیں ۔ اور انھوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے، اس لیے نقارہ بجا رہے ہیں" ۔ خان رحمان جلدی جلدی بولے۔

"ہاں! یہی بات ہے ۔ کیا یہ کچھ کم خوف ناک بات ہے" ۔ منور علی خان بولے ۔

"پپ — پتا نہیں — یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ کہ
ہے یا زیادہ۔"
"آخر ہم کنی کترا کر ان کی زد سے کیوں نہیں نکل
ے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔
"اس لیے کہ وہ ہمیں دیکھ چکے ہیں۔ اب چاہے جس
ن سے آگے بڑھیں۔ ان کی زد میں آئے بغیر نہیں
سکتے۔"
"چاہے ہم واپس ہی کیوں نہ مڑ جائیں۔"
"ہاں! واپسی کا راستا بھی اب ان کے قبضے میں ہے۔"
"تب پھر ڈرنے کی بجائے۔ ہمیں ان کا مقابلہ کرنا
ہیے۔" خان رحمان بولے۔
"ہاں! یہ تو خیر کرنا ہوگا، لیکن میں محسوس کر رہا
ں — ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہماری شاید ایک
بوٹی بھی مشکل سے ان کے حصے میں آئے گی،
ہم ان کے ہاتھ لگ گئے۔"
"انکل — ایسی باتیں نہ کریں۔" اخلاق نے گھبرا کر کہا۔
"اب تم ہی بتاؤ — کیسی باتیں کروں۔"
"حوصلے کی — دلیری کی — جن کو سن کر ہم میں دلیری
دا ہو جائے۔" اشفاق بولا۔

"اماں — بس رہنے دو۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"جی — کیا رہنے دیں؟" کھن نے پوچھا۔
"یہی — دلیری ولیری — تم میں نہیں پیدا ہونے کی۔"
آفتاب نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔"
"صبر۔" شوکی نے کہا۔
"ان — ان کا گھیرا بہت تیزی سے تنگ ہو رہا ہے،
میرا اندازہ ہے کہ ہم اس گہرائی میں پہنچنے تک ان کے
گھیرے میں ہوں گے اور پوری طرح بے بس۔"
"تب پھر ہمیں یہیں رک جانا چاہیے۔ ہم آگے کیوں
جائیں — اس طرح ہم ان سے یہاں مقابلہ کر سکیں گے۔"
انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔
"کیا کہا — مقابلہ — ہم اور ان سے مقابلہ کریں گے —
اس پورے لشکر سے جو تیروں، تلواروں، بھالوں اور نہ جانے
کس کس جنگلی ہتھیار سے لیس ہیں۔ جب یہ لوگ تیر برساتے
ہیں تو دھوپ زمین پر نہیں پڑنے پاتی۔"
"ارے باپ رے — آپ تو ہمیں پوری طرح سہمائے
دے رہے ہیں۔"
"نہ تو ہمیں سہمنے کی ضرورت ہے اور نہ گھبرانے کی —

رورت ہے تو ہمت کی۔ اور یہ خیال دل میں بٹھا لینے
ں کہ زندگی اور موت کا مالک ایک اللہ ہے۔" انسپکٹر
شید بولے۔

" اس سے بہتر بات ان حالات میں کہی ہی نہیں جا
کتی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

" خان رحمان - اب اس فوج کی کمان آپ سنبھال لیں۔"
نور علی خان نے کہا۔

" بہت مشکل حالات میں کمان مجھے دے رہے ہیں آپ،
ہیر۔" وہ مسکرائے۔

خان رحمان نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر ایک ٹیلے پر
چڑھ کر چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ اور نیچے اترتے ہوئے بولے:

" آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ وہ چاروں طرف سے بڑھ
رہے ہیں۔ ان کی تعداد ہزاروں ہے۔ ہر آدمی ہتھیاروں
سے لیس ہے۔ وہ کوئی گیت بھی گا رہے ہیں۔ جو نقارے
کی آواز کے ساتھ ساتھ تیز ہوتا جا رہا ہے۔"

" ہاں! وہ گیت۔ موت کا گیت ہے۔" منور علی خان بولے

" تو کیا۔ آپ ٹیلے پر یہی کچھ دیکھنے کے لیے چڑھے
تھے؟" فرزانہ بولی۔

" نہیں۔ میں تو یہ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ ہم جنگ

کس طرح لڑیں، لیکن اس ٹیلے سے مجھے کچھ مدد نہیں
ملی۔ اب میں اس اونچے ٹیلے پر جا رہا ہوں۔ فرزانہ
تم بھی میرے ساتھ آؤ۔"

" چلیے۔" اس نے کہا۔

دونوں تیزی سے اونچے ٹیلے کی طرف بڑھنے لگے۔
اب سب کی نظریں ان پر جمی تھیں اور دل دھک دھک
کر رہے تھے۔

آخر دونوں اس ٹیلے پر چڑھ گئے۔ انھوں نے بغور
چاروں طرف کا جائزہ لینا شروع کیا۔

" انھوں نے بھی ہمیں ٹیلے پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا
ہے۔ اب وہ اور زیادہ شور مچا رہے ہیں۔ گویا چیخ
رہے ہیں کہ ہم لوگ بچ کر نہیں جا سکتے۔"

" تت۔ تو کیا انکل۔ ہم واقعی نہیں بچ سکیں گے؟"

" حالات غیر یقینی ہیں۔ کچھ کہ نہیں سکتا۔" خان رحمان
بڑبڑائے۔

" وہ۔ ادھر دیکھیے انکل۔ چار چوٹیاں۔" فرزانہ چلائی۔

" چار چوٹیاں۔"

" ہاں۔ چار چٹانیں ابھری ہوئی ہیں۔ ایک دوسری کے
آس پاس۔ ان کے سروں کو ملایا جائے تو ایک چوکور

...ہے۔"

"اوہ ہاں۔ لیکن ان کو نزدیک سے دیکھے بغیر کوئی
...نہیں کیا جا سکتا۔"

"تو پھر چلیے۔ چل کر دیکھ لیتے ہیں۔ جنگلیوں کو
...پہنچنے میں ابھی وقت لگے گا۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔ آؤ پھر۔"

وہ تیزی سے نیچے اُترنے لگے، پھر اپنے ساتھیوں
...نزدیک پہنچ کر انھوں نے کہا:

"ہمیں اس طرف جانا ہے۔ وہاں چار چٹانیں ہیں۔"

"تو پھر۔ چار چٹانیں ہمارے کس کام آئیں گی۔"
...ق نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ آؤ۔" خان رحمان بولے۔

وہ سب ان چٹانوں کی طرف دوڑ پڑے۔ خان رحمان
...سے آگے تھے۔ اور ان کے پیچھے فرزانہ۔ لہٰذا وُہی
...چٹانوں تک پہلے پہنچے۔ انھوں نے دیکھا۔ چاروں چٹانوں
...درمیان میں پیالہ نما ایک وادی تھی۔ اور ان کے
...جگہ نیچی تھی۔ چٹانوں کے ملاپ نے ایک بہت بڑے
...پیالے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جس کے چار مقامات
...چٹانیں اُبھری ہوں۔

"ان حالات میں یہ جگہ ہمارے لیے ایک قلعے سے کم نہیں۔" خان رحمان بولے۔

"اس جگہ کے علاوہ۔ اور ہمارے لیے کوئی جگہ ہے بھی تو نہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

اور پھر دُوسرے ساتھی بھی وہاں آ گئے۔

"کیا خیال ہے جمشید؟"

"ہم اس جگہ کو اللہ تعالیٰ کی بہترین عنایت ہی کہہ سکتے ہیں۔" وہ بولے۔

"اب ہم اس پیالے کے چاروں طرف پوزیشن تو لے سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم کب تک لڑ سکیں گے۔ ہمارے پاس پندرہ بیس رائفلیں ہیں۔ چند پستول ہیں۔ باقی ہتھیار ایسے ہیں۔ جن سے دور کی لڑائی نہیں لڑی جا سکتی۔" خان رحمان نے کہا۔

"تم اس وقت فوج کو کمان کر رہے ہو خان رحمان۔ تم ہی کہو۔"

"ایک اچھا فوجی اپنی فوج کے حوصلے ہر حال میں بلند رکھتا ہے۔ ہم اگر خود کو ان کے حوالے کر دیں تو بھی موت کے منہ میں جائیں گے۔ اور اگر بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوں گے تو بھی موت ہی ملے گی، لیکن

نہ موت ۔ لہٰذا ہم آخر دم تک لڑیں گے ، میری فوج
ے سپاہی بھی خود کو زندہ حالت میں ان کے حوالے
رے گا ۔ ٹھیک ہے؟"

بالکل ٹھیک۔" سب بولے ۔

یہ بھی سُن لیں ۔ کہ ان جنگلیوں کو جس وقت ہماری لاشیں
لیں گی ۔ اس وقت یہ بہت زبردست نقصان اُٹھا چکے
گے ، دُوسرے الفاظ میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں
انھیں ستا نہیں ۔ بہت مہنگا پڑے گا ۔"

ان شاء اللہ۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

ادھر سُورج غروب ہونے والا ہے ۔ گویا ہمیں رات
لڑنا ہی لڑنا ہوگا ۔ اللہ کرے یہ رات چاندنی رات ہو ،
ں کہ یہ اندھیرے میں ہمارے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت
گے ۔ یہ تمام جگہ ان کی دیکھی بھالی ہے ۔ جب کہ ہم
قف ہیں۔"

"اللہ مالک ہے۔"

"اچھا ۔ اب مورچے سنبھال لیں ۔ میں جس جگہ جس کو مقرر
وں گا ۔ میری اجازت کے بغیر وہ وہاں سے نہیں ہٹے گا ،
ہے کچھ ہو جائے۔"

"بہت بہتر۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

خان رحمان نے اپنی فوجی مہارت کو کام میں لا کر انھیں چاروں طرف لٹا دیا ۔ رائفلیں ان کے ہاتھوں میں دے دیں ۔ پستولوں کو تو کام میں لایا ہی نہیں جا سکتا تھا :

"ایک بات ذہن نشین کر لیں ۔ تیروں کی بارش چاروں طرف سے کی جائے گی ۔ تیر آ آ کر ہمارے سروں پر سے گزر کر اس پیالے کے پیندے میں گریں گے ۔ کسی نے ذرا بھی سر اونچا کیا تیر سے نہیں بچ سکے گا ۔ سر بالکل نیچے چپکا کر رکھیں۔"

"جی بہتر ۔ مل ۔ لیکن انکل۔" محمود ہکلایا۔

"ہاں ۔ کہو ۔ کیا بات ہے ؟"

"جو تیر پیالے کے پیندے میں گریں گے ۔ کیا وہ ہمارے کام نہیں آ سکتے ؟"

"کمان کے بغیر تیر کس کام کا۔" وہ بولے۔

"تو پھر ۔ خان رحمان ۔ مجھے اجازت دو ۔ میں کچھ کمانیں حاصل کر کے لے آؤں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن کیسے ؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے ۔

"جب وہ لوگ ہم پر تیر برسا رہے ہوں گے ۔ اس وقت میں کسی طرح نکل جاؤں گا ۔ اور ۔"

"نہیں جمشید ۔ میں تمھیں اتنا بڑا خطرہ مول لینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"لیکن خان رحمان — یہ بھی تو سوچو — اگر ہم نے پندرہ
بیس کمانیں حاصل کر لیں تو یہ بات ہمارے حق میں کس
قدر مفید ہو گی، پھر ہم انھیں کسی صورت بھی نزدیک
نہیں آنے دیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور یہ بھی تو سوچو — کہ اگر تم ان کی زد میں آ
گئے تو ہم کیا کریں گے۔" خان رحمان نے کہا۔

"کرنا کیا ہے — میں اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے
تو آیا نہیں ہوں — تم لوگ ان کا مقابلہ جاری رکھو گے۔" وہ
مسکرائے —

"نہیں جمشید — میں تو اجازت نہیں دوں گا۔"

"سوچ لو خان رحمان — ایسا وقت نہ آ جائے کہ تم اس
بات کی ضرورت محسوس کرنے لگو۔"

"اس صورت میں میں تمھیں بھیج دوں گا۔" وہ بولے۔

"لیکن یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہو گا — کہ
مصیبت پڑنے پر میں جاؤں، کیوں نہ ہم وقت سے پہلے
اس بُرے وقت کے لیے تیاری کر لیں۔"

"جمشید — تم تو مجھے قائل کر چلے ہو۔" خان رحمان نے
بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"تو پھر میں جا رہا ہوں — بس — اب مجھے نہ روکنا۔"

"اچھا — اللہ تمھاری حفاظت کرے۔"

"ابا جان — آپ اکیلے جائیں گے؟"

"ہاں! باقی لوگوں کی یہاں زیادہ ضرورت ہے۔"

"پھر بھی — میں چاہتا ہوں — کم از کم آپ ہم میں
سے کسی ایک کو ساتھ لے لیں۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"لو — پہلے صرف مجھے ہی اجازت نہیں دے رہے
تھے — اب میرے ساتھ ایک اور کو بھیجنے پر تیار ہو گئے
ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا کروں — تم جیسا دوست بھی تو نہیں ملے گا
مجھے۔" وہ بولے۔

"اچھا — یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں — میں فرزانہ کو
ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

"جیسے تمھاری مرضی۔"

"ابا جان — میرا خیال تھا — آپ مجھے ساتھ لے جائیں
گے۔" محمود بول اٹھا۔

"تم یہاں زیادہ مناسب رہو گے — آؤ فرزانہ۔"

وہ فرزانہ کو لے کر پیالے سے نکل گئے، لیکن
پیٹ کے بل لیٹ کر —

"یہ کتنی بھی احتیاط کر لیں — وہ لوگ انہیں دیکھ لیں گے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"تو پھر — کیوں جانے دیا۔" پروفیسر داؤد جھلا اُٹھے۔

"میں نے محسوس کر لیا تھا — میں انہیں نہیں روک سکوں گا — وہ ٹھان چکے تھے کہ کمانیں حاصل کرنے کے لیے ضرور جائیں گے — اور انسپکٹر جمشید — جب ایک بات ٹھان لیتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔"

"بس تو پھر — اب صبر کرو۔"

"ہاں کیوں نہیں — صبر تو ہم ضرور کریں گے۔"

"آخر یہ دونوں ان کے گھیرے میں سے کس طرح نکلیں گے۔"

"یہ ان کا کام ہے — ہمارا کام اپنے مورچے کی طرف توجہ دینا ہے — میرا خیال ہے — اب ہمیں تیار ہو جانا چاہیے — اس سے پہلے کہ وہ تیروں کی بوچھاڑ کریں — ہمیں فائرنگ کر دینی چاہیے — تاکہ ان میں ہل چل مچ جائے اور بوکھلاہٹ کا شکار ہو جائیں۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"بات تو ٹھیک ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لیکن پہلے ہم ان کے زد پر آنے کا انتظار کریں گے — میں چاہتا ہوں — ہماری ایک بھی گولی ضائع نہ جائے۔"

"ٹھیک ہے انکل — ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔"

"آپ کے خیال میں ان کی تعداد کتنی ہو گی؟"

"کم از کم دس ہزار۔"

"ارے باپ رے — دس ہزار آدمیوں سے صرف اٹھارہ انیس آدمی لڑیں گے۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے — ہوشیار — چند سیکنڈ تک وہ ہماری زد میں آنے والے ہیں۔"

"اور — اور ابا جان؟"

"وہ ٹیلوں وغیرہ کی اوٹ لے کر آگے بڑھ رہے ہیں — ان کی فکر نہ کرو — اپنا کام وہ خود نکال لیں گے۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہم بالکل تیار ہیں انکل — بس — آپ کا حکم ملنے کی دیر ہے۔"

اور پھر خان رحمان کی آواز گونجی:

"فائر۔"

انھوں نے جنگلیوں کو نشانے پر رکھ کر ٹریگر دبا دیے — دشمن کے ستر آدمیوں کے سینوں میں ایک ایک گولی لگی — وہ اچھل کر گرے اور تڑپنے لگے — جنگلیوں میں ایک شور مچا اور وہ اور تیزی سے آگے بڑھے — انھوں نے دوسری مرتبہ فائر کیا — ستر اور گرے۔

"رکنا درست نہیں۔ فائر کرتے رہو۔ یہ لوگ جس وقت
تیروں کی مار تک نہیں آ جاتے۔ آگے بڑھنے سے
رکیں گے۔"

وہ فائر کرتے چلے گئے۔ جنگلیوں کی چیخوں نے
ڑوں میں گونج پیدا کر دی۔ اور پھر اچانک جنگلی لیٹ
پوزیشن لیتے نظر آئے، پھر تیروں کی بارش شروع ہوئی۔
سن سن سن کرتے تیر ان کے سروں پر سے
ر گئے۔ تیر واقعی اس طرح آ رہے تھے، جیسے بارش
ے قطرے ایک کے بعد ایک گرتے ہیں۔

تیر آتے رہے۔ پیالے میں گرتے رہے۔

"واقعی جمشید نے ٹھیک کہا تھا۔ ہمیں کمانوں کی ضرورت
ہے۔ ہم اس لشکر کا مقابلہ کمانوں کے بغیر نہیں کر سکتے۔"
ان رحمان بولے۔

ان کی فائرنگ سے ہر بار جنگلی کام آتے رہے۔
جب کہ ان کے تیروں سے ابھی تک ان کا ایک ساتھی
بھی زخمی نہیں ہوا تھا۔ اور یہ سب اس پیالے کی وجہ
سے ہو رہا تھا۔

"پیالہ زندہ باد۔" خان رحمان بولے۔

"ہائیں انکل۔ آپ پیالے کی تعریف کر رہے ہیں۔"

"تعریف تو اس خدا کی۔ جس نے ہمیں پیالہ عطا فرمایا۔"

"لیکن انکل۔ مشکل یہ ہے کہ ابھی تک یہ لوگ اکھڑے نہیں۔"

"یہ لوگ بہت ڈھیٹ ہیں۔ جب تک بھرپور حملہ نہ ہو، اس وقت تک ان کے پاؤں نہیں اکھڑیں گے۔ شکر کرو، ہماری گولیوں نے ان کا آگے بڑھنا روک دیا ہے۔ اگر یہ نہ رکتے تو ہماری سترہ سترہ گولیوں کی باڑھ انھیں کتنی دیر تک روکے رکھتی۔ یہ سب کے سب ہم پر ٹوٹ پڑتے۔ اور ہم۔ ہم ان کا لقمہ بن جاتے۔"

"ارے باپ رے۔ لقمہ۔" شوکی نے کانپ کر کہا۔

"باتیں نہیں۔ کام۔ ہماری ایک گولی بھی ضائع نہ جائے۔" خان رحمان غرائے۔

اور انھوں نے پھر فائرنگ شروع کر دی۔ اچانک محمود نے خوف زدہ انداز میں کہا:

"انکل۔ ہم مارے گئے۔ اسلحہ ختم ہو گیا۔"

خان رحمان چونک کر مڑے۔ ان کے پاس آخری آخری گولیاں باقی تھیں۔

"ٹھہرو۔" انھوں نے کہا۔

"جی فرمائیے۔ اب کیا کریں؟"

"جمشید اور فرزانہ ابھی تک نہیں لوٹے۔" وہ بڑبڑائے۔

"اور ہمارے پاس صرف سترہ گولیاں باقی ہیں۔"

"اور ہم انھیں زیادہ سے زیادہ دیر تک وہیں روکے رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے؟"

"مم — میں کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" شوکی بولا۔

"تت — تم — تم کیا مدد کرو گے — کیا خود گولی بن جاؤ گے — اور بن بھی جاؤ تو بھی کیا فائدہ — زیادہ سے زیادہ ایک جنگلی کا سینہ چھلنی کر دو گے۔" فاروق نے منہ بنایا —

"پہلے سن تو لیں۔" شوکی نے جھلا کر کہا۔

"ہاں — واقعی — پہلے بات سن لینی چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ہمارے پاس سترہ گولیاں ہیں — ہم انھیں سترہ مرتبہ فائر کریں گے — ایک ساتھ سترہ گولیاں فائر نہیں کریں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی — اس طرح ایک وقت میں ایک سمت کا صرف ایک جنگلی مرے گا — تین طرف کچھ نہیں ہو گا اور یہ لوگ ہماری طرف دوڑ پڑیں گے۔" خان رحمان بولے —

"ابھی آپ نے میری بات پوری نہیں سنی۔"

"ہاں واقعی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اچھا بھائی — لیکن ذرا جلدی — ادھر سے تیروں کی بارش رکتے ہی ہمیں فائر کرنا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"فائر صرف ایک ہو گا، لیکن آواز بیسیوں فائروں کی گونجے گی — زیادہ سے زیادہ جنگلی یہ خیال کریں گے کہ ہمارا نشانہ خطا گیا؛ تاہم آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کریں گے۔"

"بات تو اب بھی پلے نہیں پڑی۔"

"اچھا تو پھر جوں ہی تیروں کی بارش رکے — صرف ایک ساتھی کو فائر کرنے کا حکم دیں — بات سمجھ میں آ جائے گی۔"

"اچھی بات ہے۔" خان رحمان نے منہ بنا کر کہا۔

"انسپکٹر کامران مرزا — صرف آپ فائر کریں گے۔"

"بہت بہتر۔" انھوں نے کہا اور فائر کرنے کے لیے تیار ہو گئے —

جوں ہی انھوں نے فائر کیا — بیسیوں گولیاں چلنے کی آواز گونجی —

○

انسپکٹر جمشید فرزانہ کو لے کر پیالے سے سینے کے بل رینگ کر نکلے — اور ایک ٹیلے کی طرف بڑھتے چلے گئے، ٹیلے کے پیچھے پہنچ کر انھوں نے کہا:

"میرا خیال ہے — فرزانہ — یہ لوگ ہمیں دیکھ نہیں پائے۔"

"جی ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"اور یہی ہماری جیت ہے — کہ یہ ہمیں دیکھنے نہ پائیں۔"

"میری پوری کوشش یہی ہو گی۔"

وہ ٹیلہ در ٹیلہ — آگے بڑھتے چلے گئے — جنگلیوں کا دائرہ ابھی دور تھا —

"جب تک جنگ شروع نہیں ہو جاتا — ہم اس وقت تک کوئی کارروائی نہیں کریں گے فرزانہ۔"

"جی بہتر!"

ایک ٹیلے کے اندر انھیں ایک کھوہ سی نظر آئی —

"کک — کیوں نہ ہم اس کھوہ میں گھس جائیں؟" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے —

"لیکن اگر ہمیں دیکھ لیا گیا تو مارے جائیں گے۔" فرزانہ بولی — دونوں دبی آواز میں باتیں کر رہے تھے —

"دیکھ لیے جانے کی صورت میں تو ہم کہیں بھی نہیں بچ سکیں گے۔" وہ مسکرائے۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں — چلیے پھر۔"

دونوں کھوہ میں اتر گئے — اور دم سادھ کر بیٹھ گئے، پھر قدموں کی آوازیں نزدیک آ گئیں اور جنگلی گزرنے لگے — اچانک انھوں نے فائرنگ کی آواز سنی — جنگلی آگے بڑھتے رہے — یہاں تک کہ ان کا لشکر اس کھوہ سے آگے نکل گیا —

"اب ہم کچھ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔"

"لل — لیکن کیسے ابّا جان — فرض کر لیں — ہم کچھ کمانیں حاصل کر لیتے ہیں — تو — ان کا گھیرا توڑ کر آخر اپنے ساتھیوں تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔"

"یہ بعد کی بات ہے — پہلا کام کمانیں حاصل کرنا ہے۔" انھوں نے کہا اور کھوہ سے نکل آئے — سب جنگلیوں کی توجہ آگے کی طرف تھی —

"تم یہیں ٹھہرو فرزانہ — میں ان میں سے ایک کو یہاں لاتا ہوں۔"

اوٹ لیتے وہ آگے بڑھنے لگے۔ فرزانہ دھڑکتے دل
کے ساتھ انھیں دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ ایک جنگلی
کے بالکل پیچھے پہنچ گئے۔ اور پھر بالکل غیر محسوس انداز
میں، ان کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر اور دوسرا بازو
اس کی گردن پر جم گیا ـــــ جنگلی نے بہت ہی زور
مارا، لیکن نہ تو اس کے منہ سے کوئی آواز نکل سکی اور
نہ کوئی آہٹ پیدا کر سکا کہ کوئی ساتھی اس کی طرف
مڑ کر دیکھ سکتا۔ وہ کھڑا ہوا بھی سب سے پیچھے تھا۔
اور اسی حالت میں انھوں نے اسے زمین سے اونچا اٹھا
لیا اور کھوہ کی طرف لے آئے۔ کھوہ میں اتر کر انھوں
نے اس کی کن پٹی پر ایک ہاتھ رسید کیا۔ وہ فوراً
بے ہوش ہو گیا۔

"ایک کمان ہمارے ہاتھ لگ گئی فرزانہ۔ مبارک ہو۔"

"جی ہاں! لیکن پندرہ سولہ کمانیں۔ ابھی دور کی بات
ہے۔ گویا آپ ہر بار خطرہ مول لیں گے۔"

"اب تم بھی میرے ساتھ کام کرو گی۔"

"جی ہیں۔ وہ کیا؟"

"تیر اور کمان سنبھال کر بیٹھ جاؤ۔ میں ایک اور جنگلی
کو پکڑ لاتا ہوں، لیکن اس دوران اگر کوئی جنگلی پلٹ کر

ہماری طرف دیکھ لے تو تم اسے تیر کا نشانہ بنا دینا۔"

"لیکن ابا جان۔ اس طرح تو اس کی چیخ نکل سکتی
ہے۔ اور اس کے بہت سے ساتھی مڑ کر دیکھ لیں گے۔"

"تو پھر۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں آپ کے ساتھ کیوں نہ آگے بڑھوں۔ اگر کوئی
مڑ کر دیکھے گا تو اس پر اس انداز سے وار کروں گی کہ
اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکے۔"

"چلو یوں ہی سہی۔ آؤ۔"

بے ہوش جنگلی کو وہیں چھوڑ کر وہ آگے بڑھے۔

"اب مجھے خیال آ رہا ہے۔ اسے بے ہوش نہیں کرنا
چاہیے تھا۔ موت کے گھاٹ اتارنا زیادہ مناسب ہے۔
تاکہ یہ خطرہ نہ بنے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"چلیے۔ اب تو آ گئے۔"

وہ ایک اور جنگلی کے پیچھے پہنچے۔ وہ بھی لڑائی
کی طرف متوجہ تھا، لیکن چوں کہ یہ لوگ سب سے
پیچھے تھے۔ اس لیے انھیں ابھی تیر چلانے کا موقع
نہیں ملا تھا۔

انھوں نے ایک اور کو دبوچا اور کھوہ میں لے آئے،
اس بار انھوں نے دونوں کا گلا گھونٹ دیا۔ فرزانہ منہ پھیر

کر کھڑی ہو گئی۔ یہ منظر اس سے دیکھا نہ گیا۔

"فرزانہ — ابھی منہ ادھر نہ کرنا۔" اچانک انھوں نے کہا۔

"جی بہتر۔" وہ بولی۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی:

"بس — اب ادھر دیکھ سکتی ہو۔"

جوں ہی وہ مڑی — بوکھلا اٹھی — ایک جنگلی اس کے سامنے کھڑا تھا، پھر وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ انسپکٹر جمشید جنگلی کا روپ دھار چکے تھے —

"یہ — یہ اچھا رہا۔"

"تو پھر — تم بھی اسی روپ میں آ جاؤ۔"

"میں — میں۔" وہ ہکلائی۔

"ہاں بھئی — مجبوری ہے — کوئی حرج نہیں۔"

اب انھوں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ جلد ہی فرزانہ بھی ایک چھوٹا سا جنگلی نظر آنے لگی — جنگلیوں کے بچے بھی تو آخر ان کے ساتھ تھے —

اب وہ دونوں پھر جنگلیوں کی طرف بڑھے۔ اب خطرہ کچھ کم ہو گیا تھا — فوری طور پر کسی جنگلی کو یہ احساس نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی دشمن ان کے قریب کھڑا ہے —

وہ ایک جنگلی کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ انسپکٹر جمشید نے اس کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دی۔ وہ چونک کر مڑا:

"می شونگ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ می شونگ کا کیا مطلب ہے: تاہم انھوں نے فوراً کھوہ کی طرف انگلی اٹھا دی اور اس کا بازو پکڑ کر کھوہ کی طرف بڑھے۔ جنگلی حیرت زدہ ان کے ساتھ چل پڑا۔

کھوہ میں پہنچ کر وہ بری طرح اچھلا، لیکن اسی وقت اس کی کن پٹی پر ایک ہاتھ لگ چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر جنگلیوں کی طرف بڑھ رہے تھے —

اس طرح انھوں نے پندرہ جنگلیوں کو ٹھکانے لگا دیا، اب ان کے پاس پندرہ کمانیں اور سیکڑوں تیر تھے۔ اور انھیں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچنا تھا —

حیرت کی بات

"ہائیں! یہ کیا — یہ تو بیسیوں گولیاں چلی ہیں جب کہ ہم نے فائر ایک کیا ہے۔" پروفیسر داؤد حیران ہو کر بولے۔

"اور یہ شوکی کا کمال ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جی — کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"اس نے منہ سے یہ آوازیں نکالی ہیں۔"

"اوہ — کمال ہے۔" آصف کے منہ سے نکلا۔

"لیکن دشمن ان آوازوں سے کب تک دھوکا کھا سکتا ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"جب تک کھائے گا، اس وقت تک ہی سہی — ہم اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

وہ ایک ایک فائر کرتے رہے اور شوکی منہ سے آوازیں نکالتا رہا — ایک وقت میں دشمنوں کا صرف ایک آدمی ہلاک ہوتا رہا، دوسری طرف سے تیر بارش کی طرح برس رہے تھے اور پیالے میں تیروں کا ایک عظیم انبار لگ گیا تھا —

اور پھر ان کی آخری گولی بھی چلا دی گئی:

"اب — اب کیا کریں؟"

"شوکی منہ سے آوازیں نکالتا رہے گا — ذرا دیکھیں تو سہی — یہ جنگلی اب کیا کرتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہوں — ٹھیک ہے۔"

شوکی نے پھر منہ سے آوازیں نکالیں — اور یہ سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہا — دشمن نے اب بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کی تھی — اچانک انھوں نے دو جنگلیوں کو باقی جنگلیوں سے آگے بڑھتے دیکھا — وہ بہت تیزی سے دوڑتے ہوئے پیالے کی طرف آ رہے تھے —

جنگلیوں نے ان کی بہادری سے خوش ہو کر بے تحاشہ تالیاں بجائیں — پہاڑ تالیوں سے گونج اٹھے — انھوں نے تالیوں کی آواز کو دہرایا —

"یہ — یہ کیا — ان میں اس قدر دلیر لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"آنے دیں — دو ہی تو ہیں — دیکھ لیں گے۔" خان رحمان بولے —

"نہیں خان رحمان — یہ نہ کہو۔ اگر یہ دو جرأت کر بیٹھے
ہیں تو ان کے پیچھے نہ جانے کتنے اور آئیں گے — اور
جب وہ دیکھیں گے کہ ہم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ
سکے تو پھر تو اور بھی زور شور سے آئیں گے — اس
وقت ہم کیا کریں گے — یہ سوچیں۔"

"ہم اس وقت بھی ان سے جنگ کریں گے اور
اپنے اللہ کو یاد کریں گے۔" اشفاق نے کہا۔

"لیکن ہم انھیں پتھروں کے ذریعے بھی تو روک سکتے
ہیں — اس پیالے میں کچھ پتھر بھی تو موجود ہیں۔" فرحت
نے جلدی سے کہا۔

"اوہ ہاں!" خان رحمان چونکے۔

"میرے خیال میں تو یہ مناسب نہیں رہے گا۔ پتھروں
سے وار کرتے دیکھ کر جنگلی جان جائیں گے کہ ہمارے
پاس گولیاں نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔"

"اوہ ہاں — یہ بھی ہے — خیر — پھر انھیں آنے دیتے
ہیں — دیکھ لیں گے۔"

دونوں جنگلی تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہے
تھے — اچانک ان کے کانوں میں اُلّو کی آواز آئی
"ہائیں — یہ ان پہاڑوں میں اُلّو کہاں سے آگیا۔"

کھن نے حیران ہو کر کہا۔

"اوہو — یہ — یہ تو ابّا جان اور فرزانہ ہیں۔" محمود چلّایا۔

"کیا!" وہ ایک ساتھ بول اُٹھے۔

"اور ہمارے لیے کمانیں لے کر آ رہے ہیں۔"

"کمال ہے — یہ تو تمام جنگلیوں کے سامنے ہی ہماری
طرف آ رہے ہیں — اور جنگلی انھیں اپنے دلیر ترین ساتھی
خیال کرتے رہے — اب آئے گا مزا۔" فاروق چہکا۔

"خیر — اتنا مزا بھی نہیں آئے گا — اب بھی ان
جنگلیوں سے مقابلہ آسان نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کی
تعداد بہت زیادہ ہے — دوسرے یہ کہ یہ لوگ تیر اندازی
کے ماہر ہیں — جب کہ ہمیں زیادہ تجربہ نہیں ہے —
ہم تیر تو ضرور چلائیں گے، لیکن اس قدر تیزی اور
مہارت سے نہیں چلا سکیں گے۔"

"پھر بھی — ہم بالکل بے بسی کی موت تو نہیں
مریں گے نا۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"یہ تو واقعی انسپکٹر صاحب اور فرزانہ ہیں — میں نے
انھیں پہچان لیا ہے۔" اکرام بولا۔

"لیکن جنگلی ابھی تک انھیں اپنا ساتھی خیال کر رہے

ہیں۔" شاہد مسکرایا۔

"یہی تو انسپکٹر جمشید کا کمال ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خوش ہو کر کہا۔

"اور پھر وہ ان تک پہنچ گئے۔ انھوں نے فوراً سب کو ایک ایک کمان دے دی۔"

"یہ۔ یہ سب کیسے ہوا ابّا جان؟"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ پہلے تیر کمانوں میں چڑھا لیں۔" وہ بولے۔

"شوکی برادرز۔ تم پیالے کے پیندے میں سے تیر اٹھا اٹھا کر سب کو سپلائی کرو گے۔ دیکھو سپلائی ٹوٹنے نہ پائے۔"

"جی بہتر۔ آپ فکر نہ کریں۔"

وہ تیر لانے میں جت گئے۔ اور انھوں نے دھڑا دھڑ تیر کمانوں میں چڑھا چڑھا کر پھینکنے شروع کیے۔ جنگلیوں کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ جواب میں انھوں نے بھی تیر اندازی شروع کر دی۔ لیکن یہ لوگ اس پیالے کی وجہ سے محفوظ تھے۔ تھے بھی اونچائی پر۔ جب کہ جنگلی نیچے تھے۔ اس لیے ان کے تیر کارگر ہو رہے تھے۔ اور جنگلیوں کے پہلے کی طرح بے کار جا رہے تھے۔

"اب تو آپ تفصیل بتا سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت ہمیں اس پر ہے کہ آپ جنگلیوں سے نکل کر بے دھڑک اوپر کی طرف کیسے آ گئے۔ آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ ہم آپ پر فائر نہیں کریں گے۔"

"میں نے مصنوعی گولیوں کی آواز پہچان لی تھی۔ اور جان گیا تھا کہ آپ لوگوں کے پاس گولیاں ختم ہو گئی ہیں۔ بس میں نے یہی فیصلہ کیا کہ جنگلیوں کے درمیان سے نکل کر پیالے کا رُخ کرنا چاہیے۔ جنگلی یہی خیال کریں گے کہ ان کے دو بہادر ساتھی گولیوں کی پروا کیے بغیر آگے بڑھ رہے ہیں اور یہی ہوا۔" انسپکٹر جمشید تفصیل بتاتے چلے گئے۔

"ارے۔ یہ کیا بھئی۔ اُف۔" اچانک انھوں نے خان رحمان کی آواز سنی۔

"کیا بات ہے خان رحمان؟"

"بہت خوف ناک بات ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"ان کے بہت سے ساتھی۔ بڑی بڑی ڈھالیں اٹھائے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ گویا انھیں ڈھالیں

لانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔" خان رحمان بولے۔

"اوہ۔ اوہ۔"

"گویا اب یہ لوگ ڈھالوں کے ذریعے اوپر کی طرف
ئیں گے۔"

"ہاں!" خان رحمان کھوئے کھوئے لہجے میں بولے۔

"تت۔ تو کیا۔ ہماری فوج ہار جائے گی۔" شوکی
نے درد بھری آواز میں کہا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال ہم مقابلہ جاری
رکھیں گے۔"

انھوں نے تیر اندازی جاری رکھی۔ دوسری طرف
ڈھالیں تقسیم ہو رہی تھیں اور پھر جنگلیوں کی اگلی
صف کے ہر آدمی کے پاس ڈھالیں نظر آئیں۔ وہ ان
ڈھالوں کو سامنے کرکے آگے بڑھنے لگے۔ اب جو انھوں نے
تیر چلاتے تو ان کی بجائے۔ ان کی ڈھالوں سے ٹکرا ٹکرا
کر نیچے گرے۔ جنگلی بالکل محفوظ رہے۔ یہ دیکھ کر تمام جنگلیوں
نے ایک نعرہ لگایا۔ الفاظ ان کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔

اب جنگلیوں کا جوش دیکھنے والا تھا۔ ادھر ان
کے تیر برابر ناکام جا رہے تھے۔ کوئی اکا دکا تیر
کسی کے لگ بھی جاتا تو وہ کیا پروا کرنے والے تھے۔

"ہم جنگ ہار رہے ہیں۔" خان رحمان نے اعلان کیا۔

"ہاں خان رحمان۔ لیکن اس میں ہم میں سے
کسی کا کوئی قصور نہیں۔ اس قدر کم تعداد اور نہ ہونے
کے برابر اسلحے کے ساتھ ہم نے ان کے جتنے آدمیوں
کا صفایا کیا ہے۔ وہ بھی کوئی کم بات نہیں ہے۔
ایک بڑا لشکر بھی شاید انھیں اتنا نقصان نہ پہنچا سکتا۔"
انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اور ہم اب بھی جنگ جاری رکھیں گے۔ مرتے
دم تک۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن۔ میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" انسپکٹر
جمشید بول اٹھے۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اگر ان لوگوں نے ہمیں گرفتار کرنا چاہا
تو ہم گرفتاری دے دیں گے، کیوں کہ اس طرح ہمیں
کوئی اور موقع ملنے کا امکان ہو گا۔ جب کہ لڑائی
کی صورت میں۔ ہم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔"

"لیکن دوسری موت بزدلی کی موت ہو گی انکل۔"
آصف نے کہا۔

"نہیں۔ بزدلی کی موت اس صورت میں ہو گی جب

ہم ان سے زندگی کی بھیک مانگیں۔ اور وہ ہم ان سے مانگیں گے نہیں"۔ خان رحمان بولے۔

"یہ بھی ٹھیک ہے"۔

تیر اندازی بدستور جاری رہی۔ یہاں تک کہ تمام جنگلی پیالے کے بالکل نزدیک آ گئے۔ اب ان کے ہاتھوں میں تلواریں نظر آنے لگیں۔

"ہم تلواروں کے وار تیروں کے ذریعے نہیں روک سکتے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

اچانک ایک بہت لمبے جنگلی نے بلند آواز میں کہا:

"شی ٹنگ"۔

"شی ٹنگ کیا ہوتا ہے بھائی۔ ہمارے تو فرشتوں کو بھی شاید یہ زبان نہیں آتی"۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"شی ٹنگ"۔

"اچھا اچھا۔ ٹھیک ہے"۔ فاروق جلدی سے بولا۔

"کیا ٹھیک ہے؟" آفتاب حیران ہو کر بولا۔

"پتا نہیں کیا ٹھیک ہے۔ میں نے تو بس یونہی ہی کہہ دیا ہے"۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہ ہتھیار پھینکنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اب تو یہ اشارے بھی

کر رہے ہیں"۔

"تو پھر۔ کیا خیال ہے؟"

"میرا تو خیال یہی ہے کہ ہتھیار پھینک دیے جائیں، کیوں کہ ہو سکتا ہے۔ ہمیں کوئی سنہری موقع ہاتھ آ جائے۔ اس جگہ اب کسی سنہری موقعے کا امکان دور دور تک نہیں ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اور وہ کمانیں پھینکنے لگے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

"محمود۔ تم اپنا چاقو مجھے دے دو۔ شاید مجھے اس کی ضرورت پیش آ جائے"۔

"جی بہتر!" اس نے کہا اور چاقو نکال کر دے دیا، انھوں نے اسے اپنی آستین کی ایک خفیہ جیب میں اڑس لیا:

"جمشید مجھے افسوس ہے۔ میں یہ جنگ نہ جتوا سکا"۔ خان رحمان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"جس قدر بھی جنگ لڑی گئی۔ بہت مہارت سے لڑی گئی۔ دشمنوں کے ان گنت آدمی مارے گئے۔ ان حالات میں اور کیا ہی کیا جا سکتا تھا"۔ انھوں نے جواب دیا۔

"اس کے باوجود۔ مجھے بہت افسوس ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں افسوس کی۔ تم بھی تو آخر ہمارے ساتھ ہو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"جی ہاں! بالکل۔"

ان کے ہتھیار پھینکتے ہی جنگلی پیالے میں کود پڑے۔ ان کے گرد گھیرا ڈال دیا گیا۔ اور پھر انھیں پیالے سے باہر لایا گیا۔ نقارے کی آواز ایک بار پھر گونجنے لگی۔ گویا یہ فتح کا اعلان تھا۔

ان کے گرد کئی سو جنگلی ننگی تلواریں لیے چل رہے تھے۔ نقارہ زور زور سے بج رہا تھا۔ اس کی دھمک وہ اپنے دلوں میں محسوس کر رہے تھے۔ باقی جنگلی اب اچھلتے کودتے شور مچاتے آگے بڑھ رہے تھے۔ گویا فتح کا جشن منا رہے تھے۔

"یہ۔ ہمیں۔ کہاں لے جا رہے ہیں انکل؟" شوکی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"قربان گاہ۔ جہاں لے جا کر یہ ہمیں تر نوالہ بنائیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور۔ اور یہ بات آپ مسکرا کر کہہ رہے ہیں۔" حن بولا۔

"اب اور کیا کروں۔"

اچانک ایک بگل کی آواز نے ان سب کو چونکا دیا۔ جنگلی بھی یک دم خاموش ہو گئے۔ ساتھ ہی گھوڑا دوڑنے کی آواز سنائی دی۔

"بگل کی آواز۔ اور گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز۔ یہ کیا چکر ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے، پھر انھوں نے جنگلیوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے چمک رہے تھے۔ دمک رہے تھے۔ اور مسکرا رہے تھے۔

جلد ہی انھوں نے ایک گھوڑے سوار کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ جوں ہی گھوڑا نزدیک آیا۔ ان سب نے اپنے سر جھکا دیے۔ جنگلیوں کا سردار۔ لمبا آدمی تیزی سے آگے بڑھا اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر جھک گیا۔

انھوں نے دیکھا۔ گھوڑے کی کمر پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ اس کے جسم پر جدید قسم کا قیمتی لباس تھا۔ عورت کا رنگ سونے کی طرح چمک دمک رہا تھا۔ چہرے پر حد درجے رعب تھا۔ پھر وہ گھوڑے سے اتری۔ فخر اور غرور سے اس کی گردن تنی ہوئی تھی، چہرہ بھی اکڑا ہوا تھا۔ سردار اور جھک گیا۔ جونہی عورت نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا۔ وہ سیدھا ہو گیا۔

تمام جنگلی بھی سیدھے ہو گئے — عورت نے کچھ کہا۔ جنگلی نے
اس کی بات کا جواب دیا — اب عورت ان کی طرف
بڑھی — ان کے نزدیک آکر وہ رک گئی — ان میں
سے ہر ایک کے پاس رک رک کر وہ انھیں دیکھتی
رہی — پتا نہیں — وہ کیا دیکھ رہی تھی — اچانک اس
کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آگئی —

یہ مسکراہٹ انھیں بہت عجیب سی لگی — ان سب
کو دیکھنے کے بعد وہ سردار کی طرف آگئی — پھر
اس سے کچھ کہا — اور گھوڑے پر سوار ہو گئی —
اس کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا چلا گیا ، یہاں تک کہ
وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا — ان کا سفر پھر شروع
ہوا — آدھ گھنٹے تک چلنے کے بعد وہ گھنے درختوں کے
درمیان پہنچ گئے — درختوں کے ایک سرے پر ایک
بہت بڑا بت نصب تھا — اس کے آگے ایک بہت
بڑا تخت بچھا تھا — تخت خون آلود تھا ، لیکن خون
جم کر سیاہ ہو چکا تھا — بڑی بڑی مکھیاں تخت پر
بھنبھنا رہی تھیں :

" تو یہ ہے ہماری قربان گاہ " محمود نے پُر سکون
آواز میں کہا —

" یا اللہ رحم فرما " مکھن بولا —

جنگلیوں نے انھیں رسیوں سے باندھنا شروع کر
دیا — چالیس کے قریب جنگلی باندھنے کے کام میں
مصروف ہو گئے — لہٰذا دو تین منٹ میں سب کے سب
بندھے نظر آئے —

اب انھیں اٹھا اٹھا کر اس تخت پر پھینکا جانے
لگا — عجیب بے رحمی تھی ان میں — شاید اس طرح
ذبح کیے جانے والے جانوروں کو بھی نہیں پھینکا جاتا
ہو گا —

" یا اللہ ! رحم فرما " اشفاق بلند آواز میں بولا —
جنگلی زور سے ہنسے — پھر ان کے قہقہے شروع ہو
گئے — اچانک ایک بار پھر گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی
دی — جنگلی ایک طرف مڑ گئے — جس طرف سے گھوڑا
آرہا تھا — آخر وہی عورت گھوڑے پر سوار
وہاں پہنچی اور پھر گھوڑے سے اُتر کر ان کی طرف
آئی — اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی ،
وہ تخت پر چڑھ گئی اور ان کو دیکھنے لگی — چھڑی
کی نوک ان کے ہونٹوں پر ، ناک پر اور پیشانی پر
بار بار مارنے لگی — اچانک اس کے منہ سے نِکل گیا :

"وقت کے عقل مند ترین اور دلیر ترین آدمی آج کس قدر بے بس نظر آ رہے ہیں۔"

"کک — کیا مطلب؟"

وہ چونک اٹھے — کیونکہ یہ جملہ اردو میں کہا گیا تھا — اور اس سے بڑھ کر ان کے لیے حیرت کی بات کیا ہو سکتی تھی —

چوٹی کا محافظ

"شش — شاید ہمارے کان بجے ہیں۔" محمود ہکلایا۔

"نہیں — یہ محترمہ اردو میں بولی ہیں — کیوں ٹھیک ہے نا۔" انسپکٹر جمشید نے عورت کی طرف دیکھا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" وہ پھر اردو میں بولی اور مسکرائی بھی —

"لیکن — یہاں — ان جنگلیوں کے درمیان ایک اردو بولنے والی عورت — اس سے زیادہ حیرت کی بات شاید کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"تو تم جنگلی نہیں ہو۔"

"نہیں — میں تو اس دیوتا کی بیوی ہوں۔" وہ ہنسی۔

"دیوتا کی بیوی — کیا مطلب؟"

"یہ جنگلی لوگ اس بت کو اپنا دیوتا مانتے ہیں —

اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے آگے جھکتے ہیں۔
ایک دن جب یہ عبادت میں محو تھے۔ تو میں اس بُت
کے اندر سے نکل آئی۔ انھوں نے مجھے بُت میں سے
نکلتے دیکھا تو چلا اٹھے۔ خوف سے کانپنے لگے۔ لیکن
میں نے انھیں تسلی دی۔ اور بتایا کہ میں ان کے
دیوتا کی بیوی ہوں۔ اور یہ میرے سامنے جھک گئے،
اب میں جب چاہتی ہوں۔ ظاہر ہو جاتی ہوں اور جب
چاہتی ہوں۔ غائب ہو جاتی ہوں۔"

"لیکن کہاں؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"اس بات کو چھوڑو۔ اور صرف یہ سوچو کہ تم اب
ذبح کر دیے جاؤ گے۔ پہلے یہ تمھارا خون پییں
گے اور پھر گوشت کھائیں گے۔ کچا گوشت۔ یہ لوگ
پکانے کے چکر میں نہیں پڑتے۔ جانوروں کا بھی کچا
گوشت کھاتے ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" انھیں گھن آنے لگی۔

"ہاں! لیکن میرے اشاروں پر جان دینے کے لیے
تیار ہو جاتے ہیں۔ میں اگر ان سے کہ دوں کہ تم
لوگوں کو کھول دیں۔ تو فوراً کھول دیں گے۔ اگرچہ یہ
تم لوگوں کو کھانے کے لیے بُری طرح بے چین ہیں۔"

"مم۔ محترمہ۔ اس قدر خوف ناک باتیں نہ کرو۔" شوکی
نے گھبرا کر کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" فرزانہ بولی۔

"میں شہزادی زیا ماٹا ہوں۔" اس نے کہا۔

"زیا ماٹا۔" محمود بولا۔

"کیوں۔ نام پسند نہیں آیا کیا؟" وہ مسکرائی۔

"نام تو خیر اچھا ہے۔ اور زور دار ہے، لیکن ہماری
طرف اس قسم کے نام نہیں ہوتے۔ یہ تو بتائیے۔
آپ شہزادی کس طرح ہیں۔ آپ تو اس دیوتا کی بیوی
ہیں۔"

"دیوی دیوتا بھی انسان ہوتے ہیں۔ ان کے مرنے
کے بعد ان کے بُت بنا لیے جاتے ہیں اور ان کی
پوجا شروع کر دی جاتی ہے۔"

"ایسے لوگوں کی عقلوں پر بھی ماتم کرنے کو جی
چاہتا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! لیکن یہ تو خیر جنگلی ہیں۔ شہری لوگ بھی اس
قسم کے عقیدے رکھتے ہیں۔" زیا ماٹا بولی۔

"اور تو اور۔ لوگ تو قبروں کی بھی پوجا کرنے
لگ گئے ہیں۔ ایک شخص جب مر جاتا ہے تو ہاتھ پیر

تک نہیں ہلا سکتا — اسے دوسرے نہلاتے ہیں، کفن
پہناتے ہیں — وہ بے چارہ تو ناک پر سے مکھی نہیں اڑا
سکتا، لیکن لوگ — اس کے دفن کے بعد اس کی قبر
کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔"

"اس سے زیادہ بے عقلی کیا ہو سکتی ہے۔" زیاماٹا بولی۔

"لیکن تم کچھ اپنے بارے میں تو بتاؤ — آخر تم یہاں
کس طرح آ گئیں؟"

"میرا باپ اپنے ذاتی جہاز میں سفر کر رہا تھا —
میں بھی اس کے ساتھ تھی — اچانک جہاز میں کوئی
خرابی ہو گئی — جہاز جنگل میں گر کر تباہ ہو گیا —
میرے باپ کے بھی ٹکڑے اڑ گئے — لیکن میں بچ گئی —
اور اس طرف نکل آئی — یہاں میں نے ان لوگوں کو
دیکھا — یہ اس بت کی پوجا کر رہے تھے — میں نے چھپ
کر انھیں کچھ انسانوں کو کھاتے بھی دیکھا — نہ جانے یہ
انھیں کہاں سے پکڑ لاتے تھے — وہ شکاری قسم کے لوگ
تھے شاید کسی جنگل سے پکڑ کر لائے تھے — ان کو
انھوں نے جب کھایا تو میں ڈر گئی — کانپ گئی —
لیکن پھر مجھے عقل آ گئی اور میں نے خود کو اس
دیوتا کے اندر پہنچا دیا — یہ اندر سے کھوکھلا ہے —

انھوں نے مجھے دیوتا کی بیوی سمجھ لیا — اب میں انھیں
جو حکم دیتی ہوں، یہ کرتے ہیں — یہ گھوڑا بھی جنگل
سے پکڑ کر میرے لیے لائے تھے۔" یہاں تک کہہ کر
زیاماٹا رک گئی۔

"لیکن — جہاں تک میرا خیال ہے — یہ لوگ آپ
کی ایک بات نہیں مانیں گے۔" شوکی بول اٹھا۔

"اور وہ کیا؟"

"اگر آپ ان سے کہیں کہ یہ ہمیں چھوڑ دیں — تو
یہ ہرگز یہ بات نہیں مانیں گے۔"

"یہ حکم اگرچہ انھیں ناگوار گزرے گا، لیکن مانیں
گے ضرور۔"

"تو پھر تجربہ کر کے دکھا دیں۔" انسپکٹر جمشید عجیب سے
انداز میں بولے۔

"نہیں — مجھے تم سے کوئی دل چسپی نہیں۔"

"ہم تمھیں تمھارے شہر پہنچا دیں گے۔"

"شہر سے زیادہ مجھے یہاں کی زندگی پسند آ گئی
ہے — یہاں مکمل بادشاہی ہے۔"

"اچھا ایک بات — تم نے ہمیں دیکھ کر کہا تھا کہ
اپنے وقت کے عقل مند اور دلیر ترین آدمی بے بسی

...ی حالت میں بندھے پڑے ہیں ۔ آخر تم نے یہ کس
طرح کر دیا تھا؟

"میں نے تم لوگوں کو پہچان لیا ہے ۔ میں مہماتی
...خبارات کا پوری طرح مطالعہ کرتی رہی ہوں ۔ لہٰذا
تم لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"ان حالات میں بھی آپ ہمیں بچانے کی کوشش
...ہیں کر سکتیں۔"

"ن ۔ نہیں ۔ جب تمھیں کھایا جائے گا تو وہ منظر
...ہت دل چسپ ہوگا ۔ ایسے مناظر کے لیے تو میں
...رس گئی ہوں۔" اس نے کہا۔

"ترس گئی ہوں ۔ کیا مطلب ۔ تم تو کہ چکی ہو
...کہ جنگلی نہیں ہو۔"

"ہاں! لیکن یہاں رہ کر تو میں اس قسم کے مناظر
...کی عادی ہو گئی ہوں نا۔"

"آپ کی مرضی ۔ ہم کیا کہ سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران
...رزا نے کندھے اُچکائے ۔

"آپ نے اپنا کیا نام بتایا؟" فرزانہ چونکی۔

"زیاماٹا۔"

"یہ نام تو بالکل جنگلیوں جیسا ہے۔"

"ہاں! انھیں بتانے کے لیے ہی میں نے یہی نام پسند
کیا تھا۔" وہ مسکرائی ۔

"گویا آپ کا اصلی نام کچھ اور ہے؟" فرحت نے پوچھا۔

"ہاں! لیکن ۔ اب میں اس نام کو بھولتی جا
رہی ہوں۔"

"اور آپ ہیں کس مُلک کی رہنے والی؟"

"آپ کے ایک پڑوسی مُلک کی۔" اس نے کہا۔

اسی وقت سردار زیاماٹا کی طرف مڑا اور اپنی
زبان میں اس سے کچھ کہا ۔ زیاماٹا نے جواب دیا ۔

"یہ کیا پوچھ رہا ہے؟" محمود نے بے چین ہو کر
پوچھا ۔

"پوچھ رہا ہے کہ میں تم سے کیا باتیں کر رہی
ہوں ۔ اور اس نے یہ بھی پوچھا ہے کہ میں تم لوگوں
کی زبان کس طرح جانتی ہوں۔"

"پھر ۔ اس سوال کا تم نے کیا جواب دیا۔" پروفیسر
عقلان بولے ۔

"یہ کہ دیوتاؤں کو تو ہر زبان آتی ہے ۔
آخر میں تم لوگوں کی زبان بھی تو بول لیتی ہوں۔"

"اسی بات پر تو ہم حیران ہیں ۔ آخر آپ ان کی

...زبان کس طرح جانتی ہیں؟

"جہاز تباہ ہونے کے کئی ماہ بعد تک میں
...صرف ان کی نگرانی کرتی رہی ہوں۔ ان کی باتیں سننے
کی کوشش کرتی رہی ہوں۔ ان کی زبان بہت آسان
ہے۔ میں بہت جلد سمجھ گئی تھی۔"

"ہوں خیر۔"

"اب یہ لوگ بہت بے چین ہو رہے ہیں۔ اور
چاہتے ہیں کہ میں درمیان سے ہٹ جاؤں۔"

"تو پھر ہٹ جائیں۔ ان بے چاروں کی بے چینی
دور کر دیں۔"

"نہ جانے کیا بات ہے۔ کیوں مجھے تم لوگوں پر
ترس آ رہا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"اور میں بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا رخصت ہوتی
ہوں۔ اس بات کا افسوس رہے گا کہ اب تم لوگ
کبھی نظر نہیں آؤ گے۔ بے شک تم بہت دلیر اور بہادر
ہو۔ موت کے منہ میں بھی بے فکری سے گفتگو کرتے
رہے ہو۔"

"شکریہ!" وہ بولے۔

وہ تخت سے نیچے اترنے لگی۔ اچانک کسی نے
اسے کندھے سے پکڑ لیا۔ وہ گھبرا کر پلٹی۔ آنکھوں میں خوف
بھی تھا۔ اس نے دیکھا۔ اس کے دونوں کندھے
انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں تھے اور ان کے دائیں ہاتھ
میں ایک چاقو تھا۔ ننھا سا چاقو۔

"میرے ہاتھ میں دنیا کا تیز ترین چاقو ہے۔ یہ
لوہے کو بھی موم کی طرح کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ تمہاری
گردن تو لوہے سے بہت نازک ہے۔ بس ایک وار
میں کٹ کر دور جا گرے گی۔ لہٰذا تم ہاتھ اوپر اٹھا
دو اور ان سب کو حکم دو کہ یہ اپنے ہتھیار پھینک
دیں۔ اگر کسی کے ہاتھ میں بھی ہتھیار نظر آ گیا تو سب کے
سب جان سے جائیں گے۔"

"وہ مارا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

ادھر زیاماٹا ساکت رہ گئی تھی۔ بات اس وقت تک
جنگلیوں کو بھی معلوم ہو چکی تھی، لیکن وہ الجھن کے
عالم میں اپنی جگہ کھڑے تھے۔ جیسے کچھ فیصلہ نہ کر پا
رہے ہوں کہ کیا کریں۔ اور کیا نہ کریں۔

"میں انتظار نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر انھوں نے چاقو
کی نوک اس کی گردن سے چھو دی اور ہلکا سا دباؤ

لا ـــ زیاماٹا کانپ گئی اور چلّا کر بولی:
"شوگو ڈو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی تلواریں زمین پر گرنے
یں ـــ تیر کمان بھی نیچے گرتے چلے گئے ـــ یہاں تک کہ
ی جنگلی کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہ رہا ـــ

"ان سے کہو ـــ یہاں سے پچاس قدم پیچھے ہٹ
یں۔"

اب پھر اس نے چند الفاظ منہ سے نکالے
ر وہ پیچھے ہٹنے لگے ـــ اب انھوں نے زیاماٹا کے بال
ضبوطی سے ایک ہاتھ میں پکڑ لیے اور جھک کر چاقو
سے انسپکٹر کامران مرزا کی رسیاں کاٹ دیں، پھر چاقو
ن کے ہاتھ میں دے دیا ـــ

وہ جلدی جلدی سب کو کھولتے چلے گئے ـــ

"اپنے لیے تلواریں اور تیر کمان رکھ کر باقی سارے
یر کمانوں کو آگ لگا دو ـــ اور تلواریں بھی اس آگ میں
ال دو ـــ تاکہ وہ بھی پگھل جائیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انھوں نے ایسا ہی کیا ـــ تیر کمان تیل کی طرح
جلنے لگے ـــ اس قدر آگ بلند ہوئی کہ انھیں پیچھے
ہٹنا پڑا ـــ

جب آگ بجھی تو تمام تیر کمان جل کر راکھ ہو
چکے تھے ـــ تلواریں پگھل گئی تھیں ـــ بت کے پاس والا
تخت بھی جل چکا تھا ـــ بت دھوئیں سے سیاہ ہو
گیا تھا ـــ

"اس کو بھی توڑ دو ـــ تاکہ ہم بھی بت شکن بن جائیں۔"

انھوں نے تلواریں برسانا شروع کیں ـــ اور
اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ـــ دوسری طرف جنگلی اس
طرح غائب تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ ـــ شاید
جس کے جدھر سینگ سمائے تھے ـــ بھاگ گیا تھا ـــ

"زیاماٹا ـــ اب تم کیا کہتی ہو؟"

"اس کے سوا کیا کہوں گی کہ تم لوگ واقعی عقل مند ہو
اور دلیر بھی۔" اس نے کہا۔

"خیر ہم تمھیں اپنے ساتھ رکھیں گے ـــ کہیں جنگلی پھر
حملہ نہ کر دیں ـــ ویسے اب وہ مشکل ہی حملہ آور ہوں گے۔"
انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

وہ اسے ساتھ لے کر آگے بڑھے ـــ پہاڑ اب
ان کے سامنے تھے ـــ اور ان پہاڑوں کے دوسری طرف
دھند اور کہر کا سمندر تھا ـــ

"تمھیں معلوم ہے ـــ ان پہاڑوں کے دوسری طرف

کیا ہے؟"
"نہیں۔" اس نے کہا۔
"کبھی جانے کی کوشش بھی نہیں کی؟"
"میں پہاڑوں پر نہیں چڑھ سکتی۔ ڈر لگتا ہے۔"
"لیکن ہمیں تو چڑھنا ہے۔ خیر۔ ہم تمہیں نیچے چھوڑ
جائیں گے۔ تم جانو تمہارا کام۔"
"شکریہ۔ میں جنگلیوں کو پھر سے جمع کروں گی۔
ان کے ساتھ میری زندگی بھی اچھی گزر رہی تھی۔" اس
نے کہا۔

اور پھر وہ پہاڑوں کے دامن میں پہنچ گئے۔ انھوں
نے دیکھا۔۔۔ پہاڑ بالکل صاف تھا۔ اور اس پر گھاس پھوس
اور درخت وغیرہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اور ایسے
پہاڑوں پر چڑھنا موت کو دعوت دینے کے برابر ہوتا
ہے۔۔۔

"ان پہاڑوں کو دیکھ کر تو یوں ہی خوف محسوس ہوتا
ہے۔ ان پر چڑھیں گے کیسے؟" خان رحمان بولے۔
"کیا کیا جائے۔ چڑھے بغیر تو کام نہیں چلے گا۔
ہمارے پاس سامان ہے۔"
انھوں نے کوہ پیمائی کا سامان نکالا اور پہاڑ میں

ہکیں ٹھوکنے لگے۔ منور علی خان کے سامان سے بھی کچھ کام
لیا گیا۔ ان کی رسی بھی کام میں لائی گئی۔
"میری ایک تجویز ہے۔" ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے۔
"تجویز ضرور خوفناک ہوگی۔" فرزانہ نے کہا۔
"بہت جلدی بھانپ لیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"میں آپ کے لہجے سے اچھی طرح واقف ہوں۔"
فرزانہ نے کہا۔
"خیر۔ تجویز یہ ہے کہ۔ ہم میں سے صرف اور
صرف ایک آدمی پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے کی کوشش
کرے۔ اگر وہ چوٹی تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے
تو اوپر پہنچ کر ایک ہک گاڑ دے۔ اور اس ہک سے رسی
باندھ کر نیچے لٹکا دے۔ پھر ایک ایک کرکے نیچے والے
اوپر پہنچ جائیں۔"
"تجویز تو ٹھیک ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ پہلے اوپر
کون جائے گا؟" پروفیسر داؤد بولے۔
"میں!" انسپکٹر جمشید نے کہا۔
"میں کیوں نہ جاؤں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔
"ہم میں سے ایک جائے گا۔ کوئی تیسرا نہیں۔"
انھوں نے کہا۔

"تو پھر میں جاؤں گا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"نہیں۔ میں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس طرح تو بہت وقت لگ جائے گا۔" محمود گھبرا گیا۔

"کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"آپ ٹاس کیوں نہیں کر لیتے۔" فاروق نے کہا۔

وہ مسکرا دیے، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"چلیے یوں ہی سہی۔"

آخر سکّہ اچھالا گیا۔ انسپکٹر جمشید کے اوپر جانے کا فیصلہ ہوا۔ انھوں نے ضروری سامان کا تھیلا کندھے سے لٹکایا اور اوپر چڑھنے لگے۔ ہک پر ہک ٹھوکتے۔ وہ اوپر چڑھتے چلے گئے۔ منور علی خان کی رسی انھوں نے کمر سے باندھ رکھی تھی۔

ابھی وہ پہاڑ کے نصف تک پہنچے ہوں گے کہ چوٹی پر انھیں ایک آدمی نظر آیا۔ سیاہ لباس میں ایک شخص چوٹی پر اوندھا لیٹا ہوا انھیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹھٹک گئے۔

"تت۔ تم۔ تم کون ہو بھائی؟" انھوں نے بلند آواز میں کہا۔

"دشمن۔" اوپر سے آواز آئی۔ لفظ انگریزی میں کہا گیا تھا۔

"دشمن۔ لیکن۔ ہم سے کیا دشمنی ہے؟"

"تم لوگوں کو چوٹی پر نہیں آنے دوں گا۔ میں زمبوٹا کا شہری ہوں۔"

"اوہ۔ تو۔ ہمارا خیال غلط نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"یہ کہ۔ اڑن طشتریوں کا دیس اس دھند اور کہر کے نیچے ہے۔"

"پتا نہیں۔ یہ بات درست ہے یا نہیں۔ میں تو بس اس چوٹی کا محافظ ہوں۔"

"چوٹی کا محافظ۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اور تمھیں ہرگز اوپر نہیں آنے دوں گا۔"

"اوپر تو خیر ہم آئیں گے۔ یہ اتنا لمبا سفر اسی لیے تو کیا ہے۔"

"کوشش کر دیکھو۔"

"کیا بات ہے انسپکٹر جمشید؟ نیچے سے انسپکٹر کامران مرزا کی آواز آئی۔

"یہاں۔ چوٹی پر زمبوٹا کا ایک عدد باشندہ موجود

ہے ۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ہمیں پہاڑ کی چوٹی پر نہیں آنے دے گا۔"

"اوہ ۔ تو پھر؟"

"پھر کیا ۔ میں اوپر جا رہا ہوں ۔ اگر میں ناکام رہا اور اس کے ہاتھوں مارا گیا تو آپ آئیں گے ۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا ۔ یہاں تک کہ ہمارا آخری آدمی بھی کام آجائے۔"

"ٹھیک ہے ۔ ہم یہی کریں گے۔" نیچے سے انسپکٹر کامران مرزا نے کہا، پھر ان کے منہ سے نکلا:

"ارے!"

"کیا ہوا؟" وہ بولے۔

"وہ ۔ زیاماٹا غائب ہے۔"

"جانے دیں ۔ اب ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ۔ جنگلیوں کے پاس اب اسلحہ نہیں رہا۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

اور وہ اوپر چڑھنے لگے ۔ اچانک انھوں نے کوئی چیز بلا کی تیزی سے اوپر سے نیچے آتے دیکھی ۔ ایک لمحے میں انھیں احساس ہو گیا کہ اوپر سے نیچے آنے والی چیز ایک پتھر ہے ۔ جسے شاید دشمن نے پھینکا تھا ۔ انھیں

بڑی حیرت ہوئی ۔ وہ پستول سے فائر بھی تو کر سکتا تھا۔ جوں ہی پتھر ان کے نزدیک پہنچا ۔ وہ یک دم ہک کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف ہو گئے ۔ ان کا ایک پاؤں ایک ہک پر تھا ۔ اور دوسرا فضا میں لہرا رہا تھا ۔ اسی طرح ایک ہاتھ ہک پر تھا اور دوسرا فضا میں ۔ اور اس وقت وہ سیکڑوں فٹ کی بلندی پر تھے۔ پتھر ان کے بالکل قریب سے گزر گیا ۔

"تمھارا یہ وار خالی گیا ۔ دوسرا پتھر پھینکو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

"ضرور کیوں نہیں۔" اس نے کہا اور پیچھے ہٹ گیا۔ جلد ہی اس کا سر پھر نظر آیا ۔ اور دونوں ہاتھوں میں ایک بڑا پتھر بھی ۔ اس مرتبہ اس نے پتھر اس جگہ کا نشانہ لے کر پھینکا ۔ جہاں وہ پہاڑ سے چپک گئے تھے ۔ پتھر تیر کی طرح نیچے چلا ۔ ادھر انسپکٹر جمشید اس سے بچنے کی تیاری کر چکے تھے ۔ اس مرتبہ وہ مخالف سمت میں پہاڑ سے جا لگے اور پتھر نیچے چلا گیا۔

ادھر ان کے ساتھی حد درجے پریشان ہو رہے تھے ۔ پتھروں کی اوپر سے بارش کوئی خوش گوار بات تو نہیں تھی ۔

"تمھارا دوسرا پتھر بھی بے کار گیا۔ تیسرا آنے دو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں۔ چوٹی پر اتنے پتھر نہیں ہیں۔"

"لیکن بھئی ۔ پتھر آزمائے بغیر چارہ بھی کیا ہے۔"

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"شاید۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ خیر۔ سنبھالو۔ تیسرا پتھر آتا ہے۔"

ادھر وہ تیسرا پتھر پھینکنے کے لیے آگے کو جھکا۔ ادھر اس کے منہ سے دل دوز چیخ نکلی۔ پتھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے کی طرف چلا۔ اور پتھر کے پیچھے اس کا اپنا دھڑ بھی نیچے گرتا نظر آیا۔

"ارے ارے۔ یہ کیا ہو گیا بھئی تمھیں۔" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"بے چارہ ایک تیر کا شکار ہو گیا۔" نیچے سے انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اب انھیں معلوم ہوا۔ انھوں نے نیچے سے تیر چلایا تھا۔ اسی وقت زمبوٹا کا آدمی ان کے پاس سے گرتا چلا گیا۔

"جاؤ بھئی۔ اب نیچے جا کر آرام کرو۔" انسپکٹر جمشید

بولے۔

اب وہ پھر اوپر چڑھنے لگے۔ چوٹی پر اب کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ لہٰذا وہ بلا کھٹکے چڑھتے چلے گئے۔ اب نیچے کی آواز ان تک نہیں آ رہی تھی۔ فاصلہ بڑھ گیا تھا؛ تاہم وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ ان کے اٹھے ہوئے سر۔ تھک گئے تھے۔ لیکن نیچے جھکانا انھیں منظور نہیں تھا۔

انسپکٹر جمشید اب لمحہ بہ لمحہ چوٹی کے نزدیک ہوتے جا رہے تھے۔ ایک بار وہ چوٹی پر پہنچ جاتے۔ پھر باقی لوگوں کے لیے کام آسان تھا، لیکن شاید دشمن انھیں آسانی سے کامیاب ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسی وقت پہاڑ کی چوٹی پر ایک اور آدمی نظر آیا۔ اس موقعے پر چوٹی پر کسی کا نظر آنا انھیں بہت ناگوار گزرا۔

"بہت غلط موقعے پر آئے دوست۔" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

"اس سے اچھا موقع تو ہو ہی نہیں سکتا۔ میں تو موقعے کا منتظر تھا۔ ورنہ میں یہاں پہلے سے موجود ہوں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

وہ دھک سے رہ گئے۔ کیوں کہ اس کا تو یہ مطلب تھا کہ چوٹی پر اس کے علاوہ اور لوگ بھی ہو سکتے تھے۔

رسی کا سفر

دھک دھک کرتے دل کے ساتھ انھوں نے ایک نظر نیچے ڈالی۔ نیچے والے بھی سکتے کے عالم میں اوپر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے بھی دشمن کو دیکھ لیا تھا۔ نیچے سے نظریں ہٹا کر انھوں نے دشمن کی طرف دیکھا:

"اکیلے ہی ہو یا اور لوگ بھی ساتھ ہیں؟"

"نہیں اکیلا ہی بہت کافی ہوں۔ ضرورت پڑنے پر یہاں پوری فوج نظر آئے گی۔" اس نے کہا۔

"کیا تمھارے پاس کوئی پستول وستول نہیں ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔ وہ حد درجے پُرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ کیوں پوچھا؟"

"اگر ہوتا تو اب تک فائر کر چکے ہوتے۔"

"ہم پستولوں سے کام لینے کا تکلف نہیں کرتے۔

پستول اگر ہیں بھی تو شعاعی ۔ لیکن اس کا کیا مزا ۔ ادھر
میں شعاع تم پر ماروں گا، ادھر تم جل کر نیچے
جا گرو گے ۔ میں تو چاہتا ہوں، تم کچھ ہاتھ پیر مارو،
شکست کھا کر نیچے گرنے سے پہلے تم زندگی بچانے کے
لیے خوب ہی ہاتھ پیر مارو، لیکن تمھارا ہاتھ پیر مارنا
تمھارے کسی کام نہ آئے ۔ اور جب تم نیچے گرو تو تمھارے
چہرے پر خوف کا ایک ایسا عالم ہو، جس کو دیکھ کر
میری روح تک جھوم اُٹھے۔"

"تو ۔ یہ ہے تمھاری خواہش۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں! تم ذرا اور اوپر آ جاؤ ۔ تاکہ میں اپنا کام
شروع کر سکوں۔"

"گویا تم آگے کی طرف جھکتے ہوئے ڈر رہے ہو ۔ کہیں
پیچھے سے آنے والا تیر نہ لگ جائے۔" وہ مسکرائے۔

"یہی سمجھ لو ۔ مجھے خود موت کو دعوت دینے کی ضرورت
ہی کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور اوپر کی طرف بڑھے،
اس جگہ انھیں ہک گاڑنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی ۔
پاؤں رکھنے بلکہ جمانے کی بہت اچھی جگہ بنی ہوئی تھی،
لیکن اس کے اوپر ایک ہک ضرور لگانا پڑ رہی تھی ۔

اب وہ سوچ رہے تھے، ہک لگائیں یا کیا کریں ۔ یہ بھی تو
ہو سکتا تھا ادھر وہ ہک لگائیں، اُدھر دشمن وار کر دے۔

"کیا سوچنے لگے انسپکٹر صاحب؟"

"سوچ رہا ہوں ۔ تم سے مقابلہ کس طرح کیا جائے؟"

"تم کر چکے مقابلہ ایک ہاتھ ہو گا تمھارے پاس،
اس سے تم کیا کام لے سکو گے۔"

"اور خود تمھارے پاس۔" وہ بولے۔

"میں تو دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں سے کام
لے سکوں گا۔"

"کیسے بھئی ۔ ذرا لے کر دکھانا۔"

وہ یک دم خاموش ہو گیا ۔ چند لمحے تک اس کو
کوئی بات نہ سوجھی، آخر بولا:

"ٹھیک ہے ۔ میں صرف ہاتھ کام میں لاؤں گا اور
میرے ہاتھوں میں یہ چیز ہو گی۔"

انھوں نے دیکھا، اس کے دائیں ہاتھ میں ایک
لوہے کی سلاخ تھی:

"گویا مجھے اتنا اور اوپر آنا پڑے گا ۔ کہ تم اس سلاخ
سے کام لینے کے قابل ہو جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میری طرف سے تو نہ آؤ ۔ رہو وہیں موجود۔"

"نہیں! ہم لوگ جب ایک مہم پر نکلتے ہیں تو پھر رکنے
ام نہیں لیتے۔" انھوں نے کہا۔ دونوں پاؤں مضبوطی سے
ر ہک لگانے لگے۔ جوں ہی انھوں نے ہک پر ہاتھ
اور پاؤں اوپر اٹھایا، دشمن نے سلاخ سے ان کے سر
ار کیا۔ وہ جلدی سے ایک طرف ہو گئے۔ سلاخ ان
ندھے پر لگی۔ بلا کی تیزی سے انھوں نے سلاخ پر
ڈال دیا۔ اب سلاخ کا ایک سرا ان کے ہاتھ میں تھا،
دشمن کے ہاتھ میں۔

نیچے موجود ان کے ساتھی منہ کھولے یہ منظر دیکھ رہے
منظر اگرچہ انھیں بالکل صاف تو دکھائی نہیں دے
ں، تاہم کسی حد تک دیکھ ہی رہے تھے۔ اور پوزیشن
نظر آ رہی تھی۔

انسپکٹر جمشید سلاخ چھین لینے کے لیے زیادہ زور نہیں
تے تھے، کیوں کہ اس طرح ان کا پاؤں ہک پر
ھڑ سکتا تھا۔ ادھر دشمن نے سلاخ چھین لینے کی
ی۔ وہ مضبوطی سے سلاخ کو تھامے رہے اور پھر
ن نے پورا زور لگا دیا تو انھوں نے یک دم سلاخ چھوڑ

چانک دشمن ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس

کی ایک لرزہ خیز چیخ بھی انھوں نے سُنی۔ اب انھوں
نے فوراً چوٹی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ دوسرے ہی
لمحے وہ چوٹی پر لیٹے ہوئے تھے، لیکن فوراً ہی انھوں
نے دوڑتے قدموں کی آواز سُنی۔ انھوں نے سر اوپر
اُٹھا کر دیکھا۔ چوٹی پر ہموار جگہ کافی چوڑی موجود
تھی۔ گویا یہ ایک فصیل تھی۔ انھوں نے دیکھا۔ دس
کے قریب دشمن دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ پتا نہیں۔ وہ
اپنے ساتھی کی چیخ سُن کر آئے تھے۔ یا پہلے ہی یہاں
پہنچنے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔

انھوں نے جلدی سے رسی اپنی کمر سے کھولی اور
فصیل میں ایک ہک گاڑنے لگے۔ ان کی کوشش تھی کہ
دشمن کے نزدیک آنے سے پہلے پہلے ہک گاڑ دیں۔
اور رسی باندھ دیں۔ تاکہ انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان
وغیرہ بھی اوپر آ جائیں۔ دشمنوں کی تعداد اس سے بھی
زیادہ ہو سکتی تھی۔

ہک ابھی پوری طرح نیچے نہیں گئی تھی کہ انھوں
نے رسی باندھ دی۔ خیال یہ تھا کہ ایک بار رسی بندھ
جائے، پھر وہ ہتھوڑی اس وقت تک ہک پر برساتے
رہیں گے۔ جب تک کہ دشمن بالکل نزدیک نہیں آ جاتے،

ر انھوں نے یہی کیا۔ رسی باندھتے ہی اسے ایک جھٹکا
یہ اشارہ تھا ۔ اپنے ساتھیوں کو ۔ اور پھر ہتھوڑی
سانے لگے ۔ ادھر لمحہ بہ لمحہ دشمن نزدیک آ رہا تھا ۔
پہلا دشمن جب ان کے سر پر پہنچ گیا تو وہ ہک کو
ل کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

اس کے ہاتھ میں ایک لمبا خنجر تھا ۔ جس کو تولتا،
ان پر حملہ آور ہوا ۔ انھوں نے فوراً بائیں ہاتھ سے
کی کلائی پکڑ لی ۔ دائیں ہاتھ کا مکا اس کے منہ پر
، بائیں ہاتھ سے جھٹکا جو مارا تو خنجر نیچے گر گیا،
ں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ۔ اس کی کمر پر ایک لات رسید
دی ۔ وہ بری طرح اچھلا ۔ فصیل کے کنارے سے گرا اور
رنے ہی لمحے پہاڑ سے نیچے کی طرف چلا، اس کی
اور پر ہول چیخ نے فضا میں ہل چل مچا دی ۔

اتنی دیر میں دوسرا ان تک پہنچ چکا تھا ۔ وہ بلا
رفتار سے جھکے اور نیچے گرنے والا خنجر اٹھا لیا:
"آؤ دوست آؤ" وہ مسکرائے ۔

خنجر ان کے ہاتھ میں دیکھ کر وہ ٹھٹکا ۔ اس نے پیچھے
والوں کو خبردار کرنے کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا دیے،
اپنی پنڈلی سے خنجر نکال لیا اور ہاتھ میں تولتے

ہوئے آگے بڑھا ۔

انسپکٹر جمشید اب پوری طرح ہوشیار تھے ۔ دشمن نے
جچا تلا وار کیا ۔ نشانہ سینے کا لیا گیا تھا ۔ وہ کمان کی
طرح لہرا گئے ۔ خنجر کی نوک ان کے پیٹ سے صرف
نصف انچ سے گزر گئی ۔ ساتھ ہی ان کے پاؤں کی
ٹھوکر اس کے خنجر والے ہاتھ پر لگی ۔ خنجر فضا میں
اچھلا اور پہاڑ سے نیچے کی طرف چلا، ادھر ان کا خنجر
والا ہاتھ لہرایا اور دشمن کے پیٹ کو کاٹتا چلا گیا ۔ اس
کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور فصیل پر گر کر
تڑپنے لگا ۔ اس کے پیچھے آنے والا اس میں الجھ کر
گرا ۔ انسپکٹر جمشید نے اسے بھی مہلت نہ دی ۔ خنجر اس
کی کمر میں لگا ۔ اب دو آدمی ان کے پیروں کے پاس
پڑے تڑپ رہے تھے ۔ پیچھے آنے والے ٹھٹک کر رک گئے
تھے اور ایک ساتھ حملے کے لیے پر تول رہے تھے ۔

"آؤ دوستو ۔ رک کیوں گئے ۔۔۔ وہ شاید آپ کے ساتھی
آپ کے راستے کی رکاوٹ بن رہے ہیں ۔ تو انھیں اٹھا
کر نیچے پھینک دیتے ہیں ۔ کیا خیال ہے ۔ آپ کو کوئی اعتراض
تو نہیں"

ان کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا ۔

"ارے بھئی کچھ تو بولو — سانپ کیوں سونگھ گیا ہے —
خیر لو — میں ہی اُٹھا کر پھینک دیتا ہوں۔"
یہ کہہ کر وہ جھکے — چشمِ زدن میں ایک دشمن کو اٹھایا،
ور ان کی طرف اچھال دیا — وہ اس خیال میں تھے کہ
یچھے پھینک دیں گے — دو دشمن اس لاش کی لپیٹ میں
یچھے گرے — باقی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے — اب انھوں
نے ایک چھلانگ لگائی اور ان کے درمیان میں آ
گئے — ساتھ ہی انھوں نے خنجر والا ہاتھ بلا کی پھرتی
سے گھمایا — خود بھی چکر کھایا — دشمن خنجر کی نوک سے بچنے
کے لیے اچھل اچھل کر پیچھے ہٹے — اور اس میں وہ بے احتیاطی
کا شکار ہو گئے — ان میں سے تین پہاڑ سے نیچے جا
گرے — ان کی چیخوں نے ایک طوفان مچا دیا —
"دیکھ کر بھئی — دیکھ کر — اندھا دھند تو نہ اچھلو —
ے وہ لو — میرے ساتھی بھی آ پہنچے۔" انھوں نے رسی
طرف اشارہ کیا —
دو دشمن بے تحاشا جھک کر دیکھنے لگے — یہی ان کی
طی تھی — انسپکٹر جمشید کے پاؤں کی ٹھوکریں انھیں بھی
لے گئیں — اسی وقت ایک دشمن نے ان پر چھلانگ
ائی — اور یہ چھلانگ واقعی ان کے لیے خطرناک ثابت

ہوئی، کیوں کہ جوں ہی وہ بچنے کے لیے پیچھے ہٹے — ایک
لاش سے ٹکرا گئے اور چت گرے — دشمن ان کے سینے
پر آ گرا — ساتھ ہی وہ چلّایا:
"میں نے اسے گرا لیا ہے — آ جاؤ۔"
فوراً ہی چار پانچ آدمی اور اس کی مدد کو آ گئے،
وہ سب ان پر چھا گئے — ان کے ہاتھ اور پیر دبوچ
لیے گئے —
"جلدی کرو — کیا کر رہے ہو۔" ان میں سے ایک
نے پہلے سے کہا۔
"مم — میں کیا کروں — اس نے میرے دونوں ہاتھ
پکڑ رکھے ہیں اور میں خنجر مارنے کے قابل نہیں رہا۔"
"اوہ!" وہ بولے —
اتنے میں ان کے اور ساتھی آ گئے — دبوچنے والوں
میں سے ایک نے کہا:
"اسے — ادھر آؤ — ایک خنجر اس کے سینے میں اتار
دو — اور یہ رسی کاٹ دو جو چٹان سے بندھی ہے۔"
"اتار دو بھئی اتار دو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
فوراً ایک آگے بڑھا — ہاتھ میں لمبے پھل والا خنجر
تھا —

"ٹھیک دل میں اُترے — یہ بہت خونی آدمی ہے — ہمارے آٹھ دس آدمی ہلاک کر چکا ہے۔" دبوچنے والے نے کہا۔

"اچھا — فکر نہ کرو — بس تم مضبوطی سے اسے جکڑے رہو۔"

یہ کہہ کر اُس نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا — ہاتھ تیزی سے نیچے آیا — ایک بھیانک چیخ گونجی — ساتھ ہی کسی نے چلّا کر کہا:

"یہ کیا کیا اندھے — اپنے ہی ایک ساتھی کو مار ڈالا۔"

"مم — میں کیا کروں — تم نے اسے ہلنے کیوں دیا؟"

"ہم بھی کیا کریں — پوری طاقت صرف کرنے کے باوجود یہ اپنے جسم کو ہلانے میں کامیاب ہوگیا۔"

"تب پھر — میں اندھا کیسے ہوگیا؟"

وُہ ساتھی جو زخمی ہوا تھا — پاس ہی پڑا تڑپ رہا تھا اور اس کے ہلتے ہی انسپکٹر جمشید کا ایک پہلو گویا آزاد ہو چکا تھا — انھوں نے زور جو لگایا، کروٹ لینے میں کامیاب ہو گئے — اور پھر ان کے ساتھ ہی اُٹھتے چلے گئے — اب اگرچہ وُہ کھڑے ہو چکے تھے، لیکن پانچ آدمی اب تک ان کے جسم سے چمٹے ہوئے تھے — انھیں اُٹھتے دیکھ کر خنجر والا گھبرا کر پیچھے ہٹا —

"اوہ — کیا مصیبت ہے — خنجر کا وار کرو۔" پانچ میں سے ایک نے کہا۔

"اچھا — کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وُہ آگے بڑھا اور تاک کر خنجر ان کے پیٹ میں مارا — وُہ گھوم گئے — خنجر اس کے ایک ساتھی کی کمر میں لگا — اس کی چیخ نے انھیں بوکھلا دیا:

"میں آ رہا ہوں — فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" اچانک پیچھے سے انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنائی دی —

"میں نے کہا تھا — یہ رسی کاٹ دو۔" دبوچنے والا چلایا —

دو آدمی فوراً رسی کی طرف بڑھے — ایک نے بک سے ٹھوکر کھائی — اور اوندھے منہ گرا — دوسرے نے اُس کی طرف دیکھا تک نہیں — اور رسی کاٹنے پر جُت گیا — وہ بلا کی تیزی سے خنجر چلا رہا تھا — جلد ہی اس کے ہاتھ پیر پھول گئے:

"یہ — یہ نہیں کٹ رہی۔"

"کیا کہا — رسی نہیں کٹ رہی — لعنت ہے تم پر۔" وہ جھلّا کر بولا —

"مم — میں کیا کروں؟"

"تو پھر اُوپر آنے والے کو روک دو۔ ابھی تو صرف ایک اُوپر آیا ہے۔ اگر دوسرا بھی آگیا تو گئے ہم کام سے۔"

ان میں سے دو انسپکٹر کامران مرزا کو روکنے کے لیے بڑھے، لیکن ادھر اب پوزیشن اور تھی۔ پہلے صرف ہک کے سہارے اوپر چڑھنا پڑ رہا تھا۔ اب ہک کے ساتھ رسی بھی موجود تھی۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ایک ہاتھ سے رسی پکڑ لی۔ دُوسرے میں ایک دوسری رسی تھام لی۔۔ اس رسی کے سرے پر لوہے کا ایک لٹو سا بندھا ہوا تھا۔ یہ ہتھیار انھیں اوپر آتے وقت منور علی خان نے دیا تھا اور کہا تھا:

"رسی کے سفر میں یہ ہتھیار بہت کارآمد ثابت ہوگا۔"

اس پر فرزانہ بولی تھی:

"تو پھر انکل آپ نے میرے ابا جان کو کیوں نہ دیا؟"

"اس وقت خیال نہیں آیا تھا بیٹی۔ دُوسرے یہ کہ اس وقت مسئلہ ہکیں گاڑ گاڑ کر اوپر چڑھنے کا تھا۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھک کر حملے کی تیاری کرنے والوں پر لٹو گھما دیا۔ لٹو ایک

کے سر میں لگا۔ وُہ چکرا گیا۔ سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اور پھر وُہ آہستہ آہستہ گرتا چلا گیا۔

دُوسرا خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر احتیاط سے سر آگے لایا۔ اس وقت تک انسپکٹر کامران مرزا اوپر آ چکے تھے۔ جوں ہی اس نے سر آگے بڑھایا۔ انھوں نے رسی گھما دی۔ لٹو اس کے سر میں لگا اور وُہ پیچھے ہٹ گیا۔ اب ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وُہ اوپر آگئے۔ انھوں نے دیکھا۔ انسپکٹر جمشید آٹھ نو آدمیوں کے درمیان تھے اور ان کے ہاتھ اور پیر تیزی سے چل رہے تھے۔ ایک دشمن رسی کاٹنے میں مصروف تھا، لیکن ابھی تک رسی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکا تھا۔ انھوں نے فوراً آگے بڑھ کر لوہے کا لٹو اس کے سر میں مارا۔ وُہ اچھل کر گرا اور ساکت ہو گیا۔ اب وُہ ان دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ جنھوں نے انسپکٹر جمشید کو گھیر رکھا تھا۔ مار تو وُہ پہلے ہی رہے تھے۔ اب یہ دُوسری مصیبت ٹوٹی۔ چند منٹ کے اندر ان کا صفایا ہو گیا۔

"آپ کا شکریہ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میرے خیال میں تو شکریے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ اصل کام تو آپ کر ہی چکے تھے۔"

"پھر بھی۔ آپ کے آنے سے ہم جلدی فارغ تو ہو گئے۔" وہ مسکرائے۔

اور پھر نیچے کی طرف جھک کر انھوں نے بلند آواز میں کہا:

"آ جاؤ بھئی۔ میدان صاف ہے۔"

"میدان صاف نہ ہوتا۔ تب بھی ہم ضرور آتے ابا جان۔" محمود کی آواز سنائی دی۔

اور پھر ایک ایک کر کے وہ اوپر آ گئے۔

"گویا ہم فصیل فتح کر چکے ہیں۔" آصف بولا۔

"فصیل کی فتح۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"کسی ناول کا نام تو نہیں۔ ہاں۔ یہ ناول کے باب کا نام ضرور ہو سکتا ہے۔" آفتاب بولا۔

"یہ وضاحت کرنے کی تمھیں کیا ضرورت پیش آ گئی۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"اس جگہ۔ ضرورت کی ایسی ضرورت بھی کیا ہے۔" مکھن کی آواز سنائی دی۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ان لوگوں نے

پستولوں سے کیوں کام نہیں لیا۔ اگر یہ اوپر سے فائرنگ شروع کر دیتے۔ تو شاید ہمارے فرشتے بھی اوپر نہیں پہنچ سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔ جبھی اس قدرتی فصیل پر ان لوگوں کو حفاظت کے لیے مقرر تو کیا گیا، لیکن انھیں پستول نہیں دیے گئے۔ یا چلانے کی اجازت نہیں دی گئی۔"

"خیر ہو گا کچھ۔ ہمیں کیا۔ اب ہم ذرا اس طرف دیکھ لیں۔" پروفیسر داؤد بے چین ہو کر بولے۔

اور وہ سب پہاڑ کے اس طرف متوجہ ہو گئے، انھوں نے دیکھا۔ پہاڑ کے دوسری طرف صرف اور صرف دھند پھیلی ہوئی تھی۔ دھند کے سوا انھیں کچھ بھی نظر نہ آ سکا۔

"یہ۔ یہ تو ایسا لگتا ہے۔ جیسے دھند کا سمندر ہو۔" شوکی نے کہا۔

"ہاں! واقعی۔ جس طرح سمندر کا دوسرا کنارہ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح۔ اس دھند کا دوسرا کنارہ نظر نہیں آ رہا۔ نہ جانے یہ۔ کہاں تک پھیلی ہوئی

ہے۔" خان رحمان بولے۔

"دھند کا دوسرا کنارہ تو خیر ہو بھی نہیں سکتا۔" منور علی خان نے کہا۔

"دھند تک تو ہم پہنچ گئے ۔ اب سوال یہ ہے کہ ۔"

فاروق کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ۔ اسی وقت اشفاق کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی تھی ۔

"کیا ہوا بھئی ۔ خیر تو ہے۔"

"مم ۔ میں نے ۔ ایک تجربہ کیا ہے ۔ یہ دیکھیے میرے منہ سے خون نکل رہا ہے۔"

انھوں نے دیکھا ۔ اس کی ٹھوڑی زخمی ہو چکی تھی ۔

"تت ۔ تو کیا ۔ تم نے اپنی ٹھوڑی زخمی کرنے کا تجربہ کیا تھا؟" آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں ۔ میں نے اس دھند پر ایک چھوٹی سی کنکر پھینک ماری تھی۔"

"کیا کہا ۔ کنکر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں ! کنکر ۔ وہ ۔ وہ پلٹ کر مجھے آ لگی۔"

"اوہ ۔ اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تو یہ بات ہے ۔ اس وجہ سے ان لوگوں کے پاس پستول نہیں تھے۔"

"لل ۔ لیکن ۔" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا ۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ؟" انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے ۔

"میں نے منور علی خان کا ہتھیار استعمال کیا تھا ۔ لوہے کا لٹو پلٹ کر مجھے تو لگا نہیں۔"

"اس کی رسی تو اس کے ساتھ بندھی تھی نا ۔ رسی کی وجہ سے ایسا ہوا ہو گا ۔ یا پھر ہو سکتا ہے، بات صرف دھند میں ہو ۔ اور اس طرف دھند نہیں ہے ۔ اس لیے لٹو آپ کو نہیں لگا ۔"

"ٹھہرو بھئی ۔ پہلے تجربہ کر لو۔" پروفیسر غوری نے کہا اور جھک کر ایک کنکر اٹھا لی ۔ کنکر انھوں نے اس سمت میں پھینک دی ۔ جس سمت سے وہ آئے تھے، لیکن کنکر پلٹ کر نہ آئی ؛

"بس ثابت ہو گیا ۔ یہ اثر اس دھند میں ہے۔"

"تب پھر ان کو پستول دیے جا سکتے تھے۔"

"نہیں۔ لڑائی کے دوران یہ دھیان نہیں رہ جاتا کہ کس سمت میں فائر کرنا ہے اور کس میں نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا۔

"چلیے۔ یہ بات بھی ثابت ہو گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ یہاں تک تو ہم پہنچ گئے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"تو پھر آواز دیں۔ فرحت اور فرزانہ کی عقلوں کو۔ وہ کوئی ترکیب اگل دیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"مارے جلن کے کتنا برا حال ہے بے چارے کا۔" فرحت مسکرائی۔

"کون سے بے چارے کا۔ یہاں تو مجھے ایک بھی بے چارہ نظر نہیں آ رہا۔ کہیں تم ان لاشوں میں سے تو کسی کا ذکر نہیں کر رہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"جی نہیں۔ میں صرف اور صرف تمہارا ذکر کر رہی ہوں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"بس بھئی۔ ان دونوں کو سوچنے دو۔" انسپکٹر جمشید ہاتھ اٹھا کر بولے۔

فرزانہ اور فرحت سوچ میں ڈوب گئیں۔ کافی دیر بالکل خاموشی رہی۔ اور پھر فرحت نے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔

اوہ ارے ہائیں

"ہمارے پاس رسی موجود ہے۔ ہم اسے اس طرف نیچے لٹکا سکتے ہیں۔ اور اس کی مدد سے نیچے اتر سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ رسی زمین تک پہنچ جائے، ہو سکتا ہے، اس طرف گہرائی زیادہ ہو۔"

"ہم اس رسی کے ساتھ دوسری رسی باندھ سکتے ہیں، ابا جان کے پاس صرف ایک رسی نہیں ہو سکتی۔" فرحت مسکرائی۔

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے۔" منور علی خان مسکرائے۔

"یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے۔" محمود نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"بیان کرو محمود۔ ہم سُن رہے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"جن لوگوں نے فصیل پر ہمیں روکنے کی پوری کوشش کی۔ بیس کے قریب آدمی ہمارے مقابلے کے لیے

بھیج دیے۔ کیا وہ اس بات سے بے خبر ہوں گے کہ اگر ہم فصیل پر قابض ہو گئے تو نیچے اُترے بغیر نہیں رہیں گے۔ بلکہ یہ کوشش تو ہمارے علاوہ کوئی اور پارٹی بھی کر سکتی ہے۔ تو کیا انھوں نے اس سلسلے میں کوئی حفاظتی انتظام نہیں کیا ہوگا؟"

"ضرور کیا ہوگا اور پورا پورا کیا ہوگا۔ لیکن۔ کیا ہم ان کے انتظام سے ڈر جائیں۔ اور فصیل پر سے ہی واپس لوٹ جائیں۔ تب پھر یہاں آنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم غلط سمجھیں۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ اس طرح اندھا دھند نیچے اترنا عقل مندی کے خلاف ہوگا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"تب پھر۔ تم ہی بتاؤ۔ کس طرح اتریں؟" فرحت کے لہجے میں طنز تھا۔

"انھوں نے پہاڑ کے ساتھ ساتھ ضرور کوئی جال وغیرہ لگا رکھا ہوگا۔ یا بجلی کے تار وغیرہ بچھا رکھے ہوں گے۔ تاکہ کوئی اتر ہی آئے تو بھی زندہ نہ بچ سکے۔ اور اگر پہلے انھوں نے یہ انتظام نہیں کیا تھا تو ہماری آمد کے پیشِ نظر تو ضرور کچھ کیا ہوگا۔" محمود جلدی جلدی

بولا۔

"ہم تو یہ باتیں مان رہے ہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟"

"میں بھی تو یہی کہتا ہوں۔ اس وقت سوچنے کی بات یہی ہے۔"

"سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ دکھائی کچھ نہیں دے رہا۔" خان رحمان نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"لہٰذا۔ ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم سب سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور غور کریں۔ یہ مسئلہ عقل سے حل ہو گا۔" محمود نے کہا۔

"محمود ٹھیک کہہ رہا ہے۔" منور علی خان بولے۔

"تو پھر آئیے۔ سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"سر جوڑ کر بیٹھ جانے سے بھی بہتر ایک اور طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم پہلے یہاں نماز ادا کریں گے۔ اور پھر اللہ سے اپنی کامیابی کے لیے دعا کریں، اس کے بعد سوچنا شروع کریں۔" اشفاق نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ سب سے بہتر تجویز ہے۔"

انھوں نے تیمم کر کے فصیل پر باجماعت نماز ادا

کی۔ اس کے بعد دعا کی اور پھر سب سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر کافی دیر بعد اکرام نے سر اوپر اٹھایا:

"کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔"

"دشمن اس طرف سے دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ کیوں نہ پہلے اس طرف چل کر دیکھا جائے۔ آخر اس طرف کیا ہے۔"

"بات معقول ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے۔"

اور وہ سب اٹھ کر اس طرف چل پڑے۔ انھیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑے قلعے کی عظیم فصیل پر چل رہے ہوں۔ لیکن یہاں تو اس قلعے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"شاید ہم تمام زندگی اس فصیل پر چلتے رہیں گے، لیکن یہ ختم نہیں ہو گی۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"صبر سے کام لو۔ صبر سے۔" آفتاب بولا۔

"عجیب بات یہ ہے کہ آسمان پر ستارے یہاں سے بھی اتنا ہی دور نظر آ رہے ہیں۔ جتنا کہ ہمیں زمین سے نظر آتے ہیں۔" آصف نے کہا۔

"ہم اتنا ہی اور اوپر چڑھ جائیں۔تب بھی یہ اتنی ہی دُور نظر آئیں گے۔" محمود بولا۔

"مجھے اس سے بھی زیادہ ایک بات نے پریشان کر رکھا ہے۔" شوکی بول اُٹھا۔

"چلو بھئی۔تم وُہ بات بتا دو۔" خان رحمان مسکرائے۔

"اس وقت تقریباً بیس آدمی ہمارے مقابلے پر آئے تھے۔بلیس کے بیس مارے گئے۔ان سب کی شکل صورت زمبوٹا کے باشندوں جیسی تھی۔قدوقامت میں یہ لوگ ہم سے مختلف نہیں ہیں، لیکن جو عجیب بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔وُہ یہ ہے کہ ان کے لڑائی کے طریقے بھی بالکل ہم جیسے ہیں۔آخر کیوں۔اس میں کوئی فرق کیوں نہیں ہے۔یہاں تک کہ جن خنجروں سے انھوں نے حملہ کیا ہے۔وُہ بھی بالکل ہماری زمین جیسے تھے۔"

"بات بہت زوردار ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا خوش ہو کر بولے۔

"لیکن انکل۔شوکی نے زوردار بات نہیں کہی۔ایک پریشان کُن بات کا ذکر کیا ہے۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"چلو یُوں ہی سہی۔لیکن بات ہے پتے کی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"چلیے۔زوردار کے ساتھ اب یہ پتے کی بھی ہو گئی۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"تو تم دونوں کو کیوں گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" محمود نے انھیں تیز نظروں سے دیکھا۔

"انھیں گھبراہٹ اس بات کی ہے کہ یہ بات شوکی نے کیوں محسوس کی۔انھوں نے کیوں محسوس نہیں کی۔" پروفیسر عقلان نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں انکل۔گھبراہٹ ہو ہمارے دشمنوں کو۔باقی رہی بات۔ایسی بات کی۔تو ایسی تو اَن گنت باتیں ہماری گھٹی میں پڑی رہتی ہیں۔" فارُوق نے کہا۔

"ثابت ہو گیا۔کہ باتوں میں ان سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" خان رحمان نے شوخ لہجے میں کہا۔

"ان سب باتوں کے باوجود شوکی کی بات قابلِ غور ہے۔"

"تو پھر غور کر لیں۔کیا حرج ہے۔" آصف نے کہا۔

وُہ غور کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، لیکن نہ تو فصیل ختم ہوئی۔نہ کوئی بات ان کے ذہنوں میں آئی۔بس وُہ آگے بڑھتے رہے۔

"شاید ہم یُوں ہی چلتے چلتے بوڑھے ہو جائیں گے۔" اشفاق بولا۔

"چلو اچھا ہے۔ بوڑھے ہونے کی فکر سے نجات پا جائیں گے۔" مکھن نے کہا۔

"کیوں نہ میں دوڑ لگا کر یہ فاصلہ طے کر کے دیکھوں، آپ لوگ اسی طرح چلتے آئیں۔" محمود نے کہا۔

"اکیلے نہیں۔ آصف کو ساتھ لے کر دوڑ لگاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ اس طرح رفتار اور زیادہ ہو جائے گی۔" فاروق مسکرایا۔

"شکریہ۔ مشورے پر عمل کریں گے۔"

دونوں نے دوڑ لگا دی۔ جلد ہی وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ معمول کی رفتار سے چلتے رہے۔ بہت دیر گزرنے پر بھی۔ دونوں کی واپسی نہ ہوئی تو وہ فکرمند ہو گئے۔

"اب ان کی تلاش میں ہمیں جانا چاہیے۔" فاروق بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم اور آفتاب جاؤ۔"

دونوں دوڑ گئے۔ جلد ہی وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اب پھر بہت دیر ہو گئی، لیکن ان چاروں میں سے کوئی بھی آتا نظر نہ آیا۔

"ہاں بھئی۔ اب کیا خیال ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے

ان کی طرف دیکھا۔

"اب ہمیں اجازت دیں۔" فرحت بولی۔

"دو دو کر کے غائب ہونے کا کیا فائدہ۔ کیوں نہ ہم سب دوڑ لگا دیں۔ اگر اس طرح کوئی مسئلہ حل ہو سکتا ہے تو یوں ہی سہی۔" پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"ہو سکتا ہے۔ اس طرح ہم سب پھنس جائیں، لہٰذا دو دو ہی مناسب رہیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"جاؤ بھئی۔ تم دونوں بھی جاؤ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

فرحت اور فرزانہ بھی دوڑتی چلی گئیں۔

"کیا اب ہم تیاری کریں انکل؟" شوکی نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اب ہم دوڑ لگائے بغیر رہ بھی تو نہیں سکتے۔ ورنہ آگے جانے والے ہمیں بزدلی کا طعنہ دیں گے۔"

"اچھا تو پھر تم میں سے بھی دو چلے جائیں۔"

شوکی اور اشفاق نے دوڑ لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد اخلاق اور مکھن بھی چلے گئے۔

"اب رہ گئے صرف بڑے۔" پروفیسر داؤد ہنسے۔

"تو کیا بڑے بھی دو دو کر کے دوڑ لگائیں گے؟" خان رحمان بولے۔

"سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"آئے یا نہ آئے۔ میں اور منور علی خان جا رہے ہیں۔" خان رحمان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔"

وہ بھی دوڑ لگا گئے۔ اس طرح سب چلے گئے۔ آخر میں انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید رہ گئے۔

"کک۔ کیا ہم بھی دوڑ لگائیں۔" انسپکٹر کامران مرزا ہکلائے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے ساتھی۔ دوڑ لگانے کے سلسلے میں غائب ہوئے ہیں۔ آہستہ آہستہ چلتے رہتے تو غائب نہ ہوتے۔" انھوں نے جواب دیا۔

"لیکن اب ہم کیا کریں گے غائب نہ ہو کر۔ ان تک پہنچنے کے لیے تو غائب ہونا ہی پڑے گا۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"تو پھر آئیں۔"

انھوں نے بھی آخر دوڑ لگا دی۔ وہ منہ اٹھائے دوڑے چلے جا رہے تھے۔ کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس دوڑ کا اختتام کب ہوگا۔ کس حالت میں ہوگا۔ دھن تو یہ سوار تھی کہ اس طرح بس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ

جائیں۔ اور پھر اچانک ان کے پیروں کے نیچے سے فصیل نکل گئی۔ انھیں یوں لگا جیسے انھوں نے فصیل سے خلا میں چھلانگ لگا دی ہو۔ دوسرے ہی لمحے انھوں نے خود کو نیچے گرتا محسوس کیا۔

وہ نیچے گرتے چلے گئے۔ گرتے چلے گئے۔ اچانک ان کے جسموں کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ وہ کسی نرم ملائم چیز پر گر رہے تھے۔

نرم ملائم چیز پہلے انھیں نیچے لے گئی، پھر اس نے انھیں اوپر اچھالا، اس طرح کچھ دیر تک ہوتا رہا۔ ان کے چاروں طرف اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ایسے میں محمود کی آواز ابھری:

"اس بار کون آیا ہے؟"

"یہ۔ یہ ہم ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کا مطلب ہے۔ سب کے سب آگئے۔"

"ہاں! اور کیا کرتے۔ تم لوگوں تک پہنچنے کے لیے ہمیں بھی دوڑ لگانا پڑی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"لیکن۔ بھئی۔ ہم ہیں کہاں؟"

"ایک جال پر۔ اور چونکہ گہرا اندھیرا ہے۔ اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جال کہاں ہے۔"

"چلو خیر — کہیں تو ہوگا۔"

"لیکن بھئی — ہم اس جال پر زندگی کے دن پورے نہیں کر سکتے۔" پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"جس کسی نے بھی یہ جال یہاں تانا ہے — وہ اس بات سے بے خبر نہیں ہوگا کہ شکار پھنس گیا ہے۔"

"گویا ہم شکار ہیں۔"

"ہمیں کچھ تو کرنا چاہیے — دائیں بائیں اگر ہم بڑھنا شروع کریں تو کچھ اندازہ تو ہو ہی سکے گا۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔" فاروق کی آواز اُبھری —

"لیکن یہ کس طرح معلوم ہو کہ ہم جال کے درمیانی حصّے کی طرف بڑھ رہے ہیں یا اس کے کناروں کی طرف۔"

"بڑھیں گے تو معلوم ہوگا نا — نہ بڑھے تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جھلّا کر کہا۔

انھوں نے اپنی اپنی جگہوں سے آگے سرکنا شروع کر دیا — اچانک ناریل ٹکرانے کی آواز اُبھری —

"ہائیں — یہ میرا سر کس چیز سے ٹکرایا۔" آفتاب کی آواز اُبھری —

"مم — میرے — سر سے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہ معاف کیجیے گا انکل۔"

"معافی کس بات کی بھئی — تم نے جان بوجھ کر تو ٹکر ماری نہیں۔" انھوں نے کہا۔

"ہائیں — یہ میری کمر پر کون چڑھ آیا۔" شوکی گھبرا کر بولا۔

"مم — میں — یہ میں ہوں۔" اشفاق نے جلدی سے کہا۔

"بھئی ذرا دیکھ کر چلو نا۔" آصف بولا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا — دیکھ کر کس طرح چلیں — بہت روشنی کر رکھی ہے نا تم نے یہاں۔" فاروق بولا۔

"غلط سمجھے — یہ جال میں نے نہیں بچھایا۔" آصف نے کہا —

"اس غضب کے اندھیرے میں غلط نہیں سمجھوں گا تو اور کیا کروں گا — میاں عقل کے ناخن لو۔" فاروق چہکا۔

"بہت خوب — لیکن میرے خیال میں تو اندھیرے میں عقل کے ناخن بھی نظر نہیں آتے۔"

"اُف مرا۔" پروفیسر عقلان کی آواز اُبھری۔

"چلیے کوئی بات نہیں — اُف ہی مرا ہے نا — آپ کا تو کچھ نہیں بگڑا۔" مکھن خوش ہو کر بولا۔

"لل — لیکن — میرے سر سے کس کا سر ٹکرایا تھا؟"

"یہ بات بھی کس طرح کہی جا سکتی ہے — یہاں تو

پتا نہیں کون کون کس کس سے ٹکرا رہا ہے۔" فاروق بولا۔

"میرا خیال ہے۔ آگے بڑھ کر جال کا جائزہ لینے کا پروگرام ملتوی کر دیا جائے۔ دن نکلے گا تو دیکھ لیں گے۔"

"دد۔ دن۔ تو کیا ہم آسمان کے نیچے کسی کھلی جگہ پر ہیں۔ ایسا ہوتا تو ہمیں ستارے نظر نہ آتے۔ اور ان کی روشنی ہم تک نہ پہنچتی۔"

"تت۔ تو پھر۔"

"ہم شاید کسی بند جگہ میں ہیں۔"

"یہ جگہ ایک حد تک بند ضرور ہے، لیکن کسی حد تک کھلی بھی ہے۔" فرزانہ کی آواز ابھری۔

"کیا مطلب؟"

"ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی آتش فشاں پہاڑ ہو۔ ہم دوڑتے دوڑتے اس کے دہانے میں گر گئے ہوں۔ اندر سے یہ بہت کھلا ہو اور اوپر سے بہت تنگ۔"

"ان حالات میں ستاروں کی روشنی کیا اندر آئے گی۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے باپ رے۔ آ۔ آتش فشاں پہاڑ۔" مکھن بری طرح لرزتی آواز میں بولا۔

"کک۔ کیوں۔ تمہیں کیا ہوا؟" آفتاب ہکلایا۔

"ہوا تو کچھ نہیں۔ اگر۔ اگر یہ اس وقت لاوا اگلنا شروع کر دے تو۔"

"تو کیا ہے۔ ہم بھی اس لاوے کے ساتھ باہر نکل جائیں گے اور اس سے مزے کی بات بھلا اور کیا ہو گی۔" آصف نے کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" فاروق بولا۔

"کیوں۔ یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا؟" آصف کے لہجے میں حیرت تھی۔

"خوب صورت اندازہ کہو بھئی۔" محمود بولا۔

"خوب صورت اندازہ ہو گا۔ تمہارے لیے۔ میرے لیے تو یہ ایک جلا بھنا اندازہ ہے۔"

"لیجیے۔ اب اندازے بے چارے بھی جلنے بھننے لگے۔" آفتاب بولا۔

"میں نے پوچھا تھا۔ فاروق۔ تم نے یہ اندازہ کس طرح لگایا؟"

"لاوے کے ساتھ ہم باہر ضرور نکل جائیں گے۔ لیکن اس وقت تک مسلم کباب بن چکے ہوں گے۔" آصف بولا۔

"مسلم کباب۔ بھئی واہ۔ مرغ مسلم تو سنا تھا۔ یہ مسلم کباب آج ہی سنا۔ ہائیں۔ یہ کیا۔" پروفیسر داؤد بری

طرح گھبرا گئے۔

"کک — کیا ہوا انکل؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"مرغِ مسلّم — کباب مسلّم کے نام لیے جائیں اور میری بھوک نہ چمک اٹھے — یہ تو ہو ہی نہیں سکتا — جمشید — اب میں کیا کروں؟"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ — یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے۔"

"اور اس بات کا ذمے دار فاروق ہے — جس نے کباب مسلّم کا لفظ استعمال کیا۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"مم — میں اندھیرے کی وجہ سے بھول گیا تھا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اندھیرے کی وجہ سے نہیں — کمزور عقل کی وجہ سے۔" مکھن چہکا —

"پپ — پتا نہیں — کیا بات ہے — اندھیرے میں میری عقل بھی کچھ گم سی ہو جاتی ہے۔"

"تو روشنی میں ہی کون سا حاضر رہتی ہے۔" فرزانہ بول اٹھی —

"اے خبردار — میری عقل پر رائے زنی کرنے والی تم کون ہوتی ہو۔" فاروق پھنکارا۔

"مم — میں — میں فرزانہ ہوں بھئی۔" اس نے گویا اپنا تعارف کرایا —

"لیکن کہاں ہو — یہ بتاؤ نا — تاکہ میں ایک آدھ ہاتھ بھی تو رسید کر دوں گا۔"

"شکریہ — ابھی مجھے ضرورت نہیں — میرے لیے میرے دو ہی ہاتھ بہت کافی ہیں۔"

"دیکھا — کتنا نادر موقع ملا ہے انھیں باتیں کرنے کا۔" انسپکٹر جمشید نے تلملا کر کہا۔

"اندھیرے میں صرف سن سکتے ہیں — دیکھ کہاں سکتے ہیں ہم انھیں۔" خان رحمان بولے۔

"چلو بھئی کوئی بات نہیں — بھر لینے دو انھیں بھی پیٹ۔" منور علی خان ہنسے۔

"لیکن — یہ تو بہت ناانصافی کی بات ہو گی۔" پروفیسر داؤد بولے —

"وہ کیسے پروفیسر انکل؟" آصف نے جلدی سے پوچھا۔

"تم لوگ تو باتوں سے پیٹ بھر لو گے — اور میں کیا کروں گا؟"

"اوہ — واقعی — آپ کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہے — خیر — آپ دعا کریں — یہ اندھیرا جلد از جلد چھٹ جائے، پھر ہم

ضرور آپ کے ناشتے کا کچھ بندوبست کر سکیں گے۔"

"اس جال میں تو ہم کر چکے بندوبست۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ کبھی تو دن نکلے گا۔ تاریکی بھری یہ رات کبھی تو ختم ہو گی۔ جیسے کسی نے کہا ہے نا۔ ظلم کی رات کتنی بھی طویل ہو جائے۔ ہے پھر بھی رات۔ اور رات کے بعد دن نکل کر رہتا ہے۔ اسی طرح یہ تاریکی۔ کتنا بھی طول پکڑ جائے۔ آخر ختم ہو کر رہے گی۔"

"اللہ کرے۔ یہ جلد ختم ہو جائے۔ اور دن نکلتے ہی کچھ کھانے پینے کا کام چل جائے۔"

"آمین!" خان رحمان بولے۔

"شکریہ خان رحمان۔ تم نے آمین کی حد تک تو میرا ساتھ دیا۔" پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔

"میں تو آخری حد تک آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"ویسے انکل۔ ایسے میں میں ایک سوال پوچھ سکتا ہوں آپ سے۔" محمود کی آواز ابھری۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

"تو پھر بتائیے۔ آپ کے خیال میں یہ اڑن طشتریاں

کتنی بڑی ہوں گی؟"

"ہمارے جہازوں سے کئی گنا بڑی۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"لگتی تو بہت چھوٹی ہیں۔"

"لگنے کی بات جانے دو۔ لگنے کا کیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں! میں بھی یہی کہتا ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

وہ جال میں بھٹکتے رہے۔ بھٹکتے بھٹکتے انھیں کئی گھنٹے ہو گئے، لیکن وہ نہ تو اس کے سرے کو چھو سکے۔ نہ کہیں کوئی دیوار وغیرہ محسوس ہوئی۔ یہ تو ان کی باتیں تھیں جو ان کے لیے وقت گزاری کا سبب بنتی رہیں۔ ورنہ وہ اس تاریک اور طویل رات سے ضرور تنگ آ جاتے۔ اور پھر دن کا اجالا پھیلنے لگا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے کے قابل ہوتے چلے گئے۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تو۔" پروفیسر غوری بولے۔

پھر اجالا اور پھیل گیا۔ اب انھیں حقیقت معلوم ہوئی۔ اوپر۔ بہت اوپر وہی فصیل تھی۔ درمیان سے فصیل کاٹ دی گئی تھی۔ اور تاریکی میں وہ اس کٹی ہوئی

جگہ کو نہیں دیکھ سکتے تھے، لہٰذا نیچے گرتے چلے گئے تھے۔ نیچے جال درمیانی خلا میں باندھا گیا تھا۔ وہ بھی اس طرح کہ جال کے اوپر والے سرے بہت اوپر کہیں بندھے ہوئے تھے۔ اور نچلا حصّہ بہت نیچے لٹکا ہوا تھا؛ تاہم جال میں رسیاں باندھ کر چاروں طرف دیواروں سے باندھ لی گئی تھیں۔ اس وجہ سے نچلی سطح ہموار ہو گئی تھی، ورنہ انڈے کی صورت میں ہوتی اور وہ سب ایک جگہ ہی ڈھیر ہوتے۔ ان حالات میں رات کی تاریکی میں بھلا وہ کیا اندازہ لگا سکتے تھے۔ اور وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے نہ رہتے تو کیا ہوتا۔ اب جب کہ دن نکل آیا تھا ۔ انھوں نے اپنے نیچے بھی دیکھا۔ اور دھک سے رہ گئے۔ جال نچلی سطح سے بھی بہت زیادہ اونچائی پر تھا، گویا وہ جال کاٹ کر نیچے چھلانگ بھی نہیں لگا سکتے تھے، اوپر جا سکتے تھے۔ کیوں کہ جال کی اوپر والی رسیاں ی اس خلا کے درمیان تک ہی رہ گئی تھیں:

"اسے کہتے ہیں مکمل طور پر بے بسی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! ہم کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"اور نیچے نوکیلے پتھر موجود ہیں۔ اوّل تو اس قدر اونچائی سے کوئی چھلانگ لگانے کا خیال تک دل میں

نہیں لا سکتا اور اور کسی طرح لے بھی آئے۔ اور چھلانگ لگا بھی دے تو یہ نوکیلے پتھر اس کی جان لے کر رہیں گے ۔ لہٰذا ثابت ہوا۔ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"چلیے ۔ یہ تو خیر ثابت ہو گیا، لیکن سوال تو یہ ہے کہ ان جگھوں پر یہ جال باندھا کس طرح گیا؟" شوکی نے مسکرا کر کہا ۔

"اوہ ۔ ارے ۔ ہائیں۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ۔

اور پھر ان سب کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں ۔

زبردست بار

چند لمحے تک مکمل سناٹا طاری رہا، پھر خان رحمان کی آواز اُبھری:

"واقعی — یہ ایک بہت عجیب صورتِ حال ہے — آخر جال کو ان جگہوں سے کس طرح باندھا گیا — کیا اس قدر لمبی سیڑھیاں بنائی گئیں — یا کسی اور ذریعے سے ایسا کیا گیا۔"

"ہم اس قدر لمبی سیڑھیوں کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر — کیا اس جال کو باندھنے والے ہوا میں اڑ سکتے تھے؟"

"ہوا میں اڑنے کے قابل ابھی تک انسان نہیں ہو سکا — ہاں دوسری چیزوں کا سہارا لے کر ضرور اڑ سکتا ہے — اپنے ہاتھوں اور پیروں سے نہیں اڑ سکتا۔"

"شاید ہم سب مل کر بھی اس سوال کا جواب نہیں سوچ سکتے۔" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"کیا آپ ہمیں چیلنج کر رہے ہیں انکل؟" فرحت چلّائی۔

"ارے نہیں بھئی — چیلنج تو دشمنوں کو کیا جاتا ہے اور یہاں تو سب اپنے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"کیا کہنا چاہتی ہو فرحت — کیا تم کوئی ایسا طریقہ بتا سکتی ہو — جس کے ذریعے یہ جال باندھا گیا ہو گا۔" منور علی خان کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"جی ہاں ابّا جان — میں ایسا ایک طریقہ ضرور بتا سکتی ہوں۔" فرحت مُسکرائی۔

"غلط — بالکل — ایسا کوئی طریقہ تم نہیں بتا سکتیں۔" آصف جل گیا۔

"اور تم جلے کیوں جا رہے ہو۔"

"اس لیے کہ تم ڈینگیں جو مار رہی ہو۔"

"مجھے ڈینگ مارنے کا شوق نہیں ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"تب پھر بتاؤ — تم کیا کہنا چاہتی ہو — آخر یہ جال کس طرح باندھا گیا؟" آصف نے جھنّا کر کہا۔

"اتنی آسانی سے تو نہیں بتاؤں گی۔" فرحت بولی۔

"تو کتنی مشکل سے بتاؤ گی۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"سب لوگ سوچیں۔ ذہن پر زور دیں۔ اور جاننے کی کوشش کریں۔ جب سب یہ کہہ دیں گے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس وقت میں بتاؤں گی۔" فرحت نے کہا۔

"تت۔ تو۔ تو کیا تم فرحت۔ بڑوں کو بھی للکار رہی ہو۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"نن۔ نہیں انکل۔ میری ایسی مجال کہاں۔ میں نے یہ بات صرف چھوٹی پارٹی سے کی ہے۔"

"اور چھوٹی پارٹی اتنی کم عقل نہیں۔ کہ جو بات تمہارے ذہن میں آگئی ہے۔ وہ ان میں سے کسی کے ذہن میں نہ آسکے۔"

"تو سوچ لو۔ منع کس نے کیا ہے۔" فرحت نے کہا۔

اب تو ان سب کو غصہ آگیا۔ وہ گہری سوچ میں غرق ہو گئے۔

"بھئی جمشید۔ تم جانتے ہو۔ فرحت کے ذہن میں کیا بات آئی ہے۔" پروفیسر داؤد دبی آواز میں بولے۔

"ہاں۔ جانتا ہوں۔"

"اور انسپکٹر کامران مرزا۔ تم؟"

"میں بھی جانتا ہوں۔"

"خان رحمان تم؟" وہ ان کی طرف مڑے۔

"میرے تو فرشتوں کو بھی نہیں معلوم۔" ان کے ساتھ ہی منور علی خان، اکرام اور شاہد نے بھی انکار میں سر ہلایا۔

"تب تو بھئی۔ تم ہمارے کانوں میں بتا دو، کیونکہ مارے چینی کے بُرا حال ہے۔" پروفیسر بولے۔

"اس طرح مزا نہیں آئے گا پروفیسر صاحب۔ میرا خیال ہے۔ انتظار ہی کر لیا جائے۔"

"اچھا۔ جیسے تمہاری مرضی، ارے ہاں۔ وہ میری بھوک کا کیا ہو گا۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ نہ جانے ان لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"پروگرام۔ کیا ہو گا۔ ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے کے خواہش مند ہیں یہ لوگ۔ اس وقت تک کی ان کی کوشش سے تو یہی ظاہر ہے۔ انھوں نے ہر موڑ پر، ہر مقام پر پوری پوری کوشش کی کہ ہمیں ختم

کر دیا جائے، لیکن ہم بھی بہت ڈھیٹ ہیں ۔ یا
پھر سخت جان کہ لیں ۔ کہ ان کی لاکھ کوشش کے
باوجود ہلاک نہیں ہوتے، اور ان کے آدمیوں سے لڑتے
بھڑتے ۔ ٹکراتے، مارتے، مار کھاتے آخر یہاں تک
پہنچ گئے ۔ یہ پہلا موقع ہے کہ میں مکمل طور پر بے بسی
محسوس کر رہا ہوں؛ تاہم اللہ کی ذات سے میں اب
بھی مایوس نہیں ہوں ۔ وہ کوئی نہ کوئی صورت ضرور بنائے
گا، کوئی نہ کوئی سبب ضرور پیدا کرے گا۔" انسپکٹر جمشید کہتے
چلے گئے ۔

"کیوں بھئی ۔ تم لوگ سوچ کے بھنور سے نکلو گے یا
نہیں۔" فرحت نے انھیں غصہ دلانے کی کوشش کی۔

"خاموش رہو فرحت ۔ بھنور بہت گہرا ہے۔"

"بھنور بہت گہرا ہے ۔ تو تم بھی کوئی گہری چال چل
دو نا۔" فرحت بولی۔

"گہری چالیں بے چاری ناکام ہو گئیں۔" آصف منمنایا۔

"فرزانہ ۔ کچھ تم ہی کہو۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو ۔ کہ بس ۔ صرف تم ہی جان سکی
ہو کہ یہ جال کس طرح لگایا گیا ہے۔"

"ہاں؛ میرا خیال تو یہی ہے۔"

"اچھا تو پھر کان ادھر لاؤ۔" فرزانہ بھنا اٹھی۔

"کاٹ نہ لینا۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"مجھے اس کے کانوں کی اتنی ضرورت نہیں۔" فرزانہ
نے اسے گھورا۔

"اس کا مطلب ہے ۔ ضرورت ہے ضرور ۔ کتنی ہے ۔
یہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"اچھا چھوڑو ۔ ضرورت وروورت کو ۔ کام کی بات کرو۔"
فرحت نے کہا۔

"کہا تو ہے ۔ کان ادھر لاؤ ۔ بات کان میں بتا سکتی
ہوں۔"

فرحت حیرت زدہ ہو کر اپنا کان فرزانہ کے منہ
کے قریب لے آئی ۔ اور اس نے کان میں کوئی بات
کہی ۔ فرزانہ کی بات سن کر فرحت کا منہ مارے حیرت
کے کھل گیا ۔

"کیا ہوا فرحت؟" فاروق ہنسا۔

"کک ۔ کچھ نہیں ۔ مجھے واقعی خوش فہمی تھی ۔ کہ
یہ بات صرف میرے ذہن میں آتی ہے، لیکن فرزانہ نے
بھی بات بتا دی ہے۔"

"اور جمشید اور کامران مرزا بھی جان گئے ہیں ۔ بس

رہ گئے ہیں تو ہم۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اب بس فرحت بتانے ہی والی ہے۔"

"ہاں ضرور کیوں نہیں۔ اب بتا ہی دینا چاہیے۔ یہ جال اڑن طشتری کے ذریعے لگایا گیا ہے۔"

"کیا!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"ہاں! جہاں تک میرا خیال ہے۔ اڑن طشتری سیدھی اٹھتی ہے۔ ہوائی جہاز کی طرح اسے رن وے پر نہیں دوڑنا پڑتا۔ دوسرے یہ کہ یہ ہیلی کاپٹر کی طرح فضا میں ٹھہر بھی سکتی ہے۔ ان حالات میں ایسا ایک جال تو کیا۔ ان گنت جال باندھے جا سکتے ہیں۔"

"ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو فرحت۔ یہ بات ہمارے ذہن میں بہت پہلے آ گئی تھی، لیکن ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔"

"گویا ہم تو پانی میں ہیں ہی نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا اور دوسرے مسکرا کر رہ گئے۔

"خیر۔ یہ بات تو ہم نے معلوم کر لی کہ جال کس طرح لگایا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ ہم فصیل پر دوڑ نہ

لگاتے۔ رسی کو لٹکا کر۔ لٹکا کر۔ لٹکا کر۔"

فاروق اٹکتا چلا گیا۔

"کیوں بھئی۔ کیا ہوا۔ کیا کوئی بات سوجھ گئی؟"

"ہاں! ایک بہت زور دار بات۔"

"چلو شکر ہے۔ اس جال میں بھی تمہیں ایک بہت زور دار بات سوجھ گئی۔ جلدی بتاؤ۔"

"میں دراصل یہ کہ رہا تھا۔ کہ اس سے تو بہتر تھا ہم فصیل پر دوڑ نہ لگاتے۔ بلکہ رسی دوسری طرف لٹکا کر اترنے کی کوشش کرتے، لیکن جوں ہی میرے منہ سے لفظ لٹکا کر نکلا۔ ایک نئی بات ذہن میں آ گئی اور وہ یہ کہ ہم اس جال کو بھی تو لٹکا کر نیچے اترنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" سب ایک ساتھ چلائے۔

"چاقو ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم اس کی مدد سے اس جال کی ایک طرف کی اوپر والی اور نیچے والی رسیوں کو کاٹ دیں گے؛ چنانچہ جال نیچے لٹک جائے گا۔ ہم اس سے چمٹے رہیں گے اور اس طرح نیچے اتر سکتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ہم جال کو اور بھی کاٹ سکتے ہیں۔"

وُہ سب کے سب سناٹے میں آگئے۔ اس مایوسی، بے بسی، بے چارگی اور کچھ سجھائی نہ دینے کی صورتِ حال میں بھی اللہ تعالیٰ نے فاروق کے ذہن میں ایک بات ڈال دی تھی۔ چند لمحے تک وُہ خاموش رہے، پھر منور علی خان کانپتی آواز میں بولے:

"اللہ کی قسم۔ یہ ممکن ہے۔"

"اور ایک بار ہم ان نوکیلے پتھروں پر اُتر گئے۔ تو پھر ضرور کہیں نہ کہیں نکل جائیں گے۔ یا پھر نہ کچھ کر سکیں گے۔"

"تب پھر دیر کیسی۔ کام شروع کیا جائے۔"

"میرا خیال ہے۔ یہ کام منور علی خان زیادہ بہتر کر سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے۔ چاقو مجھے دے دیں اور سب لوگ جال سے چمٹ جائیں۔ ہاتھوں اور پیروں سے اسے مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ رسی کٹتے ہی زور کا جھٹکا لگے گا۔" انھوں نے کہا اور جال میں ہاتھ اور پاؤں پھنسا پھنسا کر اُوپر چڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ وُہ اوپر والی رسی تک پہنچ گئے۔ پہلے تو انھوں نے اس کا جائزہ لیا۔ اور پھر اللہ کا نام لے کر چاقو کی مدد سے

رسی کاٹ دی۔

وُہ یک دم نیچے گرے۔ باقی لوگوں کو بھی جھٹکا لگا لیکن ہلکا سا۔

"اصل جھٹکا اس وقت لگے گا جب میں نچلی رسی کاٹوں گا۔" منور علی خان بولے۔

"چلیے۔ کاٹ دیجیے۔ جھٹکوں کی خیر ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

اب وُہ نچلی رسی کی طرف چلے اور پھر اُنھوں نے وُہ رسی بھی کاٹ دی۔ اس سے پہلے وُہ دُوسرے ہاتھ سے جال کو پکڑ چکے تھے۔ جوں ہی رسی کٹی۔ وُہ تیر کی طرح نیچے کی طرف چلے۔ اُنھیں یُوں لگا جیسے کسی کنوئیں میں گرتے جا رہے ہوں۔ اور پھر انھیں ایک زوردار جھٹکا لگا۔ باقی لوگوں کو بھی جھٹکا لگا۔ لیکن نیچے صرف منور علی خان گرے تھے۔ اور اب وُہ جال کو پکڑے نیچے لٹک رہے تھے۔ وُہ اب بھی نوکیلے پتھروں سے کافی اونچائی پر تھے؛ تاہم پہلے کی نسبت اونچائی کم ہوگئی تھی۔

"جال کو اور کاٹنا پڑے گا۔" منور علی خان بولے۔

"ٹھیک ہے۔ کاٹ دیں۔"

وہ کچھ اُوپر آ گئے — اور ایک طرف سے جال کو کاٹنے لگے — جُوں جُوں جال کٹتا گیا — انھیں جھٹکا لگتا گیا — اور وہ اور نیچے ہوتے گئے — آخر انھوں نے کہا:

"بس بھئی — اس سے زیادہ اگر میں نے جال کاٹا تو یہ ہمارا وزن برداشت نہیں کر سکے گا — دُوسرے یہ کہ اب میں پتھروں سے زیادہ اونچائی پر نہیں ہُوں — چھلانگ لگا سکتا ہوں؛ تاہم چوٹ اب بھی لگے گی، لیکن یہ زیادہ شدید نہیں ہو گی۔"

"تو پھر بسم اللہ کریں — اور نیچے جا کر ہمارے لیے جگہ کو کچھ ہموار بنانے کی کوشش کریں، کیوں کہ یہ نوکیلے پتھر شاید اسی خیال کے پیشِ نظر رکھے گئے ہیں کہ کہیں ہم چھلانگیں نہ لگا دیں۔"

"اچھی بات ہے — میرے لیے دُعا کریں۔" منور علی خان بولے اور پھر انھوں نے جال کو چھوڑ دیا۔

وہ پتھروں پر گرے — ان کے منہ سے چیخ نکل گئی ایک پاؤں میں پتھر کی نوک دھنس گئی تھی — دُوسرا پیر محفوظ رہا تھا — اُنھوں نے پیر اُوپر کھینچا تو خُون بہنے لگا —

"سب خیریت رہی نا ابّا جان؟" فرحت نے بے چین ہو کر پوچھا —

"ہاں! میں جگہ صاف کرتا ہوں — آپ لوگ نیچے کی طرف جال پر سفر شروع کر دیں — یہاں تک کہ نچلے سرے کے قریب پہنچ جائیں۔"

وہ پتھر ہٹانے لگے — نیچے زمین ہموار تھی — ہموار زمین دیکھ کر انھیں اطمینان ہوا — اور وہ بلند آواز میں بولے:

"اب کام آسان ہو گیا ہے — کودنا شروع کر دیں۔"

باری باری وہ کودتے چلے گئے —

"اوہو — ابّا جان — آپ — آپ کا پاؤں تو زخمی ہے۔"

"معمولی زخم ہے — فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" منور علی خان بولے۔

"لائیے میں اپنا دوپٹہ باندھ دوں آپ کے پاؤں پر۔"

یہ کہہ کر فرحت بیٹھ گئی — اور اپنا دوپٹہ ان کے زخم پر باندھنے لگی —

ادھر وہ ایک ایک کر کے کودتے چلے گئے — جُونہی آخری آدمی نے چھلانگ لگائی — کسی نے تالی بجا دی —

اور پھر آواز سنائی دی :

"بہت خوب ۔ بہت خوب ۔ یہ میری زبردست ہار ہے ۔ اور تم لوگوں کی زبردست فتح ۔"

وہ چونک کر مڑے اور دھک سے رہ گئے ۔۔۔

اس کا باشندہ

ان کے سامنے زیاماٹا کھڑی تھی ۔ وہ جس کو دیوتا کی بیوی کہا گیا تھا اور جب وہ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو وہ غائب ہو گئی تھی ۔ لہٰذا اسے اس جگہ دیکھ کر انھیں حیرت نہ ہوتی تو کیا ہوتا ۔

"زیاماٹا ۔ تم اور یہاں ۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا ۔

"ہاں ! میں جانتی تھی ۔ پہاڑ پر چڑھ کر تم لوگ اس جگہ آ کر گرو گے ۔ اس لیے میں اسی وقت ادھر آ گئی تھی ۔ رات بھر میں آرام سے سوتی رہی ، کیوں کہ تم رات کے وقت کچھ نہیں کر سکتے تھے ۔"

"لیکن تم یہ باتیں کس طرح جانتی ہو ۔ تم تو ان جنگلیوں کے لیے دیوتا کی بیوی ہو ۔ اور دوسرے یہ کہ یہ جگہ کہاں ہے ۔ کیا ہم ادھر ہی پہنچ گئے ہیں ۔ جدھر سے اوپر چڑھے تھے ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے پریشان ہو کر

کہا۔

"ہاں بالکل۔ جنگلی اب پھر سے جمع ہو گئے ہیں۔ وہ تم لوگوں کی تلاش میں ہیں۔ میں نے انھیں یہ نہیں بتایا کہ تم پہاڑ پر چڑھ گئے ہو۔ اب جوں ہی وہ تمھیں دیکھیں گے۔ کچا چبا جائیں گے۔"

"ہوں۔ اس جگہ کے بارے میں تمھیں کیسے علم ہے؟"

"یہاں گھومتی پھرتی جو رہی ہوں۔ بس اس طرح معلوم ہے۔"

"خیر۔ باقی باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ کھانے کو کچھ مل سکے گا یا نہیں۔"

"تم لوگ کیا کھاؤ گے۔ خود جنگلیوں کا نوالہ بن جاؤ گے۔"

"وہ بعد کی بات ہے پہلے تو ہمیں کچھ کھانے کو ملنا چاہیے۔"

"یہاں کچھ درختوں پر عجیب و غریب پھل لگتے ہیں۔ ذائقہ ان کا قدرے کڑوا ہے، لیکن پیٹ بھرنے کے کام آ سکتے ہیں۔"

"تو ہمیں ان درختوں تک ہی لے چلیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"جوں ہی تم ادھر گئے۔ جنگلی تمھاری بو پا لیں گے، ہاں! اس جگہ ضرور تم لوگ محفوظ ہو۔ جنگلی ادھر نہیں آئیں گے۔"

"کیوں۔ کیوں نہیں آئیں گے؟"

"اس لیے کہ وہ جانتے ہیں۔ یہاں میں رہتی ہوں۔"

"اوہ تو پھر کچھ پھل ہی ہمیں توڑ کر لا دو۔"

"اچھا۔ یوں ہی سہی۔" یہ کہ کر وہ اس غار سے باہر چلی گئی۔ گرنے کے بعد انھیں معلوم ہوا تھا کہ دراصل وہ ایک بہت بڑا غار تھا۔

"ہمیں اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔" اچانک محمود بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہو سکتا ہے۔ وہ پھلوں کی بجائے جنگلیوں کو بلا لائے۔"

"ہمیں ادھر اُدھر چھپ جانا چاہیے۔ اگر وہ تنہا آئی، تو ہم اس کے سامنے آ جائیں گے۔ ورنہ چھپے رہیں گے۔"

انھوں نے یہی کیا، لیکن آدھ گھنٹے کے بعد زیاناٹا بہت سے پھل اُٹھائے آتی نظر آئی۔ پہلے وہ گنگناتی چلی آ رہی تھی۔ لیکن غار کے منہ پر آ کر ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کے منہ سے نکلا:

"ارے — تم لوگ کہاں چلے گئے تھے؟"

وہ اِدھر اُدھر سے نکل آئے۔

"خیریت — چھپنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟" اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"ہم نے سوچا — کہیں آپ پھلوں کی بجائے جنگلیوں کو نہ لے آئیں۔" محمود نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"ارے نہیں — ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ ہنسی۔

اور وہ پھلوں پر ٹوٹ پڑے۔ سبھی بے تحاشہ بھوکے تھے — لیکن پروفیسر داؤد کا حال سب سے پتلا تھا۔ پھل کڑوے اور کسیلے ضرور تھے، لیکن اس وقت یہ پھل انہیں دُنیا بھر کی نعمتوں سے زیادہ لذیذ محسوس ہوئے۔

"شاید ہم نے زندگی میں اتنے مزے دار پھل کبھی نہیں کھائے ہوں گے۔" اشفاق بولا۔

"ہاں واقعی۔" وہ بولے۔

"تم لوگ کھاؤ — میں ذرا پانی لے آؤں۔" زیاماٹا نے کہا۔

"ہاں ہاں — ضرور۔" انھوں نے فوراً کہا۔

وہ ایک بار پھر چلی گئی۔ یہ لوگ پھلوں پر ہاتھ صاف کرتے رہے۔ اور پھر انھوں نے بے تحاشہ دوڑتے قدموں

کی آواز سنی۔ انھوں نے محسوس کیا۔ اَن گنت لوگ دوڑتے ہوئے غار کی طرف آ رہے ہیں۔ وہ گھبرا گئے:

"یہ — یہ کیا۔" وہ چلّائے۔

"زیاماٹا نے دھوکا دیا — اب وہ پانی کی بجائے جنگلیوں کو ساتھ لا رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ اور ہم غار میں ہیں — گویا ہم غار میں گھر کر رہ جائیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"کیوں انکل — ابھی وہ لوگ غار سے دور ہیں — ہم باہر نکل سکتے ہیں۔"

"لیکن باہر نکل کر مقابلہ کس چیز سے کریں گے۔ پہاڑ پر چڑھنے سے پہلے ہم نے تیر اور کمان وہیں چھوڑ دیے تھے۔" خان رحمان نے کہا۔

"کچھ بھی ہو — غار میں قید ہو کر مرنا اچھا نہیں لگتا، مرنا ہی ہے تو کھلی فضا میں کیوں نہ مریں۔" آصف بولا۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر اُٹھیے۔" خان رحمان بولے۔

ان سب نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن کسی سے بھی نہ اُٹھا گیا۔

"ارے! یہ کیا — ہم تو اُٹھنے کے قابل ہی نہیں

رہے۔ یہ۔ یہ ہمیں کیا ہو گیا۔" فرزانہ چلائی۔

"شاید ان پھلوں میں کچھ تھا۔ زیاماٹا کچھ ملا لائی ہو گی ان میں۔ یا اس نے پہلے سے ہی اس قسم کی تیاری کر رکھی ہو گی۔"

"اوہ۔ اوہ۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم مارے گئے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اللہ نہ کرے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

اسی وقت غار کے منہ پر بے شمار جنگلی آ گئے۔ ساتھ ہی زیاماٹا کی چہکتی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"اب یہ لوگ تمہارے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکیں گے ایک تنکا تک نہیں مار سکیں گے۔ میں نے انھیں دیوتا کی بتائی ہوئی ایک بددعا دے دی ہے۔ یہ سب تمہارا بہترین شکار ہیں۔ مزے اڑاؤ۔"

"ہی ہا۔ ہی ہا۔" جنگلیوں نے وحشیانہ انداز میں نعرہ لگایا اور اندر گھسنے لگے۔

ان میں سے ہر ایک کو کئی کئی آدمیوں نے پکڑ کر اس طرح اٹھا لیا۔ جیسے کوئی شکاری کسی بطخ کو اس کے ایک پیر سے پکڑ کر اٹھا لیتا ہے۔

وہ اُلٹے لٹکے ہوئے ان کے ہاتھوں میں غار سے

باہر آئے۔ ہر ایک کا رنگ زرد تھا۔ ان کے ہاتھ پیر بالکل کام نہیں کر رہے تھے۔

اور پھر وہ اسی جگہ لائے گئے۔ جس جگہ دیوتا کھڑا تھا۔ انھیں لٹا دیا گیا۔

"اب ان کو باندھنے کی بھی ضرورت نہیں۔" زیاماٹا نے کہا۔

جنگلیوں نے پھر نعرہ لگایا۔ چند پُر جوش جنگلی آگے بڑھے اور زیاماٹا کو ہاتھوں پر اُٹھا کر ناچنے لگے۔ ساتھ ہی نقارہ بجنے لگا۔ نقارے کی دھمک انھوں نے اپنے دلوں میں محسوس کی۔

"دیر نہ لگاؤ ساتھیو۔ میں چاہتی ہوں۔ آن کی آن میں ان کی بوٹیاں کر کے انھیں نگل جاؤ۔ ہضم ہونے میں یہ لوگ دیر تو ضرور لگائیں گے، کیوں کہ بہت سخت جان ہیں۔ لیکن پھر بھی۔ ان کا گوشت مزے دار ہو گا۔"

"ہو ہا۔ ہو ہا۔" جنگلیوں نے نعرہ لگایا اور پھر لمبے پھل والے چاقو اور چھوٹی کلہاڑیاں چمکنے لگیں۔ جنگلیوں کا ایک غول ان کی طرف بڑھنے لگا۔

"تت۔ کیا ہمارا آخری وقت آ چکا ہے۔ ابا جان؟" فرزانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ بیٹی۔" انسپکٹر جمشید نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"مم۔ مجھے۔ مجھے امی جان یاد آ رہی ہیں۔ نہ جانے وہ اس وقت کیا کر رہی ہوں گی۔ انھیں کیا معلوم کہ ہم کس حالت میں ہیں اور ہمارے ساتھ چند لمحوں بعد کیا ہونے والا ہے۔"

"بیٹی۔ ماں کو یاد کرنا اس وقت کچھ فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ آخری وقت میں انسان کو صرف اپنے خالق کو یاد کرنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے غم زدہ آواز میں کہا۔

"آ۔ آپ۔ آپ ٹھیک۔"

جنگلی ان کے سروں پر آ گئے۔ فرزانہ کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔ ان کی آنکھوں میں اس لمحے خوف کے سائے تیر گئے۔ جسموں میں لرزش آ گئی۔ انھوں نے ایک ساتھ کہا:

"یا اللہ مدد۔"

کلہاڑیوں اور خنجروں والے ہاتھ نیچے گرے۔ عین اس وقت زیاماٹا چلایا:

"چوکا۔"

پتا نہیں۔ اس چوکا کا کیا مطلب تھا۔ جنگلیوں کو

ایسا جھٹکا سا لگا۔ ان کے نیچے گرتے ہاتھ رک گئے۔ چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔

"ساباٹ۔" زیاماٹا نے کہا۔

جنگلی ایک دم پیچھے ہٹنے لگے۔

"یہ۔ یہ کیا ہوا؟" فرحت کے منہ سے نکلا۔

"اللہ کی مدد آ گئی۔" فرزانہ بولی۔

"ل۔ لیکن۔ ہمیں تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"دل کی آنکھوں سے دیکھو۔" آفتاب مسکرایا۔

"تو کیا تم اس وقت دل کی آنکھوں سے کچھ دیکھ رہے ہو۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ تمھیں بنا رہا ہے فرزانہ۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے بنانے کی۔ یہ تو پہلے ہی بنی بنائی ہے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"چپ رہو۔" انسپکٹر جمشید غرائے۔

تمام جنگلی ان سے دور ہٹ گئے، پھر نہ جانے زیاماٹا نے ان سے کیا کہا۔ وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ مذاق مذاق میں نہیں۔ بلکہ سنجیدگی سے۔ وہ ایک دوسرے پر اس طرح وار کر رہے تھے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے ہوں۔

اور پھر وہ گرنے لگے۔ کٹ کٹ کر۔ یا زخمی ہو ہو کر۔ سب کے سب بھوکے بھیڑیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

"آخر۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ انھیں کیا ہو گیا ہے؟" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھا رہا ہے۔ جو لوگ چند لمحے پہلے ہماری بوٹیاں کر ڈالنے کے لیے پر تول چکے تھے، وہ اب خود اپنی بوٹیاں اڑا رہے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن۔ کیوں۔ یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ ایسا زیاماٹا کے کہنے سے ہو رہا ہے۔"

"اور زیاماٹا کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"کیوں زیاماٹا۔ کیا تم اس بات کا جواب دو گی۔ آخر تم نے ان سے کیا کہا ہے؟"

"میں نے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ سب لوگ ایک دوسرے سے جنگ کریں۔ اس جنگ میں جو جیت جائے گا۔ اس سے میں شادی کر لوں گی۔ اور یہ تمام شکار بھی اسی کا ہو گا۔"

"لیکن تمھارے اس پروگرام میں یہ اچانک تبدیلی کس طرح آ گئی؟"

ایک فرشتے کی وجہ سے ہے، جو میری کمر کی طرف کھڑا ہے۔" زیاماٹا کے لہجے میں کوٹ کوٹ کر نفرت بھری تھی۔

اب ان سب نے گردنیں گھما گھما کر اس کی کمر کے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ جو کوئی بھی تھا۔ پوری طرح چھپا ہوا تھا۔ اور شاید اسی لیے جنگلیوں کو بھی ابھی تک نظر نہیں آ سکا تھا۔

"زیاماٹا کے پیچھے کون ہے؟" فرزانہ چلائی۔

"فرزانہ۔ خاموش رہو۔ یہ جنگ جاری رہنی چاہیے۔" انسپکٹر جمشید غرائے۔

"ب۔ بہت بہتر۔ ابا جان۔ ل۔ لیکن۔ زیاماٹا کے پیچھے کون ہے؟"

"محمود۔ پاگل۔ تم ابھی تک نہیں جان سکیں۔ ہم میں محمود نہیں ہے۔ اور زیاماٹا کی کمر میں اس کے چاقو کی نوک لگی ہوئی ہے۔ ورنہ زیاماٹا کا ہے کو ایسا حکم جنگلیوں کو دے سکتی تھی۔ اس کے لہجے میں اپنے لیے نفرت نہیں محسوس کی تم نے۔" وہ دبی آواز میں کہتے چلے گئے۔

"اوہ اوہ۔"

ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ محمود نے اب بھی

زیاماٹا کے پیچھے حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور
کی کامیابی کا راز بھی یہی تھا۔ نہ تو وہ خود ہا
ان نے زیاماٹا کو ہلنے دیا۔
ادھر موت اور زندگی کی جنگ جاری تھی۔
کی طرح لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو ہلاک کر رہے
تھے۔ دھوپ میں خنجر اور کلہاڑیاں چمک رہی تھیں۔
انھوں نے دلوں میں ایک خوف سا محسوس کیا۔ اگر اس وقت
محمود کام نہ دکھا دیتا۔ تو اس وقت یہ سب ان کی بوٹیاں
اڑا رہے ہوتے۔

یہ جنگ کوئی چھوٹی سی جنگ نہیں تھی۔ گھنٹوں جاری
رہنے والی تھی۔ اور وہ سب کے سب اس جنگ کو دیکھنے
پر مجبور تھے۔ اس قدر ہولناک مناظر انھوں نے اپنی زندگی
میں بہت کم دیکھے ہوں گے۔ وہ گرتے چلے گئے۔ کٹتے
چلے گئے۔ لیکن نہ تو انھوں نے رکنے کا نام لیا۔ اور نہ
تھکنے کا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ ادھر انھوں نے
محسوس کرنا شروع کیا کہ وہ ہاتھ پیر ہلانے کے قابل نہیں
جا رہے ہیں، لیکن وہ جسموں کے ٹوں پڑے رہے۔
جیسے ابھی ان میں ہلنے کی بھی سکت نہ پیدا ہوئی ہو۔
سورج غروب ہونے تک صرف چند جنگلی باقی بچ گئے۔

اب وہ مارے تھکن کے اس حد تک چور ہو چکے تھے۔ کہ
مشکل سے ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے، تاہم کسی نہ
طرح کر رہے تھے۔ اور پھر اندھیرا پھیلنے لگا۔ جنگلیوں
ر ابھی زندہ تھا۔ اور چند اور آدمی بھی۔ ابھی وہ
ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ آدھ گھنٹے بعد سردار کے
مقابلے میں صرف ایک آدمی رہ گیا۔ اور آخر وہ بھی کام
آ گیا۔

تھکا ماندہ سردار فتح کے آثار چہرے پر سجائے زیاماٹا
طرف مڑا اور اپنی زبان میں کچھ کہا۔ زیاماٹا نے
اس کی بات کا جواب دیا۔ سردار اپنی تلوار لیے زیاماٹا
کی طرف بڑھا اور دونوں گھٹنوں پر جھک کر تلوار اسے
پیش کر دی۔ زیاماٹا نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے
اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کا ہاتھ مشینی انداز
تا چلا گیا۔ اور پھر تلوار گرتی نظر آئی۔ یہ دیکھ
زور سے چلایا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ
ت آیا تھا۔ شاید اسے یہ امید ہرگز نہیں تھی۔
امید تھی۔ زیاماٹا اسے شاباش دے گی۔ اور
ف کرے گی۔
تلوار اس کی گردن کو کاٹتی چلی گئی۔ اور پھر گردن

یں اٹک کر رہ گئی۔ سردار کا لاشہ تڑپنے لگا:

"میرا کام ختم ہو گیا۔ اب میں کیا کروں؟ زیاماٹا کے پیچھے سے محمود کی آواز سنائی دی۔

"ہم اب حرکت کرنے کے قابل ہیں۔ چند لمحے اور اسی طرح کھڑے رہو۔" یہ کہ کر انسپکٹر جمشید اُٹھے اور آگے بڑھ کر زیاماٹا کو بالوں سے پکڑ لیا:

"بس محمود۔ اب یہ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتی۔ تمہارا کردار حیرت انگیز رہا، لیکن حیرت اس بات پر زیادہ ہے کہ۔ ان پھلوں نے تم پر اثر کیوں نہ کیا؟

"میں نے کوئی پھل حلق سے نیچے نہیں اتارا۔ نہ جانے کیوں۔ مجھے پہلے ہی اس پر شک تھا اور یہ شک اس وجہ سے ہوا تھا کہ یہ اس غار میں کیسے پہنچ گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ یہ اچانک غائب ہو گئی تھی۔ لہٰذا میں نے سوچا۔ میں کیوں نہ خود پر جبر کر لوں۔ تھوڑی سی پیاس اور بھوک برداشت کر لوں۔ اگر آپ لوگوں کو کچھ نہ ہوا تو میں بھی کھا لوں گا۔ اور پھر جب میں نے جنگلیوں کے آنے کی آوازیں سُنیں تو میں غار میں پیچھے کی طرف ہٹتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بہت دُور تاریکی میں چلا گیا۔"

"بہت خوب۔ آج تو تم نے بالکل فرزانہ والا کام کیا۔

بھوک کم۔ بخت نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ورنہ کام تو مجھے ہی دکھانا چاہیے تھا۔"

"لیکن چاقو بھی تو میرے پاس تھا۔"

"خیر۔ جو ہونا تھا۔ ہو چکا۔ اب اس کا کیا کریں؟" عبدالرحمان نے کہا۔

"مس زیاماٹا۔ تم کیا کہتی ہو۔ آخر تم ہماری زندگیوں کی دشمن کیوں ہو؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"شاید اس لیے کہ۔ یہ زمبوٹا کی باشندہ ہے۔" شوکی نے فوراً کہا۔

"کیا!!!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

دھند کا شہر

چند لمحے تک خاموشی طاری رہی، پھر آصف نے کہا۔

"ضرور یہی بات ہے۔ زمبوٹا کی سرتوڑ کوشش یہی ہے کہ کسی طرح ہمیں ہلاک کر دیا جائے۔ تاکہ ہم طشتریوں کے دیس تک نہ پہنچ سکیں۔"

"تو پھر۔ اس کے چہرے پر میک اپ کے دیکھ لینے چاہییں۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے جلد ہی اس کے چہرے سے میک کی تہ اتار دی۔ اگرچہ پہلے ہی اندازہ لگایا جا چکا لیکن پھر بھی انھیں زمبوٹا کا چہرہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔

"تم تو واقعی اندر سے زمبوٹا کی نکل آئیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" اس نے تھکے انداز

مسکرا کر کہا۔

"تب پھر۔ اب پہاڑوں کے اس پار بھی تم ہی ہمیں لے چلو گی۔ ضرور کوئی راستا ایسا ہے۔ جس کے لیے تم اس طرف چلی جاتی ہو۔ اور جب چاہتی ہو، یہیں آ جاتی ہو۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔ راستا موجود ہے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر۔ کیا خیال ہے۔ چلیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

"یہ۔ یہ ہمیں دھوکا دے گی۔" شوکی چلایا۔

"کوئی بات نہیں۔ کھا لیں گے دھوکا۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔" زیاماٹا مسکرائی۔

"ضرور کوئی چکر ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"لیکن اب ہم چکر کے خوف سے یہاں تو نہیں رک سکتے۔ نبٹ لیں گے چکر سے بھی۔ چلو بھئی۔" انسپکٹر کامران نے منہ بنا کر کہا۔

"لیکن ہم اسے اسی طرح پکڑے رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

انسپکٹر جمشید اور خان رحمان نے دونوں طرف سے
زیاماٹا کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور پھر وہاں سے چل پڑے
زیاماٹا کا رُخ اسی غار کی طرف تھا۔ جس میں وہ جال
سے گرے تھے۔

"یہ کیا۔ یہ تو اسی غار کی طرف چل رہی ہے۔"

"چلنے دو۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ یہ خود بھی تو ہمارے
ساتھ ہے۔ جو ہمارے ساتھ ہوگا۔ وہی اس کے ساتھ
بھی ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

غار میں داخل ہونے کے بعد زیاماٹا ایک سمت
میں مڑ گئی۔ اس غار میں اندر کئی راستے جا رہے تھے
ہر راستا تاریک نظر آ رہا تھا۔

"فاروق۔ اپنی ٹارچ نکال کر روشن کر لو۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

"جی بہتر!"

غار میں ان کا سفر ایک گھنٹے تک جاری رہا۔
وہ اس جگہ سے بھی آگے بڑھ چکے تھے۔ جس جگہ جال
سے گرے تھے۔

"اب واقعی میری اُلجھن بڑھ گئی ہے۔" انسپکٹر جمشید
کی آواز اُبھری۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"اگر راستا صرف یہی ہے۔ تب تو زیاماٹا کو بھی
ایک گھنٹے سے زائد لگتا ہوگا۔ گویا یہ ایک گھنٹا جانے
میں خرچ کرتی ہوگی اور ایک گھنٹا آنے میں۔ میرے
خیال میں تو یہ ناممکن ہے۔ ضرور کوئی اور مختصر راستا
بھی ہے۔ کیوں مس زیاماٹا میں غلط تو نہیں کہ رہا۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ آپ کا خیال ٹھیک ہو۔ کوئی اور
راستا بھی اس جگہ کی طرف جاتا ہو، لیکن میں اس
راستے کو نہیں جانتی۔ میں تو صرف اور صرف اسی راستے
سے واقف ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا خیر۔ کوئی بات نہیں۔ ہم بھی اسی راستے پر
چلیں گے۔" وہ بولے۔

ایک گھنٹے کے بعد کہیں جا کر انھوں نے ایک
عجیب سی آواز سنی۔ یہ آواز گھوں گھوں کی تھی:

"کیا ہم نزدیک پہنچ گئے ہیں؟"

"ہاں بالکل۔ اب تم لوگ اڑن طشتریوں کے دیس
میں قدم رکھنے ہی والے ہو۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔ نہیں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! شاید تم لوگوں کو یقین نہیں آ رہا، لیکن جونہی ہم غار سے نکلیں گے — میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

وہ بے چین ہو گئے۔ جس دیس میں پہنچنے کے لیے انھوں نے اس قدر تابڑ توڑ کوششیں کی تھیں — اب کوئی آن میں وہ ان کے سامنے آنے والا تھا۔

اب پھر زیاماٹا کے قدم رُک گئے۔ انھوں نے دیکھا۔ آگے راستا بند تھا۔ غار بالکل بند نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا مس زیاماٹا۔ راستا تو بند ہے۔ کہیں تم غلط طرف تو نہیں آ گئیں۔" شوکی نے بے چین ہو کر کہا۔

"نہیں۔ میں بالکل درست آئی ہوں۔ راستا ابھی کھل جاتا ہے، لیکن میرے ہاتھ آزاد کرنا ہوں گے۔"

"چال!" شوکی چلّایا۔

"کیا مطلب؟" محمود گھبرا گیا۔

"ہاتھ چھڑا کر یہ ضرور کوئی چال چلے گی۔"

"ہاں! شاید۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے اور پھر ایک ہاتھ سے اس کی ٹانگ پکڑ لی، پھر بولے:

"میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہے، لیکن ٹانگ

پکڑ لی ہے۔ خان رحمان تم بھی یہی کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور ایسا ہی کیا۔

"لیکن اب میں آگے کس طرح بڑھوں۔" زیاماٹا نے جھنا کر کہا۔ شاید اسے امید نہیں تھی کہ اس قدر احتیاط کی جائے گی۔

"ہم تمھیں۔ آگے بڑھنے سے نہیں روکتے۔ ضرور آگے بڑھو، ہم بھی آگے بڑھیں گے ساتھ میں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھا۔ یوں ہی سہی۔"

انسپکٹر جمشید اور خان رحمان جھکے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ زیاماٹا قدم اٹھاتی رہی۔ انسپکٹر کامران مرزا بھی ان کے نزدیک تھے۔ ان کا بھی یہی خیال تھا کہ زیاماٹا کوئی چال چلنے کے چکر میں ہے۔ اور پھر وہ غار کی دیوار تک پہنچ گئے۔

عین اسی وقت۔ فاروق کی ٹارچ دم توڑنے لگی۔

"محمود۔ تم ذرا اپنی ٹارچ روشن کر دو۔"

محمود نے ٹارچ نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا، لیکن ہاتھ خالی باہر آ گیا۔

"شش۔ شاید میری ٹارچ کہیں گر گئی۔ ہو سکتا ہے۔ پہاڑ پر چڑھتے وقت ایسا ہوا ہو۔"

"وحت تیرے کی۔ اب کیا کریں؟"

"ٹارچ تو زیا ماٹا کے پاس بھی ہونی چاہیے۔ آخر اسے خود بھی تو ادھر آنا پڑتا ہوگا۔"

"میں غار میں ایک جگہ رکھتی ہوں، لیکن وہ جگہ بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ اور وہ ایک ٹارچ نہیں ہے۔ ایک چھڑی ہے۔ جس کے سرے پر ایک چمک دار مادہ لگا ہے۔ وہ اندھیرے میں چمکتا ہے۔"

"لیکن۔ ہم نے تو کوئی چمک دار چیز نہیں دیکھی۔"

"غار میں ایک سوراخ ہے۔ چھوٹا سا اور گہرا۔ چھڑی میں اس میں رکھتی ہوں۔ تمھارے پاس چونکہ ٹارچ تھی۔ اس لیے میں نے ٹارچ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ایک زوردار جھٹکا اپنی دونوں ٹانگوں کو مارا۔ ایسا کرنے کے لیے اس نے غار کی دیوار میں ایک ابھری ہوئی نوک پر ہاتھ جمائے تھے۔

انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کو زوردار دھکا لگا۔ ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ زیا ماٹا کی ٹانگیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں، لیکن اس وقت انسپکٹر کامران مرزا حرکت میں آگئے اور انھوں نے اس کے لمبے بالوں پر ہاتھ ڈال دیا۔

جوں ہی انھوں نے اس کے بالوں کو جھٹکا مارا۔ وہ ساکت ہو گئی۔

"تمھاری یہ کوشش بھی بے کار گئی۔ اب تمھیں راستہ۔"

عین اسی وقت ٹارچ بالکل بجھ گئی۔ ساتھ ہی زیا ماٹا کا ایک بھرپور مکا انسپکٹر کامران مرزا کے منہ پر لگا۔ اور بالوں کو ایک جھٹکے سے چھڑا لیا گیا۔

"وہ۔ وہ میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ ہوشیار۔" انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔

وہ بوکھلا کر ادھر ادھر پھیل گئے۔ غار میں غضب کی تاریکی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسے میں ان میں سے چند ایک دوسرے سے بھی ٹکرا گئے۔

"تت۔ تم۔ زیا ماٹا تو نہیں ہو۔" فاروق کی آواز ابھری۔

"ئیں۔ ئیں فرحت ہوں۔"

"کاش تم زیا ماٹا ہوتیں۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"م۔ میرا خیال ہے۔ میں نے اسے پکڑ لیا ہے۔" شاہد کی آواز ابھری۔

"وہ۔ مارا۔ شاہد چھوڑنا نہیں۔"

"یہ۔۔ یہ کام میرے لیے بہت مشکل ہے۔" شاہد نے گھبرا کر کہا۔

"کک۔۔ کون سا کام انکل شاہد؟" آصف جلدی سے بولا۔

"اسے قابو میں رکھنا۔۔ وہ۔۔ وہ نکل گئی۔"

اور اسی وقت کوئی دھڑام سے گرا۔

"اب اس کی ٹانگ میرے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ اور آپ لوگ بے فکر رہیں۔۔ میں کم از کم اس کی ٹانگ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔۔ کیوں کہ میں نے تو بڑے بڑے درندوں کی ٹانگ پکڑ کر نہیں چھوڑی۔۔ یہ تو پھر ایک لڑکی ہے۔" اس بار انھوں نے منور علی خان کی آواز سنی۔

"لیکن۔۔ لیکن۔۔ یہ۔۔ یہ تو میری ٹانگ ہے۔" پروفیسر غوری کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ارے۔۔ دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔۔ وہ نکل گئی۔"

"یہ ضروری نہیں۔۔ ہو سکتا ہے۔۔ ابھی وہ یہیں کہیں دبکی ہوئی ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔۔ کہ وہ کوئی چال چلنے کے چکر میں ہے۔" شوکی نے کہا۔

"ہاں! ہم بھی پوری طرح ہوشیار تھے۔۔ یہ ساری خرابی تو ٹارچ بجھنے سے ہوئی۔" خان رحمان بولے۔

"خیر۔۔ کوئی بات نہیں۔۔ ہو سکتا ہے۔۔ ہم اب بھی اسے پکڑ لیں۔"

اچانک انھوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔

"شاید۔۔ وہ بھاگ نکلی ہے۔۔ اور اسی راستے پر جا رہی ہے۔۔ جس راستے سے ہم آئے تھے۔"

"میں۔۔ اس کے پیچھے جاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید غرائے۔

"اس قدر اندھیرے میں۔" فرزانہ بولی۔

"تو کیا ہوا۔۔ وہ بھی تو جا رہی ہے۔"

"اس کا تو یہ غار دیکھا بھالا ہے ابا جان۔" محمود نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔ ہم بھی غار کو دیکھتے ہوئے ہی یہاں تک آئے تھے۔"

اور پھر انھوں نے ان کے قدموں کی بھی آواز سن لی۔۔ اب وہ اندھیرے میں سوائے انتظار کے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔۔ آخر کافی دیر بعد انھیں ہلکی سی روشنی اپنی طرف آتی نظر آئی۔

وہ سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر دیکھنے لگے۔

انھوں نے دیکھا۔ دو سائے چلے آرہے تھے۔ اور ان
میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ جس کے
سرے سے نیلگوں روشنی پھوٹ رہی تھی۔

وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ انھوں نے دیکھا،
انسپکٹر جمشید نے دائیں ہاتھ سے زیاماٹا کے بال پکڑ رکھے
تھے۔

"یہ۔ یہ چھڑی اس سوراخ سے نکال رہی تھی کہ
میں نے جا لیا۔"

"چلیے شکر کریں۔ اب ٹارچ کے بجھنے کی فکر نہیں
رہے گی۔ لیکن۔ اس کے بارے میں میں اب بھی فکرمند
ہوں۔ کہ کہیں یہ پھر غچہ نہ دے جائے۔" شوکی بولا۔

"اب ہم اس کا پورا پورا انتظام کر کے آگے بڑھیں
گے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا، پھر خان رحمان کی
طرف مڑے:

"نصف بال تم پکڑ لو۔ اور دوسری طرف ہو کر چلو۔
تاکہ یہ ایک طرف سے جھٹکا مارے تو دوسری طرف کے
بال پھر بھی قابو میں رہیں۔"

"او کے۔" خان رحمان بولے۔

"اور میں اس کی عین کمر پر موجود رہوں گا۔"

حیرت ہے۔ تم لوگ ایک عورت کے لیے اس قدر
انتظامات کر رہے ہو۔" زیاماٹا مسکرائی۔

"تم عورت ضرور ہو، لیکن کئی مردوں سے طاقت ور
ہو۔ چالاک اور پھرتیلی بھی ہو۔ اب مہربانی فرما کر راستا
کھول دو۔ ورنہ ہم اس غار میں تمھارا خون گرا دیں گے۔"
انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں کہا۔

"شاید۔ اب کھولنا ہی پڑے گا۔" اس نے مایوسانہ
انداز میں کہا۔

"یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی۔ اور دیوار پر جھک کر
کچھ کرنے لگی۔ انھوں نے صاف محسوس کیا کہ اس نے
ایک جگہ اپنے انگوٹھے سے پورا دباؤ ڈالا تھا۔

اور پھر انھوں نے ایک گڑگڑاہٹ کی سی آواز
سُنی۔ ساتھ ہی ایک دروازہ نظر آیا۔ سرد ہوا کا ایک
جھونکا ان کے چہروں سے ٹکرایا۔ اور ایک آواز بھی
کانوں سے ٹکرائی:

"بہت انتظار کرایا زیاماٹا۔"

انھوں نے دیکھا۔ شعاعی پستول ان کی طرف اُٹھے
ہوئے تھے۔

"اگر حرکت کی تو جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔"

زمبوٹا کے دس باشندے ان کے سامنے عجیب وغریب لباس میں کھڑے تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

"تم لوگوں نے اب تک ہاتھ اُوپر نہیں اُٹھائے۔۔ ہم اس قدر مہلت دینے کے عادی نہیں ہیں۔ غار کے دُوسری طرف اگر تم نے اتنی دیر لگائی ہوتی تو اس وقت تک راکھ بن چکے تھے۔ اس وادی میں ہم کوئی بہانا پسند نہیں کرتے، کیوں کہ ہمارے لیے ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔"

"کک۔ کیا مسئلہ؟" شوکی ہکلایا۔

"بُو پھیل جانے کا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہ۔ تو آپ سمجھ گئے۔"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ دھند اور کہر کی تہیں جو جمائی گئی ہیں بہت بلندی تک۔ مشینوں کے ذریعے ہی ہوا کو اس سرزمین سے خارج کیا جاتا ہوگا اور تازہ ہوا اندر لائی جاتی ہوگی۔" پروفیسر داؤد جلدی جلدی بولے۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ لوگ بہت عقل مند ہیں اور ضدی بھی۔ آخر یہاں تک آ ہی گئے۔ جب کہ ہماری پوری کوشش یہ تھی کہ آپ لوگ یہاں نہ آنے پائیں۔"

"چلیے جناب۔ کوئی بات نہیں۔ ایک آدھ دن مہمان رکھ لیں، پھر رخصت ہو جائیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"کیا کر رہے ہو۔ مہمان رکھ لیں۔" آصف نے اسے گھورا۔

"شش۔ شاید میں غلط کہ گیا۔ ہاں تو چند دن ہمیں میزبان رکھ لیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہائیں ہائیں۔ فاروق۔ کیا ہوگیا ہے تمھیں۔"

"پتا نہیں۔ یہ اس بستی کا اثر ہے۔ یا میرے دماغ میں یہاں آتے ہی کوئی خرابی ہو گئی ہے۔"

"لیکن۔ ابھی تم لوگ یہاں کب آئے ہو۔ ابھی تو غار میں ہی کھڑے ہو۔ اب آ ہی جاؤ۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

زیاماٹا ان سے آگے قدم بڑھا کر غار سے نکل گئی، اب انھوں نے بھی قدم اٹھا دیے۔ جوں ہی آخری آدمی نے اس دیس میں قدم رکھا۔ غار بند ہو گیا۔

"ایک منٹ جناب۔ ذرا ہم یہ دیکھ لیں کہ غار کس طرح کھلتا ہے۔"

"یہ بات تم نہیں دیکھ سکو گے۔" زیاماٹا بولی۔

"ہمیں اپنی کوشش تو کر لینے دیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ضرور ضرور — کیوں نہیں۔"

انھوں نے اس جگہ کا جائزہ لیا — جہاں دروازہ نمودار ہوا تھا، لیکن کہیں کوئی نشان نظر نہ آیا — اس طرح غار کے اندر بھی کوئی نشان نظر نہیں آ سکا تھا —

آخر فرزانہ نے کہا:

"آپ ٹھیک کہتے تھے — چلیے۔"

اب وہ ان کے آگے قدم اٹھانے لگے — انھیں عجیب سا احساس ہو رہا تھا — ان کے سروں پر دھند ہی دھند تھی — ہلکی ہلکی دھند وہ اپنے چاروں طرف بھی محسوس کر رہے تھے — گویا دھند کا اثر زمین تک ہے — اونچائی کی طرف دھند گہری ہوتی نظر آتی تھی — گویا جس قدر اونچائی پر جائیں گے — دھند زیادہ گہری ہوتی جائے گی۔

ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی محسوس کیا — کہ ان کی کمر کی طرف وہی پہاڑ تھا — جس کے اوپر چڑھنے میں وہ کامیاب ہو گئے تھے، لیکن اس طرف اترنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس جال میں جا پھنسے تھے — دوسرے لفظوں میں وہ رسی کے ذریعے اس طرف اتر سکتے تھے —

زمین بھی پتھریلی تھی — جہاں تک وہ دیکھ سکتے تھے، ہلکی ہلکی دھند کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا — یا یہ

دس آدمی اور زیاماٹا انھیں نظر آ رہے تھے —

"کک — کیا یہاں — بس یہی دس آدمی ہیں؟" آفتاب بول اٹھا —

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔" زیاماٹا مسکرائی۔

"کم از کم تمھیں ضرور دیکھ لیا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"نہیں — ابھی مجھے بھی نہیں دیکھا۔" اس نے شوخ آواز میں کہا —

"کیا مطلب — تمھیں بھی نہیں دیکھا — یہ کیا بات ہوتی۔"

"اب تو میں اپنا آپ تم لوگوں کو دکھاؤں گی اور پھر معلوم ہوگا — میں کیا ہوں — اب تم اس دیس میں آ گئے ہو — یہاں سے جا تو سکو گے نہیں۔" زیاماٹا بولی۔

"پتا نہیں — کتنی مرتبہ اس قسم کی جگہوں کے بارے میں یہ بات کہی گئی — لیکن ہم پھر بھی نکل ہی جاتے ہیں۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"خیر — دیکھا جائے گا — میں ڈینگیں مارنے کی عادی نہیں ہوں۔" اس نے جل کر کہا۔

وہ دھند میں آگے بڑھتے رہے —

"ایسا معلوم ہوتا ہے — جیسے یہ دھند کا شہر ہو۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"گگ — کیا کہا — دھند کا شہر" فاروق جلدی سے بولا۔

"ہاں ہاں — کہ دو — اس کو ناول کا نام —" آفتاب نے جل بھن کر کہا۔

"اب نہیں کہوں گا" وہ بولا۔

"کیوں — کیا ہو گیا" آصف کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ڈر گئے ہیں یہ حضرت مجھ سے" آفتاب مسکرایا۔

"ڈرتا ہے میرا جوتا" فاروق بولا۔

"اچھا — کمال ہے — یہاں آکر تمہارا جوتا بھی ڈرنے لگا" مکھن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ابھی کیا ہے — آگے آگے دیکھنا — کیا کچھ چلتا ہے یہاں" فاروق نے گویا انھیں خبردار کیا۔

"لیکن یہاں تو کافی خنکی ہے" آصف بول اٹھا۔

"مس زیاماٹا — اگر آپ کو ان کی باتیں ناگوار گزر رہی ہیں تو انھیں خاموش کر دیا جائے" ایک پستول والے نے کہا۔

"نہیں — ان کی باتیں تو بہت پُر لطف ہیں — اور پھر تم انھیں خاموش رہنے پر مجبور نہیں کر سکو گے" اس نے مسکرا کر کہا۔

"یہ — یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟"

"میں ٹھیک کر رہی ہوں — یہ جب بولنے پر آتے ہیں — تو پھر روکے نہیں رکتے" اس نے جواب دیا۔

"مس زیاماٹا — آپ کو یہ بات کس طرح معلوم ہے" پروفیسر داؤد حیران ہو کر بولے۔

"کافی دیر سے سابقہ پڑ رہا ہے آخر — اندازہ لگا چکی ہوں"

"لیکن مس — ہم تو انھیں پل بھر میں خاموش کر سکتے ہیں"

"ہاں! شعاعی پستول چلا کر تم انھیں راکھ تو بنا سکتے ہو — لیکن زبانیں نہیں روک سکتے"

"ایسا بھی کیا" وہ بولا۔

"اگر تجربہ کرنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں" زیاماٹا بولی۔

"شکریہ مس — اب جب کہ آپ نے اجازت دے دی ہے — ہم انھیں خاموش رہنے پر ضرور مجبور کریں گے" پستول والا بولا، پھر تیزی سے چلتا ان کے سامنے آ گیا۔

"رک جاؤ بس"

"لیجیے جناب — رک گئے" آصف نے کہا۔

"تم نے سنا — مس نے کیا کہا ہے"

"ہاں! سن چکے ہیں"

"تو پھر۔ ہم چاہتے ہیں۔ اب آپ لوگ کچھ نہ بولیں۔"

"تو کیا۔ آپ نے مس کی یہ بات نہیں سُنی۔ کہ آپ ہماری زبانوں کو نہیں روک سکیں گے۔"

"ہاں! سُن چکے ہیں۔ لیکن ہم بھی زبانیں بند کرنے کا فن جانتے ہیں۔"

"اچھا تو پھر اپنا فن آزمالو۔" محمود نے کہا۔

"ادھر ان پستولوں کی طرف دیکھیے۔"

"کیوں۔ کیا ان میں سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"دیکھ تو لیں نا۔" ایک نے کہا۔

انھوں نے پستولوں کی طرف دیکھا۔ ان کی نالوں کے اندر انھیں نیلے رنگ کی چمک نظر آئی۔ اس چمک میں نہ جانے کیا بات تھی۔ وہ گھبرا سے گئے۔

"بس۔ اب کوئی بات کرکے دکھاؤ۔" ایک پستول والا بولا، ساتھ ہی اس نے ایک بٹن بھی دبایا تھا۔

"کیوں۔ اب کیا ہوگا۔" فاروق نے منہ کھولا۔

"کیوں بھئی۔ بولتے کیوں نہیں۔" اس نے کہا، لیکن فاروق کو اس کی آواز سُنائی نہ دی۔

"میں بول تو رہا ہوں۔" فاروق نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔

"تمھاری آواز کوئی بھی نہیں سُن رہا۔ بس صرف تم سُن رہے ہو۔ چاہے اپنے ساتھیوں سے پوچھ لو۔" اس نے اشاروں میں کہا۔ فاروق گھبرا گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور چلّا کر بولا:

"کیا آپ لوگ میری آواز سُن رہے ہیں؟"

فاروق کو ہونٹ ہلاتے ان سب نے دیکھا، لیکن اس کی آواز کسی نے نہیں سُنی۔ اب تو وہ بہت گھبرائے۔ ان سب نے کچھ نہ کچھ کہا۔ لیکن کسی نے بھی کسی کی آواز نہ سُنی۔ بس وہ ایک دوسرے کے ہونٹ ہلتے دیکھ رہے تھے۔ اور پھر فاروق اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا:

"ہماری آوازیں غائب ہوگئیں۔ غائب ہوگئیں۔"

لیکن اس کا یہ جملہ بھی کوئی نہ سُن سکا۔

"کیوں مس زیاماٹا۔ اب آپ کیا کہتی ہیں۔" پستول والا بولا۔

"کیا کر رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سُن رہی۔"

پستول والے ہنس پڑے، لیکن انھوں نے ان کی ہنسی کی آواز نہیں سُنی۔ چہروں پر ہنسی کے آثار ضرور نظر آ

رہے تھے۔

"اب یہ سلسلہ ختم کر دو۔ اِس طرح کیا مزا آئے گا۔" زیامالٹا نے اِشاروں میں کہا۔

"ابھی لیجیے۔" اُس نے کہا اور جیب سے ایک دُوسرا پستول نکال کر اُس کا ٹریگر دبا دیا۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا۔ دھماکے کی آواز اُنھیں سُنائی دے گئی۔

"دھماکے کی آواز تو مَیں نے سُن لی۔" فارُوق جلدی سے بولا۔

"اب ہم بھی آواز سُن رہے ہیں۔" محمُود نے کہا۔

"اُف مالک۔ ہماری تو آوازیں ہی غائب ہو گئی تھیں۔ یہ سب کیا تھا؟"

"ایک چھوٹا سا تجربہ۔ ہم آواز کی لہروں کو ایک مرکز کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ لہٰذا لہریں سیدھی اس مرکز کی طرف رُخ کر لیتی ہیں۔ وہ کِسی کے کانوں کی طرف نہیں جاتیں۔" اُس نے بتایا۔

"اور یہ کِس طرح ہوتا ہے؟"

"میرے ہاتھ میں جو پستول ہے۔ یہ آواز کی لہروں کو اپنے اندر جذب کر سکتا ہے، لیکن تھوڑے سے فاصلے تک کی۔ زیادہ فاصلے کے لیے مشین بنائی گئی

ہے۔"

"اوہ!" اُن کے مُنہ سے ایک ساتھ نِکلا۔

اس دیس کی یہ پہلی حیرت انگیز بات اُن کے سامنے آئی تھی۔

لہروں کی دیوار

چند لمحے تک انھیں کوئی بات نہ سوجھی، وہ صرف قدم اٹھاتے رہے۔ آخر آصف نے کہا:

"لیکن اس قسم کی ایجاد کا آخر کیا فائدہ... کیا ضرورت تھی آپ کو اس کی۔"

"اتفاق سے اگر کوئی چیز ایجاد ہو جائے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"لیکن یہاں ہمیں سوائے دھند کے اور کچھ نظر کیوں نہیں آ رہا... آخر وہ اڑن طشتریاں کہاں ہیں۔"

"یہ کوئی چھوٹی سی جگہ نہیں... بہت بڑی جگہ ہے، چند منٹوں میں تو دیکھ نہیں سکتے، اور پھر سب سے پہلے تو تمھیں ہیڈ آفس لے جایا جائے گا... باس کی اجازت کے بغیر آج تک یہاں کسی نے قدم نہیں رکھا... تم پہلے لوگ ہو۔" اس نے کہا۔

"اور ہمارے ساتھ یہ بھی۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے مس زیاماٹا کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں... انھیں اپنے ساتھ شامل نہ کرو... انھیں یہاں آنے کی ہر وقت اجازت ہے۔"

"لیکن ان کو پہاڑ کے اس پار ان جنگلیوں میں کیوں چھوڑا ہوا ہے۔" آفتاب نے پوچھا۔

"تاکہ اگر کوئی بھی اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرے... یہ جنگلیوں کے ذریعے اس کا صفایا کر دیں۔"

"ہم لوگ تو چڑھ گئے تھے۔"

"تم لوگوں نے تو ان ہزاروں جنگلیوں کو شکست دے دی تھی نا... اس لیے... اور یہ بھی بے بس ہو گئی تھیں... لیکن پھر ہم نے سوچا... کوئی بات نہیں... فیصلہ کیا کہ تم لوگوں کو روک لیا جائے گا... تم لوگوں کو روکنے کے لیے بیس کے قریب بہترین لڑاکے بھیجے گئے، لیکن وہ بھی تم لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے... اس کے بعد تم لوگ خود بخود ہمارے لٹکائے ہوئے جال میں آ گرے... اس جگہ

سے فصیل اسی لیے کاٹ دی گئی ہے تاکہ کوئی اس جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے..." وہ کہتا چلا گیا۔

"کیوں؟ اگر کوئی اس جگہ سے آگے بڑھ جائے تو کیا ہو جائے گا؟"

"اس جگہ سے آگے خوف ناک ڈھلوان ہے... اس پر کوئی انسان بھی سنبھل نہیں سکتا... گرتا چلا جاتا ہے اور اس طرف آ گرتا ہے... لیکن اس بستی میں لاشوں کا گرنا ہمارے لیے ایک مصیبت سے کم نہیں۔"

"وہ کیوں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"زمین پتھریلی ہے... گڑھا تو مشینوں کے ذریعے کھودا جا سکتا ہے... لیکن دفن کرنے کے بعد بُو فضا میں پھیلتی رہتی ہے... لہٰذا ہم ایسی مصیبت کیوں مول لیں... سب کچھ پہاڑ کے دوسری طرف ہی کیوں نہ رہنے دیں۔"

"لیکن لاشوں کو اس غار کے ذریعے بھی تو دوسری طرف پھنکوایا جا سکتا ہے۔"

"ضرور پھنکوایا جا سکتا ہے... لیکن اس کے لیے بھی تو ہم لوگوں کو لاشیں اٹھا کر بہت دیر تک چلنا پڑے گا... پھر غار کے دوسری طرف نمودار ہونا پڑتا ہے، لہٰذا ہم یہی کوشش کیوں نہ کریں کہ اس طرف کوئی آئے ہی نہ۔"

"اور ہم جو آ گئے ہیں؟"

"تم لوگ بھی شاید کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو... کس طرح ہر موڑ پر رکاوٹ ڈالی گئی... لیکن تم یہاں تک پہنچ ہی گئے۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"یہ سب اللہ کی مرضی کی بات ہے۔" اشفاق بولا۔

"اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے... یعنی ہمارے بارے میں؟" فاروق نے کہا۔

"پروگرام باس جانیں... ہم تو تمھیں ان کے سامنے پیش کرنے والے ہیں۔"

"یہ سب سے اچھی بات ہے... اس بہانے اڑن طشتریوں کے باس سے ملاقات ہو جائے گی۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"اڑن طشتریوں کا باس... بھئی واہ... بہت زوردار نام ہے۔" فرزانہ چہکی۔

"تو سیدھی طرح کہہ دو نا کہ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ کہنے کے لیے تم جو موجود ہو۔"

اچانک دھند میں چھپے انہیں چند مینار نظر آنے لگے...

"کہیں ہم باس کے دفتر تو نہیں پہنچنے والے۔"

"ہاں! بس... پہنچ ہی گئے۔" ایک نے کہا۔

"ابھی تک ہمیں کوئی اڑن طشتری تو نظر آئی نہیں۔" مکھن نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ان کو دیکھنے کے لیے آنکھوں کی ضرورت ہے۔" ایک نگران نے منہ بنایا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے... آنکھیں تو ہمارے پاس پہلے ہی موجود ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تم میرا مطلب غلط سمجھے۔" نگران بولا۔

"یہ اس کی پرانی عادت ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"کونسی عادت کی بات کر رہی ہو تم۔" فاروق بھنا اٹھا۔

"یہی غلط مطلب سمجھنے والی۔"

"یہ تمہارا خیال ہے... میرا نہیں... اور تم اپنے خیالات کو اپنے پاس ہی رکھا کرو۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"اچھی بات ہے... کوشش کروں گی کہ اپنے خیالات

کو قید کر کے رکھ سکوں۔" فرزانہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"تت... تم لوگوں کا لڑنے بھڑنے کا تو ارادہ نہیں۔" نگران گھبرا گیا۔

"نہیں... فکر نہ کریں... ویسے اگر ہم لڑ بھڑ پڑیں تو آپ کا کیا نقصان ہے۔"

"اگر تم اپنی لاشیں خود اٹھانے کا وعدہ کرو تو پھر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے کہا۔

"پتا نہیں... تم لاشیں اٹھانے سے اتنا کیوں گھبراتے ہو۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"ابھی بتاتا ہوں... تم میں سے کوئی ایک کسی دوسرے کو اٹھا سکتا ہے۔" وہ چلتے چلتے رک گیا... انہیں بھی رکنا پڑا... سبھی رک گئے۔

"یہ کیا مشکل ہے۔" فاروق نے کہا۔

"میں نے مشکل اور آسان کی بات نہیں کی... کوئی ایک کسی دوسرے کو اٹھا کر دکھا دے۔"

"اچھی بات ہے... میں ابھی آصف کو اٹھا کر دکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود آگے بڑھا۔

"اٹھا لو بھئی اٹھا لو..." آصف مسکرایا۔

محمود جھکا اور آصف کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال
کر اسے اٹھانے کی کوشش کی... لیکن آصف اس سے
اٹھ نہ سکا... اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا وزن
کئی ٹن ہو۔

"یہ... یہ کیا بھئی... تم پہلے تو اتنے وزنی نہیں
تھے۔"

"میں نہ پہلے وزنی تھا، نہ اب... تم ہی کمزور ہو
گئے ہو... ٹھہرو... میں تمھیں اٹھاتا ہوں۔" آصف نے
کہا اور محمود کو اٹھانے کے لیے جھکا، لیکن وہ بھی
محمود کو نہ اٹھا سکا...

"ہائیں... یہ کیا... تم... تم تو بہت وزنی ہو گئے
ہو بھئی۔" آصف نے گھبرا کر کہا۔

"یہ... یہ کیا معاملہ ہے؟"

"انسپکٹر جمشید بھی تمھیں نہیں اٹھا سکتے۔" نگران مسکرایا۔

"اچھا... یہ بات ہے۔" انھیں غصہ آ گیا۔

"ہاں... یہ ہمارا دعویٰ ہے۔"

"ایسی کی تیسی... تمھارے دعوے کی..." نہ جانے
کیوں انسپکٹر جمشید کو اس پر غصہ آنے لگا... انھوں نے
خود کو حیرت زدہ انداز میں دیکھا... پھر خود سے کہا:

"ہوش میں تو ہو... غصہ کیوں کھا رہے ہو... غصہ کھانا
تو میں نے سیکھا ہی نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور محمود کو اٹھانے
کے لیے جھکے... لیکن پھر جھکے کے جھکے رہ گئے...

"گگ... کیا... کیا ہوا بھئی۔" انسپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے۔

"مم... میں... میں محمود کو نہیں اٹھا سکتا... اس کا وزن
بہت زیادہ ہو گیا ہے۔"

"اوہ... تو پھر آصف کو اٹھا کر دیکھیں۔"

انھوں نے آصف کو بھی اٹھانے کی
کوشش کی، لیکن ناکام رہے... پھر تو ان سب نے ہی
ایک دوسرے کو اٹھانے کی کوشش کر دیکھی... لیکن کوئی
کامیاب نہ ہو سکا... آخر تھک ہار گئے...

"آخر اس کی کیا وجہ ہے۔"

"اب سمجھ میں آئی بات کہ ہم لاشوں سے اتنا کیوں
گھبراتے ہیں۔" نگران ہنسا۔

"چلو! یہ تو سمجھ میں آ گئی... سوال تو یہ ہے کہ
یہاں ایسا کیوں ہے؟"

"اس دھند کو غیر مرئی لہروں کے ذریعے قید کیا گیا
ہے... دھند اس جگہ سے نکل نہیں سکتی... یا یہ کہہ لو،"

فرار نہیں ہو سکتی... کیوں کہ اس کے اوپر لہریں ہیں... وہی لہریں جو گولی کو واپس پلٹ دیتی ہیں... بس ان کے دباؤ کی وجہ سے ہمارا وزن بہت زیادہ ہو گیا ہے... یہاں کوئی چیز اٹھائی نہیں جا سکتی... یہاں تک کہ آپ لوگ ایک چھوٹے سے پتھر کو بھی بہت وزنی محسوس کریں گے۔"

"ہوں! تب تو یہاں زندگی بہت مشکل ہو گی۔"

"نہیں... ایسی کوئی بات نہیں۔"

"اور دھوپ... دھوپ کا یہاں کیا کرتے ہیں... میرا مطلب ہے... اس دھند کی وجہ سے تو یہاں دھوپ آ ہی نہیں سکتی... لیکن انسانی زندگی کے لیے دھوپ بہت ضروری ہے... درختوں اور پودوں کے لیے بھی، اس کے بغیر وہ سرسبز نہیں رہ سکتے۔"

"دھوپ کا گزر پہلے اس دیس میں بالکل ناممکن بنا دیا گیا تھا... کیوں کہ اڑن طشتریاں دھوپ میں فوراً گرم ہو جاتی تھیں، لیکن اب ان کی اس خامی کو دور کر دیا گیا ہے... اتنا عرصہ تک جو اڑن طشتریاں صرف جھلک دکھا کر غائب ہوتی رہی ہیں تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ دھوپ میں وہ گرم ہو جاتی تھیں، اور گرم ہونے کے بعد ان میں آگ لگ جاتی تھی... طویل تجربات کے بعد ہم اس قابل ہوئے۔ کہ دھوپ کی موجودگی میں بھی ان کو اڑایا جا سکے... اب یہاں پھر دھوپ لائے جانے کے تجربات ہو رہے ہیں... رہی پودوں کی بات... آج کل ایسے پودے مل جاتے ہیں، جو دھوپ کے بغیر بھی سرسبز رہتے ہیں لہٰذا یہاں تم لوگوں کو صرف ایسے پودے ہی نظر آئیں گے۔"

میناروں کے بعد اب عمارت کا درمیانی حصہ بھی نظر آنے لگا تھا... ابھی تک انھیں کوئی اور آدمی نظر نہیں آیا تھا، ایسے میں انسپکٹر جمشید نے پوچھا:

"آخر زمبوٹا کے باشندوں کو ہماری زمین کے اس حصے کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہاں سے اڑن طشتریاں زمین کے کسی بھی حصے میں بھیجنا ہمارے لیے بہت آسان ہے... اور بہت کم وقت میں ممکن ہے... مثلاً زمین کے آخری حصے تک یہاں سے اڑن طشتری صرف تین منٹ میں پہنچ سکتی ہے... لیکن اگر ہم اڑن طشتریوں کا ہیڈ کوارٹر زمبوٹا کو ہی رکھتے تو پھر اتنے کم وقت

میں زمین کے کسی حصے میں اڑن طشتری نہیں بھیجی جا سکتی تھی...“

”ہوں! اس لیے... آپ لوگوں نے ہماری زمین کے اس حصے پر قبضہ کر لیا؟“

”ہاں! زمین کا یہ حصہ لوگوں کی نظروں سے بالکل پوشیدہ تھا... تم پہلے زمینی انسان ہو... جو یہاں پہنچے ہو۔“ اس نے کہا۔

”تب تو آپ ہمیں مبارک باد دیں۔“ آفتاب بولا۔

”مبارک باد باس دیں گے۔“ اس نے منہ بنایا۔

اور پھر وہ اس عمارت کے سامنے پہنچ گئے... دور دور تک کوئی نہیں تھا... عمارت کے دروازے پر بھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا... جہاں تک نظر جا سکتی تھی... بس دھند نظر آ رہی تھی۔

جوں ہی وہ دروازے پر پہنچے... آواز آئی:

”نہ جانے کیوں مجھے یقین سا تھا کہ تم لوگ آخر یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی جاؤ گے۔“

”آپ... آپ کون ہیں جناب... اور کہاں ہیں۔“ شوکی نے گھبرا کر پوچھا۔

”مصنوعی گھبراہٹ چہرے پر طاری نہ کرو۔“ اندر سے آواز گونجی۔

”چلیے... اب نہیں کریں گے... لیکن آپ کہاں ہیں؟“

”زیاباٹا... انھیں اپنے ساتھ اندر لے آؤ۔“

”او کے باس۔“ اس نے قدرے جھک کر کہا۔

اور پھر انھیں اپنے آگے چلنے کا اشارہ کیا...

وہ ان کے پیچھے ہو گئے... ایک نگران کا پستول اب اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا... نگران باہر ہی کھڑے رہ گئے...

دروازہ بھی خود بخود کھلا تھا... اسے کھولنے کے لیے زیاباٹا نے کچھ بھی نہیں کیا تھا... دروازے کے سامنے انھیں ایک بہت طویل برآمدہ نظر آیا... برآمدے کے دونوں طرف صرف دو کمروں کے دروازے نظر آئے... ایک دروازہ برآمدے کے اختتام پہ تھا۔

”دائیں طرف والا کمرہ میرا ہے... بائیں طرف والا باس کے اسسٹنٹ کا اور سامنے والا باس کا۔“

”گویا اس عمارت میں بس تین ہی کمرے ہیں۔“

”نہیں... کمرے تو اور بھی ہیں... ان کمروں سے دوسرے کمروں کے دروازے کھلتے ہیں... اور ان میں دفتری کام ہوتا ہے... یہ کام بھی ہم خود ہی کرتے ہیں۔“

"تو کیا اس پوری بستی میں بس آپ تین افراد ہیں اور دس نگران جو باہر رہ گئے۔"

"نہیں... بستی میں تو ہزاروں زہوٹائی موجود ہیں... یہ اتنا بڑا کام بغیر انسانوں کے تو نہیں ہو سکتا.... لیکن اس حصہ میں صرف ہم تین اور دس محافظ ہیں.. باقی لوگ اس حصے میں نہیں آ سکتے... نہ ہم لوگ ادھر جا سکتے ہیں۔"

"اور وہ دوسرا حصہ کہاں ہے؟"

"اس عمارت کے دوسری طرف... لہروں کی ایک دیوار درمیان میں ہے۔"

"لہروں کی دیوار... ارے باپ رے..." فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں کیا ہوا... ڈر لگ گیا دیوار سے۔"

"ن... نہیں... بات دراصل یہ ہے مس زیوکاٹا.... کہ ان حضرت کو ناولوں کے ناموں کی بہت پڑی رہتی ہے۔" مکھن بولا۔

"میں سمجھی نہیں... کس چیز کی پڑی... ارے تم نے میرا کیا نام لیا۔" وہ چونک اٹھی۔

"شش... شاید میں غلط کہہ گیا... معاف کیجیے گا مس

زیاناٹا۔" مکھن گھبرا گیا۔

"ہاں! اب ٹھیک ہے... خیال رہے... میں اپنے نام کا بگاڑا جانا پسند نہیں کرتی۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"مم... معلوم ہو گیا۔" مکھن بولا۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ لہروں کی دیوار کے ذریعے ان لوگوں کو الگ کر دیا گیا ہے... وہاں ہر کام مشینی انداز میں ہوتا ہے... اڑن طشتریاں بھی ریموٹ کنٹرول ہیں... کمروں میں بیٹھے ہوئے ہمارے آدمی اپنی اپنی اڑن طشتری کو مقررہ علاقے میں بھیج سکتے ہیں، اور یہیں بیٹھے بیٹھے اس سے جو کام لینا ہو، لے سکتے ہیں۔"

"ارے! تت... تو کیا... اڑن طشتری میں پائلٹ نہیں ہوتے۔"

"نہیں... اس کی ضرورت نہیں... پہلے پہل پائلٹ ہی اڑاتے رہے ہیں، لیکن اب ہم نے اور ترقی کر لی ہے۔"

"گویا اڑن طشتریاں اِس طرف نہیں... اُس طرف ہیں، اور آپ لوگوں کے احکامات کے تحت اس طرف کام کیے جاتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اور آپ لوگ کس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔"

"زمبوٹا کے صدر کے... وہ ہمارے سیارے کے حکمران ہیں... اور غضب کی ذہانت رکھتے ہیں... ان کی ذہانت کی وجہ سے ہی ہم زمین کا یہ حصہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے تھے... وہ خود بھی بنیادی طور پر ایک سائنس دان ہیں۔"

"لیکن وہ آپ لوگوں سے رابطہ کس طرح قائم کرتے ہیں۔"

"یہ کیا مشکل ہے... ہم مواصلاتی سیاروں کے ذریعے بات چیت کرتے ہیں۔"

"ہوں... آپ لوگ چاہتے کیا ہیں۔"

"ہم باس کے کمرے تک پہنچ چکے ہیں... باقی باتیں باس کے سامنے ہوں گی۔"

یہ کہ کر زیاباٹا دروازے پر رک گئی... یہ عمارت شیشے کی تھی... رکتے ہی اس نے کہا:

"باس! ہم حاضر ہیں۔"

"ٹھیک ہے... دروازہ کھلا ہے... آ جاؤ۔"

اس نے دروازہ دھکیلا اور ان سے بولی:

"پہلے تم اندر داخل ہو۔"

وہ کمرے میں داخل ہوئے... یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا... بہت لمبائی اور چوڑائی والا... اس میں ہر طرف آلات ہی آلات لگے تھے... ان آلات میں جگہ جگہ مختلف رنگوں کے بلب جل اور بجھ رہے تھے۔

ان تمام آلات سے الگ تھلگ... ہال کے آخری سرے پر ایک اونچا تخت بچھا تھا... تخت پر ایک لمبے قد کا آدمی نیم دراز تھا... اس کے نقش و نگار زمبوٹا کی مخلوق جیسے تھے... جسم پر لباس شاہانہ تھا... سر پر ایک سنہری تاج بھی تھا۔

"یہ... یہ تو کوئی بادشاہ معلوم ہوتے ہیں۔" شوکی بڑبڑایا۔

"ہاں! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم کسی بادشاہ کے دربار میں آ گئے ہوں... لیکن اس بادشاہ کے دربار میں کوئی درباری نہیں ہے۔"

"یہاں درباریوں کی ضرورت نہیں۔" باس کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اب تک ہم جتنے زمبوٹائیوں سے ملے ہیں... وہ سب کے

سب انگریزی اور اردو میں بات کر لیتے ہیں۔"

"یہ کوئی ایسی بات نہیں... ہم زمین پر تو آج سے چالیس سال پہلے اتر گئے تھے، اور زمینی مخلوق کے میک اپ میں زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تھے... ان حالات میں ہم نے کیا کچھ نہیں سیکھ لیا ہو گا۔" باس نے کہا۔

"چلیے خیر... ہم نے مانا... سوال یہ ہے کہ آپ لوگ اڑن طشتریوں کے ذریعے دنیا کو کیوں تباہ و برباد کرنے پر تلے ہیں... دنیا نے آپ کا کیا بگاڑا ہے... ذرا سوچیں... اگر ہم ترقی کر کے آپ کے زمبوٹا پر پہنچ جائیں اور یہی کچھ کریں جو آپ کر رہے ہیں تو ہمارے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہوں گے۔"

"وہی جو آپ کے ہمارے بارے میں... لیکن ہم کیا کریں... مجبور ہیں... اپنی نسل کو بچائیں یا زمین کی نسل کو۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہمارے سیارے پر مخلوق کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے... ہر سال آبادی دوگنا ہو جاتی ہے... لہٰذا آپ اندازہ لگا ہی سکتے ہیں کہ وہاں کیا حال ہو گا.... ان

حالات میں ہم نے چالیس سال پہلے اڑن طشتریاں ایجاد کیں... ان کو لے کر ہم کسی دوسری زمین کی تلاش میں نکلے... اور آپ کی زمین پر پہنچ گئے... یہ جگہ پسند آئی لیکن ہماری آبادی آپ کی آبادی کے ساتھ کس طرح رہ سکتی تھی... آپ لوگ کب اجازت دیتے.... دوسرے یہ کہ ہماری آبادی تو اس زمین کی آبادی سے کئی گنا زیادہ ہے... لہٰذا سب کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی... اس کے علاوہ اور ہم کر ہی کیا سکتے تھے.... لہٰذا ہم چاہتے ہیں، دنیا سے تمام انسانوں کا خاتمہ کر دیا جائے... تاکہ ہماری آبادی کا ایک بڑا حصہ یہاں آباد ہو جائے۔"

"ہوں... تو یہ بات ہے..." انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

"بالکل۔"

"اچھا... اس وقت زمین کے ملکوں میں کیا حال ہے۔"

"اڑن طشتریاں بدستور اپنا کام کر رہی ہیں... ہر طرف تباہی مچا رہی ہیں... وشاس اس وقت تک ہماری صرف ایک اڑن طشتری کو تھوڑا سا نقصان پہنچا سکا ہے...

بالکل تھوڑا سا... اڑن طشتری واپس یہاں آنے میں کامیاب ہو گئی ہے... لہٰذا اب ہمیں اس کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں... اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پہلے وناٹس کا صفایا کر دیا جائے... لہٰذا کل ہم دس اڑن طشتریوں سے ایک ساتھ وناٹس پر حملہ کریں گے۔"

"اوہ... اکٹھی دس۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اس وقت تک کہیں بھی ایک سے زائد اڑن طشتریوں سے حملہ نہیں کیا گیا۔"

"اُف... وہ منظر کس قدر قیامت خیز ہو گا۔" آصف کے منہ سے نکلا۔

"فکر نہ کرو... تم لوگ بھی اس منظر کو دیکھ سکو گے۔"

"ارے... اچھا۔" وہ حیران رہ گئے۔

"ہاں! ہم یہاں تمام مناظر دیکھتے ہیں... کہو تو اس وقت بھی منظر دکھا دوں... اس وقت افریقہ کی ایک ریاست میں تباہی مچائی جا رہی ہے... وہ دیکھیں۔"

اتنا کہہ کر اس نے ایک بٹن دبا دیا... فوراً ہی سامنے لگے ایک ٹی وی کی سکرین روشن ہو گئی... انھوں نے ایک اڑن طشتری کو فضا میں تیرتے دیکھا۔

وہ بم باری کر رہی تھی... نیچے کا منظر سامنے آیا تو وہاں ہر طرف آگ اور دھواں نظر آ رہا تھا، وہ کانپ گئے۔

"گویا دنیا میں تباہی کا بازار گرم ہے۔"

"ہاں! ابھی یہ بازار گرم رہے گا۔"

"ہمارے بارے میں آپ اب کیا کہتے ہیں۔"

"تم لوگوں کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے... ہم تمہیں اس جگہ موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتے... غار میں لے جا کر ماریں گے۔"

"تو کیا اس سے پہلے آپ ہمیں اڑن طشتریوں کا دیس نہیں دکھائیں گے۔"

"یہ اڑن طشتریوں کا دیس ہی تو ہے۔"

"اس کا ایک حصہ کہہ سکتے ہیں... ہمارے لیے تو اصل دیس لہروں کی دیوار کے اس طرف ہے۔"

"تو اس شہر کا منظر بھی ہم آپ لوگوں کو سکرین پر دکھا سکتے ہیں۔"

"نہیں... اس طرح کیا مزا آئے گا... آپ ہمیں وہاں کی سیر کروا دیں۔" فرزانہ نے بے تابانہ کہا۔

"ہیں... تم۔" باس کہتے کہتے رک گیا۔

"کہیے... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ نہیں... ہم آپ کو دیوار کے اس طرف جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"لیکن کیوں؟" محمود بولا۔

"اس طرف کسی غیر زمبوٹانی کو جانے کی اجازت نہیں" باس نے کہا۔

"تب ہمیں یہاں آ کر کیا خاک مزا آئے گا... کتنا شوق تھا ہمیں اڑن طشتریوں کا دیس دیکھنے کا... یہاں تک آئے تو آگے پابندی لگا دی گئی... یہ کیا بات ہوئی۔" پھکن نے منہ بنا کر کہا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ہم نے تمہیں اڑن طشتریاں دیکھنے کے لیے بلایا تھا... ہم تو ہر قدم پر تم لوگوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں... کیا یہ بات تمہارے ذہن میں نہیں۔"

"ہاں! ہے... بالکل... اور ہم آپ دونوں کو ختم کر کے بھی تو لہروں کے اس پار جا سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے تیز آواز میں کہا۔

"کوشش کر دیکھو۔" باس مسکرایا۔

"مس زیاباٹا جانتی ہے... ہم کیا کوشش کر سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"وہ غاریک کی بات تھی... یہاں معاملہ اور ہے۔" زیاباٹا بولی۔

"اور کیا... یہ بھی تو بتائیے۔"

"یہاں تم لوگ بالکل بے بس ہو... چیونٹیوں کی طرح۔" باس نے ہنس کر کہا۔

"نہیں جناب... چیونٹیاں تو اتنی بے بس نہیں ہوتیں، میرا مطلب ہے... وہ تو بعض اوقات ہاتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔"

"تم لوگ پوری طرح آزاد ہو... ہم پر کسی وقت بھی کسی چیز سے بھی حملہ کر سکتے ہو۔" باس نے پُرغرور انداز میں کہا۔

"تب تو میں ابھی اور اسی وقت حملہ کرتا ہوں۔" خان رحمان نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اور ہم زیاباٹا سے نبٹ لیتی ہیں۔" فرحت بولی۔

"نہیں... ابھی ایسا نہ کرو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے ہاتھ اٹھا کر کہا... خان رحمان بھلا کہاں رکنے والے تھے... اگرچہ ابھی وہ راستے میں تھے... لیکن پھر بھی نہیں رکے... اور تخت پر چھلانگ لگا دی... دوسرے ہی لمحے وہ زور سے اچھلے اور ان کے پیروں میں آ کر گرے،

ان کے جسم پر سخت چوٹ آئی... منہ سے ایک چیخ نکلی اور بے ہوش ہو گئے۔

ادھر فرزانہ اور فرحت ذیاماٹا کی طرف بڑھ چکی تھیں... جوں ہی وہ اس کے نزدیک پہنچیں... وہ بھی اچھلیں اور اپنی جگہ آ گریں۔ وہ بھی فوراً بے ہوش ہو گئیں...

"کیا خیال ہے۔"

"خوفناک... کیا آپ لوگوں کے گرد کسی قسم کی لہروں کا حصار ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہاں پروفیسر صاحب۔"

"تو آپ مجھے بھی جانتے ہیں۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"بھلا ہم آپ کو نہ جانیں گے... آپ کے ساتھ تو ہم ان دونوں کو بھی جانتے ہیں۔"

"تب تو آپ لوگ بہت باخبر ہیں... ہم سے کہیں زیادہ۔"

"ظاہر ہے... ہم سائنس میں آپ لوگوں سے سالوں آگے ہیں... ذیاماٹا۔" کہتے کہتے وہ اس کی طرف مڑا۔

"یس باس۔"

"بس انھوں نے سیر کر لی... اب انھیں غار کے دوسری طرف دھکیل آؤ... یہ دنیا میں جا کر دنیا کی بے بسی کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہیں گے... اور پھر ان کے ساتھ کسی دن موت کے منہ میں چلے جائیں گے... یہ اب دنیا میں کہیں بھی کیوں نہ ہوں... ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں... یہ جو بھی چاہے کریں۔"

"اگر کوئی خطرہ نہیں تھا... تو پھر ہمیں ہر قدم پر موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کیوں کی جاتی رہی۔"

"ایسا کرنے میں ہمارا کوئی حرج نہیں تھا... دوسرا یہ کہ ہم چاہتے تھے... تم لوگ یہاں تک پہنچنے ہی پاؤ۔"

"گویا اب ہمیں واپس جانا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں! بالکل۔"

"اور اگر ہم جانے سے انکار کر دیں۔"

"تمھارے انکار سے ہوتا کیا ہے... جو ہم چاہیں گے، وہ ہو گا۔"

"تو پھر ہمارا ارادہ یہاں سے اس طرح جانے کا نہیں... آپ نکال سکتے ہیں تو نکال دیں۔"

"ضرور کیوں نہیں... ویسے ایک سوال پوچھتا ہوں... تم لوگوں کا ارادہ کس طرح جانے کا ہے۔"

"ان تمام اڑن طشتریوں کو اور تم لوگوں کو ختم کر کے جانا پسند کریں گے ہم۔"

"بہت خوب... کہیں اب تم لوگوں نے خواب دیکھنے تو شروع نہیں کر دیا۔"

"خواب بھی آدمی ہی دیکھتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا تو اب مس زیاماٹا تم لوگوں کو غار میں لے جائے گی... تم اس غار تک اس طرح جاؤ گے کہ رکنا بھی چاہو تو نہیں رک سکو گے۔"

"کوشش کر دیکھیں... ہم قدم نہیں اٹھائیں گے۔"

"زیاماٹا... اب میں ان لوگوں کو زیادہ دیر یہاں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"او کے باس۔" اس نے کہا اور اپنے پستول میں لگا ایک بٹن دبا دیا۔

اس میں سے نیلے رنگ کی ایک شعاع نکلی اور ان کی طرف لپکی... وہ اس سے بچنے کے لیے فرش پر گرے... لیکن شعاع تو ان کے سروں پر آ کر رک گئی... اور انھوں نے شدید تپش محسوس کی:

"اُف... اس قدر گرمی۔"

"اس گرمی سے نجات تمہیں صرف اور صرف غار میں جا کر ملے گی... کیوں کہ اس شعاع کا اثر دھند کے حلقے تک رہے گا... جونہی دھند کا حلقہ ختم ہو گا... تم لوگوں کو تپش سے نجات مل جائے گی.... یہ ہماری جدید ترین ایجاد ہے... اب بتاؤ... جانا پسند کرو گے... یا یہیں جل کر بھسم ہونا۔"

"اور اگر ہم جل کر یہیں بھسم ہو گئے تو... تو تم لوگ ہمیں کس طرح اٹھاؤ گے۔"

"وہ بعد کی بات ہے... ہم کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے... دیوار کے اس پار سے کچھ اور لوگوں کو ادھر بلا لیں گے۔"

"ہوں... ٹھیک ہے... تب تو ہم چلے ہی جاتے ہیں۔" فاروق نے اپنے کپڑے نوچتے ہوئے کہا:

اتنی سی دیر میں ان سب کا برا حال ہو چلا تھا... پھر وہ اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ باس اور زیاماٹا نے زور سے قہقہہ لگایا...

شعاع ابھی تک ان کے سروں پر موجود تھی...

"یہ... یہ تو جادو کی شعاع معلوم ہوتی ہے..."

عصمت نے کہا۔

"مجھے تو یہ سارا دیس ہی جادو کا لگ رہا ہے۔"

دوڑتے ہوئے وہ باہر نکل گئے... اس کے بعد بھی انھوں نے دوڑ جاری رکھی... باہر موجود دس نگرانوں نے جو یہ منظر دیکھا تو زیاماٹا کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگے... اس نے ہنستے ہوئے ساری بات بتا دی... وہ بھی ہنسنے لگے...

ادھر وہ پاگلوں کی طرح دوڑ رہے تھے۔ ان کے جسموں میں اب آگ لگ رہی تھی... حلق سوکھ چکے تھے... جسم پسینے سے شرابور ہو چکے تھے۔ چہروں پر ہوائیاں دوڑتی نظر آ رہی تھیں... ایسے میں دوڑ لگانا بھی مشکل ترین کام تھا... لیکن اس کے باوجود وہ دوڑ رہے تھے... دوڑتے نہ تو کیا کرتے... اس تپش سے نجات حاصل کرنے کا بس یہی ایک طریقہ تھا...

زیاماٹا اور اس کے دس نگران ان کے پیچھے ہنستے ہوئے آ رہے تھے... ان کے لیے دوڑ کچھ مشکل نہیں تھا... آخر کسی نہ کسی طرح وہ غار کی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔

"جلدی کریں مس زیاماٹا... غار کا راستا کھولیں..." ...کی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ہاں! کیوں نہیں۔"

اور اس نے دیوار سے ایک جگہ ہاتھ رکھ... فوراً ہی گڑگڑاہٹ ہوئی اور رستا نمودار ہو... وہ بے تحاشا دوڑے... ایسے میں شوکی نے ... سے ٹھوکر کھائی اور اوندھے منہ گرا... زیاماٹا ... اٹھی...

"اندھے ہو گیا۔"

"جی... جی بس... اس تپش نے اندھا ہی نہیں ... بھی بہت کچھ بنا دیا ہے۔" اس نے کہا، اٹھا ...تے کی طرف دوڑ پڑا... اس وقت تک باقی ... غار کی طرف جا چکے تھے۔

"اچھا مس زیاماٹا... پھر ملیں گے، اگر قسمت میں

...ب تم لوگ کیا ملو گے... دنیا تو تباہی کے ... پر ہے..." وہ بولی۔

"... تو ہمارے اللہ کو ہی معلوم ہے۔"

"...کس کو معلوم ہے۔" اس نے حیران ہو کر

پوچھا۔

"اللہ کو... جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے... وہی زندگی دینے والا ہے اور وہی موت دینے والا ہے۔" اشفاق نے جلدی جلدی کہا۔

"پتا نہیں... تم کیا کہ رہے ہو... اچھا الوداع۔" اس نے ہاتھ اٹھایا اور غار کا راستہ بند ہو گیا۔

غار میں اب گھپ اندھیرا تھا... اور ان کے پاس روشنی کے لیے کوئی چیز نہیں تھی... ایسے میں انھیں اس چھڑی کا خیال آیا...

"بھلا اس چھڑی کا ہم نے کیا کیا تھا۔"

"جوں ہی راستہ نمودار ہوا تھا... میں نے اسے پھینک دیا تھا... وہ غار میں ہی ادھر ادھر کہیں پڑی ہو گی۔"

"اور اندھیرے میں چمک بھی رہی ہو گی.... لہٰذا اس کی تلاش مشکل نہیں۔"

وہ آگے بڑھے... تپش سے اگرچہ نجات مل گئی تھی... لیکن گرمی اب بھی لگ رہی تھی... اور پھر انھیں روشن چھڑی مل گئی... اس کی مدد سے وہ تیز تیز قدم اٹھانے کے قابل ہو گئے... اور آخر غار سے نکل آئے...

"یہ تو وہی بات ہوئی... بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"پتا نہیں وہ بات ہوئی یا کوئی اور بات... سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔"

"یہ سوچنا فرحت اور فرزانہ کا کام ہے۔"

"ہاں ضرور... کیوں نہیں... ان حالات میں بھی ہم نہیں سوچیں گے تو کیا کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

اور پھر دونوں سوچ میں ڈوب گئیں.....

یکایک فرحت نے سر اوپر اٹھایا...

"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔"

خلا میں

ان کے چہروں پر رونق دوڑ گئی...

"جلدی بتاؤ... کیا بات آئی ہے؟"

"اور ایک بات میرے ذہن میں بھی آئی ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے... کہ بیک وقت دو باتیں ہمیں سوجھ جائیں۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"ہمیں اس چٹان پر غور کرنا چاہیے۔" فرحت بولی۔

"یہ کیا ترکیب ہوئی... وحشت تیرے کی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"واقعی... یہ تو بالکل تھُس ترکیب ہے۔" آصف بولا۔

"لیکن میرے خیال میں فرحت نے ایک بہت پتے کی بات کہی ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"کک... کیا مطلب؟"

"مطلب میں بعد میں بتاؤں گا... پہلے تو فرزانہ کی ترکیب سن لیں... ہاں فرزانہ..."

"میری ترکیب یہ ہے کہ ہم ایک بار پھر پہاڑ پر چڑھیں اور اس بار اس خلا میں گرنے کی بجائے... خلا کو عبور کر جائیں... وہ خلا بلا وجہ نہیں بنایا گیا... اس کے آگے بڑھنا ان لوگوں نے اپنے لیے خطرناک خیال کیا ہو گا... اس لیے وہاں خلا بنایا گیا اور جال لٹکایا گیا۔"

"یہ ہے ترکیب۔" فاروق بول اٹھا۔

"ہاں... اس پر بھی عمل کیا جائے گا... لیکن پہلے ہم سنہری چٹان پر غور کریں گے قصہ اس چٹان کے ساتھ شروع ہوا تھا... پھر جونہی... چٹان غائب ہوئی... اڑن طشتریاں نمودار ہونے لگیں... کیا اس چٹان کا اڑن طشتریوں سے کوئی تعلق تھا۔" پروفیسر داؤد کہتے چلے گئے۔

"ہاں! واقعی یہ ایک غور طلب بات ہے.... وناس

کی وہ ٹیم جس نے چٹان کا معائنہ کیا... آخری ٹیم تھی۔"
اس کے بعد چٹان غائب ہو گئی تھی... آخر کیوں....
وہ کہاں غائب ہو گئی تھی...." پروفیسر غوری بولے۔

وہ سب کے سب سوچ میں ڈوب گئے... ایسے
میں پروفیسر بولے:

"لیکن... مجھے بھوک لگی ہے۔"

بھوک کا لفظ سن کر ان سبھی کو یاد آ گیا
کہ خود وہ بھی بھوکے ہیں۔

"یہاں ان پھلوں کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"جنگلی کچھ نہ کچھ تو کھاتے ہی رہے ہوں گے۔"

"کیوں نہ جنگل سے کچھ شکار کیا جائے... اس کو
آگ پر بھونا جائے اور پھر..." پروفیسر داؤد ہونٹوں
پر زبان پھیرنے لگے...

"بات ٹھیک ہے... کھائے پیئے بغیر تو ہم کچھ
بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"تو ٹھیک ہے... منور علی خان اپنے ساتھ خان
رحمان، اکرام اور شاہد کو لے کر چلے جائیں اور شکار
مار لائیں... ہم اس سنہری چٹان پر غور کرتے ہیں۔"

"بہت خوب... ہمیں منظور ہے" خان رحمان نے کہا۔

چاروں چلے گئے... ادھر وہ سوچ میں گم تھے۔

"میرے ذہن میں ایک خیال پہلے بھی کئی بار آ
چکا ہے... لیکن میں اس کو ظاہر کرنے کی جرأت نہیں
کر سکا... اگر آپ لوگ اجازت دیں تو...." اخلاق
کہتے کہتے رک گیا...

"ہاں کہو... گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

"گگ... کہیں... کہیں وہ چٹان...." اخلاق کہتے
کہتے رک گیا۔

"بس کر چکے تم تو۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"کہو اخلاق... بلا کھٹکے کہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید تم ڈرتے ہو... کہ ہم مذاق اڑائیں گے
تمہارا خیال سن کر۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"جج... جی ہاں... میرا یہی خیال ہے۔"

"نہیں بھئی... ایسا نہیں ہو گا... خیال غلط بھی
ہو سکتا ہے... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے
مذاق اڑانا شروع کر دیں۔" پروفیسر داؤد نے ہمدردانہ
لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے... یہ لیجیے..." اخلاق نے کہنا شروع
کیا تھا کہ آفتاب بول اٹھا۔

"یہ تم خیال بتا رہے ہو یا کچھ دے رہے ہو؟"

"آفتاب۔" انسپکٹر کامران مرزا غرائے۔

"جی... ابا جان۔"

"چپ رہو... ہاں اخلاق... تم کہو۔"

"میں... میں سوچتا رہا ہوں... وہ چٹان کہیں۔" وہ ایک بار پھر رک گیا۔

"ہاں ہاں... کہو۔" پروفیسر عقلان بے چین ہو کر بولے۔

"کہیں... وہ اڑن طشتری تو نہیں تھی۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ مارے حیرت کے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

کتنے ہی لمحے خاموشی میں گزر گئے... ہر کوئی اخلاق کو گھور رہا تھا... اور اس کا مارے گھبراہٹ کے برا حال تھا...

"میں... تو پہلے ہی بتاتے ہوئے گھبرا رہا تھا... آپ ہی نے تو کہا تھا... کہ بتاؤ۔"

"ارے ہاں... تو پھر... کیا برا کیا ہے... یہ خیال ظاہر کر کے... خود میرا بھی یہی خیال ہے۔" پروفیسر داؤد نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"جی... کیا فرمایا... آپ کا بھی یہی خیال ہے۔" اخلاق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! لیکن میں نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا تھا... کیوں کہ یہ صرف ایک خیال تھا۔"

"لیکن... وہ چٹان... اور اڑن طشتری... یہ بات حلق سے نہیں اترتی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرا خیال ہے... وہ شہر جلبان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی... تجربے کے طور پہ پہلا حملہ... لیکن یہاں پہنچ کر اس میں کوئی خرابی ہو گئی... اور وہ گر گئی... چوں کہ اڑن طشتری بہت وزنی اور بہت ہی سخت دھات سے بنائی گئی ہے... اس لیے وہ پتھریلی زمین میں دھنس کر رہ گئی... اور اس طرح پھنس گئی کہ ریموٹ کنٹرول بھی اسے وہاں سے نکال نہ سکا، یا پھر اس میں خرابی ہی ایسی ہو گئی تھی کہ وہ اڑ نہ سکی... ادھر ہم لوگوں نے اور دوسرے ملک کے ماہرین نے اسے ایک عجیب و غ... سمجھ کر کہا۔ ... لگ رہے ہو مجھے...

قسم کی چیز خیال کیا... اور اس کا معائنہ شروع کر دیا... ان میں پائلٹ تو ہوتے نہیں... دھنسی بھی وہ کچھ اس انداز سے تھی کہ اس کا اوپر رہ جانے والا حصہ ایک چٹان نظر آتا تھا... اس لیے سب لوگوں نے اس کو چٹان ہی خیال کیا...“ پروفیسر داؤد کہتے چلے گئے۔

”لیکن پھر وہ اڑ کس طرح گئی... خود بخود ٹھیک کس طرح ہو گئی؟“ خان رحمان بولے۔

”مجھے اب ایک ایک بات اچھی طرح یاد آ رہی ہے، تم سب بھی یاد کرو... غور کرو... مختلف ممالک کے اور ہمارے اپنے ملک کے ماہر اس چٹان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکے تھے... لیکن پھر ایک ٹیم ونٹاس سے بھیجی گئی تھی اور وہ آخری ٹیم تھی... کیوں کہ اس کے معائنے کے دوران ہی اڑن طشتری اڑن چھو ہو گئی تھی۔“

”ہوں... پھر... آپ کیا کہنا چاہتے تھے؟“

”ہم تین آدمی اس ٹیم کے ساتھ ساتھ رہے تھے... باقی تم سب لوگوں کو دور ٹھہرا دیا گیا... لیکن ہمیں... نیند بھی طاری ہوئی تھی... پراسرار ہی نے تو کہا تھا... کہ

نیند اور ہم تین دن تک سوئے رہے تھے۔“

”تو پھر... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”یہ کہ جب ہم بے ہوش تھے... یا گہری نیند میں تھے... اڑن طشتری یا وہ چٹان اس وقت وہاں سے اڑی تھی یا غائب ہوئی تھی۔“

”پھر... آپ اب بھی کچھ بات اپنے تک رکھ گئے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”ہاں جمشید... تمہارا اندازہ درست ہے... دراصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ٹیم ونٹاس کی ٹیم نہیں... بلکہ زمبوٹا کی ٹیم تھی... لہٰذا انھوں نے اڑن طشتری کی خرابی دور کی ہو گی۔“

”جی... یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے...“ کئی آوازیں ابھریں۔

”کیوں... یہ کیوں نہیں ہو سکتا...“ پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

”اس وقت تو آپ سائنس دان کی بجائے پورے جاسوس نظر آ رہے ہیں۔“ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

”اور تم سب سائنس دان لگ رہے ہو مجھے...

آخر یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"یہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ خور وشاس کی ٹیم بھی نیند میں غرق ہو گئی تھی اور انھیں ہسپتال لے جانا پڑا تھا۔"

"تو کیا ہوا... انھوں نے ان مشتری کی خرابی دور کی اور خود بھی وہ نیند آور گیس سونگھ لی... جو انھوں نے ہماری طرف چھوڑی تھی... تاکہ ہم ان پر شک نہ کر سکیں اور یہی ہوا... ہم نے اسی وقت ان پر شک نہیں کیا تھا۔"

"اب... اب تو واقعی یہ عین ممکن نظر آنے لگا ہے۔" فاروق نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"سوال یہ ہے کہ اس بات سے ہمیں اس وقت کیا مدد مل سکتی ہے۔"

"اس پر ہم ابھی غور کریں گے... لیکن یہ غور آگے بڑھتے ہوئے ہو گا... باس اور زیاناٹا اور ان کے دس نگرانوں کو شکست دینے کا طریقہ فی الحال ہمیں معلوم نہیں... نہ ہی ابھی ہم غار کو کھولنے کا طریقہ جانتے ہیں۔ لہٰذا پہلے ہم پہاڑ پر چڑھیں گے... اور اس خلا کو عبور کریں گے۔"

"یہ لوگ اوپر اور محافظ بھی تو بھیج سکتے ہیں۔" شوکی نے کہا۔

"پروا نہیں... جب اوکھلی میں دیا سر تو موسلوں کا کیا ڈر۔"

"لیکن جہاں تک میرا خیال ہے... وہ یہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ ہم پھر پہاڑ پر چڑھنے کی جرأت کریں گے... بلکہ وہ یہی خیال قائم کریں گے کہ اب ہم لوگ غار کا راستا کھولنے کی کوشش کریں گے... لہٰذا وہ نگرانوں کو اس طرف لگائے رکھیں گے۔"

"اگر ایسا ہوا تو بہت ہی خوشی کی بات ہو گی۔" آصف بولا۔

"خیر... یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بہت خوشی کی بات ہو گی یا نہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

اچانک انھوں نے چار آدمیوں کو دور سے آتے دیکھا۔

"میرا خیال ہے شکار آ گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بھئی واہ... مزا آ گیا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ابھی کہاں انکل... ابھی تو شکار کو بھوننا بھی پڑے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"اوہ!" ان کا چہرہ لٹک گیا اور وہ مسکرانے لگے...

منور علی خان اور ان کے ساتھ ایک ہرن شکار کر لائے تھے... لکڑیاں چنی گئیں... ان پہ ہرن کو بھونا گیا... پھر انھوں نے سیر ہو کر گوشت کھایا۔

"حیرت ہے... بغیر نمک مرچ اور مصالحے کا گوشت بھی آج اچھا ہی نہیں بہت مزے دار لگ رہا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ مہربانی ہے بھوک کی۔" منور علی خان نے کہا۔

پیٹ بھر کر وہ اس جگہ پہنچے... جہاں سے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تھا... رسی اور میخیں جوں کی توں موجود تھیں... اب نہ یہاں جنگلی تھے... نہ زیاباما... جنگلی ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے اور زیاباما باس کے پاس موجود تھی... لہٰذا وہ بلا کھٹکے اوپر چڑھنے لگے... اس مرتبہ انسپکٹر کامران مرزا سب سے پہلے چڑھے... فصیل پر پہنچ کر انھوں نے منہ نیچے کیا اور بولے:

"یہاں کوئی نہیں ہے... چلے آئیے۔"

اس وقت یوں بھی دن تھا... فصیل پہ وہ دور تک دیکھ سکتے تھے... تاہم فصیل سے اس طرف

انھیں اب بھی دھند کی وجہ سے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا...

جب سب لوگ اوپر پہنچ گئے تو انھوں نے پہاڑ کے خلا کی طرف سفر شروع کیا...

"اس وقت تو ہم لوگ جال کی وجہ سے بچ گئے تھے، اگر اب ہم میں سے کوئی خلا میں گر جائے تو کیا ہو..." شوکی نے کانپ کر کہا۔

"ہڈیاں سرمہ بن جائیں گی اور کیا ہو گا۔" فاروق بولا۔

"خیر... سرمہ ہی کسی کے کام آ جائے گا۔" شوکی

"ہڈیوں کا سرمہ آنکھوں میں نہیں ڈالا جاتا... تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"اوہ ہاں واقعی... یہ بات تو مجھے ابھی معلوم ہوئی۔" شوکی نے چونک کر کہا... پھر وہ اچانک انسپکٹر جمشید کی طرف مڑا:

"ہم... میرے پاس... آپ کے لیے ایک چیز ہے۔"

"اچھا... وہ کیا؟"

"ہو گی کوئی گئی گزری چیز... اس نے سوچا...

اب ان حالات میں خود اس کے کام تو آئے گی نہیں،
لہٰذا کیوں نہ آپ کو دے کر احسان ہی جتائیں۔"
فاروق نے منہ بنا کر کہا۔
"ارے نہیں بھئی... شوکی ایسا نہیں ہے۔" انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔
"کیا کہہ رہے ہیں انکل... شوکی ایسا نہیں ہے"
آفتاب بولا۔
"یہ تو میں بھی کہوں گا بھئی کہ شوکی ایسا نہیں
ہے۔" منور علی خان بولے۔
"بلکہ میں بھی کہوں گا۔" پروفیسر داؤد جلدی سے
بولے۔
"چلیے خیر... اگر آپ سبھی کہنے پر تل گئے ہیں تو
ہم اسے ایسے کی بجائے ویسا خیال کر لیتے ہیں۔"
فاروق نے مسکرا کر کہا۔
"یار تم نے خیال کرنے کا ٹھیکہ تو نہیں لے
رکھا۔" محمود جھلا اٹھا۔
"اور خود تم نے جھلانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے
کیوں... کیا خیال ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔
"خیال بس یہی ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے

"ارے... وہ چیز تو درمیان میں ہی رہ گئی۔"
"درمیان میں تو نہیں... شوکی کے پاس ہی رہ
گئی۔" آصف نے کہا۔
"لاؤ شوکی... کیا چیز ہے... وہ..." انسپکٹر جمشید
بولے۔
اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا، اس کا ہاتھ باہر
نکلا اور یہ سب حیرت زدہ رہ گئے:
"ارے! یہ کیا!!!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

خلا کا ستارہ

شوکی کے ہاتھ میں ایک پستول تھا... لیکن وہ کوئی عام پستول نہیں تھا... یہ پستول تو وہ سب نیاماٹا کے ہاتھ میں دیکھ چکے تھے...

"ہائیں... یہ... یہ تمھارے ہاتھ کس طرح لگا؟" خان رحمان چلّائے۔

"یاد نہیں... یہ نیاماٹا سے ٹکرا کر بری طرح گرا تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اوہ... تو وہ گرنا اتفاقی نہیں تھا۔"

"نہیں... یہ حضرت جان بوجھ کر گرے تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب... اب مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں۔" شوکی نے واقعی شرما کر کہا۔

"ہائیں ہائیں... تو تمھیں شرمانا بھی آتا ہے... بھئی کمال ہے... تم تو فرزانہ اور فرحت سے بھی دو ہاتھ آگے لگتے ہو۔" فاروق حیران ہو کر بولا۔

ادھر انسپکٹر جمشید پستول کو الٹ پلٹ رہے تھے:

"کیا خیال ہے... کیا یہ ہمارے کام آئے گا۔" خان رحمان بولے۔

"اُمید تو ہے... میں تو کہتا ہوں... آگے بڑھنے سے پہلے ہم اس کو آزما کر دیکھ لیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ہوں... ٹھیک ہے... تاکہ وقت پر اس سے کام لینے کے قابل ہوں... ورنہ تو یہ ہمارے لیے ایک کھلونے سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہوگی۔"

انسپکٹر جمشید نے سب کو ایک طرف کر دیا اور فصیل کے ایک مقام کا نشانہ لیا... یہاں سے اگر گولی یا شعاع چلتی بھی... تو ان کے نہیں لگ سکتی تھی... آخر انھوں نے ٹریگر دبا دیا... لیکن کچھ بھی نہ ہوا...

"پروفیسر صاحبان... پہلے آپ لوگ اس پستول کا

جائزہ لے لیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے پستول ان کی طرف بڑھا دیا۔

اب وہ تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے... تین منٹ بعد انھوں نے پستول انسپکٹر جمشید کو دیتے ہوئے کہا:

"اب ٹریگر دبائیں۔"

انھوں نے نشانہ لے کر ٹریگر دبایا... فوراً اس میں سے نیلے رنگ کی شعاع نکلی اور فصیل میں جذب ہوتی محسوس ہوئی... جب وہ اس جگہ کے نزدیک گئے تو یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ فصیل میں کافی گہرا اور لمبا چوڑا سوراخ ہو چکا تھا...

"حیرت انگیز... یہ شعاع اگر انسانی جسم پر پڑے گی تو اسے تو راکھ ہی بنا دے گی۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اور شاید ہم راکھ بنانے کا ذکر کہیں سن چکے ہیں۔" شوکی بڑبڑایا۔

"جمشید... اب اس کا نیلا بٹن دبا کر دیکھو... لیکن احتیاط سے۔"

سب لوگ تو پہلے ہی ایک طرف تھے... انھوں

نے نیلا بٹن دبایا... اس بار کچھ نہ ہوا... لیکن جب انسپکٹر جمشید بولے تو کسی کو بھی ان کی آواز سنائی نہ دی... وہ سمجھ گئے کہ آواز کی لہریں اب ایک مرکز پر کھنچ رہی ہیں... انھوں نے جلدی سے سرخ بٹن دبا دیا... اور وہ ایک دوسرے کی آوازیں سننے کے قابل ہو گئے...

"گویا اس پستول سے بس یہ دو ہی کام لیے جا سکتے ہیں۔"

"لیکن آوازیں غائب کر دینے کی آخر انھیں کیا ضرورت ہے۔"

"یہ تو وہی بتا سکتے ہیں... اب ذرا چٹان پر غور ہو جائے۔" پروفیسر عقلان بولے۔

"چٹان سے زیادہ مجھے تو ماہرین کی ٹیم پُراسرار محسوس ہو رہی ہے... اس ٹیم کے پہنچنے کی دیر تھی کہ چٹان غائب ہو گئی... ورنہ اتنے دن سے وہاں پھنسی ہوئی تھی۔"

"چٹان یا اڑن طشتری؟"

"وہی... ایک ہی بات ہے۔"

"ایک بالکل سامنے کی بات ہے... لیکن میرے ذہن

میں آ آ کر نکلی جا رہی ہے۔" فرزانہ نے پریشان آواز میں کہا۔

"جب وہ ذہن میں ابھی تک آئی ہی نہیں تو بالکل سامنے کی کیسے ہو گئی؟"

"سامنے کی اس طرح ہو گئی کہ ایک بار میرے ذہن میں آ گئی تھی... میں چونک اٹھی تھی... لیکن عین اسی وقت وہ ذہن سے نکل گئی۔"

"تمھارا ذہن ہے یا کیا۔" فاروق جل گیا۔

"ہے تو ذہن ہی... اب کیا کہوں۔"

"بس رہنے دو کچھ نہ کہو... صرف غور کرتی رہو.... سب کو الجھن میں ڈال دیا ہے تم نے۔" پروفیسر داؤد نے تلملا کر کہا۔

"ہاں ہے تو یہی بات... الجھن تو میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ہم... میں... معافی چاہتی ہوں۔"

"کس بات کی۔"

"الجھن کی۔" اس نے کہا۔

"الجھن دور ہو گی تو معاف کریں گے... ایسے ہم کیوں لگے معاف کرنے... کیوں بھئی فرحت۔" محمود نے

شوخ آواز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"فکر نہ کرو... میں ذہن پر پورا زور دے رہی ہوں۔"

اب وہ خلا کی طرف قدم اٹھا رہے تھے... آخر لمبے سفر کے بعد وہ اس جگہ تک پہنچ گئے، اور ساتھ ہی پریشان ہو گئے... کیوں کہ خلا بہت چوڑا تھا اور ان میں سے صرف چند آدمی اسے عبور کر سکتے تھے۔

"پہلے میں کوشش کرتا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"فل... لیکن ابا جان... یہ سوچ لیں... اگر..." آفتاب کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں... میں سوچ چکا ہوں... فاصلہ زیادہ ہے... لیکن مجھے امید ہے کہ میں اسے پھلانگ جاؤں گا، اور ایک آدھ اگر پھلانگ گیا تو پھر باقیوں کے لیے آسانی پیدا ہو ہی جائے گی۔"

یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹنے لگے... کافی دور جا کر وہ رکے اور پھر بلا کی رفتار سے خلا کی طرف دوڑ لگا دی... خلا کے کنارے پر پہنچتے ہی انھوں نے چھلانگ لگائی... ساتھ ہی ان سب کے دل بہت زور

نے دھڑکے... سانس سینوں میں اٹک سے گئے... لیکن پھر فوراً ہی ان کا اطمینان لوٹ آیا... جان میں جان آئی... انسپکٹر کامران مرزا دوسرے کنارے پہ جا کر گرے تھے اور آگے کی طرف لڑھک گئے تھے... پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

"منور علی خان... سامان پھینکو... میں اس طرف ہک ٹھونکتا ہوں۔"

ان کی طرف ہتھوڑی، ہک اور رسی پھینکی گئی۔

انھوں نے خوب مضبوطی سے ہک کو ٹھونکا اور پھر اس سے رسی باندھ دی... اب اس طرف ایک ہک گاڑی گئی اور رسی کو بھی اس سے باندھ دیا گیا...

"چلو فاروق... پہلے تم اس رسی کے ذریعے خلا عبور کر کے دکھاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر۔" اس نے خوش ہو کر کہا اور اس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر لٹک گیا... اور ہاتھوں کے ذریعے آگے بڑھنے لگا... ایسے میں اس کی نظر نیچے جا پڑی... کانپ ہی تو گیا... اگر رسی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتی تو اس کی ہڈیوں کا بھی پتا نہ چلتا... جلد ہی وہ دوسرے کنارے تک پہنچ

گیا... اب آفتاب کی باری آئی...

اس طرح وہ ایک ایک کر کے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے... ایسے میں مکھن نے کہا۔

"خلا کا دوسرا کنارہ مبارک ہو۔"

"یہ اچھی مبارک باد ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اگر تم اس سے اچھی دے سکتے ہو تو ضرور دے دو... ہم وصول کر لیں گے۔" مکھن نے منہ بنایا۔

"لو بھئی آفتاب... انھیں بھی منہ بنانا آگیا۔"

"اچھا - حیرت ہے۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ... وہ سامنے کی بات سامنے آگئی۔" فرزانہ چلائی۔

"تو کیا... اس سے پہلے پیچھے جاتی رہی تھی۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"ایک منٹ بھئی... کہیں بات پھر نہ ادھر ادھر ہو جائے اس کے ذہن سے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں! میں نے اب اسے پوری طرح قابو کر لیا ہے۔" فرزانہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ایسا نہ ہو... تم کمزور پڑ جاؤ... اور وہ نکل جائے... اس لیے فوراً بتا دو۔" انسپکٹر جمشید نے

جلدی سے کہا۔

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں... وہ ذہن سے نکلنے کے لیے زور لگا رہی ہے۔"

"بات نہیں ہوئی... گھوڑا ہو گیا... یا تیر ہو گیا جو کمان سے نکل جائے گا۔" فرحت جل گئی۔

"فرزانہ... ادھر ادھر کی باتوں میں نہ لگو... بات بتادو۔"

"بات صرف یہ ہے کہ وہ ٹیم جس نے چٹان کا آخری بار معائنہ کیا... ونٹاس کی حکومت نے بھیجی تھی۔"

"ہاں... تو پھر... اس سے کیا ہوتا ہے... سب جانتے ہیں... اس ٹیم کو ونٹاس نے بھیجا تھا۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"تم نے غور نہیں کیا... ہم یہ اندازہ لگا چکے ہیں کہ وہ ونٹاس کی نہیں... زمبوٹا کی ٹیم تھی... جس نے ونٹاس کا روپ بھر رکھا تھا... اور وہ اڑن طشتری کی خرابی دور کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی... یعنی اس چٹان کی... اب سوال یہ ہے کہ ونٹاس نے زمبوٹا کی ٹیم کیسے بھیج دی۔"

"بات واقعی اہم ہے۔"

"لیکن اس کا جواب بھی بالکل سامنے کی بات ہے... اور شاید یہ بات پہلے بھی ہم کہہ چکے ہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"بات ٹھیک ہے... ہم نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ٹیم تو ونٹاس سے ہی روانہ کی گئی تھی... لیکن راستے میں زمبوٹا کے آدمی اس ٹیم کو ٹکرا گئے... انھوں نے ان کا خاتمہ کر کے ان کی جگہ خود لے لی۔"

"مطلب یہ کہ اس سامنے کی بات میں خاص بات کیا ہو گئی۔" آصف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بھئی ایک بات ذہن میں آئی... اور سامنے کی محسوس ہوئی... سو کر دی... کچھ حرج ہو گیا کیا... ویسے بھی تو ہم ان گنت ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" آصف نے فوراً کہا۔

چونکہ وہ سب دوسرے کنارے پہ پہنچ چکے تھے، اس لیے اب آگے کا سفر شروع ہوا... یہ فصیل بھی عجیب تھی... اس کے دائیں طرف صرف اور صرف دھند کا ایک سمندر تھا... جہاں تک نظر جا سکتی تھی... سوائے دھند کے انھیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اور بائیں طرف دھوپ تھی... دھوپ میں ہر چیز نظر آ

رہی تھی... اور درمیان میں وہ اس فصیل پر چل رہے تھے
اور ان کے علاوہ دور دور تک نہ ادھر کوئی انسان تھا نہ
ادھر... نہ دائیں، نہ بائیں... ان کی زندگی بھی کس قدر
عجیب تھی... دنیا اس وقت جن ہولناک حالات کا
شکار تھی... دنیا کے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے
تھے کہ چند سر پھرے... پوری دنیا کے لیے کس
قسم کی مہم سر انجام دے رہے ہیں...

وہ بڑھتے چلے گئے... ان کے قدم اٹھتے رہے،
اور آخر انھیں رکنا پڑا... فصیل اب ڈھلوان صورت میں ان
کے سامنے تھی... ڈھلوان اس قدر تھی کہ اس پہ چلنا ان
کے لیے ناممکن تھا... جو بھی اس پہ پاؤں رکھتا... ضرور
لڑھک جاتا اور لڑھکنے کے بعد اس کا کیا انجام ہوتا،
یہ انھیں معلوم نہیں تھا...

"یہاں سے کس طرح آگے بڑھیں۔"

"رسی کے ذریعے؟"

"لیکن... یہ ضروری نہیں کہ رسی نیچے تک چلی جائے۔"

"ہاں! یہ بھی ہے۔"

وہ سب سوچ میں ڈوب گئے... لیکن کوئی
بات نہ سوجھی...

"فرحت... فرزانہ... تم کہاں ہو؟"

"ہیں تو یہیں... لیکن..." فرزانہ بولی۔

"لیکن ان کی عقلیں اس وقت ساتھ نہیں دے
رہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تو کچھ تم ہی عقل کو ہاتھ مارو۔"

"میں نے اگر ہاتھ مارا تو پھر تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

"پچھتانا پڑے گا... وہ کیسے؟" فرحت نے حیران ہو
کر کہا۔

"اس طرح کہ... پھر میں تم سے پہلے ترکیب بتا
دیا کروں گا۔"

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے... ہم وعدہ
کرتی ہیں... ہرگز نہیں پچھتائیں گی۔"

"چلو پھر... مجھے مہلت دو... میں ابھی کوئی ترکیب
نکالتا ہوں اپنے دماغ کے اندر سے۔" فاروق مسکرایا۔

"اللہ اپنا رحم کرے... آج فاروق ترکیب بتائے گا۔"
آصف بولا۔

"ہاں یقیناً اللہ اپنا رحم فرمائیں گے۔" فاروق نے کہا
اور سوچ میں گم ہو گیا... جلد ہی اس نے چونک کر
اوپر دیکھا اور بولا:

"ترکیب تیار ہے۔"

"جلدی بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"بالکل احمقانہ اور بے وقوفانہ ترکیب ہو گی... دیکھ لیجیے گا۔" آفتاب نے اعلان کیا۔

"ہم... میرا بھی یہی خیال ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

فاروق نے باقی سب پر ایک نظر ڈالی اور بولا:

"کسی اور کو بھی اپنی رائے ظاہر کرنا ہو تو شوق سے کر ڈالیں۔"

"ہم... میرا خیال ہے... فاروق ایک معقول ترکیب بتائے گا۔" خان رحمان بولے۔

"یہ... یہ آپ کہ رہے ہیں انکل۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں بھئی... کیوں کیا ہوا... میرا خیال ہے... یہ بات میں نے ہی کہی ہے۔" انھوں نے بوکھلا کر کہا... اور وہ سب ہنس پڑے۔

"آپ اپنے الفاظ واپس لے لیں... ورنہ آپ کو افسوس ہو گا... فاروق اور کوئی ترکیب سوچ سکے... یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" فرحت بولی۔

"بھئی... اب اس بے چارے کو زیادہ شرمندہ نہ کرو۔" پروفیسر داؤد نے غصے میں آ کر کہا۔

"ج... جی بہتر۔" وہ بولے۔

"ہاں فاروق... ترکیب بتاؤ۔"

"انکل..." فاروق منور علی خان کی طرف مڑا۔

"ہوں... کہو۔" وہ بولے۔

"آپ اپنی رسی میری کمر سے باندھ دیں۔"

"اور اسے گھما کر نیچے پھینک دیں۔" آصف بولا۔

"اور پھر میں اس ڈھلوان پہ اترتا چلا جاؤں گا، مجھے گرنے کا خوف نہیں ہو گا... کیوں کہ ادھر سے آپ رسی پکڑے ہوئے ہوں گے... جہاں تک رسی جا سکے گی... میں بھی وہاں تک پہنچ جاؤں گا... اگر نیچے تک نہ پہنچ سکا... تو بھی آپ مجھے اوپر کھینچ سکیں گے... اور اگر پہنچ گیا تو اشارہ کر دوں گا... آپ لوگ بھی رسی کو پکڑ کر نیچے آ سکیں گے۔"

وہ ساکت رہ گئے... اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فاروق کو گھورنے لگے... پھر آصف نے کہا:

"ان... ان حالات میں اس سے بہتر ترکیب تو شاید ہو ہی نہیں سکتی۔"

"ہاں! بالکل... فاروق زندہ باد... اس نے تو آج فرزانہ اور فرحت کو مات کر دیا۔" محمود نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں... ہم بھی یہ بات تسلیم کرتی ہیں۔" فرحت نے کہا۔

"بس بس... اب رہنے دو... چلیے انکل۔"

اور منور علی خان اس کی کمر سے رسی باندھنے لگے پھر فاروق نیچے اترنے لگا... منور علی خان آہستہ آہستہ رسی چھوڑتے رہے... پھر فاروق ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا... اب اس کے اور ان کے درمیان دھند آ گئی تھی... وہ رسی چھوڑتے رہے... چھوڑتے رہے... یہاں تک کہ رسی ختم ہو گئی... اور ان کے دل دھک دھک کرنے لگے... کیوں کہ اب انھیں فاروق کے اشارے کا انتظار تھا... آخر رسی کو دو بار جھٹکا مارا گیا۔

"وہ مارا... فاروق نیچے تک پہنچ گیا ہے۔" منور علی خان چلّائے۔

اس وقت انھوں نے رسی ڈھیلی محسوس کی... گویا فاروق نے کمر سے رسی کھول دی تھی... انھوں نے رسی کو اوپر نہیں کھینچا... بلکہ ہُک سے باندھ

دیا، اور بولے:

"اس رسی کو پکڑ کر نیچے جلدی جلدی اترتے چلے جاؤ... اب کام مشکل نہیں رہ گیا۔"

انھوں نے یہی کیا... آدھ گھنٹا کے بعد سب کے سب نیچے موجود تھے اور ان کے چاروں طرف دھند ہی دھند تھی۔

روکنے کی ترکیب

کچھ دیر تک وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے، پھر فاروق نے کہا:

"یہ... اسے اڑن طشتریوں کا دیس کون کہتا ہے؟ یہ تو دھند کا شہر ہے۔"

"ہاں! یہاں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے... لیکن آگے چل کر ضرور یہ اڑن طشتریوں کا دیس معلوم ہو گا۔"

"اور کیا اس مرتبہ ہمارے اس سرزمین پر قدم رکھنے کی ان کو اطلاع نہیں ہوئی ہو گی؟"

"ہو سکتا ہے... وہ صرف اور صرف غار کی طرف توجہ دیتے رہے ہوں... اور اس خیال میں رہے ہوں کہ ہم غار کا راستا کھولنے کی فکر میں ہوں گے... کیونکہ ایک بار پھر پہاڑ پر چڑھنا اور خلا میں گھسنا ان کے

خیال میں آسان کام نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"کچھ بھی ہو... اب ہم یہاں آ گئے ہیں... آگے بڑھنے کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں... چاہے انھیں ہماری آمد کی اطلاع ہے... یا نہیں۔" خان رحمان بولے۔

"میرا خیال ہے... یہاں ہم سے زیادہ کام پروفیسر صاحبان کا ہے... اب انھیں ہمارے آگے چلنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بالکل ٹھیک... یہی میں کہنے والا تھا۔" خان رحمان نے شوخ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب خان رحمان... تم کیا کہنے والے تھے؟"

"یہ کہ اس مہم میں اب تک پروفیسر صاحبان نے کوئی کام نہیں دکھایا۔"

"وقت آنے پر یہ ہی کام دکھا سکتے ہیں... بلا وجہ کام دکھانے کا کیا فائدہ۔" پروفیسر غوری نے منہ بنایا۔

"خیر... اب وقت آ چکا ہے۔" محمود بولا۔

آخر وہ قدم اٹھانے لگے... گہری دھند کے باوجود انھیں سانس لینے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی... ہلکی سی ٹھنڈک کا اثر ضرور تھا اور شاید یہ دھوپ نہ ہونے کی وجہ سے تھا...

بہت دیر تک چلتے رہنے کے بعد بھی دھند میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی اور نہ کوئی اڑن طشتری نظر آئی... ایسے میں شوکی نے کہا:

"کہیں ہم دھند کے صحرا کے مسافر تو نہیں ہیں... جو پانی کے بجائے اڑن طشتریوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں... اور اس صحرا میں کوئی اڑن طشتری نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے... ماہرین اڑن طشتریوں کو اس دھند سے نکلتے دیکھ چکے ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"تب پھر... ہو سکتا ہے... ہم نے غلط سمت اختیار کر لی ہو... اور ہاں... ضرور یہی بات ہے... ہمیں تو مخالف سمت میں چلنا چاہیے تھا۔" آصف چونکا۔

"وہ کیسے۔" منور علی خان بولے۔

"خلا کی بالکل سیدھ میں باس کا ہیڈ کوارٹر ہے، جہاں سے وہ احکامات دیتا ہے... اس کے آگے لہروں کی دیوار ہے... لہروں کی دیوار کے دوسری طرف اڑن طشتریوں کا میدان ہے... جب کہ ہم خلا سے بہت آگے نکل کر نیچے اترے ہیں، اور

اسی سیدھ میں آگے بڑھ رہے ہیں... اس سمت میں تو ہم ساری عمر بھی چلتے رہتے تو بھی اڑن طشتریوں تک نہیں پہنچ پاتے۔"

"اوہ... اوہ... آصف... زندہ باد۔" انسپکٹر جمشید نے نعرہ لگایا۔

"اتنی ذرا سی بات بتا کر یہ حضرت تو ہو گئے زندہ باد... اور بے چارہ شوکی جس نے زیاباٹا کے لباس میں سے شعاعی پستول اڑایا تھا، اسے کوئی شاباش نہیں ملی۔" فاروق بولا۔

"جہاں تک ہمارا خیال ہے... شوکی کو بھی شاباش دی گئی تھی۔" آفتاب نے کہا۔

"نہیں بھئی... مجھے یاد آ گیا... شاباش نہیں دی گئی تھی... خیر کوئی بات نہیں... ہمارے پاس کون سا شاباشوں کی کمی ہے... جتنی جی چاہے شوکی ہم سے لے لے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لینے میں اور خود دینے میں بہت فرق ہوتا ہے انکل۔" شوکی نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"خیر بھئی... اب کیا ہو سکتا ہے... پھر کبھی سہی۔"

اب انھوں نے اپنا رخ تبدیل کیا اور تیز تیز

چلنے لگے... چونکہ پہلے ہی بہت دیر تک غلط سمت میں
چلتے رہے تھے... اس لیے جلد اڑن طشتریوں کے نظر
آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔
"اُف... ہم کس قدر بے چین ہیں... اڑن طشتریوں تک
پہنچنے کے لیے... پوری دنیا کے لیے جو چیز آٹھواں عجوبہ
بنی ہوئی ہے... اور جس نے ایک عالم گیر تباہی مچائی
ہوئی ہے... ہم اب اس کے نزدیک پہنچ چکے ہیں،
اور یہاں تک پہنچنے کے لیے ہم نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں،
یہ کچھ ہم ہی جانتے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے حسرت زدہ
انداز میں کہا۔
"لیکن انکل... یہ پاپڑ رنگ تو لے آئے ہیں۔" فاروق
مسکرایا۔
"ابھی کیا کہا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔
ان کے قدم اٹھتے رہے... آخر ٹیلے نما عمارتیں
نظر آنے لگیں... وہ انھیں ٹیلے ہی دکھائی دیے تھے،
لیکن کچھ اور آگے پہنچنے کے بعد انھوں نے محسوس کیا،
وہ تو عمارتیں ہیں... پھر ان عمارتوں کے دروازے اور
کھڑکیاں نظر آنے لگیں:
"آخر ہم اڑن طشتریوں کے دیس میں پہنچ ہی گئے۔"

محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔
"ایسا معلوم ہوتا ہے... جیسے یہ لوگ ہماری آمد سے
بالکل بے خبر ہیں۔" آصف نے کہا۔
"یہ ضروری نہیں... تاہم ہمیں پوری احتیاط سے
آگے بڑھنا چاہیے۔"
اب انسپکٹر جمشید نے شعاعی پستول ہاتھ میں لے
لیا اور آگے بڑھے... سب ان کے پیچھے چلے... یہاں
اوٹ لینے کی کوئی چیز نہیں تھی... بس وہ جھکے جھکے
چل رہے تھے... کچھ دھند انھیں چھپائے ہوئے تھی۔
"سوچے سمجھے بغیر ٹریگر نہ دبا دینا جمشید... کہیں شعاع
ہماری طرف نہ پلٹ آئے..." پروفیسر داؤد فکر مندانہ انداز
میں بولے۔
"کیوں نہ ہم پہلے ہی تجربہ کر لیں۔" فرزانہ نے کہا۔
"وہ کیسے۔"
"فاروق کی جیب سے کوئی چیز نکال کر سامنے
پھینک کر دیکھ لیتے ہیں... اگر وہ پلٹ کر ہماری
طرف آئی تو شعاع کے پلٹنے کا بھی خطرہ ہو گا۔"
انھوں نے کہا۔
"گولی کا پلٹ آنا تو سمجھ میں آتا ہے... لیکن شعاع

بھی پلٹ سکتی ہے... یہ بات حلق سے نہیں اترتی۔"

"تب پھر... کیا کریں۔"

"وہی... تجربہ... کم از کم کچھ تو اندازہ ہو جائے گا۔"

فرزانہ نے فاروق کی طرف دیکھا۔

"میری جیب میں ہر چیز وقت پر کام آنے والی ہوتی ہے... میں فضول چیزیں نہیں رکھتا... جس طرح لڑکیاں اپنے پرسوں کو بھرے رکھتی ہیں۔" اس نے جھنا کر کہا۔

"کیا تم نے میرے یا فرحت کے پاس کبھی کوئی پرس دیکھا۔" فرزانہ جل گئی۔

"ن... نہیں... میں نے نہیں دیکھا... میں نے لڑکیوں کی بات کی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"اور ہم بھی لڑکیاں ہیں۔"

"اوہو اچھا... پھر تو معاف کر دینا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"فاروق... وقت نہ ضائع کرو... کوئی سکہ ہی نکال کر سامنے کی طرف پھینک دو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"جی بہتر" [illegible] نے کہا اور جیب سے ایک سکہ نکال کر پھینک مارا۔

فوراً ہی انھوں نے سکے کو پلٹتے دیکھا... فاروق تیزی سے بیٹھ گیا اور سکہ اس کے اوپر سے گزرتا اخلاق کی پیشانی پر جا لگا... اخلاق کے منہ سے ایک بلند چیخ نکل گئی... ساتھ ہی انھوں نے اس کی پیشانی سے خون نکلتے دیکھا...

"اوہ... یہ کیا ہوا۔" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"جو کچھ ہوا... اس کی غلطی سے ہوا... آخر یہ کھڑا کیوں رہا... ادھر ادھر کیوں نہیں ہوا۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے... سوال تو یہ ہے کہ اس چیخ نے کیا ان لوگوں کو خبردار نہیں کر دیا گیا ہوگا۔"

"پتا نہیں... دھند کے کندھوں پر سوار ہو کر یہ چیخ ان لوگوں تک پہنچی ہو گی یا نہیں۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے... پوری آواز کے ساتھ انھوں نے اس چیخ کو سنا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے یقین کے انداز میں کہا۔

"جی... کیا مطلب... آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہم کافی آہستہ آواز میں باتیں کر رہے ہیں، لیکن ہماری

آوازیں معمول سے زیادہ تیز سنائی دے رہی ہیں... شاید
تم نے اس بات کو محسوس نہیں کیا یا توجہ نہیں دی؟
اب غور کرو۔"

"شاید... آپ ٹھیک کہتے ہیں... اس کا مطلب تو
پھر یہ ہوا کہ یہاں آوازیں تیز سنائی دیتی ہیں۔"

"ہاں! جتنی زور سے اخلاق چلایا... اس سے بھی
کہیں زیادہ آواز اس کی انھوں نے سنی ہو گی... اور
یہی وجہ ہے کہ..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

عین اسی وقت انھوں نے ایک کان پھاڑ
دینے والی آواز سنی... آواز الارم کی قسم کی تھی...
انھیں اپنے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے...
انھوں نے انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں... لیکن آواز
کی شدت پھر بھی کم نہ ہوئی۔

"ہمارے کان بے کار ہو جائیں گے۔" محمود چلایا۔

"ہوں... شاید تم ٹھیک کہتے ہو..."
انھوں نے کہا اور فوراً پستول کا نیلا بٹن دبا دیا...
آواز اچانک بند ہو گئی... یا انھوں نے یہ محسوس کیا...
کیوں کہ آواز تو گونج رہی ہو گی۔

... یکایک کس قدر سکون پھیل گیا...... جب

کہ الارم اب بھی گونج رہا تھا۔

"ہمیں اپنے بچاؤ کی تیاریاں شروع کر دینی چاہییں...
خان رحمان فوج کی کمان سنبھال لو... اخلاق کی چیخ
نے کام خراب کر دیا۔" انھوں نے جلدی جلدی اشاروں
میں سمجھایا۔

"ابا جان... سرخ بٹن دبا دیں... ہو سکتا ہے...
الارم بند ہو گیا ہو... اور ہم دوسری آوازوں سے
بھی محروم ہو جائیں۔" محمود نے اشاروں میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے اشارہ کیا اور سرخ بٹن دبا
دیا... الارم فوراً ہی گونجنے لگا... الارم کے ساتھ
ساتھ انھوں نے بے تحاشا دوڑتے قدموں کی آوازیں
سنیں...

"اب اگر میں نیلا بٹن دباتا ہوں تو ہم الارم کے
ساتھ دوڑتے قدموں کی آواز بھی نہیں سن سکیں
گے اور اگر نہیں دباتا تو کانوں کے پردے پھٹتے ہیں۔"

"بٹن دبا دیں... ہم دشمن کو آنکھوں سے دیکھ
لیں گے۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں جمشید... ورنہ ہم اگر بہرے ہو گئے تو بھی

دشمن کی آواز کس طرح سن سکیں گے۔" پروفیسر عقلان نے جلدی سے کہا۔

انھوں نے بٹن دبا دیا... آواز بند ہو گئی... اب وہ دھند میں آنکھیں پھاڑے سامنے دیکھ رہے تھے... اچانک انھیں سیکڑوں آدمی اپنی طرف دوڑتے نظر آئے... ان کے جسموں پر عجیب غریب خول نما لباس تھے... یوں لگتا تھا جیسے وہ لوہے کے انسان ہوں... ایسے میں انھوں نے سرخ بٹن دبا کر دیکھا تو الارم بند ہو چکا تھا...

"اب خان رحمان... ہم ان کا کیا کریں... ہمارے پاس صرف ایک شعاعی پستول ہے... معلوم نہیں اس کی شعاع ان پہ اثر کرے گی یا نہیں..." انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"اور یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ لوگ اڑن طشتریوں کو بھول کر سب کے سب ہماری طرف نکل کھڑے ہوئے ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"الارم خطرے کا جو ہوا۔" شوکی بولا۔

"ان لوگوں کے نزدیک آنے سے پہلے پہلے ہمیں شعاع کو دیکھ لینا چاہیے... سب لوگ لیٹ جائیں یا

شعاع سے فائر کرتے ہی اپنی جگہ چھوڑ دوں گا... کوئی میری سیدھ میں نہ ہو... ہر کوئی دائیں بائیں لیٹ جائے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

سب نے فوراً ان کی ہدایت پہ عمل کیا... انھوں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ... فوراً ٹریگر دبا دیا... اس میں سے شعاع نکل کر تیر کی طرح آگے گئی، اور نظروں سے اوجھل ہو گئی...

"شعاع نہیں پلٹی... گویا ہم اس سے کام لے سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ صرف ایک پستول ہے... ایک شعاع سے ہم کتنے آدمیوں کا مقابلہ کریں گے... جب کہ ان سب کے پاس ایسے پستول ہوں گے۔" خان رحمان بولے۔

"ہم کر بھی کیا سکتے ہیں... جل بھن جائیں گے..." محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

اور پھر دشمن صاف نظر آنے لگے...

"ان لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہو گی کہ ہمارے پاس شعاعی پستول ہے... لہٰذا کیوں نہ ان کے نزدیک آنے سے پہلے ہی میں ایک فائر کر دوں... ہو

سکتا ہے۔ یہ اپنے ایک ساتھی کے گرنے کے بعد آگے نہ بڑھیں۔"

"ٹھیک ہے... فائر کر دو۔"

انھوں نے ایک دوڑتے دشمن کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا... شعاع تیر کی طرح اس کی طرف گئی اور اس کے سینے سے ٹکرائی... فوراً ہی ایک دل دوز چیخ گونجی اور وہ گرتا نظر آیا... پھر اس کے جسم سے دھواں سا اٹھتا نظر آیا... گویا وہ جل رہا تھا...

"وہ مارا..." خان رحمان چلائے۔

ادھر دوڑ کر آنے والے رک گئے... ٹھٹک گئے... انھوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے ساتھی کو دیکھا... ساتھ ہی انھوں نے محسوس کر لیا کہ دشمن تو خالی ہاتھ ہیں... ان میں سے تو کسی کے پاس بھی پستول وستول نہیں تھا...

"ارے... ہم تو ان سب کو تہس نہس کر سکتے ہیں۔" فاروق چلایا۔

عین اسی وقت دشمن تیزی سے پلٹا اور بھاگ کھڑا ہوا... کیونکہ دشمن کو واقعی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ان کے ہاتھ ایک شعاعی پستول لگ چکا ہے۔

وہ تو شاید اس خیال میں تھے کہ ان کے پاس ان کے اپنے ہتھیار ہوں گے اور وہ ہتھیار اس دیس میں کام نہیں آ سکتے... اگر اپنے پستولوں سے یہ فائر کریں گے بھی تو گولیاں خود انھیں کو لگیں گی... اب جب انھوں نے شعاعی پستول چلتے دیکھا تو سر پہ پیر رکھ کر بھاگے... یوں جیسے موت ان کے تعاقب میں ہو۔

"آؤ بھئی... ہم انھیں سنبھلنے کا موقع نہیں دے سکتے... شوکی زندہ باد۔" انسپکٹر جمشید نے نعرہ لگاتے ہوئے کہا۔

"اور آخر آپ نے شوکی کو شاباش دے ہی دی۔" فاروق مسکرایا... وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا... لیکن ان کی رفتار بہت تیز تھی...

"کیا کروں بھئی... اس وقت میں شاباش دینے پر خود کو مجبور پا رہا ہوں۔"

"ابا جان... آپ اور مجبور..." پیچھے سے فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"ہاں بھئی... ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"جمشید... تم بھی ان کی باتوں میں آ کر وقت ضائع

کرنے لگے... اگر تم چاہو تو تین چار لمبی چھلانگیں لگا کر
ان کے نزدیک ہو سکتے ہو اور شعاعیں داغ سکتے
ہو۔" خان رحمان نے بھنا کر کہا۔

"اوہ... معاف کرنا بھئی... تم ٹھیک کہتے ہو۔"

یہ کہہ کر انھوں نے تین چار انتہائی لمبی چھلانگیں
لگائیں... اور دشمن کے نزدیک پہنچ گئے... اب انھوں
نے جلدی جلدی ٹریگر دبانا شروع کر دیا... دشمن ایک
ایک کر کے گرنے لگے... وہ اب اور بھی خوف زدہ
ہو کر بھاگ رہے تھے... اور پھر دوڑتے دوڑتے
وہ ٹیلے نما عمارتوں تک پہنچ گئے... وہ جلدی جلدی
ان عمارتوں میں گھسنے لگے... جو گھس جاتا... فوراً دروازہ
بند کر لیتا... ادھر انسپکٹر جمشید فائر پہ فائر کر رہے تھے
لیکن پستول چونکہ ایک تھا... لہٰذا وہ پچیس تیس سے
زیادہ آدمیوں کو ڈھیر نہ کر سکے... اتنی دیر میں سب
لوگ دروازے بند کر چکے تھے... اب وہ ایک دروازے
کی طرف مڑے... انھوں نے دروازے پہ شعاع ماری
لیکن کچھ بھی نہ ہوا...

"اس کا مطلب ہے... یہ لوگ... ان ٹیلے نما مکانوں
میں محفوظ ہیں... یہ شعاعی پستول ان مکانات کا کچھ

نہیں بگاڑ سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"فکر نہ کرو جمشید... ہم ان مکانات کا بھی کوئی حل
سوچ لیں گے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"سوال تو یہ ہے کہ اڑن طشتریاں کہاں ہیں وہ تو اب
بھی نظر نہیں آئیں۔" خان رحمان بولے۔

"وہ بھی آس پاس ہی کہیں ہوں گی..." پروفیسر غوری
نے کہا۔

عین اسی وقت شاں شاں کی آواز گونجی... پھر ایک
آواز تیرتی ہوئی ان کے کانوں میں آنے لگی:

"بہت افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ تم لوگوں کے
ہاتھ مس زیامانا کا پستول لگ گیا... ورنہ اس وقت تک
تم لوگ جل کر بھسم کیے جا چکے تھے... اور اگر مجھے
یہ بات معلوم ہو جاتی کہ تم نے زیامانا کا پستول ہتھیا
لیا ہے تو میں تم لوگوں کو غار میں ہی ختم کرا دینے
کی کوشش کرتا... اس کی ترکیب یہ تھی کہ غار کا دوسرا
...ت کا۔ دروازہ پتھر پگھلا کر بند کر دیتا اور وہ غار
تم لوگوں کا مقبرہ بن جاتا... نامعلوم مقبرہ... یہ میری
سب سے بڑی غلطی تھی... کہ میں نے تم لوگوں کو
غار میں دھکیلنے کے بعد بھی زندہ سلامت چھوڑ دیا...

تمہیں وہیں ختم کر دینا چاہیے تھا... تم لوگ اس قابل
نہیں کہ ذرا بھی مہلت تمہیں دی جائے... مہلت دی
گئی نہیں... اور تم نے دوسروں کا تختہ الٹ نہیں...
خیر... ابھی کچھ نہیں بگڑا... جو آدمی مارے جانے تھے
مارے گئے... اب جب تک یہ ان عمارتوں میں بند
ہیں... یہ شعاعی پستول بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے
یہ آواز باس کی تھی... جو لہروں کی دیوار کے اس
پار سے بول رہا تھا۔

"خیر... یہ بات ہم نے مان لی... سوال یہ ہے کہ یہ
لوگ کب تک خود کو ان عمارتوں میں بند رکھیں گے... آخر
انھیں نکلنا ہو گا... دوسرے یہ کہ ہم خود بھی تو ان
عمارتوں کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"پہلی بات تو یہ کہ یہ عمارتیں ذرا اور قسم کی ہیں...
دوسری بات یہ کہ ہم تم لوگوں کو یہاں دندنانے نہیں
دیں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔" باس کی
آواز سنائی دی۔

"سودا اور ہم سے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! تم لوگ پستول پھینک دو... ہم تمہیں زندہ سلامت
اس دیس سے نکل جانے کی مہلت دیں گے... یہ میرا
وعدہ ہے... جو غلط نہیں ہو گا۔"

"اور اگر ہم یہ شرط نہ مانیں۔"

"اس شرط کے مان لینے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔"
اس نے کہا۔

"فائدہ کیسے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"زندگی بچ جائے گی... یہ کیا کم فائدہ ہے۔"

"زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ ہے... اگر تمہارے
ہاتھ ہوتی تو تم ہمیں بہت پہلے موت کے گھاٹ
اتار چکے ہوتے۔"

"تو تمہیں میری پیش کش منظور نہیں۔"

"نہیں۔" وہ بولے۔

"او کے... اب اپنا انجام دیکھنا... مس زیلاماٹی... یہ
اس طرح نہیں مانیں گے۔"

"او کے باس... میں ابھی جا کر ان کی خبر لیتی ہوں۔"
زیلاماٹی نے کہا۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں... تم سے بہتر ان کی خبر
کون لے سکتا ہے... یہ لوگ اڑن طشتریوں کے قریب

بھی نہ جانے ..."

"ایسا ہی ... گا باس۔" زیاماٹا کی آواز سنائی دی۔

"جانے سے پہلے ... راٹنگا کی ایک بات سنتی جاؤ زیاماٹا ... یہ لوگ حد درجے چالاک ہیں ... ان کی چالوں کو سمجھنا آسان کام نہیں ... تم بس ان کی کسی چال میں ہرگز نہ آنا ... ورنہ یہ سب کچھ الٹ دیں گے۔"

"یہ اب ایسا نہیں کر سکیں گے باس ... میں آپ کو اطمینان دلاتی ہوں۔"

"شکریہ زیاماٹا ... تم جا سکتی ہو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔

"اس سے پہلے کہ زیاماٹا ہم تک پہنچے ... ہمیں اڑن طشتریوں تک پہنچ جانا چاہیے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"تو پھر دوڑیں۔" محمود چلایا۔

اور انھوں نے دوڑ لگا دی ... وہ اس قدر تیز دوڑے ... کہ کیا کبھی اپنی زندگی میں دوڑے ہوں گے ... اور مزے کی بات یہ کہ کسی نے بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا ... اپنے ساتھیوں کا حال تک جاننے کی کوشش نہیں کی ... بہت دیر بعد انسپکٹر جمشید کو پروفیسر داؤد کا خیال آیا ... وہ چونک کر رک گئے ...

"کیا ہوا ابا جان۔" انھوں نے محمود کی آواز سنی۔

"شاید پروفیسر صاحب پیچھے رہ گئے ہیں ... میں ذرا انھیں لے آؤں ... کوئی اپنی رفتار کم نہ کرے۔"

"جی بہتر۔"

اور وہ واپس مڑے ... انھوں نے دیکھا ... سب سے آخر میں بھی پروفیسر صاحب نہیں تھے ... اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہیں دور رہ گئے ہیں۔

اب انھیں واپس دوڑ لگانا پڑی ... انھیں کافی دور تک دوڑنا پڑا ... تب کہیں جا کر پروفیسر داؤد نظر آئے ... صرف وہی نہیں ... ان کے ساتھ پروفیسر غوری اور پروفیسر عقلان بھی تھے ... تینوں اکڑوں بیٹھے تھے:

"آپ لوگ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں ... خیر تو ہے؟"

"بھاگتے بھاگتے جب بری طرح تھک گئے تو رک گئے ... اور کیا کرتے ... چلنے کی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی ..."

"میں تو اسی خیال میں تھا کہ صرف آپ پیچھے رہ گئے ہوں گے ... اس لیے اکیلا ہی پلٹ آیا تھا ... اب میں آپ تینوں کو کس طرح لے چلوں۔" انھوں نے پریشان آواز میں کہا۔

"صرف پروفیسر داؤد کو لے جائیں... اور باقی ساتھیوں کے
پاس جا کر انسپکٹر کامران مرزا اور منور علی خان کو بھیج
دیں... وہ ہمیں لے جائیں گے۔"

"جب کہ میرا خیال ہے، اس کی ضرورت نہیں۔"

انھوں نے زیاماٹا کی آواز سنی... وہ چونک اٹھے
تیزی سے مڑے... زیاماٹا ان کے قریب پہنچ چکی تھی
اور رک کر ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"حیرت ہے... تم اس قدر جلد پہنچ گئیں۔"

"ہاں! میں نے بہت مختصر راستہ اختیار کیا تھا۔" وہ
مسکرائی۔

"لیکن تم یہاں کیوں رک گئیں... تمھیں تو چاہیے تھا،
میرے باقی ساتھیوں کے تعاقب میں نکل جاتیں... ورنہ
وہ تو پہنچ جائیں گے... اڑن طشتریوں تک۔"

"نہیں پہنچیں گے... پہلے وہ تمھارا انتظار کریں
گے... کیوں کہ تینوں سائنس دان بھی یہاں ہیں۔" زیاماٹا
مسکرائی۔

"اوہ!" ان کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا...
زیاماٹا بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"آؤ. ہم یہاں دو دو ہاتھ کیوں نہ کر لیں۔" زیاماٹا

نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"اگر اس جگہ دو دو ہاتھ کرنا ضروری ہے تو میں
تیار ہوں... ورنہ بہتر تو یہ تھا کہ ہم سب دوڑتے
دوڑتے اڑن طشتریوں تک پہنچ جاتے اور وہیں دو
دو ہاتھ بھی کر لیتے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں... تم سب لوگوں کو اڑن طشتریوں کے
نزدیک جانے سے روکنے کی یہی ترکیب ہے کہ تم
چاروں کو یہاں روک لیا جائے۔" اس نے طنزیہ لہجے
میں کہا اور پھر اس کے ہاتھ میں ایک عجیب سا
ہتھیار نظر آیا۔

رسی والے

وہ بے تحاشا دوڑتے رہے... دوڑتے رہے...

اچانک فاروق چلایا:

"وہ... وہ رہی اڑن طشتری..."

سب یک دم رک گئے... ان کی نظریں سامنے کی طرف اٹھ گئیں... اس دیس کی پہلی اڑن طشتری ان کے سامنے تھی...

"یہ... یہ تو واقعی اڑن طشتری ہے۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن... صرف ایک... جب کہ یہ تو دیس ہی اڑن طشتریوں کا ہے۔"

"اور آگے ہوں گی... نزدیک نزدیک نہیں ہوں گی نا۔" آفتاب کی آواز سنائی دی۔

"اور... اور ذرا غور کرو... اگر اس کا نصف حصہ

کھڑے رخ سے زمین میں دھنس جائے تو کیا یہ بالکل وہی چٹان نظر نہیں آئے گی... جو ہم نے شہر بابان میں دیکھی تھی۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"ہاں! بالکل... بالکل۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"میں... میں بہت دور ایک دھبا سا دیکھ رہی ہوں... اور میرا خیال ہے... وہ دوسری اڑن طشتری ہے۔" فرزانہ چلائی۔

اب سب نے دھبے کی طرف دیکھا...

"میرا خیال ہے... وہ اڑن طشتری ہی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے... تھوڑے تھوڑے فاصلے پر یہاں اڑن طشتریاں اپنے سٹینڈ پر کھڑی کی گئی ہیں... لوگ جب جس اڑن طشتری کو چاہتے ہیں، ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اڑا دیتے ہیں اور دنیا کے جس حصے میں چاہتے ہیں، ان کے ذریعے تباہی مچا دیتے ہیں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔"

"میں دائیں اور بائیں بھی دو دھبے دیکھ رہا ہوں۔" شوکی چلا اٹھا۔

ان سب نے اس کے اشارہ کرنے پر ان اطراف
میں دیکھا... واقعی وہاں بھی ایک ایک اڑن طشتری موجود
تھی...

"اس کا مطلب ہے... اگر ہم ان دھبوں تک چلے
جائیں تو وہاں ہمیں اور دھبے بھی دکھائی دیں گے...
گویا یہ اڑن طشتریوں کا ایئرپورٹ ہے... کیوں پروفیسر
انکلز..." فرحت نے شوخ لہجے میں کہا۔

یہ کہہ کر فرزانہ نے ان سب کی طرف دیکھا...

"ہائیں... آپ نے جواب نہیں دیا پروفیسر انکل....
ارے... آپ لوگ تو ہم میں ہیں ہی نہیں... لیکن
کس طرح آئیں۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"کک... کیا... کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے... ان
سب نے جلدی جلدی ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"واقعی... پروفیسر صاحبان یہاں نہیں ہیں... ہمارا
تو خیال تھا کہ صرف پروفیسر داؤد انکل پیچھے رہ گئے
ہوں گے، لیکن یہ تو تینوں ہی پیچھے رہ گئے، اور
ابا جان اکیلے انھیں لینے گئے ہیں... وہ ان کے
پاس پہنچے ہوں گے تو وہاں ایک کی بجائے تین
کو دیکھ کر چکر کھا گئے ہوں گے... کر کیا کریں۔"

محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اور مزے کی بات ایک اور... ہو سکتا ہے... اس
جگہ زیاماٹا بھی پہنچ گئی ہو... اب انسپکٹر جمشید مشکل
میں ہوں کہ کیا کریں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہوں... تو پھر... کیا کریں؟"

"سبھی واپس چلتے ہیں... یا تو سب ادھر آئیں گے،
یا پھر سب وہیں رہ جائیں گے۔" خان رحمان نے کہا۔

"بالکل ٹھیک انکل... دل کو لگتی کہی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو پھر چلیے۔" شوکی نے جلدی سے کہا۔

اور پھر ان سب نے واپس دوڑ لگا دی...

اگرچہ نزدیک سے اڑن طشتریوں کو دیکھنے کے لیے
دل بری طرح مچل رہے تھے... لیکن کیا کرتے... حالات
انتہائی عجیب تھے... وہ ایک عجیب خطۂ زمین پر تھے
اس وقت...

انھیں بہت دیر تک تیز رفتاری سے دوڑنا
پڑا... یہاں تک کہ وہ بے دم ہو گئے... لیکن رکے
پھر بھی نہیں... اور آخر کار انھوں نے پروفیسر صاحبان
کو اپنی طرف آتے دیکھا... وہ بھی قریباً دوڑتے آ رہے
تھے... چہروں پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں... انھیں

دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گئے... جونہی وہ نزدیک آئے...
دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے سامنے رک گئیں:

"تت... تم لوگ واپس کیوں آئے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ لوگوں کی تلاش میں۔"

"تمھیں وہیں ٹھہرنا چاہیے تھا... کیا تم اڑن طشتریوں تک پہنچ گئے تھے۔" پروفیسر غوری بولے۔

"جی... جی ہاں! پہلی اڑن طشتری تک ضرور پہنچ گئے تھے... لیکن وہاں پہنچ کر ہمیں معلوم ہوا کہ آپ تینوں ہم میں نہیں ہیں تو ہمیں پریشانی ہوئی... ابا جان آپ میں سے ایک کو تو لا سکتے تھے... تینوں کو نہیں، اس لیے ہمیں اس طرف کا رخ کرنا پڑا... لیکن آپ لوگ اس طرف کیوں دوڑ رہے ہیں اور ابا جان کہاں ہیں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"زیاماٹا ان تک پہنچ گئی ہے... دونوں ایک دوسرے کے سامنے ڈٹ گئے ہیں، ایسے میں انھوں نے ہم سے کہا کہ ہم جلد از جلد اڑن طشتریوں تک پہنچ جائیں... شاید وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں زیاماٹا کو روکتا ہوں، اس لیے ہم لوگ چلے آئے..." پروفیسر غوری کہتے

کہتے رک گئے۔

"ہاں! ہم سمجھ گئے... سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے... ہم تو ان کے بغیر ادھر نہیں جائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً کہا۔

"اور جمشید نے ہم سے کہا ہے کہ ہم ہر حال میں..." پروفیسر داؤد بولے۔

"ٹھیک ہے... آپ تینوں کو واقعی نہیں رکنا چاہیے... آپ بس سیدھے دوڑتے چلے جائیں... ہم زیاماٹا کی طرف جاتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے!!" وہ بولے اور دوڑ لگا دی... یہ انسپکٹر جمشید کی طرف دوڑے...

تینوں پروفیسر صاحبان زیادہ رفتار سے تو نہیں دوڑ سکتے تھے، تاہم دوڑ رہے تھے... جیسے تیسے کر کے دوڑتے ہوئے آخر وہ سب سے پہلے اڑن طشتری کے نزدیک پہنچ گئے... انھیں رک جانا پڑا... زندگی میں پہلی بار وہ اتنے نزدیک سے اڑن طشتری کو دیکھ رہے تھے...

ابھی انھوں نے قدم اٹھائے ہی تھے کہ بہت

سے لوگ چاروں طرف سے ان کی طرف بڑھنے لگے...
شاید وہ دھند میں ادھر ادھر لیٹے ہوئے تھے... اس
لیے وہ انھیں نظر نہیں آ سکے تھے... نزدیک آنے پر
انھوں نے دیکھا تو ٹھٹک گئے... ان کے چہروں پر
خوف دوڑ گیا...

"اب... اب کیا کریں... انھوں نے تو ہمیں گھیر لیا
اور ہمارے ساتھی یہاں سے بہت دور ہیں۔" پروفیسر
غوری بولے۔

"ہم... ہم پھنس گئے... بچنے کا کوئی راستا نہیں... یہ لوگ
ہمیں اڑن طشتری کے نزدیک نہیں جانے دیں گے... یہ
حسرت ہمارے دلوں میں ہی نہ رہ جائے کہ ان کا اپنی
آنکھوں اور عقل سے معائنہ کریں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ لوگ ابھی تک ہمارے اور اڑن طشتری کے درمیان
نہیں آئے... کیوں نہ ہم بھاگ کر اڑن طشتری تک پہنچ
جائیں۔" پروفیسر عقلان بولے۔

"لیکن اس سے کیا ہو گا۔"

"شاید ہم اس کے اندر داخل ہو جائیں اور ان
لوگوں کے وار سے بچ سکیں۔"

"ٹھیک ہے... چلیے۔"

تینوں نے ایک بار پھر دوڑ لگا دی... لیکن دشمن
بے فکری کے عالم میں... پرسکون انداز سے ان کی
طرف قدم اٹھاتے رہے... یہاں تک کہ اڑن طشتری کے
بالکل نیچے پہنچ گئے... وہ ایک بہت عظیم تھال کی مانند
تھی... جو دونوں طرف سے ابھرا ہوا ہو اور گولائی لیے
ہوئے ہو... اس تھال کو اگر کھڑا کر دیا جاتا اور نصف
کے قریب زمین میں دفن کر دیا جاتا تو اس چٹان میں
اور اس میں کوئی فرق نہ رہ جاتا... جو انھوں نے شہر
جلبان میں دیکھی تھی:

"اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ چٹان نہیں...
اڑن طشتری تھی۔" پروفیسر غوری بولے۔

"یہ وقت کچھ کہنے کا نہیں... اس کا کوئی دروازہ
کھولنے کا ہے... دشمن ہمارے سر پہ آیا چاہتا ہے۔"

تینوں سٹینڈ کی سیڑھیوں پر چڑھ گئے... سٹینڈ
بہت موٹے ٹھوس فولاد کے پائپوں کا بنایا گیا تھا، اور
ایک پھول کی شکل کا تھا... گویا اس پھول پر اڑن
طشتری رکھی تھی... سٹینڈ کے اوپر چڑھنے کے بعد انھوں
نے کسی دروازے کی تلاش شروع کر دی... لیکن ابھی
انھیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی کہ دشمن اڑن

طشتری کے چاروں طرف پہنچ گئے... اب ان کے ہاتھوں میں
رسیاں بھی نظر آئیں... وہ ان رسیوں کو گھما رہے تھے۔
ان کے سروں پر پھندے سے نظر آئے...
"نیچے اتر آؤ... ورنہ ان رسیوں کے پھندے تم لوگوں
کی گردنوں میں پھنس جائیں گے... اور پھر جو ہم جھٹکا
دیں گے تو نیچے آنے سے پہلے تم لوگوں کا سانس رک
چکا ہو گا اور لاشے پھڑک رہے ہوں۔"
"اتنے... اتنے خوفناک لفظ نہ بولو بھئی۔" پروفیسر
عقلان ہکلائے۔
"تو پھر... کتنے خوفناک لفظ بولیں..." ایک نے ہنس
کر کہا۔
"بہت کم درجے کے خوفناک... کیونکہ ہم جاسوس
قسم کے نہیں... سائنس دان قسم کے لوگ ہیں۔"
"تب تو ہم اور بھی خوفناک لفظ بولیں گے... لو...
سننے کے لیے تیار ہو جاؤ... نیچے گھسیٹ کر ہم تم
تینوں کی آنتیں باہر نکال لیں گے... اور اس سے بھی"
"بس بس... ہم ایسی باتیں سننے کے عادی نہیں ہیں۔"
"تو پھر سیدھی طرح نیچے آ جاؤ۔"
"کیا خیال ہے بھئی۔" پروفیسر غوری بولے

"اتا... تو یہ ہمیں ویسے بھی لیں گے... لہذا خود ہی
کیوں نہ اتر چلیں۔" پروفیسر عقلان نے کہا۔
"ہوں... ٹھیک ہے۔"
وہ نیچے اترنے لگے... جونہی قدم زمین پر
لگے... ان تینوں کی گردنوں میں پھندے آ گئے:
"یہ... یہ کیا بھئی... تم نے تو کہا تھا۔" پروفیسر
غوری ہکلائے۔
"ہم نے یہ کب کہا تھا کہ نیچے آنے کی صورت میں
یہ پھندے گلے میں نہیں ڈالیں گے۔" ایک نے ہنس کر
کہا۔
"دو... دیکھ لو بھئی... یہ ہے ناانصافی۔" پروفیسر
عقلان نے کانپ کر کہا۔
"ابھی انصاف کرتے ہیں۔"
اور پھندے ان کی گردنوں کے گرد کستے
چلے گئے۔

وہ سرپٹ دوڑ رہے تھے... اتنا تیز کہ اگر ام

اور شاہد پیچھے رہ گئے...

"سنو بھئی... ٹھہرو" اکرام نے شاہد کا ہاتھ پکڑ لیا

اسے ایک جھٹکا سا لگا... وہ جھلا کر اس کی طرف مڑ

"سنوں بھی اور ٹھہروں بھی... ایک وقت میں تو

ایک کام نہیں کر سکتے"

"وقت کم ہے... اس لیے"

"اچھا خیر... ٹھہر گیا... سناؤ" شاہد مسکرایا۔

"ان لوگوں پر تو بھوت سوار ہے انسپکٹر صاحب کم

پہنچنے کا"

"تو پھر... کیا ہم پر کسی اور قسم کا بھوت سوار

ہونا چاہیے"

"ہم ان لوگوں کو بالکل بھول گئے... جو ٹیلہ نما مکانوں

میں بند ہو گئے تھے... وہ کسی وقت بھی نکل کر اڑن

طشتریوں کی طرف جا سکتے ہیں... اور اس طرف تینوں

پروفیسر صاحبان گئے ہوئے ہیں... وہ بے چارے

بھلا ان سے لڑ بھڑ سکیں گے... جب کہ یہاں پستول

وستول بھی کام نہیں کرتے"

"بات تو ٹھیک ہے... تو پھر"

"ہم ادھر کا حال تو زبانی بھی سن لیں گے...

کیوں نہ ان بے چاروں کی طرف چلیں"

"بہت معقول تجویز ہے... آؤ" شاہد نے کہا۔

اور دونوں نے واپس دوڑ لگا دی... انھیں

واپس مڑتے ان میں سے کوئی بھی نہ دیکھ سکا... بے

تحاشا دوڑتے ہوئے... وہ آخر اڑن طشتریوں کے

پاس پہنچ گئے... انھوں نے ایک ہولناک منظر دیکھا،

بے شمار آدمیوں نے پروفیسر صاحبان کی گردنوں میں

رسیاں کسی ہوئی تھیں اور انھیں زمین پر گھسیٹ رہے

تھے:

"اُف مالک... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں... کاش ہمارے

سب ساتھی... ادھر جانے کی بجائے ادھر کا رخ کرتے،

ان کی یہاں زیادہ ضرورت ہے" اکرام کانپ اٹھا۔

"بھول... لیکن اب ہم ان کو بلا کر لانے سے تو

رہے... ہمیں ہی کچھ کرنا ہو گا"

"لیکن کیا ہم اتنے بہت سے لوگوں سے کس طرح

لڑیں"

"کچھ بھی ہو... ہماری زندگیوں سے ان تینوں کی زندگی

بہت زیادہ اہم ہے... ملک اور قوم کے لیے جس قدر

اہم یہ ہیں... ہم ان کے مقابلے میں ذرا بھی اہم نہیں،

ہم جیسے تو نہ جانے کتنے سب انسپکٹرز انسپکٹر صاحبان کو مل جائیں گے... لیکن ان تینوں سائنس دانوں جیسے ملک میں چراغ لے کر ڈھونڈے بھی تو نہیں ملیں گے۔" شاہد کہتا چلا گیا۔

"ہاں... تم ٹھیک کہتے ہو... آؤ... ان کے لیے جان کی بازی لگانا ہو گی... اس وقت تک... جب تک کہ دوسری پارٹی یہاں نہیں پہنچ جاتی۔" اکرام نے جذباتی لہجے میں کہا اور پھر دونوں نے دوڑ لگا دی... ان کے دوڑنے کی آواز سن کر دشمن چونک کر مڑے اور پھر اپنی طرف صرف دو آدمیوں کو آتے دیکھ کر مسکرا دیئے۔

لیکن اکرام اور شاہد پہ تو گویا بھوت سوار ہو چکا تھا... وہ اندھا دھند دوڑتے ہوئے ان کے اندر گھس گئے... اور تیر کی طرح ان کے سروں پہ پہنچ گئے جنہوں نے رسیاں تھام رکھی تھیں۔

انسانیت کے لیے خطرہ

انسپکٹر جمشید نے زیاباٹا کے ہاتھ میں عجیب قسم کا پستول دیکھا تو چونک اٹھے... وہ اس وقت ایک عجیب بستی میں تھے... جہاں عام پستول کی گولی واپس پلٹ آتی تھی... ان کے پاس شعاعی پستول تھا... لیکن وہ نہیں جانتے تھے... وہ کس حد تک ان کے کام آ سکتا ہے...

"پروفیسر صاحبان... میری ایک تجویز ہے... اگر آپ منظور کریں۔" انھوں نے کچھ سوچ کر کہا... نظریں بدستور زیاباٹا پہ جمی تھیں۔

"کہو جمشید... کیا بات ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ تینوں... اڑن طشتریوں تک پہنچنے کی کوشش کریں، اس لڑائی بھڑائی کو دیکھنے کی آپ کو کیا ضرورت ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو جمشید..." پروفیسر داؤد نے کہا اور پھر اپنے دونوں ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے دوڑ پڑے۔

"لیکن میں انھیں نہیں جانے دوں گی" زیاماٹا نے چلّا کر کہا اور ان کی طرف مڑی ساتھ ہی اس کا پستول والا ہاتھ بلند ہوا... لیکن اس سے پہلے کہ ٹریگر دبتا.... انسپکٹر جمشید نے بلا کی تیزی سے چھلانگ لگا دی، وہ اس کے پہلو سے ٹکرائے... ساتھ ہی ٹریگر دب گیا، لیکن اب زیاماٹا کا ہاتھ بہک چکا تھا... ایک زرد رنگ کی شعاع پستول سے نکلی اور فضا میں غائب ہو گئی...

زیاماٹا تلملا کر ان کی طرف مڑی... اور غرّائی:

"تو پھر پہلے تم جاؤ، ان سے میں بعد میں نبٹ لوں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے ان کی طرف پستول کر کے ٹریگر دبا دیا... انسپکٹر جمشید فوراً لوٹ لگا گئے... لوٹ لگاتے ہی وہ صرف ایک لمحے کے لیے رکے... اور ان کی یہی حرکت ان کی بچت کا سامان بن گئی... زیاماٹا نے مہلت دیے بغیر تیسری بار ٹریگر دبا دیا تھا... لیکن چونکہ وہ بھی دوسری لوٹ لگا چکے تھے... اس لیے

اس کا یہ وار بھی خالی گیا...

اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید خود فائر کرنے کی پوزیشن میں آ چکے تھے... انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... ٹریگر دبا دیا... نیلی شعاع تیر کی طرح زیاماٹا کی طرف گئی اور اس کے جسم میں جذب ہوتی نظر آئی... وہ اس انتظار میں تھے کہ زیاماٹا اب گری کہ اب گری... لیکن وہ تو شوخ انداز میں کھڑی تھی... اس کا تو بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا... ان کی حیرت سے فائدہ اٹھا کر زیاماٹا نے اس طرف دوڑ لگا دی جس طرف تینوں سائنس دان گئے تھے...

انسپکٹر جمشید چونکے اور انھوں نے بے تحاشا انداز میں چھلانگ لگا دی... اب وہ سر پر پیر رکھ کر اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے... زیاماٹا نے فوراً محسوس کر لیا کہ درمیانی فاصلہ کم ہوتا جا رہا ہے... وہ بھنا کر پلٹی اور اندھا دھند فائر کر دیا... انسپکٹر جمشید دھڑام سے گرے... زیاماٹا پھر مڑی اور دوڑ پڑی... انسپکٹر جمشید نے بھی فوراً جست لگائی اور اس کی طرف لپکے... دو ہی چھلانگیں انھیں اس کے برابر لے آئیں...

زیاماٹا نے دوڑتے دوڑتے بائیں کہنی ان کی پسلیوں میں دے ماری... لیکن وہ ہوشیار تھے... اپنے پہلو کو بچاتے

ہوئے انھوں نے اس کے بازو پر ہاتھ ڈال دیا... اور ساتھ
ہی جھٹکا دیا...

زیاماٹا کے پاؤں اکھڑ گئے... وہ دھڑام سے ایک
طرف گری... انسپکٹر جمشید نے اسے مہلت نہ دینے کی
نیت سے فوراً چھلانگ لگائی... لیکن ان کا جسم پتھریلی زمین
سے ٹکرایا... بہت سخت چوٹ آئی لیکن اس وقت چوٹ کی
طرف دھیان دینے کا وقت کہاں تھا... زیاماٹا پستول کی
نال ان کی طرف کر چکی تھی... ایک لمحے کے اندر وہ
جل کر راکھ ہو جاتے... ایسے میں انھوں نے پیچھے ہٹنے
یا ادھر ادھر ہونے کی بجائے... زیاماٹا پہ ہی چھلانگ
لگا دی... لیکن یہ چھلانگ قریباً زمین سے لگ کر لگائی گئی
تھی... نتیجہ یہ کہ زرد شعاع ان کے اوپر سے گزر گئی اور
وہ خود زیاماٹا سے ٹکرا گئے... دونوں دھڑام سے
گرے... اور مخالف سمتوں میں گرے... بلا کی رفتار
سے اٹھے تو درمیانی فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا... زیاماٹا
نے پستول فوراً ان کی پسلیوں سے لگایا اور ٹریگر دبا دیا،
ایسے میں ان کا مکا زیاماٹا کے پستول والے ہاتھ پہ لگا...
یہ مکا اس قدر زور دار تھا کہ زیاماٹا کے ہاتھ سے پستول
نکل کر دور جا گرا... اس نے اٹھ کر پستول کی طرف

چھلانگ لگائی لیکن انسپکٹر جمشید کی ٹانگ نہ دیکھ سکی... جو اس
کے راستے میں آ چکی تھی... لہٰذا دھڑام سے گری...

اب دیر کرنا نقصان دہ تھا... انھوں نے ایک جچی تلی
چھلانگ لگائی... اس قسم کی چھلانگ سے پہلے ہی چوٹ
کھا چکے تھے اور زیاماٹا کے پلٹنی کھانے کا اندازہ دیکھ
چکے تھے... لہٰذا اس بار کی چھلانگ اس کے مطابق لگائی
گئی تھی... اور وہی ہوا... زیاماٹا نے بچنے کے لیے پلٹنی
کھائی... پلٹنی کھا کر وہ جس جگہ آئی... انسپکٹر جمشید بھی
عین اس جگہ گرے، اور اس کا ایک ہاتھ کلائی پر سے
پکڑتے ہوئے قلابازی کھا گئے... زیاماٹا کے منہ سے
ایک چیخ نکل گئی... اس کا جسم ان کی قلابازی کے ساتھ
مڑنے پر مجبور ہو گیا تھا...

انھوں نے اٹھتے ہوئے اس کا بازو اور موڑ دیا...
وہ سسکاریاں بھرنے لگی...

"اب کیا خیال ہے زیاماٹا" انھوں نے مسکرا کر کہا اور
دائیں ہاتھ کو اس کے سر پر مارنے کے لیے اٹھایا... کیوں کہ
اس میں ان کا پستول تھا... اس کی شعاع تو زیاماٹا پر
کارگر نہیں تھی... وہ اس کا دستہ تو اس کے سر پہ
مار سکتے تھے...

"کامیابی تم لوگوں سے کوسوں دور ہے اور ناکامی بہت
نزدیک۔" زیاماٹا نے منہ بنا کر کہا۔
"نظر تو ایسا نہیں آ رہا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"بہت جلد نظر آ جائے گا... فکر نہ کریں۔" اس نے کہا
اور اچانک اپنے بازو کو جھٹکا دیا۔ انسپکٹر جمشید کو بھی ایک
جھٹکا لگا اور اس کی کلائی ان کے ہاتھ سے نکل گئی...
ساتھ ہی زیاماٹا نے ایک زبردست لوٹ لگائی.... اور
دوسرے ہی لمحے اس کا پستول اس کے ہاتھ میں نظر آیا:
شاید اس نے وہ جگہ نظر میں رکھی تھی... جس
جگہ پستول گرا تھا۔
"اب تم بتاؤ انسپکٹر جمشید... اب کیا خیال ہے؟"
"میرے ہاتھ میں بھی ایک پستول ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"اس پستول کی کارکردگی تم دیکھ ہی چکے ہو... یہ مجھ
پر اثر انداز نہیں ہو گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔
"پہلے میں نے درست نشانہ نہیں لیا تھا... یا لے نہیں
سکا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"غلط خیال ہے... تمھارا نشانہ بالکل ٹھیک تھا....
شعاع میرے سینہ سے ٹکرائی تھی۔" وہ بولی۔
"یہ محض تمھارا خیال ہے... میں پھر کہتا ہوں... میں نشانہ

درست نہیں لے سکا تھا۔"
"اچھا تو اب کوشش کر لو۔" اس نے اکڑ کر کہا۔
"شکریہ... تم واقعی ایک بہادر دشمن ہو..." انھوں نے
کہا اور اپنے پستول کا رخ زیاماٹا کی طرف کر دیا۔
"خوب دھیان سے نشانہ لگانا انسپکٹر... پھر نہ کہنا....
میں نشانہ درست نہیں لے سکا۔" اس نے منہ بنایا۔
"بہت اچھا... میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔" انھوں
نے کہا اور نشانہ لینے لگے۔
اس کوشش میں انھوں نے پورا ایک منٹ لگا دیا۔
"تم بہت چالاک ہو۔" زیاماٹا مسکرائی۔
"کیا مطلب... میری چالاکی کا یہاں کیا ذکر نکل آیا۔" وہ
حیران ہو کر بولے۔
"تم نے نشانہ لینے میں پورا ایک منٹ لگا دیا.....
جب کہ میں جان چکی ہوں کہ تم ایک بہترین نشانہ باز ہو
اور بہترین نشانہ باز تو لمحوں میں نشانہ لے لیتے ہیں...
صاف ظاہر ہے... تم نے ایک منٹ صرف اور صرف اس
لیے لگایا کہ سائنس دانوں کو زیادہ سے زیادہ وقت مل جائے۔"
"اوہ! تو تم نے یہ بات بھانپ لی۔"
"ہاں! کیا کیا جائے... میں عقل سے اتنی بھی پیدل

نہیں جتنی کہ تم خیال کر بیٹھے ہو۔" زیاباٹا نے منہ بنایا۔

"سوری! اب نہیں خیال کروں گا میں تمہیں عقل سے پیدل... وعدہ کرتا ہوں۔" وہ بولے۔

"اور اب تم باتوں میں اور وقت ضائع کر رہے ہو، لیکن ایک بات میری بھی سن لو۔"

"ضرور کیوں نہیں... ایک کیا میں تو دس سننے کے لیے تیار ہوں۔"

"تمہارے ملک کے سائنس دان ان اڑن طشتریوں کو تباہ نہیں کر سکیں گے۔"

"ارے توبہ... ہم بھلا ایسا کیوں کرنے لگے... ہم تم لوگوں پر قابو پا کر اڑن طشتریاں اپنے قبضے میں کیوں نہ کریں... ان سے تو بے شمار فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں، تم لوگوں کی طرح نہیں... کہ بس ان سے صرف تباہی اور بربادی کا کام لے رہے ہیں۔"

"اب ہم کیا کریں... مجبور جو ہوئے۔"

"اچھا تو پھر... فائر کب کر رہے ہو۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم نے خود ہی تو ایک بات کی مہلت مانگی تھی۔" انھوں نے بھی منہ بنایا۔

"وہ تو ہو چکی۔"

"تو پھر... میں فائر کرنے لگا ہوں اور اس کے ساتھ ہی ایک دعویٰ بھی کروں گا۔"

"پہلے دعویٰ ہو جائے۔"

"میرا یہ فائر بے کار نہیں جائے گا۔"

"ارے جاؤ... یہ نہیں ہو سکتا۔"

"اب میرے صبر کا پیمانہ چھلک چکا ہے... تم نے مجھے غصہ دلا دیا ہے۔" انسپکٹر جمشید چہرے پر غصہ لاتے ہوئے بولے۔

"غصہ اور تمہیں آئے گا... نہیں... میری اطلاعات کے مطابق یہ بات بالکل غلط ہے۔" وہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟"

"میری ہی نہیں... بلکہ ہماری اطلاع یہ ہے کہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو غصہ ہرگز نہیں آتا اور ان کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی ہے۔"

"اوہو اچھا... پھر تو ہمارے بارے میں ہم سے زیادہ معلومات جمع کر رکھی ہیں... آپ لوگوں نے۔"

"ایک ہم ہی کیا... دنیا کے مشہور ترین لوگوں نے آپ لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کر رکھی ہیں۔"

"تو پھر... کیا ہمارے ملک کے سائنس دانوں کے

بارے میں کچھ معلوم نہیں کیا۔"

"ان کے بارے میں بھی سب کچھ جانتے ہیں، لیکن
اڑن طشتریوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"خیر... دیکھا جائے گا... پہلے تو فائر سنبھالو۔"

"ضرور... میں بالکل تیار ہوں اور پوری طرح چوکس...
لیکن اتنا سن لو... اس کے بعد فائر کرنے کی باری میری
ہو گی۔"

"بالکل ہو گی۔" انھوں نے کہا۔

زیاباٹا نے اب ہونٹ بھینچ لیے... شاید اسے
احساس ہو گیا تھا کہ انسپکٹر جمشید اسے کافی دیر تک
باتوں میں لگا رہے ہیں... ادھر انھوں نے پھر سے
نشانہ لیا اور آخر ٹریگر دبا دیا...

فائر کے جواب میں ایک زبردست دھماکا ہوا... اتنا کہ
انھیں اپنے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے...
ایک آگ سی چمکی اور پھر پل بھر کے لیے ان کے گرد اندھیرا
سا چھا گیا... اندھیرا چھٹا تو دونوں بت بنے کھڑے نظر آئے۔
زیاباٹا کا رنگ اڑا ہوا تھا اور اب وہ خالی ہاتھ تھی جب
کہ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں پستول بدستور موجود تھا... پھر
اس کے ہونٹ ہلے:

"باس نے ٹھیک کہا تھا... تم لوگ عقل سے زیادہ کام
لینے کے عادی ہو... اور ہمیشہ اپنے دشمنوں کو عقل کی
مدد سے فتح کرتے ہو... تم نے اس بار میرے جسم کا
نہیں... ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا نشانہ لیا تھا اور
میں یہ بات سوچ بھی نہیں سکی... افسوس۔"

"لیکن اب افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے... ایک طرح
سے ہم دونوں اب خالی ہاتھ ہیں... میرے والا پستول تمھارا
کچھ نہیں بگاڑ سکتا... لہٰذا آؤ دو دو ہاتھ کر لیں۔"

"نہیں! اس کا کوئی فائدہ نہیں... میں سائنس دانوں
کو روکنا زیادہ مناسب خیال کرتی ہوں۔"

اتنا کہتے ہی اس نے دوڑ لگا دی... انسپکٹر جمشید
نے بھی ساتھ ہی چھلانگ لگائی... اور اس کے راستے
میں آ گئے... زیاباٹا بھنا گئی... اور ایک لات ان کے
سینے میں دے ماری...

اپنی پوری کوشش کے باوجود انسپکٹر جمشید اس لات
سے نہ بچ سکے... وہ سیدھی ان کے سینے میں ہی لگی...
بس پھر کیا تھا... وہ چاروں شانے چت گرے... اور
زیاباٹا نے دوڑ لگا دی...

ادھر انھوں نے محسوس کیا... ان میں اٹھنے کی سکت

نہیں ہے... انھوں نے بے چارگی کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا... لیکن ان کے اوپر آسمان کہاں تھا... وہاں تو دھند کے بادل تھے... گردن گھمائی تو زیاماٹا نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی...

❁

"وہ... وہ دیکھیے... وہ کیا چیز چلی آ رہی ہے۔" فرزانہ چلائی۔

ان سب نے ادھر دیکھا... واقعی کوئی چیز تیزی سے چلی آ رہی تھی... جلد ہی وہ انھیں قدرے صاف دکھائی دینے لگی...

"ارے... یہ تو زیاماٹا ہے۔" محمود بولا۔

"حالانکہ تھوڑی دیر پہلے یہ ہمیں چیز نظر آئی۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں... لیکن اس کے ساتھ تو ابا جان کا مقابلہ ہو رہا تھا شاید۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ ہاں!" ان کے منہ سے نکلا، سب کے سب یک دم فکر مند ہو گئے۔

"اس کے سامنے ایک دیوار بن کر کھڑے ہو جاؤ... ہم اسے پروفیسر صاحبان تک نہیں جانے دیں گے۔" خان رحمان نے کہا۔

اور وہ ایک لائن میں کھڑے ہو گئے... ان کے منہ اس کی طرف تھے... نزدیک پہنچ کر وہ رک گئی... چند سیکنڈ تک طنزیہ انداز میں دیکھا... پھر بولی:

"کیا پروگرام ہے دوستو..."

"پروگرام کی بات بعد میں... پہلے یہ بتاؤ... انسپکٹر جمشید کس حال میں ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"شاید بے ہوش پڑے ہوں گے... یا ہوش میں ہوں گے، لیکن حرکت کرنے کے قابل نہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"میں ایک لات ان کے رسید کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی آخر... بہت زبردست مقابلہ کیا، انھوں نے... میرے چھکے چھڑا دیے... لیکن آخر میں وار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔"

"خیر... تب تو سب خیریت ہے... اب تم اس دیوار کو توڑ کر کس طرح آگے جاؤ گی۔"

"اس طرح۔"

اس نے کہا اور دوڑ لگا دی... لائن کے نزدیک
آتے ہی وہ اونچا اچھلی اور ان کے سروں پر سے ہوتی
ہوئی دوسری طرف جا کر گری... گرتے ہی اٹھی اور اڑن
طشتریوں کی طرف بھاگی... یہ دیکھ کر انسپکٹر کامران مرزا
نے اس کی طرف دوڑ لگا دی... اور جلد ہی اسے جا لیا...
اس کے راستے میں آتے ہی دونوں ایک دوسرے سے
پورے زور سے ٹکرائے... انسپکٹر کامران مرزا کو یوں محسوس
ہوا جیسے ان کے جسم سے لوہے کی کوئی چیز ٹکرائی ہو...
گرتے ہی وہ اٹھے اور زیاماٹا کی ایک ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ
لی... وہ ابھی اٹھنے کی تیاری کر رہی تھی... کہ پھر سے
گری... لیکن مچھلی کی طرح تڑپی اور ان کی گرفت سے نکل
گئی...

"بہت خوب... تم کم نہیں ہو... مقابلے میں لطف آئے
گا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"انسپکٹر جمشید پہلے ہی لطف اندوز ہو چکے ہیں... اب
آپ بھی سہی۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"جم کر لڑو تو ایک بات بھی ہے... تمھیں تو آگے
دوڑ جانے کی پڑی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اپنا اپنا مقصد ہے... آپ مجھے روک لیں... نہ آگے

بڑھنے دیں۔"

"ٹھیک ہے... میں آگے نہیں جانے دوں گا۔"

"خیر... ایسی بھی بات نہیں۔"

اس نے کہا اور ایک بار پھر جھکائی دے کر ان
کے پاس سے نکل گئی... اب وہ پھر دوڑی جا رہی تھی،
اس بار اس کی رفتار حیرت انگیز تھی... انسپکٹر کامران مرزا
بھی بے تحاشا اس کے پیچھے دوڑے... باقی سب بھی
کھڑے رہ کر کیا کرتے... دوڑ پڑے...

انسپکٹر کامران مرزا جلد ہی اس کے نزدیک پہنچ
گئے... لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس پر ہاتھ ڈالتے،
وہ ان ٹیلا نما عمارتوں تک پہنچ گئی... اور زیاماٹا نے
ایک عمارت کی اوٹ لینے میں دیر نہ لگائی... جب انسپکٹر
کامران مرزا اس عمارت کے دوسری طرف پہنچے... وہ
وہاں سے بھی حرکت کر چکی تھی... انھوں نے اس کی
ایک جھلک دیکھی اور دوسری عمارت کی طرف دوڑے...
وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان عمارتوں کی وجہ سے
زیاماٹا انھیں خوب چکر پہ چکر دینے کے قابل تھی،
کیوں کہ یہ بستی ان کی تعمیر کردہ تھی... یہ محسوس کرتے
ہی انھوں نے بلند آواز میں کہا:

"ساتھیو! سب کے سب ان عمارات سے آگے بڑھ جائیں... ہمیں ان کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔"

یہ تجویز معقول تھی... ان سب نے دوڑ لگا دی۔

اب تو زیاماٹا گھبرائی... اس طرح تو وہ لوگ اس سے آگے نکل جاتے اور ایک بار پھر اس کا راستا روکنے کے لیے آگے کھڑے ہوتے... لہٰذا اس نے بھی بلا کی رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا...

اس طرح وہ سب ایک ساتھ ان عمارتوں سے نکل آئے... زیاماٹا اور انسپکٹر کامران مرزا اب بھی ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے... اچانک انسپکٹر کامران مرزا نے اپنی ٹانگ اس کی ٹانگوں میں اڑا دی... انتہائی تیز رفتاری کی وجہ سے وہ دھڑام سے گری... انسپکٹر کامران مرزا بھی اس کے ساتھ گرے، اور پھر ان کے ہاتھ میں اس کی ایک ٹانگ آ گئی، انھوں نے فوراً دوسرا ہاتھ بھی ٹانگ پر جما دیا اور اس کے پیر کو موڑا... ساتھ میں اس کا جسم بھی مڑتا چلا گیا...

"اب میں تمھیں اڑن طشتریوں تک نہیں جانے دوں گا۔"

"پہلی بات تو یہ کہ پروفیسر لوگ اڑن طشتریوں کا کچھ بگاڑنے کے قابل نہیں۔" اس نے جل کر کہا۔

"اور دوسری بات؟" آصف بولا۔

"دوسری بات یہ کہ تم لوگ مجھے نہیں روک سکو گے۔"

یہ کہ کر اس نے اپنی ٹانگ کو ایک جھٹکا دیا... اگرچہ انسپکٹر کامران مرزا نے پوری طاقت سے ٹانگ پکڑ رکھی تھی... پھر بھی یہ جھٹکا کھاتے ہی ان کے ہاتھ ٹانگ پر اکھڑ گئے... زیاماٹا نے ایک لمبی چھلانگ لیٹے لیٹے ہی لگائی... اور خان رحمان سے ٹکرا گئی... وہ یہ نہیں دیکھ پائی تھی کہ آگے خان رحمان کھڑے ہیں، دونوں دھڑام سے گرے...

انسپکٹر کامران مرزا نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا، اور اس پر ٹوٹ پڑے... ان کی پہلی لات اس کی پنڈلی پر لگی... اس کا جسم لرزا... دوسرا مکا اس کی ٹھوڑی پر لگا... اب اس کے قدم اکھڑ گئے... وہ الٹ کر گری... ساتھ ہی انھوں نے چھلانگ لگا دی اور اس کو چھاپ بیٹھے... اب ان کے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جم گئے... فوراً ہی زیاماٹا کی ٹانگیں

فضا میں اٹھیں اور پھر ان کے سر کی طرف بڑھیں... دونوں پیروں نے ان کے سر کو دونوں طرف سے جکڑ لیا اور انھیں اٹھانے کے لیے زور لگانے لگیں... انھوں نے اپنے ہاتھوں پر اور بھی زور صرف کر دیا... سب لوگ سکتے کے عالم میں اس جد و جہد کو دیکھ رہے تھے۔

"کک... کیا ہم مدد کریں کامران مرزا" منور علی خان بولے۔

"نہیں! لیکن اگر میں بے بس ہو جاؤں... تو پھر تم اس کا راستا روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا" انھوں نے کہا۔

"اور آپ بے بس کیوں ہوں گے... جب کہ آپ نے اس کی گردن کو قابو بھی کر لیا ہے" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"تم نہیں جانتے آفتاب... اس کے دونوں پیر میرے سر کا کیا حال کر رہے ہیں"

"اللہ اپنا رحم فرمائے" فرحت گھبرا گئی۔

"ارے ہاں! میری ایک تجویز ہے... تم سب کو یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں... تم میں سے کچھ... یا سب کے سب پروفیسر صاحبان کی طرف چلے جائیں، میں ان عمارتوں کے دروازے کھلے دیکھ چکا ہوں..."

انسپکٹر کامران مرزا جلدی جلدی بولے۔

"جی... کیا فرمایا... عمارتوں کے دروازے آپ کھلے دیکھ چکے ہیں"... فاروق بوکھلا کر بولا۔

"ہاں! پہلے انھوں نے اپنی شکست محسوس کر کے ان عمارتوں میں گھس کر دروازے بند کر لیے تھے... لیکن اب ان میں کوئی بھی نہیں ہے... آخر سب کے سب کہاں چلے گئے... صاف ظاہر ہے... وہ اڑن طشتریوں کی طرف گئے ہیں اور پروفیسر صاحبان ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"اوہ... اوہ" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"میں تو کہتا ہوں... بس چلے جائیں... ان لوگوں کی تعداد بہت ہے"

"اور... اور آپ"

"میں... زیاباٹا کو روکنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں... ہو سکتا ہے، میں کامیاب ہو جاؤں... ہو سکتا ہے... یہ کامیاب ہو جائے... یہ سب کچھ تو اللہ کے ہاتھ ہے... تم بے فکر ہو کر جاؤ... وہاں زیادہ ضرورت ہے تم لوگوں کی۔"

یہ لمحات عجیب تھے... ان میں سے کسی ایک،

بھی جی نہیں چاہ رہا تھا کہ انسپکٹر کامران مرزا کو اس حال
میں چھوڑ کر جائیں... لیکن کیا کرتے... مجبور تھے... جانا
پڑا... دوسرے ہی لمحے وہ سرپٹ دوڑ رہے تھے... اور
ادھر انسپکٹر کامران مرزا اور زیاباٹا ایک دوسرے کو
جکڑے ہوئے تھے۔

پھر جوں ہی وہ لوگ ان کی نظروں سے اوجھل
ہوئے... زیاباٹا نے زور مارا اور انھیں اپنے اوپر سے
اچھال دیا...

"بہت خوب بھئی... بہت خوب۔" وہ اٹھتے ہوئے مسکرائے۔
زیاباٹا آہستہ آہستہ اٹھ رہی تھی... وہ اپنا گلا
بری طرح مل رہی تھی۔

"اگر ایک منٹ اور یہ کیفیت رہتی تو میں گئی تھی،
کام سے۔"

"کام سے تو خیر تم اب بھی جاؤ گی... اگر میرے
اللہ نے چاہا۔" انھوں نے کہا۔

"ایک تو تم ہر بات میں اپنے اللہ کو لے آتے ہو۔"
اس نے جل کر کہا۔

"کیا کریں... پیدا جو اس نے کیا ہے۔" وہ مسکرائے۔
"تو کیا تمھارے خیال میں ہمیں اس نے پیدا نہیں

کیا؟"

"ہاں! ساری مخلوق اس نے پیدا کی ہے۔"

"پھر... ہم تو اس کو نہیں مانتے... اس نے ہمارا
کیا بگاڑ لیا۔"

"جزا اور سزا کا اس کے ہاں وقت مقرر ہے... اپنے
وقت پر پکڑ ضرور کرے گا اور اس وقت تم جیسے اس کی
پکڑ سے بچ نہیں سکو گے۔"

"دیکھا جائے گا..." اس نے کندھے اچکائے۔

اب وہ پھر اٹھ چکی تھی... اور ایک ایک قدم
اٹھاتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہی تھی:

"کیا اب بھی دم خم باقی ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو پھر آؤ... اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے،
مجھے بھی اپنے ساتھیوں تک پہنچنا ہے۔"

"اور اس ساتھی کو بھول گئے... جس کو میں ادھ
موا کر آئی ہوں۔"

"انھیں بھی اللہ ہوگا... تم اپنی فکر کرو۔" وہ مسکرائے۔

"اب میں اپنا آخری وار کروں گی... اور تم بچ نہیں
سکو گے... انسپکٹر جمشید بھی اس آخری وار کی تاب نہیں

لا سکے۔"

"اگر اللہ کو یہی منظور ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"پھر وہی اللہ۔"

اس نے بھنا کر کہا... فضا میں اچھلی اور اس کی دونوں ٹانگیں ان کے سینے پر لگیں... انھوں نے بچنے کی پوری کوشش کی... لیکن یہ ممکن نہ ہوا... آن کی آن میں وہ چاروں شانے چت پڑے تھے۔

وہ پُرسکون انداز میں چلتی ہوئی ان کے نزدیک آئی اور بولی:

"اب کیا خیال ہے۔"

"تم نے ٹھیک کہا تھا... یہ آخری وار بہت زبردست رہا۔"

"اب میں آگے جاتی ہوں... تم دونوں کے بے بس ہونے کے بعد میرا کام بہت آسان ہو گیا ہے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا... ہماری فوج کا ہر شخص تمھارے راستے کا روڑا بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

"میں ان روڑوں کو خاطر میں کب لانے لگی۔" اس نے سر جھٹک کر کہا اور پھر دوڑ لگا دی۔

انسپکٹر کامران مرزا نے اٹھنے کی کوشش کی... لیکن

اٹھ نہ سکے۔ یوں لگا جیسے ہر ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہو... ابھی انھیں لیٹے چند منٹ نہیں گزرے تھے کہ انھوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی... گردن گھما کر دیکھا، کوئی دوڑتا ہوا آ رہا تھا:

"بھلا نہ ہو... یہ انسپکٹر جمشید ہیں... اللہ کرے وہی ہوں۔" انھوں نے دعا مانگی۔

اور پھر دوڑتا شخص نزدیک آ گیا... یہ دیکھ کر ان کے چہرے پہ رونق آ گئی کہ وہ انسپکٹر جمشید ہی تھے...

"آپ ٹھیک تو ہیں۔" وہ بولے۔

"ہاں... شاید تھوڑی دیر تک دوڑنے کے قابل ہو سکوں گا۔" وہ بولے۔

"تو آپ بھی زیاماٹا سے ٹکرائے ہیں۔"

"ہاں! اور کیا کرتا۔"

"بہت سخت جان ہے کم بخت... خیر آپ فکر نہ کریں۔" یہ کہہ کر وہ ان کے پاس بیٹھنے لگے... یہ دیکھ کر انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے:

"یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں... اس طرح وقت ضائع ہو گا... میری نسبت آپ کی پروفیسر صاحبان

زیادہ ضرورت ہے... جو تھی میں آنے کے قابل ہوا... آپ
تک پہنچ جاؤں گا... جلدی کریں۔"

"اچھا..." انھوں نے کہا اور دوڑ لگا دی...

ان کا جسم اگرچہ بہت درد کر رہا تھا... لیکن وہ
دوڑنے پر مجبور تھے... دیو ان سب کے لیے ہی نہیں
پوری انسانیت کے لیے خطرناک ہو سکتی تھی... یہ صرف
ان کا نہیں... صرف ان کے ملک کا نہیں... پوری دنیا
کے انسانوں کا مسئلہ تھا... اور یہی جذبہ انھیں اڑائے
لیے جا رہا تھا... ورنہ وہ اس قابل کہاں تھے کہ
دوڑ سکیں... اور وہ جانتے تھے... انسپکٹر کامران مرزا
کی بھی یہی حالت تھی... تاہم وہ بھی تھوڑی دیر
تک دوڑنے کے قابل ہو جائیں گے...

اچانک انھیں ایک جھٹکا سا لگا... انھوں نے
اپنے سامنے منظر ہی ایسا دیکھا تھا...

جنگی دائرہ

اکرام اور شاہد رسیاں پکڑنے والوں پر بجلی کی طرح
ٹوٹے اور آن کی آن میں انھیں دھن کر رکھ دیا... اس
سے اتنا ضرور ہوا کہ پروفیسر صاحبان کی رسیاں چھوٹ گئیں
اور انھوں نے اپنے ہاتھوں کی مدد سے گلے آزاد کرا لیے
لیکن اکرام اور شاہد اس وقت تک پوری طرح دشمنوں کے
نرغے میں آ چکے تھے... اب ان پر چاروں طرف سے
وار ہو رہے تھے...

"میری کمر سے کمر ملا لو شاہد... اس طرح ہماری کمر
محفوظ رہے گی... ورنہ ہم چند سیکنڈ بھی نہ ٹک سکیں
گے ان کے مقابلے میں۔" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور کمر ملا لی...

اب دونوں کے ہاتھ اور پیر چل رہے تھے،

ادھر بے شمار دشمن تابڑ توڑ وار کر رہے تھے... دونوں
خوب جم کر مقابلہ کیا... خوب ہی ہاتھ پیر چلائے... لیکن
کب تک... وہ صرف دو تھے اور دشمن سیکڑوں... آخر بے
گرنے لگے... گرتے گرتے بھی انھوں نے ایک دو
ضرور چلائے... پھر بے دم ہو کر گر پڑے...

"ارے... وہ سائنس دان کہاں چلے گئے؟" دشمنوں میں
سے کسی نے چلا کر کہا۔

"ہائیں... وہ... وہ بھلا کہاں جا سکتے ہیں؟"

اب ان سب نے ادھر ادھر دیکھا... لیکن وہ
تینوں انھیں کہیں بھی نظر نہ آئے...

"حیرت ہے... یہاں تو کوئی چھپنے کی بھی جگہ نہیں"

"تب پھر... وہ ضرور اس اڑن طشتری کی اوٹ میں
ہیں۔" کسی نے کہا۔

"اوہ ہاں... یہی بات ہے۔"

اور وہ اڑن طشتریوں کی طرف دوڑ پڑے... سب
کے سب دوڑ گئے... یہاں تک کہ وہاں صرف اکرام اور
شاہد لیٹے رہ گئے۔

"ہم کم از کم کھسک تو ضرور سکتے ہیں۔" شاہد نے کہا۔

"ہاں! لیکن ہم کھسک کر کیا کریں گے؟" اکرام بولا۔

"نہ جانے پروفیسر صاحبان کہاں ہیں... اگر وہ واقعی
طشتری کے دوسری طرف ہیں تو وہ کوئی دم میں پھر
پکڑے جانے والے ہیں۔"

"ہاں! میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہم... ہم ان کے لیے کیا کریں... آف... ہم کس
قدر بے بسی محسوس کر رہے ہیں۔" شاہد بولا۔

"اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں... اور منہ سے کچھ
آوازیں نکالنے کی بھی... کم از کم ان لوگوں کو اپنی
طرف متوجہ کرنے کی کوشش تو کرنی چاہیے... ہو سکتا
ہے... ہماری اس حرکت سے پروفیسر صاحبان کو کوئی
موقع مل جائے۔"

"ہاں ٹھیک ہے... اٹھو پھر۔"

دونوں کسی نہ کسی طرح... ایک دوسرے کو پکڑ
اور سہارا دے کر کھڑے ہونے میں کامیاب ہو
گئے... ساتھ ہی اکرام نے چلا کر کہا:

"ارے... خبردار... ابھی ہم زندہ سلامت ہیں... اور
ہمارے ہوتے ہوئے تم پروفیسر صاحبان کو ہاتھ بھی نہیں
لگا سکتے۔"

وہ ان کی طرف مڑے اور مسکرا دیے:

"تم ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہو۔"

"نہ بگاڑ سکیں... پروفیسر صاحبان کی خاطر جان تک دے سکتے ہیں... آؤ پہلے تم سے دو دو ہاتھ کر لو۔"

"ضرور ضرور... کیوں نہیں..." انھوں نے کہا اور اڑن طشتری کی طرف سے ان کی طرف مڑے اور پھر دوڑ لگا دی... جلد ہی وہ ان تک پہنچ گئے... دونوں میں مقابلہ کرنے کی سکت کہاں تھی... انھوں نے تو یہ صرف اس لیے کیا تھا کہ پروفیسر صاحبان کو کچھ اور موقع مل جائے... ایک بار پھر ان پر تابڑ توڑ ہاتھ پڑنے لگے... جلد ہی وہ پھر ڈھیر ہو گئے...

"افسوس! ہم تم لوگوں کو جان سے نہیں مار سکتے ورنہ اس وقت تم سے چھٹکارا حاصل کر لینا ہی بہتر ہے۔"

"اور جان سے کیوں نہیں مار سکتے۔" اکرام نے مردہ آواز میں کہا۔

"کون دشمن کی لاش اٹھا کر لے جائے۔" ایک نے کہا۔

اب وہ پھر اڑن طشتری کی طرف مڑے...

"بس بھئی... یا کچھ اور مرمت طلب ہو۔" کسی نے ان

کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا۔

"اگر سب لوگ مل کر مرمت کر سکو تو ہم اور کروا لیتے ہیں... ایک آدھ کے ہاتھ سے مرمت کرانے کی کوئی خواہش ہے نہ ہمت۔" شاہد مسکرایا۔

"کیا مطلب... یہ کیا بات ہوئی۔"

"یہ بات یہ ہوئی کہ ہم چاہتے ہیں... پروفیسر صاحبان تم لوگوں کی پہنچ سے دور نکل جائیں... تم ان کی گرد کو بھی نہ چھو سکو۔" اکرام بولا۔

"اوہ... اوہ..." وہ بولے... سب نے انھیں کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور پھر ایک نے کہا:

"اب تم لاکھ بلاؤ، ہم تمھاری طرف نہیں آئیں۔"

"اچھا... تم لوگوں کی مرضی... ہم کیا کہہ سکتے ہیں..." انھوں نے کندھے اچکا دیے۔

اب وہ سب پھر اڑن طشتری تک پہنچے... پہلے تو اس کے گرد ایک چکر لگایا گیا، پھر کسی نے کہا:

"حیرت ہے... وہ یہاں تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہے۔"

"اس دوسری اڑن طشتری تک وہ جا نہیں سکتے... کیوں کہ اس صورت میں تو ہم سب انھیں دیکھ لیتے۔"

"پھر... وہ کہاں ہیں۔"

"زیادہ حیرت اس بات پر ہے... باس ہماری مدد کیوں نہیں کر رہے... وہ ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے سب کچھ دیکھ رہے ہیں، لیکن ہمیں یہ نہیں بتا رہے کہ وہ تینوں کہاں چھپے ہوئے ہیں۔" ان میں سے ایک نے قدرے جھنجلا کر کہا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں... وہ کہاں چھپے ہیں... لیکن میں تم لوگوں کی عقلوں کا بھی تو امتحان کر لینا چاہتا ہوں۔" باس کی آواز ابھری۔

"اگر یہ بات ہے باس تو پھر ہم انھیں تلاش کر کے دکھائیں گے۔"

"مشکل ہے... اگرچہ یہاں تلاش کرنا کوئی مشکل کام بھی نہیں... کیونکہ نہ تو چھپنے کے لیے درخت ہیں، نہ ٹیلے... عمارات ضرور ہیں... وہ بھی بہت پیچھے رہ گئی ہیں، اور پروفیسر لوگ اس طرف گئے بھی نہیں۔" باس نے کہا۔

"تب ہم انھیں تلاش کر کے دکھائیں گے۔"

"لیکن! جو غلطی کرنے لگے تھے... وہ نہ کرنا... یعنی ان لوگوں کو ختم نہ کر دینا... ادھ موا ضرور کر دو... تاکہ بعد میں ہمیں ان لوگوں کو اٹھا کر نہ لے جانا پڑے۔"

"جی بہت بہتر۔"

"اچھا... اب تم اپنی تلاش شروع کر دو۔"

آواز آنا بند ہو گئی... وہ ادھر ادھر بھٹکتے رہے، چند ایک نے اڑن طشتری کے سٹینڈ پر چڑھ کر بھی دیکھا... لیکن وہ نظر نہ آئے...

"ہو نہ ہو... وہ دوسری اڑن طشتری تک پہنچ گئے ہیں۔" ان سب سے ایک نے کہا۔

"یہ... کیسے ہو سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں کیسے ہو سکتا ہے... لیکن اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے۔"

"تو پھر آؤ... ادھر بھی دیکھ آتے ہیں۔"

اور وہ سب کے سب دوسری اڑن طشتری کی طرف دوڑ پڑے... اکرام اور شاہد بے بسی کے عالم میں دیکھتے رہ گئے...

"کیا خیال ہے... پروفیسر صاحبان ادھر ہوں گے۔" اکرام نے کہا۔

"امید تو نہیں... نہ ہم نے انھیں ادھر جاتے دیکھا۔" شاہد نے جواب میں کہا۔

"ہم نے تو خیر انھیں کسی طرف بھی جاتے نہیں دیکھا... دیکھتے بھی کیسے... ہم تو ان کے درمیان پھنسے ہوئے تھے۔"

"آخر... ہمارے..."

شاہد کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت انھوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی تھی... انھوں نے جلدی سے مڑ کر دیکھا تو ان کے ساتھی چلے آ رہے تھے... ان کے چہروں پر رونق دوڑ گئی... پھر وہ لوگ نزدیک آ گئے...

"ہائیں... انکل... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں، اور آپ ہم سے الگ کیسے ہوئے..." فاروق کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

انھوں نے جلدی جلدی تفصیل بتا دی۔

"اوہ... تو اب وہ ادھر گئے ہیں۔" خان رحمان بولے

"ہاں!" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"اور آپ کو نہیں معلوم... کہ پروفیسر انکلز کہاں ہیں"

"نہیں۔"

"خیر... ہم ابھی معلوم کیے لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر محمود نے منہ سے الو کی آواز نکالی۔

جواب میں انھوں نے کوئی آواز نہ سنی... تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے:

"حیرت ہے... پروفیسر صاحبان کہاں ہیں۔" آصف

بولا۔

"اوہ... میں سمجھ گئی۔" فرزانہ بولی۔

"جلدی بتاؤ... کہاں ہیں وہ۔" خان رحمان بولے۔

"بتانے کا کوئی فائدہ نہیں... میری آواز دشمن سن سکتا ہے... اس بات کو گول کر جائیں۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتی ہو۔"

اب وہ اڑن طشتری کی طرف متوجہ ہو گئے...

"اب ذرا... ان کا بھی معائنہ کر ہی لیں... بہت بے چین رہے ہیں ان کے لیے۔" منور علی خان بولے۔

"معائنہ کرنے کے اصل حق دار تو غائب ہیں۔"

"ہمارے معائنے میں اور ان کے معائنے میں فرق ہے۔" آفتاب بولا۔

"فرق کیسے؟" مکھن نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہمارا معائنہ ذرا جاسوسی قسم کا ہو گا... جب کہ ان کا معائنہ سائنسی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"چلو جاسوسی ہی سہی۔"

وہ اڑن طشتری کے گرد منڈلانے لگے... پھر سٹینڈ پر چڑھنے لگے... یہاں تک کہ اوپر تک اڑن طشتری کا جائزہ لے آئے... عین اسی وقت افضل نے

باقی لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا... وہ بہت تیزی سے
چلے آ رہے تھے... نزدیک پہنچ کر انھوں نے کھا جانے
والی نظروں سے پوچھا:
"تو تم لوگ بھی یہاں تک پہنچ ہی گئے۔"
"جج... جی ہاں... بس کیا کریں... آنا ہی پڑا..."
آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔
"تکنی کا ناچ نچا دو بھئی انھیں۔" ان کے انچارج
نے کہا۔
"ایک منٹ جناب... ایک منٹ۔" مکھن نے گھبرا کر کہا
"کیا بات ہے۔"
"اس سے پہلے کہ آپ ہمیں تکنی کا ناچ نچائیں... یہ
بتا دیں کہ پروفیسر صاحبان اس اڑن طشتری کے پاس
بھی ملے یا نہیں۔"
"نہیں... وہ وہاں بھی نہیں ہیں۔"
"تب تو مبارک ہو۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
"مبارک ہو گی تمھیں... ہمیں کیوں ہوتی۔" انچارج
نے جل کر کہا۔
"ہاں ہاں... ہمیں ہی سہی... تم بے چاروں کو کیوں
ہو مبارک باد۔" آفتاب مسکرایا۔

"کیا مطلب... دماغ تو نہیں چل گیا۔" انچارج نے چونک کر
کہا۔
"وہ... آپ ہمیں تکنی کا ناچ نچا رہے تھے۔" اخلاق نے
گویا یاد دلایا۔
"ارے ہاں... واقعی۔" اس نے کہا، پھر اپنے ساتھیوں
کی طرف مڑتے ہوئے بولا:
"نہ صرف یہ کہ انھیں تکنی کا ناچ نچانا ہے... بلکہ ان
کی ایسی چٹنی بناؤ کہ یہ بھی کیا یاد کریں۔"
"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب... تکنی کا ناچ،
چٹنی..." ایک نے بوکھلا کر کہا۔
"کیوں... کیا ہوا۔"
"ایسی باتیں تو ہم نے کبھی سنیں نہ پڑھیں۔"
"اوہ ہاں... شاید یہ... ان کی صحبت کا اثر ہے...
خیر... مطلب یہ ہے کہ اتنی مرمت کرو... اتنی مرمت کرو،
اتنی مرمت کرو۔"
"بس بس... جناب... ہم سمجھ گئے کہ کتنی مرمت کرنی
ہے۔" ایک نے گھبرا کر کہا۔
"اور ہم بھی۔" آفتاب مسکرایا۔
"تم لوگ تو دراصل اب سمجھو گے... جب یہ سمجھاؤ کی

کی پڑیں گی۔"

"پہلے بھاؤ کی... یار کمال ہے... تمھیں تو شاید ہم سے بھی زیادہ محاورے یاد ہیں۔"

"ارے نہیں بھئی... آپ سے سن سن کر یہ حال ہو گیا ہے۔"

"تب پھر ہمارا شکریہ ادا کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اگر شکریے کی اتنی ہی ضرورت ہے تو ہم کہہ دیتے ہیں... شکریہ۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"تو دوسری اڑن طشتری کے آس پاس بھی پہنچے صاحبان نہیں مل سکے۔"

"نہیں..." انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

"اور یہ تم لوگوں کی بہت شان دار ناکامی ہے۔" آفتاب ہنسا۔

"ناکامی بھی کبھی شان دار ہوتی ہے۔" مکھن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھئی... ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔"

"مرمت شروع کرو... یہ ہمیں باتوں میں لگانا چاہتے ہیں۔" انچارج چلایا۔

"ڈرو اس وقت سے..." محمود نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

"کس وقت سے؟" انچارج نے حیران ہو کر کہا۔

"اس وقت سے جب ہمارے پیچھے رہ جانے والے دو ساتھی یہاں آ جائیں گے... پھر تم اپنے ان ٹیلے نما مکانوں کی طرف دوڑتے نظر آؤ گے۔"

"ہاں! اس لیے کہ ان میں سے ایک کے پاس ہمارا پستول ہے... لیکن ان کی آمد سے پہلے پہلے ہی تم لوگوں کا معاملہ صاف کر دیں گے، فکر نہ کرو۔"

"بہت بہتر... نہیں کرتے فکر... چلو کرو معاملہ صاف۔" آصف نے جل کر کہا۔

"ہم ان کا مقابلہ اسی طرح کریں گے... جس طرح جنگل میں سفر کیا تھا۔" خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

"ہم... سمجھ گئے انکل۔"

"اگر سمجھ گئے ہو تو پھر... اسی پوزیشن میں آ جاؤ۔"

"ہاں ہاں... ضرور... کیوں نہیں... جس پوزیشن میں آنا چاہتے ہو، آ جاؤ... ہمیں کوئی اعتراض نہیں...

مرمت تو ہر پوزیشن میں ہو گی۔"

"اللہ مالک ہے۔" شوکی نے کندھے اچکائے۔

اور وہ آن کی آن میں دائرے کی شکل میں کھڑے ہو گئے... ان سب کے منہ دشمنوں کی طرف تھے۔

"یہ کیا بھئی... تم نے تو دائرہ بنا لیا۔" انچارج کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! اس کو جنگی دائرہ کہتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن اس سے کیا ہو گا۔"

"تم اپنا کام شروع کرو... خود تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس سے کیا ہو گا۔" محمود نے کہا۔

اور وہ سب کے سب ان پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بڑھے... لیکن ایک وقت میں بارہ تیرہ آدمیوں سے زیادہ حملہ آور نہ ہو سکے... کیوں کہ وہ کھڑے ہی اس حالت میں تھے...

"اوہ... یہ... یہ دائرہ تو واقعی خطرناک ہے... سب مل کر ایک وقت میں ان پر حملہ نہیں کر سکتے۔" انچارج نے پریشان ہو کر کہا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ جنگی دائرہ ہے۔" فاروق چہکا۔

"تو بھی کیا ہوا جناب... یہ یوں ہی کہتے... ہم بہت جلد انھیں گرا لیں گے۔" ایک بولا۔

"ٹھیک ہے... یہ کام جلد از جلد کر ڈالو۔"

ان پر ہاتھوں اور لاتوں سے حملہ شروع ہو گیا۔ انھوں نے بھی اپنے ہاتھ اور پیر استعمال کرنا شروع کر دیے... دونوں طرف سے تابڑ توڑ ہاتھ پڑ رہے تھے... لیکن چونکہ ان میں نظم و ضبط بہت تھا... اس لیے انھیں کم سے کم نقصان پہنچ رہا تھا... جب کہ دشمن زیادہ مار کھا رہا تھا... اور اس بات کو انچارج نے جلد ہی محسوس کر لیا...

"یوں کام نہیں چلے گا... لڑائی لمبی ہوتی جا رہی ہے۔" انچارج نے چیخ کر کہا۔

"تب پھر کیا کیا جائے۔" کسی نے پوچھا۔

"ان پر دباؤ ڈالو... ان کے دائرے کے اندر گھس جاؤ... اس طرح یہ جلد ہی لیٹے نظر آئیں گے۔"

دشمن نے اب یہ کوشش شروع کر دی... پچھلے آدمیوں نے اگلوں پر دباؤ ڈالا... اس طرح وہ ان پر گرے... اور ان سب کو بھی دھکا لگا... لیکن دائرہ نہ ٹوٹ سکا۔

تاہم دائرہ دباؤ قبول کر کے پیچھے ضرور ہٹتا چلا گیا۔

"ان کے قدم اکھڑ رہے ہیں... کوشش جاری رکھو۔"

انچارج نے پُرجوش انداز میں کہا۔

عین اسی وقت انھوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی... جو لوگ لڑنے میں محو نہیں تھے، انھوں نے آواز کی طرف دیکھا اور پھر خوشی سے چلّائے:

"مادام زیاماٹا آ گئیں۔"

"واہ... یہ ہوئی نا بات۔"

اتنے میں زیاماٹا بالکل نزدیک پہنچ گئی... اور ہانپتے ہوئے بولی:

"وہ... پروفیسر لوگ کہاں ہیں۔"

"ان... ان کا تو کوئی پتا نہیں چل رہا۔" انچارج نے گھبرا کر کہا۔

"کیا کہا... ان کا کوئی پتا نہیں چل رہا... یہ کیا بات ہوئی... یہاں بھلا چھپنے کی جگہ کہاں ہے۔"

"اس بات پر تو ہمیں حیرت ہے۔"

"اڑن طشتریوں کے ارد گرد دیکھا۔"

"ہاں... وہ اڑن طشتریاں دیکھ چکے ہیں۔"

"تم لڑائی جاری رکھو... میں باقی اڑن طشتریوں

کا جائزہ لے آتی ہوں... ارے مگر... کیا باس نے نہیں بتایا کہ وہ لوگ کہاں چھپے ہیں۔"

"نہیں... باس جانتے تو ہیں... لیکن وہ ہمارا امتحان لینا چاہتے ہیں۔"

"اوہ... تب تو میں بھی یہ امتحان دوں گی۔" زیاماٹا بولی۔

"اور مجھے یقین ہے مس زیاماٹا... کہ تم فوراً معلوم کر لو گی... کیوں کہ عقل سے پیدل نہیں ہو۔"

"شکریہ باس... آخر ہم ان لوگوں سے لڑ کر کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں... آپ ان کے خلاف کیوں کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔"

"مجھے ان کی حرکتیں بہت لطف دے رہی ہیں... مزا آ رہا ہے... یہاں رہتے ہوئے ایسی تفریح کب میسر آئی ہو گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہاں! ورنہ ان لوگوں کو مسل دینا میرے لیے کیا مشکل ہے... میں تو بس یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آخر وقت تک یہ کیا کچھ کر سکتے ہیں۔" باس نے کہا۔

"او کے باس... اب میں تینوں پروفیسر صاحبان کو

تلاش کروں گی۔"

"ضرور... کیوں نہیں۔" باس کی آواز لہرائی۔

زیاماٹا سب سے نزدیک والی اڑن طشتری تک گئی اور سٹینڈ پر چڑھنے لگی۔

"مادام... ہم اس پر چڑھ کر دیکھ چکے ہیں۔" انچارج بولا۔

"کوئی بات نہیں... میں بھی اپنا اطمینان کروں گی۔" وہ بولی... اور چڑھتی چلی گئی... سٹینڈ کے اوپر ایک پھول بنا ہوا تھا... اس پھول پر اڑن طشتری ٹکی ہوئی تھی... اور ایک عظیم سنہری تھال نظر آ رہی تھی... جو درمیان سے ابھرا ہوا تھا... نیچے سے بھی اور اوپر سے بھی... زیاماٹا یہاں بھی نہ رکی اور اڑن طشتری کے اوپر پہنچ گئی... پھر اس نے وہیں سے کہا:

"تو تم تینوں یہاں موجود ہو۔"

"کیا!!!" انچارج اور اس کے کچھ ساتھیوں کے منہ سے نکلا:

"بہت خوب... زیاماٹا... پروفیسر کے ساتھی... یہ بچے بھی جان چکے تھے کہ یہ لوگ کہاں ہیں، لیکن ہمارے آدمی نہ جان سکے... یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے۔"

"اوہ... واقعی۔"

"ہم... ہمیں بہت افسوس ہے باس۔" انچارج نے کانپ کر کہا۔

"خالی افسوس سے کام نہیں چلے گا... سزا ملے گی... جلدی ان لوگوں سے پیچھا چھڑاؤ۔"

"ج... جی۔" انچارج کانپ گیا...

اور انھوں نے دائرے پر اندھا دھند حملہ کر دیا... لیکن وہ بھی کچھ اس طرح جڑ کر لڑ رہے تھے کہ وہ کوشش کے باوجود دائرے کو توڑ نہ سکے... ہاں آگے پیچھے ضرور ہٹا دیتے تھے...

اور پھر اچانک ایک لرزہ خیز چیخ گونجی... سب نے گھبرا کر چیخنے والے کی طرف دیکھا... اس کا جسم کسی کٹے شہتیر کی گرا اور پھر ساکت ہو گیا...

اب انھوں نے مخالف سمت میں دیکھا... وہاں انسپکٹر جمشید کھڑے تھے، اور ان کے ہاتھ میں شعاعی پستول تھا...

اصل محاذ

"اوہ! تم پہنچ گئے... امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی آ جاؤ گے... خیر کوئی بات نہیں، تمھارا استقبال کرنے کے لیے میں پہلے ہی یہاں موجود ہوں۔"

"شکریہ... آ جاؤ... ہو جائیں دو دو ہاتھ..."

کہتے ہی انھوں نے ایک اور فائر کر دیا... ایک چیخ ابھری... انچارج اور اس کے ساتھیوں میں ہل چل کے آثار نمودار ہو گئے...

"گھبرانے کی ضرورت نہیں... میں اوپر سے براہِ راست نیچے آ رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر زیاماٹا نے اڑن طشتری پر سے نیچے چھلانگ لگا دی... وہ ان سے کچھ فاصلے پہ گری... انسپکٹر جمشید کو بھلا اس سے بہتر موقع کیا ملتا... انھوں نے

فوراً اس پر چھلانگ لگا دی... وہ ٹھیک زیاماٹا پر گرے، اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کا بائیں ہاتھ کا مکا اس کی ٹھوڑی پر پوری قوت سے لگا... زیاماٹا کا منہ گھوم گیا... اور پھر وہ ساکت ہو گئی...

اس پر سے اٹھتے ہی انسپکٹر جمشید نے اوپر تلے کئی فائر کر دیے... چیخیں گونجیں اور پھر ان میں بھگدڑ مچ گئی...

"محمود... آصف... آج تم لوگوں کی دوڑ کا امتحان ہے۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"جی... کیا مطلب؟"

"یہ لوگ ان ٹیلا نما عمارتوں کی طرف دوڑیں گے... تم لوگ ان سے پہلے دوڑ پڑو... اور ان میں سے جتنی عمارتوں پر قبضہ کر سکتے ہو کر لو... ادھر میں شعاع سے ان کی خبر لیتا ہوں۔"

"جی بہتر۔"

ان سب نے بھی اس سمت میں دوڑ لگا دی... جس سمت میں انچارج کے ساتھی بھاگ رہے تھے... انسپکٹر جمشید بھی بے تحاشا بھاگ رہے تھے... ساتھ ہی

وہ شعاع بھی فائر کر رہے تھے... ان کی شعاع کی زد میں
بھی آیا... ڈھیر ہو گیا... اور پھر نہ اُٹھ سکا...

عمارتوں تک سب سے پہلے انسپکٹر جمشید پہنچے... و
دشمن کے استقبال کے لیے پوری طرح تیار کھڑے تھے... پھر ا
کے ساتھی پہنچنے لگے...

"ہر ایک، ایک ایک عمارت میں گھس کر دروازہ بند کر
لے۔" وہ بلند آواز میں بولے۔

"بہت بہتر..." انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

اور دھڑا دھڑ عمارتوں میں گھستے چلے گئے... کھٹا کھ
دروازے بند ہونے لگے... اتنے میں دشمن فوج دوڑتی نظر
آئی... انسپکٹر جمشید اب تنہا ان کے مقابلے کے لیے تیار
تھے... جونہی وہ ان کی زد میں آئے، انھوں نے فائر کر
شروع کر دیے... وہ گرتے چلے گئے... تاہم بے شمار دشمن
اِدھر اُدھر ہو کر عمارتوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے
لیکن... زیادہ تر عمارات کے دروازے تو بند ہو چکے تھے
صرف چند ایک کے کھلے ملے تھے... ان میں جتنے آدمی سما
سکے... سما گئے... باقی باہر رہ گئے...

"تم لوگ تو گئے کام سے۔" انھوں نے کہا اور ٹریگر دبا
شروع کر دیا... اچانک پستول نے کام کرنا بند کر دیا... نیچے
ہوئے دشمنوں نے جونہی پستول کو بے کار ہوتے دیکھا... شیر
ہو گئے... ایک نعرہ مارا اور ان پہ ٹوٹ پڑے... ساتھ ہی
انھوں نے چلّا کر کہا:

"آ جاؤ... باہر آ جاؤ... پستول کی شعاع ختم ہو گئی ہے۔"

عمارات کے دروازے جلدی جلدی کھلنے لگے...
نہ صرف دشمن... بلکہ ان کے ساتھی بھی باہر آ گئے... اب
گھمسان کی جنگ چھڑ گئی... لیکن خان رحمان اس مرتبہ دائرہ
نہ بنا سکے... لہٰذا ان میں سے ہر ایک کے مقابلے میں
تین کے قریب آدمی تھے... اور یہ صورت حال نازک تھی؛
ایسے میں منور علی خان نے چلّا کر کہا:

"ہمت جوان رکھنا ساتھیو... اب میں ان پہ اپنا ہتھیار
آزمانے لگا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے ہاتھ میں ایک رسی
نظر آئی... رسی کے سرے پہ لوہے کی کوئی تکونی سی چیز
بندھی ہوئی تھی۔ اچانک وہ رسی گھمانے لگے... پھر رسی
اس قدر تیزی سے گھومنے لگی کہ سرے پہ بندھی ہوئی
کونی چیز دکھائی دینا بند ہو گئی... اب وہ دشمنوں کی
طرف بڑھے... وہ دراصل سب سے آخر میں ایک عمارت
سے باہر نکلے تھے اور یہ ہتھیار ہاتھ میں لیے نکلے تھے۔

پھر جس کے سر پہ بھی وہ ہتھیار لگا... چیخ کر
گرا... عجیب بات یہ تھی کہ یہ ہتھیار پلٹ کر منور علی خان
کے بھی نہیں لگ رہا تھا... شاید اس لیے کہ وہ ایک
سیدھ میں تو پھینکا ہی نہیں جا رہا تھا... اسے تو گولائی
میں حرکت دی جا رہی تھی... یہ ہتھیار دشمنوں کے لیے
بہت جان لیوا ثابت ہوا... پل پل میں وہ اس کا شکار
ہونے لگے... اس کی زد سے بچنے کے لیے جو دشمن ادھر
ادھر ہوتے... انھیں سنبھالنے کے لیے انسپکٹر جمشید اور
ان کے تمام ساتھی موجود تھے... اب وہ بھی انھیں آڑے
ہاتھوں لے رہے تھے... اور ان کی بدحواسی کا خوب
فائدہ اٹھا رہے تھے:

آخر ایک بار پھر ان میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ
عمارات کی طرف بھاگے...

"منور علی خان... یہ ان عمارتوں میں نہ گھسنے پائیں۔" انسپکٹر
جمشید چلائے۔

"جی... لیکن... میں... ان سب کو کس طرح روک سکتا ہوں۔"
انھوں نے گھبرا کر کہا۔

وہ ٹھیک کہہ رہے تھے... رسی کا دائرہ کار اس
قدر نہیں تھا کہ وہ ان سب کو روک سکتے... تاہم جتنے
آدمیوں کو وہ زد میں لے سکتے تھے... لے رہے تھے... دوسرے
بھی بجلی کی طرح وار کر رہے تھے... نتیجہ یہ کہ نصف کے
قریب دشمن ڈھیر ہو گئے... اور باقی عمارات میں پناہ لینے
میں کامیاب ہو گئے...

"اب ہم ان عمارات کا کیا کریں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"مجھے ایک دوسری بات پریشان کر رہی ہے... اور وہ یہ
کہ ہمیں راستے میں انسپکٹر کامران مرزا کیوں نہیں ملے۔"

"اوہ!" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن وہ راستے میں کیوں رہ گئے تھے۔" خان رحمان بولے۔

انسپکٹر جمشید تفصیل سنانے لگے...

"اور ادھر پروفیسر صاحبان اڑن طشتری پر رہ گئے۔" ان کے
خاموش ہونے پر شوکی بولا۔

"ان کی کوئی بات نہیں... انھیں تو وہاں رہنا بھی چاہیے۔
بڑی مشکل یہ ہے کہ ابھی تک باس اس طرف نہیں
آیا... اور جہاں تک میرا خیال ہے... اصل کنٹرول اس کے
ہاتھ میں ہے۔" آصف بولا۔

"ہاں! لیکن تم فکر نہ کرو... ان لوگوں سے نمٹنے کے
بعد ہم اس کی طرف توجہ دیں گے... سوال اس وقت یہ
ہے کہ انھیں عمارات سے باہر کس طرح نکالا جائے۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"ایک تو آپ کا پستول جواب دے گیا ہے... میرا خیال ہے... اسے دوبارہ بھی تو لوڈ کیا جا سکتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! لوڈ کیا جا سکتا ہو گا... لیکن ہم نہیں جانتے، کس طرح لوڈ کریں... لہذا مجبوری ہے... منور علی خان... آپ ان میں سے ایک عمارت کے دروازے پر اپنا کوئی ہتھیار استعمال نہیں کر سکتے۔"

"میں... میں سوچتا ہوں۔"

"ذرا جلدی سوچیں انکل... وقت بہت نازک ہے... ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ باس کس رخ سے ہم پر حملہ آور ہو گا۔" محمود بولا۔

منور علی خان سوچ میں ڈوب گئے... آخر بولے

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

"جی... کیا ٹھیک ہے... یہ بھی تو بتائیں نا۔"

"ان کی بناوٹ سے صاف ظاہر ہے... ہم انھیں توڑ نہیں سکتے... لیکن ہم ان کے اندر تو داخل ہو سکتے ہیں۔"

"وہ... وہ کیسے؟" فاروق بولا۔

بھئی اپنے آنکڑے کے ذریعے۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ ہاں... واقعی... اس کو تو ہم بھول ہی گئے... حالانکہ وہ ہماری ہر مشترکہ مہم کا ایک لازمی حصہ ہے۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ کا مطلب ہے... آپ آنکڑہ کسی ایک عمارت کے سرے پر پھنسا دیں گے اور پھر ہم اس کے ذریعے عمارت پر چڑھ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں!" انھوں نے کہا۔

"لیکن... یہ تو ایک بہت خطرناک کام ہو گا... دشمن آنکڑے کے پاس کھڑا ہو کر ہمارا انتظار کرے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر... آپ ہی بتائیں... ہم کیا کریں۔"

"بھئی میں کیوں بتاؤں... بتائیں فرزانہ اور فرحت..." وہ مسکرائے۔

"جی... جی ہاں... ہم غور کر رہی ہیں۔"

"پتا نہیں... ان کا غور کب ختم ہو گا۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"تم نے اگر صبر کا دامن تھام لیا تو بہت جلد... ورنہ بہت دیر بعد۔" فرحت نے طنزیہ لہجے میں کہا... فاروق لے

جمشید بولے۔

"ایک تو آپ کا پستول جواب دے گیا ہے... میرا خیال ہے... اسے دوبارہ بھی تو لوڈ کیا جا سکتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! لوڈ کیا جا سکتا ہو گا... لیکن ہم نہیں جانتے، کس طرح لوڈ کریں... لہذا مجبوری ہے... منور علی خان... آپ ان میں سے ایک عمارت کے دروازے پر اپنا کوئی ہتھیار استعمال نہیں کر سکتے۔"

"میں... میں سوچتا ہوں۔"

"ذرا جلدی سوچیں انکل... وقت بہت نازک ہے... ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ باس کس رخ سے ہم پر حملہ آور ہو گا۔" محمود بولا۔

منور علی خان سوچ میں ڈوب گئے... آخر بولے:

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

"جی... کیا ٹھیک ہے... یہ بھی تو بتائیں نا۔"

"ان کی بناوٹ سے صاف ظاہر ہے... ہم انھیں توڑ نہیں سکتے... لیکن ہم ان کے اندر تو داخل ہو سکتے ہیں۔"

"وہ... وہ کیسے؟" فاروق بولا۔

"ہائیں... یہ کون لڑ رہا ہے؟" خان رحمان گھبرا کر بولے۔

"انسپکٹر کامران مرزا اور زیاناٹا کے سوا کون ہو گا... انسپکٹر کامران مرزا نے ضرور کنی کترا کر اڑن طشتریوں تک پہنچنے کی کوشش کی ہو گی... اسی لیے یہ ہمیں نظر نہیں آئے... لیکن یہاں زیاناٹا بے ہوش پڑی رہ گئی تھی... ہمارے جانے کے بعد ہوش میں آ گئی ہو گی... لہذا اب یہ دونوں لڑیں نہ تو کیا کریں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"ایک تو ہم ابھی تک اس زیاناٹا کا کانٹا نہیں نکال سکے۔" شوکی نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں... بات تو ٹھیک ہے... باس کی کمر توڑنے کا بہترین طریقہ ہے کہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔" محمود نے کہا۔

"یہ کیا مشکل ہے... آپ لوگ مجھے اجازت دیں۔" منور علی خان بولے۔

"کیسے... اس وقت تو انسپکٹر کامران مرزا اس سے لڑ رہے ہیں۔"

"میں اپنے اس نئے ہتھیار سے کام لے کر اس کا صفایا کر سکتا ہوں۔"

"لیکن انسپکٹر کامران مرزا بھی تو زد میں آ جائیں گے۔"

ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہرگز نہیں آئیں گے... کیا اجازت ہے؟"

"ہاں... کیوں نہیں... اگر ایک بڑا دشمن کم ہو گیا ہے... تو یہ کچھ بُرا نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

عین اس وقت انھوں نے دیکھا... انسپکٹر کامران مرزا نے زیاماٹا کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اچھالا تھا... لیکن دوسرا لمحہ حیران کن تھا... وہ انھیں اپنے پیروں پر کھڑی نظر آئی... اور پھر اس نے انسپکٹر کامران مرزا پر چھلانگ لگا دی... انھوں نے بلا کی تیزی سے جھکائی دی... وہ ان سے آگے بڑھ گئی... پھر رکی اور پلٹ کر مڑی... لیکن اس سے پہلے کہ ان پر چھلانگ لگاتی وہ اس کے نزدیک پہنچ کر ایک لات رسید کر چکے تھے۔ یہ لات اسے ان سے بہت دور لے گئی...

"اب وقت ہے... میں وار کر سکتا ہوں..." منور علی خان بولے... ان کی آواز انسپکٹر کامران مرزا کے کانوں تک پہنچ گئی۔

"نہیں منور علی خان... میں اس کے لیے کافی ثابت ہوں گا... ہاں اگر میں شکست کھا گیا تو پھر تم ضرور وار کر سکتے ہو۔"

منور علی خان رک گئے... ان کا ہتھیار ان کے ہاتھ میں جھولنے لگا... ادھر زیاماٹا اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی... لیکن اٹھ نہ سکی... انسپکٹر کامران مرزا مسکراتے ہوئے اس کے نزدیک پہنچ گئے...

"تمھاری شکست ہو چکی ہے زیاماٹا۔"

"نہیں... میں صرف اور صرف مر کر ہی شکست کھاؤں گی... زندہ حالت میں نہیں۔" اتنا کہتے ہی وہ زور سے اچھلی اور انسپکٹر کامران مرزا گھبرا کر پیچھے ہٹے، لیکن انھیں دیر ہو چکی تھی... زیاماٹا کا سر ان کی ٹھوڑی پر لگا... انھیں ایک زوردار چکر آ گیا... وہ لڑکھڑائے... زیاماٹا نے موقع مناسب جان کر ان کی پنڈلی پہ ایک ٹھوکر رسید کی... یہ ٹھوکر بھی ان کی پنڈلی پہ ہی لگی... انھیں اپنی پنڈلی سن ہوتی محسوس ہوئی... ادھر زیاماٹا دوسرا پیر اٹھا چکی تھی... تاکہ دوسری پنڈلی کا بھی یہی حشر کرے... جونھی اس نے پیر مارا... وہ ایک پیر پہ گھوم گئے... زیاماٹا کا پیر فضا میں لہرا کر رہ گیا... فوراً ہی انسپکٹر کامران مرزا گرے اور اس کا پیر پکڑ کر چکر کھا گئے... زیاماٹا چکرائی اور چکرا کر زور سے گری... دوسرے ہی لمحے انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی پسلیوں پہ ایک چھلانگ لگائی...

زیاماٹا کی چیخ نے فضا کو تھرا دیا... خود ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے... وہ زور سے تڑپی اور پھر ساکت ہو گئی...

"کیا... کیا یہ مر گئی۔" شوکی نے کانپ کر پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا اس کی طرف بڑھے... اس کی نبض پر ہاتھ رکھا، پھر سیدھے ہو کر بولے:

"ابھی زندہ ہے... لیکن مکمل طور پر بے ہوش، اور اب جلد ہوش میں نہیں آ سکے گی... پھر بھی میرا خیال ہے، اسے باندھ دینا چاہیے۔"

"ضرور کیوں نہیں... باندھنے کا کام میرے ذمے رہا۔" منور علی خان نے خوش ہو کر کہا اور اپنے بیگ میں سے رسی نکال کر زیاماٹا کی طرف بڑھ گئے...

❀

"اب ہم اڑن طشتریوں کے نزدیک پہنچ کر ان کا آزادانہ جائزہ لے سکتے ہیں، اگر زیاماٹا کے ساتھیوں نے نزدیک آنے کی کوشش کی تو منور علی خان کا ہتھیار ان کے مزاج پوچھ لے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گویا... پہلے محاذ پر ہمیں فتح نصیب ہو گئی ہے۔" آصف بولا۔

"ہاں! ابھی اصل محاذ باقی ہے... اڑن طشتریاں اور باس۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

جلد ہی وہ اڑن طشتریوں کے نزدیک پہنچ گئے، پروفیسر صاحبان انھیں کہیں بھی نظر نہ آ سکے:

"آپ لوگ کہاں ہیں... ہم آ گئے ہیں۔"

"ہم ادھر ہیں... اور اپنا معائنہ مکمل کر چکے ہیں۔"

"بھئی بہت خوب... پھر تو مزا آ گیا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

دوسری اڑن طشتری کی اوٹ سے نکل کر دونوں پروفیسر سامنے آ گئے... وہ ان کی طرف قدم اٹھانے لگے... نزدیک پہنچ کر فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں پوچھا:

"ہاں تو معائنے کا نتیجہ کیا نکلا۔"

"نتیجہ یہ نکلا کہ ہم مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔" پروفیسر غوری بولے۔

"جی... کیا مطلب... ابھی ابھی تو آپ نے کہا

تھا کہ..." آفتاب ہکلایا۔

"بالکل ٹھیک کہا تھا... لیکن معائنہ مکمل کر لینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم ہر بات سمجھ گئے ہیں۔" پروفیسر عقلان نے منہ بنایا۔

"اوہ... تب پھر..." مکھن نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے... یہ اڑن طشتریاں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں۔"

"نہیں... اور اس کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔"

"وہ وجہ کیا ہے۔"

"ہم ان کو اندر سے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے... جب تک ہم ان کو اندر سے نہیں دیکھ لیتے اس وقت تک ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

"اور اندر سے دیکھنا آپ کے لیے کیوں ممکن نہیں... اب تو ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔"

"یہ اڑن طشتریاں بالکل بند خول کی طرح ہیں... گویا مشینری پر خول منڈھ دیے گئے ہوں... اور یہ خول کسی جانی پہچانی دھات کے نہیں ہیں... نہ جانے کون سی دھات استعمال کی گئی ہے... یا کتنی دھاتیں ملا کر یہ دھات تیار کی گئی ہے۔"

"ہوں... مطلب یہ ہوا کہ جب تک آپ اس خول کو کھولنے کے قابل نہیں ہو جاتے، اس وقت تک آپ کچھ نہیں کر سکتے۔"

"ہاں! اور اس کا ایک مطلب اور بھی ہے۔" پروفیسر داؤد نے مردہ آواز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ... اس قدر جد و جہد کے بعد... اس قدر مار کاٹ کے بعد... اتنی مصیبتیں بھرنے کے بعد اور اتنی کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد بھی... ہم کامیابی سے کوسوں دور ہیں... بلکہ دور دور تک کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا۔"

"مایوسانہ باتیں تو نہ کریں انکل۔" فاروق نے رو دینے کے لہجے میں کہا۔

"ہم... ہم کیا کریں... مجبور ہیں۔" پروفیسر غوری بولے۔

"تب پھر، ہم سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، اور غور شروع کر دیتے ہیں... سوائے اس کے ہم کچھ نہیں کر سکتے کہ اپنی اپنی عقلوں کو آواز دیں۔"

"ضرور آواز دو... لیکن میرا خیال ہے... ہم پوری طرح ان کے قبضے میں ہیں... وہ بلا وجہ خاموشی سے ہماری

ساری کارروائی نہیں دیکھتا رہا... اچھی طرح جانتا تھا کہ [illegible]
لوگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے... ان اڑن طشتریوں [illegible]
کچھ نہیں کر سکتے... ورنہ وہ پہلے ہی ہمارے خلاف [illegible]
قدم اٹھا سکتا تھا... جو شخص لہروں کی دیوار کے اس [illegible]
بیٹھ کر ان سب لوگوں کو کنٹرول کرتا ہے... اڑن طشتر[illegible]
کو اڑاتا ہے... وہ اتنا سیدھا تو نہیں ہو سکتا کہ ہمیں [illegible]
دیس میں داخل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ٹ[illegible]
سے مس نہ ہو... ظاہر ہے، وہ اس لیے ٹس سے م[illegible]
نہیں ہوا کہ ہم اس کے لیے کوئی خطرہ ثابت نہیں [illegible]
سکتے۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"چلیے... یہ تو مانا... لیکن ہم بھی تو عام آدمی نہیں
ہیں... اپنی کوشش کیے بغیر تو ہم بھی نہیں رہیں گے"
انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بالکل ٹھیک... ہم یا تو اپنی جانیں دے دیں گے
یا یہاں سے کامیاب لوٹیں گے۔"

"ایک تجویز میری بھی ہے۔" انھوں نے باس کی آواز
سنی:

"اور وہ کیا؟" آصف نے فوراً کہا۔

"یہ کہ... واپسی کا راستا کھلا ہے... تم لوگ جس راستے

سے یہاں تک آئے ہو، بالکل اس راستے سے واپس چلے
جاؤ... تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا... اپنے اتنے بہت سے
ساتھیوں کا خون بھی میں معاف کرنے کے لیے تیار ہوں،
تم بس واپس چلے جاؤ... لیکن ابھی اور اسی وقت۔"

"کیا ہمیں اس پیش کش پر غور کرنے کی اجازت بھی
نہیں؟"

"ٹھیک ہے... میں تمھیں مہلت دیتا ہوں... آدھ
گھنٹے کی... اگر آدھ گھنٹے کے اندر تم لوگوں نے
یہاں سے واپس جانے کا فیصلہ نہ کیا تو پھر میں اپنا
کام شروع کر دوں گا۔"

"اپنا کام... کیا مطلب؟"

"اپنا کام... کچھ خوش گوار نہیں ہو گا تم لوگوں کے
لیے۔"

"اچھی بات ہے... ہم پہلے غور کر لیں، پھر اپنے
فیصلے سے آگاہ کریں گے۔"

"او کے۔" اس نے کہا اور خاموشی چھا گئی۔

وہ پندرہ منٹ تک سوچ میں ڈوبے رہے...

آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"مہلت کے صرف پندرہ منٹ باقی ہیں... پروفیسر صاحبان"

"...آپ کا کیا فیصلہ ہے؟"

"ہمارا فیصلہ واپسی کا ہے۔" پروفیسر غوری نے کہا۔

"اور... آپ لوگوں کا؟"

"ہم تو یہاں کٹ مرنا چاہتے ہیں۔" محمود بولا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں... ہمارے یہاں کٹ مرنے سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔" انسپکٹر کامران بولے۔

"ویسے بھی تو دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔" آصف نے منہ بنایا۔

"ہاں! لیکن ہم بلا وجہ جان کیوں دیں... یہ تو خودکشی کے برابر ہو گا۔" پروفیسر غوری نے کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے... جیسے سب بڑے واپس جانے پر تُل گئے ہیں... اور سب چھوٹے یہیں رہنا چاہتے ہیں۔" شوکی نے کہا۔

"ہم چھوٹوں کی خواہش کا بھی احترام کریں گے؟ اگر سب چھوٹے یہ فیصلہ سنائیں گے کہ جانا نہیں چاہتے تو پھر ہم بھی رکیں گے۔" خان رحمان نے کہا۔

"لیکن جب تک بڑوں کی مرضی نہ ہو... ہم ایسا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔" فاروق نے کہا۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں۔" آفتاب نے کہا۔

"تب پھر... بڑوں کی رائے یہ ہے کہ ہم لوٹ جائیں۔"

"کیا میں کچھ کہہ سکتی ہوں۔" فرزانہ کی آواز ابھری۔

"ہاں ضرور... کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ سب فرزانہ کی طرف گھوم گئے۔

"کیا ہم لہروں کی دیوار سے ٹکرا چکے ہیں؟"

"نہیں تو۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"جب کہ ہم نے ابھی لہروں کی دیوار کو نہیں آزمایا... اس کو عبور کر کے پاس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی... اس صورت میں ہم واپس کس طرح جا سکتے ہیں... دیکھ لیں، سوچ لیں... کہیں واپس پہنچنے پر ہم یہ حسرت نہ محسوس کرتے رہ جائیں... کہ ہم نے لہروں کی دیوار کو آزمایا ہی نہیں تھا۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

سب پر سکتہ طاری ہو گیا... واقعی اس پہلو پر ابھی تک کسی نے غور نہیں کیا تھا... آخر انسپکٹر کامران کی آواز گونجی:

"شکریہ فرزانہ... تم نے ایک بہت معقول بات کہی... ہم اس دیوار سے ضرور ٹکرائیں گے... اگر ہم اسے عبور نہ

کر سکے تو پھر واپس لوٹ جائیں گے۔"

"لیکن... شاید... باس اس فیصلہ کو منظور نہ کرے۔" آصف بولا۔

"تو پوچھ لیتے ہیں... کیوں مسٹر باس... آپ نے ہماری گفتگو سنی؟"

"ہاں... سُن چکا ہوں۔"

"تو پھر... آپ کیا کہتے ہیں؟"

"آپ لوگ دیوار کو مجبور نہیں کر سکیں گے... ایسا کر کے خود کو خطرہ میں ڈالنا ہو گا... میں تو یہی کہوں گا لہروں کی دیوار کا خیال دلوں سے نکال کر واپسی کی ٹھان لیں۔"

"مسٹر باس... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" فرحت نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ کیا!"

"آخر آپ کو ہماری واپسی سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ اگر ہم یہاں مر کھپ بھی گئے تو کیا ہے... اور تھوڑے لوگوں کی لاشیں اب آپ کے ساتھیوں کو اٹھانا پڑیں گی۔"

"ہوں... بات لاشوں کو اٹھانے کی نہیں۔" باس نے کہا۔

"تو پھر... بات کس کی ہے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"بات... کس کی... ہے۔" باس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"ہاں! بات کس کی ہے... یہ بتائیں نا۔" فاروق سے بولا۔

"بات کسی کی ہے ضرور... لیکن میں بتا نہیں سکتا۔" باس کی سرسراہٹ زدہ آواز ابھری۔

"گویا کوئی بات ایسی ہے... جس کی موجودگی میں آپ خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

"خطرہ... اور تم سے...؟" باس ہنسا... لیکن انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا فوراً تاڑ گئے کہ کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور... آخر انسپکٹر کامران مرزا نے کہا:

"خیر... ہم واپسی کا فیصلہ کر لیتے ہیں... لیکن ہمیں لہروں کی دیوار سے تو دو دو باتیں کرنے کی اجازت دی جائے۔"

"اگر آپ لوگ ضرور ٹکرانا چاہتے ہیں دیوار سے تو میں کیا کر سکتا ہوں... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے...۔" باس نے بے فکری کے لہجے میں کہا۔

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کر
ے ہوں... کیوں بھئی... اب کیا کیا جائے... آخر محمود

ہا:
ہمارا ہم لہروں کی دیوار کا سامنا ضرور کریں گے... اس کے
ضرور واپسی کی ٹھانیں گے... کسی کو کوئی اعتراض ہو
بیان کر سکتا ہے۔"
"نہیں... کوئی اعتراض نہیں۔" سب ایک ساتھ بولے۔
اور ان کا قافلہ لہروں کی دیوار کی سمت میں چل
پڑا... ذیاباٹا کو انھوں نے جوں کا توں چھوڑ دیا... اور
پھر... لہروں کی دیوار ان کے سامنے تھی:

آواز میں جادو

ایک بالکل سفید رنگ کی چادر سی تنی ہوئی وہ
صاف دیکھ سکتے تھے... اس کی لمبائی کا وہ کوئی اندازہ
نہیں کر سکے... جہاں تک نظریں دوڑائیں... دیوار کے آثار
نظر آئے... بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ سفید دھوئیں کی
دیوار ہو... یہی حال اس کی اونچائی کا تھا... وہ اوپر دھند
کے بادلوں تک چلی گئی تھی...
"کیا ہم اسے پار کر سکتے ہیں۔" اخلاق بڑبڑایا۔
"کوئی چیز پھینک کر دیکھ لیتے ہیں۔" شوکی نے کہا اور
بڑوں کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا، انھوں نے سر ہلا
دیے... شوکی نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا... ہاتھ باہر نکلا
تو اس میں ایک پنسل تراش تھا... اس نے وہ دیوار کی طرف
اچھال دیا... پنسل تراش فوراً واپس پلٹا اور اس کی پیشانی پر

لگا...

"ارے باپ رے... یہ تو بالکل کسی گولی کی طرح آ کر لگا
ہے۔" شوکی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"تو کس نے کہا تھا... پنسل تراش اچھالنے کے بعد اپنی
جگہ پر کھڑے رہنا۔" محمود نے جل کر کہا۔

"ہم... میرے دل نے۔"

"بس تو پھر اپنے دل کو کوسو۔"

شوکی نے ہاتھ ہٹایا تو پیشانی پر خون کی جھلک
نظر آئی۔

"یہ تو ہوئی کوئی چیز پھینکنے کی بات... سوال یہ ہے کہ
ویسے بھی ہم اس میں سے گزر سکتے ہیں یا نہیں۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"اب ویسے گزرنے کا تجربہ کس طرح کریں۔

"ہم میں سے ایک گزر کر تجربہ کر سکتا ہے... لہٰذا یہ
تجربہ میں کروں گا۔" خان رحمان بولے اور ساتھ ہی انھوں
نے چند قدم بھی بڑھائے۔

"ٹھہرو خان رحمان... پہلے غور کر لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید
جلدی سے بولے۔

"جیسے تمھاری مرضی... میں تو کہتا ہوں... کیا غور کرنا۔"

جو ہونا ہے... ہو جائے۔" وہ بولے۔

"اوہو... بھئی سوچ لینے میں کیا حرج ہے۔"

وہ سوچ میں ڈوب گئے... پھر پروفیسر داؤد نے
کہا:

"منور علی خان... آپ کے تھیلے میں کوئی لمبی سی چیز
ہو گی۔"

"لوہے اور لکڑی کی ایک چھڑی موجود ہے... اس کے
سرے پر ایک ہتھیار لگا ہوا ہے... میں نے اس ہتھیار
سے کئی بار سوروں کو بھگایا ہے۔" انھوں نے جلدی
جلدی کہا۔

"شکریہ... ذرا وہ مجھے دے دیں۔" وہ بولے۔

منور علی خان سے چھڑی لے کر پروفیسر داؤد
دیوار کی طرف بڑھے... باقی سب کے دل دھک دھک
کرنے لگے۔ انھوں نے چھڑی کو لکڑی کے دستے سے
پکڑا اور دیوار میں داخل کر دیا... چھڑی کا اگلا حصہ دیوار
میں داخل ہو گیا... اور پروفیسر صاحب کو بھی کچھ نہ ہوا...
اب انھوں نے دوسری طرف سے چھڑی کو پکڑا...
اور چھڑی کو دیوار میں داخل کیا... اب ان کے ہاتھ میں
لوہے کا کانٹا سا ایک دستہ تھا... جونہی لوہے والا

حصہ دیوار میں داخل ہوا، پروفیسر داؤد اچھل کر ان کے پاس
آ گرے... ان کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی... وہ گھبرا گئے
سب پروفیسر کی طرف لپکے... منور علی خان کا ہتھیار اب ان
کے ہاتھ میں نہیں تھا...

"ارے میرا ڈنڈا کہاں گیا؟"

"وہ... وہ شاید... دیوار کے پیچھے ہوگا۔"

انھوں نے جلدی سے نظریں گھمائیں... چھڑی واقعی
نیچے گری پڑی تھی...

"اس کا مطلب ہے... دیوار عبور کریں گے تو جھٹکا
لگے گا... اور ہم لوگ واپس آ کر گریں گے..." منور علی خان
بولے۔

"ہاں! اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں... ہمارے پاس تو
ربڑ کا لباس بھی نہیں ہے۔"

"ارے... مگر..." فرزانہ چلائی۔

"ارے مگر کیا..." فرحت اس کی طرف مڑی... باقیوں
نے بھی فرزانہ کو گھورا۔

"زیادتی..."

فرزانہ نے کچھ کہنا چاہا، لیکن انسپکٹر جمشید نے فوراً اس کے
منہ پر ہاتھ رکھ دیا... اور سرد آواز میں بولے:

"بس فرزانہ... آگے کچھ نہ کہنا... میں ابھی آیا۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے واپس اسی سمت میں دوڑ
لگا دی جس طرف سے آئے تھے... آن کی آن میں وہ
ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے...

"یہ... یہ انھیں کیا ہوا۔" منور علی خان گھبرا گئے۔

"کک... کہیں... میرے دوست کا دماغ تو نہیں چل گیا۔"
پروفیسر داؤد نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"فرزانہ... تم کیا کہنا چاہتی تھیں۔" خان رحمان بولے۔

"م... میں... میں۔" وہ ہکلائی۔

"یہ بے چاری کیا بتائے گی... ابا جان اس کی زبان
کتر گئے ہیں۔" فاروق بولا۔

"تو پھر... تم ہی بتا دو... یہ کیا کہنا چاہتی تھی۔" پروفیسر
عقلان نے بے چین ہو کر کہا۔

"میرا خیال ہے... ہمیں انتظار کر لینا چاہیے۔" محمود بولا۔

"ہاں! انتظار میں بہت برکت ہے۔" آفتاب خوش ہو کر
بولا۔

"یا وہ اتفاق میں ہوتی ہے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"کیا خبر... انتظار میں بھی ہوتی ہو۔" مکھن مسکرایا۔

"کیوں صاحبان... کبھی آپ میں سے کسی نے...

انتظار میں برکت نہیں ہے۔" فاروق بولا۔

"نن... نہیں تو۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اور سنیں گے بھی نہیں... لیکن آفتاب نہیں مانے گا۔"

"ہوا جو ہٹ دھرم۔"

"ارے... میں ہندو نہیں ہوں۔"

"یہ کس بے وقوف نے کہا ہے۔"

"خود تم نے ہی کہا ہے اپنے آپ سے۔" فاروق نے کہا۔

"گویا... یہ خود ہی بے وقوف ہے۔" محمود بولا۔

"میں اور بے وقوف... ابھی بتاتا ہوں۔" آفتاب نے کہا اور محمود کی طرف جھپٹا۔

"ارے ارے بھئی... یہ تو مذاق ہو رہا ہے۔" محمود گھبرا گیا۔

"ایسی کی تیسی مذاق کی..." آفتاب نے چیخ کر کہا اور محمود کے قریب رکتے ہوئے ایک مکا اس کی ناک پر دے مارا...

محمود نے فوراً سر کو جھٹکا دیا... اس کے عین نیچے اکرام موجود تھا... لہٰذا مکا اس کی ٹھوڑی پر لگا...

"ارے باپ رے۔" اکرام گھبرا گیا۔

"بہت اچھے نشانہ باز ہو۔" محمود نے تعریف کی۔

"اب تو میں ہرگز نہیں رکوں گا..." آفتاب نے کہا اور پھر محمود پر جھپٹا۔

"بھبھ... بھئی... کہیں سچ مچ نہ لڑنے لگ جانا..." پروفیسر داؤد گھبرا کر بولا۔

"ہائیں انکل... تو کیا آپ کے خیال میں ہم جھوٹ موٹ لڑ رہے ہیں۔" محمود جلدی سے بولا اور ساتھ ہی اس نے پینترہ بدل کر خود کو آفتاب کے وار سے بچایا... ابھی تک اس نے کوئی ہاتھ مارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اوہو... اچھا... ہم... میں تو یہی سمجھا تھا... ارے بھئی... کامران مرزا... یہ تو سچ مچ لڑ رہے ہیں... انھیں چھڑاتے کیوں نہیں۔"

"میں اس روز روز کی لڑائی سے تنگ آ گیا ہوں، انھیں لڑ ہی لینے دیں... نکال لینے دیں دلوں کی بھڑاس۔" وہ بولے۔

"ہائیں ہائیں... کوئی چوٹ ووٹ لگ جائے گی..." پروفیسر غوری بولے۔

"ووٹ کی تو خیر کوئی بات نہیں... بے شک لگ جائے لیکن چوٹ نہ لگے بس۔" آصف مسکرایا۔

ادھر آفتاب اور محمود ابھی تک چکر پھیریاں سی

کاٹ رہے تھے، اور اس حالت میں وہ لہروں
بالکل نزدیک پہنچ گئے...

"خبردار... تم لڑتے لڑتے لہروں کی دیوار کے
پہنچ گئے ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔

"تو کیا ہوا انکل... یوں بھی تو... ہم دیوار پار
کرنا چاہتے ہیں۔"

"ارے بھئی... اس میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔" پروفیسر
چلائے۔

"اوہ... واقعی... یہ بات تو ہم بھول ہی گئے۔
بھئی آفتاب... دیوار میں کرنٹ ہے۔"

"ہوتے دو... ہمیں کیا۔" آفتاب بولا۔

"ہاں ٹھیک تو ہے... اگر اس میں کرنٹ ہے
ہمیں کیا..." محمود نے کہا۔

"د... دماغ تو نہیں چل گیا... تم دونوں کا"
فاروق نے چیخ کر کہا۔

"دماغ ان کا چلتا ہے... جو چیختے ہیں۔" محمود
پُرسکون آواز میں کہا۔

"تمھارا مطلب ہے... میرا دماغ چل گیا ہے۔"
نے اور بھی تیز آواز میں پوچھا۔

"ہاں... اور کیا... بالکل..." آفتاب نے فوراً کہا۔

"ٹھہرو... میں تمھیں بتاتا ہوں۔" فاروق نے تلملا
کر کہا اور اس کی طرف جھپٹا۔

"تو اب تم بھی مجھے بتاؤ گے... بتانے کے لیے
ایک محمود ہی کیا کم تھا... خیر... تم بھی آؤ۔" آفتاب بولا۔

"نہیں نہیں آفتاب... ابھی میں زندہ ہوں۔" آصف
نے جلدی سے کہا اور ان کی طرف بڑھا۔

"تو میں نے کب کہا کہ تم مردہ ہو۔" آفتاب بولا۔

"ہاں! بتاؤ... کیا کہا۔"

"ہم... میرا مطلب ہے... یہ دو تم پر ایک ہی وقت
اگر حملہ آور ہوں گے تو میں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔"

"تو اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ آنکھیں بند
کر لو۔" فاروق بولا۔

"آنکھیں بند کریں آصف کے دشمن۔" فرحت چلائی۔

"حد ہو گئی... اور سوتے وقت جو ہم روزانہ آنکھیں
بند کرتے ہیں۔" پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

"ان... انھیں... انھیں کیا ہو گیا ہے۔" اشفاق نے
گھبرا کر کہا۔

"یہ پاگل ہو گئے ہیں۔" شوکی نے مسکرا کر کہا۔

"اور ہم کھڑے دیکھتے رہیں۔" اشفاق نے منہ بنایا۔

"تو پھر... تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"انھیں چھڑانا چاہیے... ہم یہاں آپس میں لڑنے تو نہیں آئے۔"

"بات تو ٹھیک ہے... آؤ چھڑاتے ہیں۔" اخلاق نے کہا۔

"جاؤ... جاؤ... تم ہی جاؤ... میں ایسے جھگڑوں میں اپنی ٹانگ نہیں پھنسایا کرتا۔" شوکی نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے مکھیاں اڑائی ہوں۔

"تو... بھائی جان... آپ مزے سے بیٹھے ان کا لڑنا دیکھیں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں... یہ ایک دلچسپ نظارا ہوگا۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم... ہم... آپ کو ایسا نہیں سمجھتے تھے۔" مکھن نے منہ بنایا۔

"تو پھر... تم مجھے کیسا سمجھتے تھے۔" شوکی نے آنکھیں نکالیں۔

"بہت اچھا... بہت ہی نیک... بہت ہی ہمدرد... بہت ہی مہربان، بہت ہی خدا ترس... دوسروں کے

دکھ پر رو دینے والا..." مکھن نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہو... اچھا... یہ سب باتیں تو میں نے خواب میں بھی اپنے لیے نہیں سوچیں۔" شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"بس رہنے دیں... آپ ہمیں باتوں میں لگا کر ان کے درمیان جانے سے روکنا چاہتے ہیں... جب کہ ہم نہیں رکیں گے۔"

اتنا کہہ کر تینوں اندھا دھند ان کی طرف لپکے... وہ سب اب بے تحاشا لڑ رہے تھے... سب بڑے آنکھیں پھاڑے انھیں لڑتا دیکھ رہے تھے... ایسے میں پروفیسر عقلان بولے۔

"ہم سے تو یہ اشفاق، اخلاق اور آفتاب ہی اچھے رہے۔ انھیں چھڑانے کے لیے تو جا رہے ہیں۔"

"تو آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں... یہ کہ ہم انھیں چھڑائیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں!" انھوں نے فوراً کہا۔

"بہتر ہوگا... یہ کام آپ ہی کریں۔" منور علی خان بولے۔

"ضرور کیوں نہیں... دو لڑنے والوں کی صلح کرانا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور میں اس نیکی کے کام

میں حصہ ضرور لوں گا۔" پروفیسر عقلان نے کہا اور وہ بھی اخلاق
وغیرہ کے ساتھ ان کی طرف بڑھے... یہاں تک کہ وہ ان
کے نزدیک پہنچ گئے... اور ساتھ میں چلائے:
"مت لڑو... مت لڑو... رک جاؤ... ٹھہر جاؤ... بڑی
بات ہے... دیکھو تو... دشمن کیا سمجھیں گے... کہ یہ تو آپس
میں لڑ رہے ہیں... ہم سے کیا لڑیں گے۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ ان کے درمیان
پھنس گئے اور پھر ان کے منہ سے چیخیں نکل گئیں،
کیوں کہ ان کے تابڑ توڑ ہاتھ... جو ایک دوسرے پر برس رہے
تھے... ان پر برس گئے... وہ گھبرا کر باہر نکل گئے...
اخلاق اپنی ٹھوڑی پکڑ کر بیٹھ گیا... آفتاب کا
ہاتھ ناک پر تھا... اشفاق اپنی پنڈلی پکڑے بیٹھا تھا...
اور پروفیسر عقلان کا ہونٹ سرخ نظر آ رہا تھا... شاید
ان کے ہونٹوں پر مکا لگا تھا...
"آپ لوگ باہر کیوں آ گئے... نیکی کا کام جاری رکھیے
نا۔" خان رحمان مسکرائے۔
"یہ... یہ تو... واقعی پاگل ہو گئے... ان پر تو لڑنے کا
بھوت سوار ہو چکا ہے۔" پروفیسر عقلان بولے۔
"اب آپ نے درست اندازہ لگایا... اس لیے تو

آگے نہیں بڑھے تھے۔"
"تت... تو کیا... ان پر پاگل پن کے دورے پڑتے
ہیں۔"
"نہیں... لیکن کبھی کبھی یہ اس طرح مرنے مارنے پر
ضرور تل جاتے ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔
"توبہ... توبہ... اب انھیں کون سمجھائے... بھئی کامران مرزا
آپ ہی کچھ کریں۔"
"اس وقت یہ میری بھی نہیں سنیں گے... اور اگر
میں چھڑانے کے لیے آگے بڑھا تو میرا بھی یہی حال
ہو گا۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔
"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔
اب ان سب کی نظریں لڑنے والوں پر جمی تھیں۔
وہ ایک دوسرے پر خوب مکے برسا رہے تھے... ایک
دوسرے کو نوچ رہے تھے... کھسوٹ رہے تھے...
بھنبھوڑ رہے تھے... جھنجھوڑ رہے تھے، دانت کچکچا رہے
تھے... یوں لگتا تھا... ایک دوسرے کو کاٹ کر رکھ دیں
گے... چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے...
"کک... کچھ کریں... انسپکٹر کامران مرزا کچھ کریں۔" پروفیسر
عقلان نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"ہیں... کیا کروں... اچھا خیر... کوشش کرتا ہوں۔" یہ کر
کر وہ چند قدم ان کی طرف بڑھے اور بولے۔

"دیکھو... رک جاؤ... میں ہاتھ جوڑتا ہوں... اپنی طاقت
ضائع نہ کرو... ابھی تو ہم یہاں کچھ بھی کامیابی حاصل
نہیں کر سکے... اگر تم اسی طرح لڑتے رہے تو کسی
قابل بھی نہیں رہ جاؤ گے۔"

لیکن ان کی کسی نے نہ سنی۔

"دیکھا پروفیسر صاحب... میں نے کہا تھا نا... یہ نہیں
مانیں گے۔"

"آخر یہ کس طرح مانیں گے۔"

"لڑ لڑ کر جب تھک کر چور ہو جائیں گے، تو
خود ہی رک جائیں گے۔"

"لیکن یہ کب تھکیں گے۔" پروفیسر غوری نے کہا۔

"پتا نہیں..." انھوں نے کندھے اچکائے۔

"اور... اور ادھر انسپکٹر جمشید نہ جانے کہاں چلے گئے
ہیں۔"

انھوں نے اس سمت میں دیکھا... جس طرف
انسپکٹر جمشید گئے تھے... لیکن ان کا دور دور تک پتا
نہیں تھا... ان کی نظریں پلٹ آئیں... ادھر لڑائی

زور شور سے جاری تھی... اچانک فرحت کے منہ سے ایک
بلند چیخ نکلی... اور وہ اچھل کر گری... پھر اس کا
جسم ساکت ہوتا نظر آیا...

"ہم... میری بچی... کو کیا ہو گیا... آصف... میں
تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" منور علی خان گرجے...
اور ان کی طرف جھپٹے۔

"منور علی خان... آپ ہوش میں تو ہیں... اس میں آصف
کا کیا قصور ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں! میں ہوش میں نہیں ہوں... دیکھتے نہیں... فرحت
کو کیا ہو گیا ہے۔"

"صرف بے ہوش ہو گئی ہے... ابھی ہوش میں آ
جائے گی۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں نا... ضروری تو نہیں کہ وہ ابھی
ہوش میں آ جائے۔"

"تو پھر پہلے فرحت کو اٹھا کر یہاں لے آئیں... اس
کو دیکھ لیں... کہ ہوش میں آنے کے قابل ہے یا
نہیں... اور پھر آصف کی طرف قدم بڑھائیں۔"

"ہاں! میں یہی کروں گا۔"

پروفیسر صاحبان اب تھر تھر کانپ رہے تھے...

چھوٹوں کی لڑائی بڑوں تک آنے لگی تھی... منور علی خان
جلدی سے فرحت تک پہنچے، اور اس پر جھکے... عین اسی
وقت ان کے پہلو پہ ایک لات لگی... وہ دھڑام سے گرے،
وہ جھلا کر اٹھے، مڑ کر دیکھا، لیکن یہ نہ جان سکے کہ
کس کی لات لگی تھی... چنانچہ چلا کر بولے:

"کس نے لات ماری تھی مجھے۔"

"یہ تو شاید قرعہ اندازی سے پتا چل سکے گا۔" فاروق نے
لڑتے لڑتے کہا۔

"میں ابھی تک یہی خیال کر رہا تھا کہ تم لوگ ایکٹنگ
کر رہے ہو۔" اچانک باس کی آواز سنائی دی۔

"ایکٹنگ... مسٹر باس... ایکٹنگ ہے یہ۔" محمود نے چلا
کر کہا۔

"نہیں... یہ تو سچ مچ کی لڑائی ہے... کیا تم واقعی
اس طرح لڑ پڑتے ہو۔" باس نے حیران ہو کر کہا۔

"جی بس... کیا بتائیں... آ جاتا ہے... ہمیں بھی غصہ۔"
آفتاب نے کہا۔

"ویسے لڑائی ہے مزے دار۔"

"تو... آپ کو مزا آ رہا ہے... اور یہاں ہم چوٹ
پر چوٹ کھا رہے ہیں۔" آصف بولا۔

"کبھی مزا نہیں آئے گا تو کیا آئے گا... تم ہی
بتا دو۔"

عین اسی وقت خان رحمان نے دور سے کسی کو
آتے دیکھا...

"شش... شاید انسپکٹر جمشید آ رہے ہیں۔" وہ بلند
آواز میں بولے۔

"تو آنے دیں... ہم کیا کریں۔"

"اگر انھوں نے تم لوگوں کو اس طرح لڑتے دیکھ لیا تو
بہت ناراض ہوں گے۔"

"ہونے دیں ناراض۔" آصف نے کہا۔

"کہیں تم سچ مچ ہی تو پاگل نہیں ہو گئے۔" خان رحمان
نے چیخ کر کہا۔

"ہائیں... تو آپ کو ابھی تک یہ بات معلوم نہیں ہوئی۔"
محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی...

"ک... کون سی بات۔" خان رحمان نے ہکلا کر کہا۔

"یہی کہ ہم پاگل ہو گئے ہیں۔"

"ارے باپ رے... اب کیا ہو گا۔" خان رحمان نے
گھبرا کر کہا۔

"وہی ہو گا جو اللہ کو منظور ہو گا۔" شوکی نے فوراً کہا۔

"ایک شوکی اب ہے جو ابھی تک پُرسکون ہے... نہ تو اسے غصہ آیا... نہ اس نے لڑائی میں حصہ لیا... نہ چیخا، نہ چلایا۔" منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

"میں... میں کیا کروں انکل۔" اس نے منہ بنایا۔

"کیوں کیوں... کیا ہوا۔"

"مجھے یہ سب کچھ آتا ہی نہیں۔"

"کیا مطلب... تمھیں غصہ نہیں آتا۔" منور علی خان بولے۔

"جج... جی... نہیں۔"

"اور نہ چیخنا چلانا آتا ہے... نہ لڑنا بھڑنا۔"

"نہیں۔" اس نے کہا۔

"تب تم... جاسوس کس طرح ہو گئے۔"

"بس ذرا فرضی قسم کا جاسوس ہوں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"بس رہنے دو... یونہی باتیں نہ بناؤ... اصل بات یہ ہے کہ تم سرے سے بزدل ہو۔" آصف نے جل بھن کر کہا۔

"میں بُرا نہیں مانوں گا... تم شوق سے مجھے بزدل کہہ لو۔" وہ مسکرایا۔

"میں نے اب انھیں پہچان لیا ہے... وہ واقعی انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"تو ہوں گے... ہمیں کیا۔" محمود بولا۔

"وہ آ کر منہ سے ایک آواز نکالیں گے اور تم لوگوں کی سٹی گم ہو جائے گی۔"

"اور یہ اچھا ہی ہو گا... اس لیے کہ مدت ہو گئی، ہماری سٹی گم نہیں ہوئی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اُف مالک... یہ... یہ تو واقعی پاگل ہو گئے ہیں۔"

"تو آپ کو ابھی تک شک تھا... کمال ہے۔"

"اب... اب یقین آ گیا ہے... خان رحمان... اب کیا ہو گا... ہم اتنے پاگلوں کا کیا کریں گے۔"

"اچار... اچار ڈالیں گے... آپ فکر نہ کریں... آنے دیں میرے دوست کو۔" خان رحمان نے کہا۔

"میں کیا تمھارا دوست نہیں ہوں بھئی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں کیوں نہیں... آپ بھی دوست ہیں، لیکن آپ نے تو انہیں روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔"

"میں... میں کیا کرتا... مجبور تھا۔"

اور اسی وقت انسپکٹر جمشید ان کے نزدیک آئے۔

گئے... انھوں نے لڑنے والوں کو حیران ہو کر دیکھا:

"انھیں کیا ہوا۔"

"ان پر شاید پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔"

"آپ نے روکا نہیں انھیں۔"

"کوشش کی تھی... لیکن ان پر اثر نہیں ہوا۔"

"تو پھر میں کوشش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پوری قوت
سے چلائے:

"رک جاؤ۔"

نہ جانے ان کی آواز میں کیا جادو تھا کہ وہ یک
لخت رک گئے۔

وہ ـــــ وہ

اب وہ انھیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے...

"ہوش میں آ جاؤ... ورنہ کھال اتار دوں گا۔" انسپکٹر جمشید
خوف ناک لہجے میں بولے۔

"آ... آ گئے... بالکل آ گئے۔" آفتاب بولا۔

"کہاں آ گئے۔" شوکی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہوش میں اور کہاں... اور تم ہمیں کہاں لانا چاہتے تھے۔"

"پتا نہیں... شاید ہوش میں لانا چاہتا تھا۔"

"کیا ہو گیا تھا تمہیں۔"

"یا تو یہ اس وادی کا اثر تھا... یا ہمارے دماغوں میں
کوئی خرابی آ گئی تھی... ویسے آپ کی آواز نے ہمیں
لا کر رکھ دیا... اب ہم بالکل ٹھیک ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے... ورنہ یہاں تو ڈاکٹر بھی کوئی نہ ملتا۔"

"کیوں مسٹر باس... یہاں کسی ڈاکٹر کا بھی انتظام ہے یا نہیں؟"
شوکی بولا۔

"نہیں۔" باس نے کہا۔

"یہ پوچھنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اگر ایک بات پوچھ ہی لی تو کیا حرج ہو گیا۔"

"جمشید... تم گئے کہاں تھے؟"

"مجھے ایک خیال سوجھا تھا۔"

"اور وہ خیال کیا تھا؟"

"زیا ماٹا... باس کے پاس تھی... یعنی اس دیوار کے اس پار... اسے ادھر سے ادھر بھیجا گیا تھا... ظاہر ہے... بھی تو دیوار پار کر کے آئی تھی... پھر اس نے دیوار کس طرح پار کر لی... اسے کیوں بجلی کا جھٹکا نہ لگا... میں نے سوچا... اس کے پاس ضرور کوئی ایسی چیز تھی... بس میں اس سے وہ چیز حاصل کرنے دوڑ گیا تھا۔"

"اوہ... تو پھر۔" وہ سب بولے۔

"پھر کیا... اس کے پاس سے کچھ بھی نہیں مل سکا۔"

"تب پھر... اس دیوار کو عبور کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں... میرا بھی یہی خیال ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... کیا ہمیں واپس جانا ہو گا... ناکام... اتنی محنت اور کوشش کے بعد... بالکل ناکام لوٹیں گے ہم۔" آصف نے چیخ کر کہا۔

"ہاں... ہم اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو... تم نے فیصلہ کر لیا۔" باس کی آواز ابھری۔

"ہاں! ہم واپس جائیں گے... ہو سکتا ہے... اب تک وناس نے کامیابی حاصل کر لی ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مسٹر باس... کیا آپ بتا سکتے ہیں... وناس کی کوشش کوئی رنگ لائی ہے یا نہیں؟"

"ہاں... اس نے اب تک... ایک اڑن طشتری کو درست نقصان پہنچایا ہے... لیکن ابھی تک زمین پہ گرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا... یہ ہے کہ وہ اڑن طشتری نقصان پہنچنے کے بعد لوٹ آئی تھی... اور یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہے... لیکن... ہم بہت جلد اس کا توڑ کر لیں گے اور اس کی کامیابی کو ناکامی سے بدل کر رکھ دیں گے!" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ہو سکتا ہے... تمہاری یہ باتیں صرف باتیں ثابت ہوں اور تم اس کی کوششوں کو بے کار نہ کر سکو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تب بھی... ہم ناکام نہیں رہیں گے... اڑن طشتریاں اب بھی زیادہ طاقت ور ہیں... اور نقصان پہنچانے کے قابل ہیں۔"

"لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ونٹاس اور بڑی کامیابی حاصل کر لے گا۔"

"ہم بھی سوئے تو نہیں رہیں گے۔" باس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہوں... تم ٹھیک کہتے ہو... خیر ہم واپسی کا فیصلہ کر چکے ہیں... کیوں کہ بری طرح ناکام ہو گئے ہیں۔"

"جاؤ... میں تم لوگوں کو الوداع کہتا ہوں... تم بہت بہادر دشمن ہو... مجھے بہت پسند آئے ہو اور میں اپنے صدر سے بات کروں گا... کہ کم از کم زمین پر تم لوگوں کا ملک باقی رہنے دیا جائے... اگر اس نے بات مان لی تو تمہارے ملک کے آسمان پر کوئی اڑن طشتری نہیں آئے گی۔"

"ہم بھیک مانگنے کے عادی نہیں ہیں... اور نہ مانگیں گے۔" پروفیسر داؤد بولے... ان کی آواز میں شدید رنج شامل تھا۔

"بس... اب جاؤ... رسی جوں کی توں ڈھلوان پر لٹک

رہی ہو گی... تم اس کے ذریعے آسانی سے چڑھ جاؤ گے، اب زندگی میں کبھی ادھر کا رخ نہ کرنا... میں نے تم لوگوں کے ساتھ بہت نرمی کی ہے۔"

"یہ... یہ نرمی کی ہے... آپ نے۔" پروفیسر داؤد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! تم لوگ یہاں سے زندہ سلامت جا رہے ہو، یہ نرمی نہیں تو اور کیا ہے۔"

"وہ تو آپ ہمیں اس لیے بھیج رہے ہیں کہ لاشیں نہ اٹھوانا پڑیں۔" شوکی بول اٹھا۔

"ہاں... بالکل یہی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"چلو یہی سہی... لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں تم لوگوں کا کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتا۔"

"چلیے بھائی... مان لیا... ہم جا رہے ہیں... زندگی رہی تو پھر ملیں گے..." منور علی خان تنگ آئے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا کہا... پھر ملیں گے... دماغ تو خراب نہیں ہو گیا، میں کہہ رہا ہوں، ادھر کا رخ نہ کرنا۔"

"ارے ہاں... واقعی یہ تو ہم بھول ہی گئے... خیر یوں سہی... ہم جا رہے ہیں، زندگی رہی تو اب کبھی نہیں

ملیں گے۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! یہ ہوئی بات... چلو اب جاؤ... شاباش۔"

اور وہ بوجھل دلوں کے ساتھ ڈھلوان کی طرف روانہ ہوئے... ان کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے:

"یہ... یہ کیا ہوا ابا جان۔" فرزانہ بولی۔

"اب کیا کیا جائے... کامیابی کی کوئی صورت نہیں۔"

"لیکن اگر ہم ربڑ کے لباس بنا کر لے آئیں۔"

"اس صورت میں یہ ہمیں وادی میں قدم جمانے نہیں رکھنے دے گا... ہم جو اس طرف داخل ہو گئے ہیں اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ اس کی مرضی سے داخل ہوئے تھے... وہ ہمیں اور ہماری کوششوں کو سکرین پر دیکھتا رہا تھا۔"

"لیکن ہم نے آج تک ناکامی کا منہ نہیں دیکھا، جب بھی ہم کسی مہم پر نکلے، کامران لوٹے... اب اپنے ملک جا کر لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔" محمود جذباتی آواز میں کہتا چلا گیا۔

"ٹھیک آپ کہہ سکتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اب ہم کیا کر سکتے ہیں... خیر... تم فکر نہ کرو... اپنے

ملک جا کر ہم نئے سرے سے حالات کا جائزہ لیں گے اور کوئی دوسرا راستا اختیار کریں گے۔"

"گویا ہم پھر اس مہم پر نکلیں گے..." فرحت خوش ہو گئی۔

"میں نے یہ نہیں کہا... میں نے کہا ہے... ہم کوئی دوسرا راستا اختیار کریں گے۔"

"بات تو ایک ہی ہو گئی۔"

"نہیں... ہم اپنے ملک میں رہ کر اگر اڑن طشتریوں کو تباہ کرنے کا کوئی طریقہ دریافت کر لیں تو یہ بات دوسری ہو گی۔"

"ہوں... بات تو ٹھیک ہے، لیکن اس سلسلے میں تو ہمارے ملک کے سائنس دانوں کو ونٹاس کے سائنس دانوں سے ملاقات کرنا ہو گی۔"

"ان باتوں کا جائزہ ہم اپنے ملک جا کر ہی لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اور پھر خاموشی چھا گئی... ان کے قدم اٹھتے رہے، آخر وہ رسی تک پہنچ گئے... اس کو پکڑ کر اوپر چڑھنا واقعی مشکل کام نہیں تھا... ہاں محنت طلب ضرور تھا، اور اس میں وقت بھی لگنا تھا... وہ باری باری چڑھتے

چلے گئے... یہاں تک کہ سب اوپر پہنچ گئے... پھر انھوں نے
خلا کو بھی پہلے طریقے سے عبور کیا... اس کے بعد پہاڑ سے اترنے
کا مرحلہ آیا... جب وہ پہاڑ سے اترنے میں کامیاب ہو
گئے تو مارے تھکن کے برا حال تھا... لیکن یہاں بھی وہ
نہیں رکے... اور آگے بڑھتے رہے... یہاں تک کہ جنگل کے
کنارے پہنچ گئے... یہ اس جنگل کا دوسرا کنارہ تھا جس
کو انھوں نے ربڑ کی شاخوں کے ذریعے عبور کیا تھا۔
یہاں پہنچ کر وہ رک گئے...

"منور علی خان... اس سرے پر تو ربڑ کے درخت
دکھائی نہیں دیتے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تلاش کر لیتے ہیں۔"

"ربڑ کے درخت تلاش کرنے سے پہلے ہمیں کھانے
پینے کی کوئی چیز تلاش کرنی چاہیے۔"

"ہوں... آپ لوگ یہیں ٹھہریں... میں اپنے شکاری
ساتھیوں کو لے کر کچھ شکار کر کے لاتا ہوں۔" منور علی
خان مسکرائے۔

"ہاں! میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" پروفیسر داؤد جلدی
سے بولے۔

سب مسکرا دیے... لیکن مسکراہٹیں بجھی بجھی تھیں،

منور علی خان اپنے تینوں ساتھیوں کو لے کر چل دیے۔

"ہم جنگل کے کنارے سے ذرا ہٹ کر بیٹھیں
گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یعنی جنگل میں شوکی گھبرا گیا۔

"ہاں... کنارے کے قریب کچھ گرد اڑ رہی ہے۔" انھوں
نے کہا۔

وہ جنگل میں داخل ہوئے اور کنارے سے ذرا
ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے... اس وقت دن کے
گیارہ بجے تھے اور سورج چمک رہا تھا... زمین پر بیٹھ
کر انسپکٹر جمشید نے جیب سے کاغذ اور قلم نکال لیا اور
کاغذ پر کچھ لکھنے لگے... انھوں نے پڑھا... وہ لکھ
رہے تھے:

"مجھے امید ہے... اس جگہ کی آوازیں باس نہیں
سن رہا ہو گا، اور نہ ہمیں دیکھ رہا ہو گا... اس
کے باوجود احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ہم جو بھی بات
بات کریں، لکھ کر کریں۔"

ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی... گویا ابھی
پروگرام ختم نہیں ہوا تھا... کچھ باقی تھا... پھر انسپکٹر
جمشید نے لکھا:

"ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہو... پہلے ہم کچھ کھا لیں... پھر کام کریں گے۔"

"تو کیا ابھی کچھ کام باقی ہے۔" محمود نے لکھا۔

"ہاں! اصل کام تو اب شروع ہو گا... ویسے تم لوگوں کی لڑائی بہت خوب رہی۔"

"باس تک کو ایکٹنگ کا گمان نہیں ہوا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے لکھا۔

"گمان تو خیر اسے ہوا تھا، لیکن پھر یقین کر بیٹھا کہ ہم تو سچ مچ لڑ رہے ہیں۔"

"آخر اب ہم... کیا کریں گے۔" پروفیسر داؤد نے لکھا۔

"پہلے کچھ کھا لیں اور ہاں... ادھر ادھر کی باتیں جاری رکھیں، اگرچہ مجھے امید نہیں کہ باس اب بھی ہماری طرف متوجہ ہو گا... یا یہاں تک کے مناظر دیکھنے کا اس نے انتظام کر رکھا ہو گا... میرا تو خیال ہے کہ وہ صرف اور صرف پہاڑ پر نظر رکھتا ہے۔"

"ہوں..." انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"یہ ہم لوگ خاموش کیوں ہو گئے۔"

"شاید اس لیے کہ بہت تھک گئے ہیں۔"

"ابھی صرف جسم تھکے ہیں... زبانیں تو نہیں تھکیں۔" آصف بولا۔

"زبانیں بھی تو جسم کا ہی حصہ ہوتی ہیں۔"

"ہوتی ہوں گی... لیکن زبانیں تھکنا نہیں جانتیں، خاص طور پر فاروق، آفتاب اور مکھن کی زبانیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"اے... خبردار... جو ہماری زبانوں کو کچھ کہا... ہاں نہیں تو..." فاروق غرایا۔

"یہ ہاں نہیں تو کیا ہوا۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ایک قسم کی دھمکی ہے۔" آصف بولا۔

"ہائیں... فاروق تم نے مجھے دھمکی دی ہے۔"

"نہیں تو... کون کہتا ہے... جو کہتا ہے... اس کو بکواس... وہ ہمیں لڑا کر خوش ہونا چاہتا ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" شوکی کی آواز ابھری۔

"پتا نہیں کتنی ایسی باتیں ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آئیں... تو پھر... کیا ہم نے ہر بات کو سمجھنے کا ٹھیکہ

ے رکھا ہے۔" آصف بولا۔

"تم کانٹے کھانے پر اُدھار تو نہیں کھائے بیٹھے۔" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس کو کہتے ہیں... محاورات کی فضول خرچی۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا کہا... محاورات کی فضول خرچی... یہ بات شاید ہم نے پہلی بار سنی ہے۔" شوکی بولا۔

"اور بھی ایسی بے شمار باتیں موجود ہوں گی... جو تم پہلی بار سنو گے۔"

"میں اپنے شکاری ساتھیوں کو آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔" پروفیسر داؤد چہکے۔

"اس سے اچھی بات بھلا اور کیا ہو گی۔"

وہ لوگ نزدیک آ گئے... ایک بڑا سا ہرن لے آئے تھے... جو ان سب کے لیے کافی ہو سکتا تھا، اس کے علاوہ وہ کچھ پھل بھی توڑ کر لائے تھے۔

"یہ پھل تو زہریلے ہو سکتے ہیں۔" پروفیسر بولے۔

"اُمید تو نہیں... کیوں کہ ہرن اس پھل کو کھا رہے تھے... طوطے بھی کتر رہے تھے... ہم نے اس کو چکھ کر دیکھا تو بہت مزے دار لگا، لہذا توڑ

لائے... بالکل ناشپاتی جیسا مزا ہے۔"

"خیر... پہلے ہرن کو تیار کرو۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

ہرن کو بھونا گیا... اسے ہڑپ کرنے کے بعد پھل کھایا گیا... راستے میں انھیں ایک چشمہ نظر آیا تھا... اس سے پانی پیا گیا...

"اب ہم اپنا پروگرام طے کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیسا پروگرام... واپسی کا۔" منور علی خان بولے۔

"ہاں! ابھی بتاتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں... ایک منٹ تک انھوں نے آنکھیں نہ کھولیں تو آفتاب نے گھبرا کر کہا:

"ابا جان... آپ سو گئے کیا؟"

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا... ہلا جلا کر دیکھا تو بھی آنکھیں نہ کھولیں... اسی وقت انسپکٹر جمشید بولے:

"شاید انھیں نیند آ گئی... اس میں ان کا بھی کیا قصور... ہم سب بری طرح تھکے ہوئے بھی تو ہیں اور پھر ابھی ابھی پیٹ بھرا ہے... نیند نہیں آئے گی تو کیا ہو گا... میرا خیال ہے... ہم سبھی کو تھوڑی دیر کے لیے سو جانا چاہیے۔"

"اور اگر کوئی درندہ ہم پر آ پڑا۔"

"اس کا انتظام میں کیے دیتا ہوں۔" منور علی خان بولے۔

"تو پھر کر دیں... نیند واقعی آ رہی ہے۔" پروفیسر بولے۔

"آپ سو جائیں... درندوں سے میں خود نبٹ لوں گا۔" انھوں نے کہا۔

اور وہ واقعی لیٹ گئے... آن کی آن میں وہ نیند کی وادی میں پہنچ گئے... اس وادی میں کیا نہیں تھا... ان کے گھر تھے... گھر کے افراد تھے... ان کے سکول تھے... دفتر تھے... اور سبھی کچھ تھا... اس وادی کی نہ جانے وہ کب تک کرتے رہے... پھر منور علی خان کی آواز نے انھیں آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا... وہ کہہ رہے تھے...

"اب... اب مجھ سے نہیں جاگا جا رہا... آپ سب لوگ جاگ جائیں... میں اکیلا سوؤں گا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

منور علی خان لیٹ گئے... اور لیٹتے ہی سو گئے۔

"ارے مگر... انکل نے حفاظتی انتظام کیا کر رکھا تھا۔" آصف چونکا۔

"وہ دیکھو... ہمارے چاروں طرف آگ جل رہی ہے یہ جاگتے بھی رہے اور کام بھی کرتے رہے۔" محمود نے انگلی سے اشارہ کیا۔

اب انھوں نے اس آگ کو دیکھا... وہ بہت دور روشن تھی... فوری طور پر وہ اسے نہیں دیکھ سکے تھے۔

"یہ آگ جلانے کے لیے بھی انھیں بہت محنت کرنا پڑی ہو گی... ان حالات میں ان پر تھکن نہ سوار ہوتی تو کیا ہوتا... اب یہ بہت دیر بعد بیدار ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"چلیے خیر... ہم اس دوران کچھ کام کر لیتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ہاں! باس ہمیں جلد از جلد اس وادی سے نکال دینا چاہتا تھا... آخر کیوں..." فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"اس لیے کہ وہاں اڑن طشتریاں موجود تھیں۔" محمود بولا۔

"لیکن ہم سے اڑن طشتریوں کو بھلا کیا خطرہ تھا۔" آصف نے اعتراض کیا۔

"یہ بات باس ہم سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔"

"تب پھر... اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی طرح اڑن طشتریوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" فرحت نے

پُرجوش لہجے میں کہا۔

"بالکل... میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" شوکی نے فوراً کہا۔

"تو پھر کہہ کیوں نہیں دیا۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"فرحت بہن کی بات کس طرح کاٹتا۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"چلو ایک بات طے ہو گئی... ہم کسی نہ کسی طرح اڑن طشتریوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں... سوال یہ ہے کہ کس طرح۔"

"مجھے... مجھے رہ رہ کر سنہری چٹان کا خیال آ جاتا ہے... نہ جانے کیوں۔" پروفیسر داؤد کھوئے کھوئے لہجے میں بولے۔

"شاید اس لیے کہ یہ معاملہ دراصل اس چٹان سے ہی شروع ہوا تھا۔"

"اور اس میں بھی اب کوئی شک نہیں رہ گیا کہ وہ چٹان نہیں... زمین میں دھنسی ہوئی اڑن طشتری تھی۔" آصف بولا۔

"لیکن... شہر جلبان کے لوگوں نے اڑن طشتری کی آواز نہیں سنی تھی۔" آفتاب نے اعتراض کیا۔

"ہو سکتا ہے... خرابی ہونے کی وجہ سے ہی اس کی آواز غائب ہو گئی ہو... بہرحال تھی وہ اڑن طشتری، کیوں کہ اب ہم اڑن طشتریوں کو دیکھ چکے ہیں۔" خان رحمان نے جلدی سے کہا۔

"چلو... ایک بات یہ بھی طے ہو گئی کہ شہر جلبان میں ہم جس چیز کو سنہری چٹان خیال کرتے رہے اور ماہرین جس کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکے... وہ ضرور ایک اڑن طشتری تھی... جو شہر جلبان پر بم باری کرنے کی غرض سے اڑائی گئی تھی، لیکن عین وقت پر اس میں کچھ خرابی ہو گئی، اور اس خرابی کی وجہ سے وہ پہاڑی علاقے میں گری... اپنے بے تحاشا وزن اور سختی کی وجہ سے وہ نصف کے قریب زمین میں دھنس گئی... لیکن ماہرین اس کے بارے میں کچھ اندازہ نہ لگا سکے... اندازہ لگایا تو آخری ٹیم نے... جو کہ وناٹس سے آئی تھی، لیکن وناٹس کی ٹیم کی جگہ زیبوٹا کی ٹیم نے لے لی... اب چوں کہ یہ اڑن طشتریاں زیبوٹا نے ہی بنائی ہیں... لہٰذا انھیں معلوم تھا کہ اس کی مرمت کس طرح ہو گی... اور وہ ٹیم اس کی مرمت ہی کرنے آئی تھی... اس لیے ہمیں تین دن تک گہری نیند سلا دیا گیا... اڑن طشتری ٹھیک کرنے کے بعد وہ خود بھی سو گئے، تاکہ ان پر شک نہ کیا جا سکے۔

اور اس وقت ہم یہ اندازہ نہ لگا سکے کہ چٹان دراصل اڑن طشتری تھی۔" انسپکٹر کامران مرزا روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"ہوں! لیکن... سوال یہ ہے کہ زمبوٹا کی ٹیم نے اڑن طشتری کی مرمت کس طرح کی؟" شوکی نے کہا۔

"جن لوگوں نے اڑن طشتریاں بنائی ہیں... وہ بھلا ان کی مرمت کیوں نہیں کر سکتے۔" آصف بولا۔

"ان سب باتوں کے باوجود میں ایک بات بہت شدت سے محسوس کر رہا ہوں... اور وہ یہ کہ زمبوٹا کی ٹیم نے ہمارے سونے کے دوران کوئی ایسا کام کیا تھا... جس تک ہمارے ذہن ابھی نہیں جا سکے... اور ہمیں اپنے ذہنوں کو وہاں تک لے جانا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے سرسراہٹ زدہ لہجے میں کہا۔

"تت... تو ہم تیاری کر لیں۔" فاروق گھبرا گیا۔

"کس بات کی؟" پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ذہنوں کو وہاں تک لے جانے کی... جہاں تک ابا جان کہہ رہے ہیں۔" وہ بولا۔

"یار چپ رہو... بہت کام کی بات ہو رہی ہے۔" آصف نے منہ بنایا۔

"جب بہت کام کی بات ہو رہی ہے تو چپ رہ کر کس طرح ہو سکتی ہے... بولنا تو پڑے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"تو پھر ادھر ادھر کی نہ ہانکو۔" محمود نے کہا۔

"ابا جان... آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب ہمیں انھوں نے گہری نیند سلا دیا تھا... اس وقت انھوں نے کوئی خاص کام کیا تھا۔" فرزانہ نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ہاں! میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"اور اگر ہم کسی طرح یہ جان لیں کہ وہ کام کیا تھا شاید ہم کوئی خاص راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے... ہو سکتا ہے... اس سے ہمیں کامیابی کا کوئی راستا مل جائے۔" فرحت بولی۔

"بالکل ٹھیک... ذہنوں پر زور دو... آخر وہ کیا کام تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ایک تو آپ ذہنوں پر زور بہت دلواتے ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"ویسے تم نے لڑائی خوب شروع کی تھی... باس کو بھی یقین آ گیا تھا کہ ہم سب سچ مچ لڑ پڑے ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ج... جی... وہ... بات دراصل یہ ہے۔" آفتاب کہتے کہتے
رک گیا۔

"بس... اب یہ حضرت بات دراصل یہ ہے سے آگے
بڑھیں گے۔" فاروق نے جھنا کر کہا۔

"تو تم آگے بڑھ کر دکھا دو۔"

"اب مجھے کیا معلوم... تمہارے ذہن میں کیا ہے۔"
فاروق بولا۔

"تو پھر... بولو بھی نا ہاں یاد آیا... بات دراصل یہ ہے
کہ... لڑائی تو غصے کی حالت میں شروع ہوئی تھی... پھر خیال
آیا... باس اب پوری طرح ہماری طرف متوجہ ہو گیا ہے
ایسے میں وہ انکل کی طرف توجہ نہیں دے سکتا...
اس میں ہمارا فائدہ تھا... لہٰذا ہم نے اس لڑائی کو بڑھا
دیا... اور پھر تیز سے تیز تر کرتے چلے گئے۔"

"چلو خیر... اچھا ہی کیا تھا... ہم بات کر رہے تھے
ذہنوں پر زور دینے کی... زمبوٹا کی ٹیم نے ہمارے سفر
کے دوران کیا خاص کام کیا تھا... بس اس سوال کا جواب
سوچنا ہے... ہے کوئی جواب بتانے والا۔" انھوں نے
بولی دینے والے انداز میں کہا۔

"کچھ مہلت تو دیں نا انکل۔" فرحت بولی۔

"ہاں ضرور... کیوں نہیں... مہلت ہی مہلت ہے... ہمیں
کوئی جلدی نہیں۔"

"ہم ایک غلطی کر چکے ہیں... ابا جان۔" محمود چونکا۔

"کیسی غلطی۔" وہ گھبرا گئے۔

"سونے سے پہلے ہم کھل کھل کر باتیں کر رہے تھے...
بلکہ ابھی ہم نے آواز سے باتیں شروع کر دی ہیں۔"

"ہاں! مجھے شروع میں ہی اس غلطی کا احساس ہو
گیا تھا... لیکن پھر میں نے سوچا کہ آخر ہم کہاں تک لکھیں
گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں... میرا خیال ہے... اب ہم باس کی توجہ کا مرکز
نہیں رہے... اس نے اپنی توجہ کا مرکز پہاڑ اور پہاڑ کے
اطراف کے علاقے کو بنا رکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں تو ذہنوں پر زور دیا جا رہا ہے یا نہیں..."
پروفیسر غوری بولے۔

"جب تک مکمل خاموشی نہیں ہو جاتی... اس وقت
تک کس طرح کوئی بات سوچی جا سکتی ہے۔"

"ہوں... ٹھیک ہے... تو بھئی... اب جب تک
کسی کے ذہن میں اس سوال کا جواب نہیں آ جاتا...
اس وقت تک کوئی نہ بولے۔" انسپکٹر جمشید نے اعلان

کیا۔

"اور جو بھی کسی کے ذہن میں جواب آ جائے؟" فاروق نے پوچھا۔

"وہ ہاتھ کھڑا کر دے۔" انھوں نے کہا۔

"میں اس موقع پر ایک پیشین گوئی کرنا چاہتا ہوں۔" آفتاب مسکرایا۔

"میں سمجھ گیا... آپ کیا پیشین گوئی کرنا چاہتے ہیں۔" مکھن نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر بتاؤ۔" اس نے منہ بنایا۔

"یہ کہ... سب سے پہلے ہاتھ فرزانہ بہن اٹھائیں گی۔"

"ہائیں... کمال ہے۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"تو تم... یہی پیش گوئی کرنا چاہتے تھے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں... بس ذرا سا فرق رہ گیا... میں فرحت کا نام لینا چاہتا تھا۔"

"یار جمشید... ایک پیشین گوئی میری بھی سُن لو۔" خان رحمان مسکرائے۔

"چلو بھئی... تم بھی سناؤ۔" انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"پیشین گوئی یہ ہے کہ ان لوگوں کی موجودگی میں یہاں خاموشی طاری نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن انکل... اب ہم جائیں بھی کہاں... چاروں طرف تو آگ دہک رہی ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے... خان رحمان... تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کیا... کون سی بات ٹھیک کہتا ہوں۔"

"سب انکل... بھلا آپ بھی کوئی بات غلط کہہ سکتے ہیں۔" فاروق چہکا۔

"نہیں پھر بھی... ذرا میں بھی تو سنوں۔" خان رحمان بولے۔

"یہی کہ یہ لوگ چپ نہیں ہو سکتے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ہم ابھی اور اسی وقت چپ ہو کر دکھا دیتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں اور کیا... اور چپ بھی ایسا ہوں گے کہ کوئی کیا چپ ہوا ہو گا کیا۔"

"بالکل ایسا چپ کہ... یہاں موت کا سناٹا طاری ہو جائے۔"

"پتا نہیں... وہ وقت کب آئے گا... کہیں ہم ساری

زندگی انتظار ہی نہ کرتے رہ جائیں... اس بات کی حسرت ہی نہ رہ جائے کہ تم بھی چپ ہوئے تھے کبھی۔" انسپکٹر جمشید نے جل بھن کر کہا۔

"بس انکل... اب ہم اس سے بڑا طعنہ سننے کی تاب نہیں رکھتے... ہم اب ان شاء اللہ اس وقت بولیں گے... جب کوئی بات سوجھ جائے گی۔" آفتاب نے کہا۔

"اور اگر نہیں سوجھی گی تو آپ زندگی بھر بولیں گے ہی نہیں۔ فاروق مسکرایا۔

"یہ بات چونکہ آپ نے کہی ہے... لہٰذا آپ ہی پابند ہوں گے... ہم نہیں۔ محمود نے گھبرا کر کہا۔

"اچھا اچھا... تمہیں پابند ہونے کے لیے کہہ کون رہا ہے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"مشکل ہے... بہت مشکل۔" خان رحمان بولے۔

"تب پھر ہم سوچ چکے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"یہ اس طرح نہیں مانیں گے... انھیں خاموش کرنے کا گر میں جانتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے تلملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو اب تک بتایا کیوں نہیں انکل۔" اخلاق نے

حیران ہو کر پوچھا۔

"بس یہی سوچتا رہا کہ شاید اب بھی چپ ہو جائیں اور اب ہو جائیں۔"

"ہوں... تو پھر اس گر کو کام میں کیوں نہیں لائے جمشید۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ابھی لیجیے..." انھوں نے شوخ انداز میں کہا، پھر قدرے بلند آواز میں بولے:

"اب تم میں سے جو بھی بولا... اسے پانچ سو اٹھک بیٹھک لگانا ہوں گی۔"

وہ سب کے سب اس طرح خاموش ہو گئے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو... لیکن خان رحمان سے رہا نہ گیا:

"حیرت ہے... اس قدر آسان ترکیب... اور جمشید! تم نے پہلے نہ آزمائی۔"

"مجھے افسوس ہے خان رحمان... اب تم پہلے پانچ سو اٹھک بیٹھک لگاؤ۔"

"کک... کیا..." وہ چلا اٹھے... اور پھر ان کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آئے۔

"کبھی... میں نے یہ خیال کیا تھا کہ تم نے صرف ان سے کہا ہے۔"

"ہاں... ہاں... ہم بھی اسی خیال میں تھے۔" پروفیسر غوری بولے۔

"اچھا خیر... لیکن اب سن لیں... بڑے بھی شامل ہیں۔"

سب نے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے... اور پھر وہ سوچ میں ڈوب گئے... انسپکٹر جمشید کے گُر نے آخر انھیں اپنے ہونٹ سی لینے پر مجبور کر ہی دیا تھا۔

آدھ گھنٹا گزر گیا... مگر ان میں سے کوئی نہ بولا... کسی نے اشارہ نہ دیا کہ اس کی سمجھ میں کوئی بات آ گئی ہے... ان میں بے چینی سی پھیل گئی۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... فرحت اور فرزانہ اب بھی سر جھکائے بیٹھی تھیں... یوں لگتا تھا... جیسے سوچ کے کسی گہرے سمندر میں غرق ہوں، لیکن فی الحال ان کے سوچ کے گہرے سمندر سے نکلنے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا... یہ دیکھ کر دوسرے بھی پھر سے سوچ میں ڈوب گئے... اچانک فرزانہ نے سر اٹھایا... اور ساتھ ہی فرحت نے بھی سر اٹھایا... پھر انھوں نے ایک ساتھ ہاتھ اٹھا دیے۔

"گویا تم دونوں کچھ کہنا چاہتی ہو۔" "کہیں ایسا نہ ہو،

ایک ہی بات تم دونوں کے ذہنوں میں آئی ہو... لہٰذا کیوں نہ تم لکھ کر دے دو۔"

"ہاں! یہ ترکیب ٹھیک رہے گی۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"یعنی... ترکیب بتانے کی ترکیب۔" فاروق نے منہ بنایا اور وہ مسکرا دیے۔

فرحت اور فرزانہ نے اپنی اپنی بات لکھ کر دے دی... انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے اسے پڑھا، اور مسکرا دیے...

"حیرت ہے۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"حیرت... تو کیا... دونوں کو ایک ہی بات سوجھی ہے؟"

"ہاں بھئی... بالکل ایک بات... اور اس سے بھی مزے دار بات یہ ہے کہ ہم دونوں نے بھی یہی بات سوچی تھی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ارے... مگر آپ نے تو ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے تھے۔"

"ہم چاہتے تھے... پہلے تم میں سے کوئی اشارہ کرے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن... آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ آپ دونوں

نے بھی یہی بات سوچی تھی... آپ کی تو آپس میں کوئی بات نہیں ہوئی۔" اکرام نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"بھئی... وہ تم نے سنا نہیں... دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں بالکل ہوتی ہے... تو پھر... اس سے کیا ہوتا ہے... یہ بات یہاں کیسے فٹ آتی ہے؟"

"اس طرح کہ ان دونوں کے اندازے پڑھ کر ہم دونوں جس انداز سے مسکرائے... اس سے ہم نے جان لیا کہ ہم پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔"

"چلیے... خیر... اب ہمیں اور بے چین نہ کریں... اور ان کے کاغذ پڑھ کر سنائیں۔" محمود بولا۔

"ہاں... ضرور... کیوں نہیں... ان دونوں کا... بلکہ ہم چاروں کا اندازہ یہ ہے کہ زمبوٹا کی ٹیم نے ہم پر اس لیے گہری نیند طاری کی تھی کہ..." ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔

اسی وقت... ایک بہت ہی تیز... کانوں کے پردوں کو چیر دینے والی آواز گونجنے لگی۔ انھیں

اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینا پڑیں.... لیکن اس کے باوجود آواز کانوں میں گھسی چلی آ رہی تھی...

ایسے میں فرزانہ چلائی...

"ابا جان... وہ... وہ... پستول۔"

اوپر کی طرف

انسپکٹر جمشید زور سے چونکے... پھر انھوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا... اور پستول نکال لیا... ابھی انھوں نے اس کا نیلا بٹن دبایا نہیں تھا کہ آواز یک لخت بند ہو گئی... ساتھ ہی ایک اڑن طشتری ان کے سروں پر سے گزر گئی...

"اوہ... تو یہ آواز اڑن طشتری کے سٹارٹ ہونے کی تھی" محمود نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"ہاں! اور اب یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ اس پستول میں آواز سلب کرنے کا سسٹم کیوں موجود ہے؟ اس وادی کے لوگ یہ بٹن دبا کر آواز سلب کر لیتے ہوں گے... ورنہ ان کے کانوں کے پردے پھٹ جاتے، کیوں کہ جب یہاں آواز اس قدر تھی... تو سمندر کے

سمندر کے نیچے اڑن طشتریوں کے پاس آواز کس قدر ہو گی۔"

"اوہ... اوہ..." ان کے منہ حیرت سے کھل گئے... اب تک وہ پستول کی آواز سلب کرنے والے سسٹم کو بے کار خیال کرتے رہے تھے۔

"تب تو... زمبوٹا کے سائنس دان ہماری دنیا کے سائنس دانوں سے بہت آگے ہیں۔"

"ہاں! لیکن ہم فرحت اور فرزانہ کے ذہن میں آنے والی بات سننے والے تھے۔" پروفیسر داؤد نے بے چین ہو کر کہا۔

"اوہ ہاں... سنیے... میں پڑھ کر سکتا ہوں... فرزانہ نے کہا ہے کہ ونٹاس سے آنے والی ٹیم... کی جگہ زمبوٹا کے آدمیوں نے لے لی تھی... زمبوٹا والے چاہتے تھے، کسی طرح اڑن طشتری ٹھیک ہو جائے... کیوں کہ ایک اڑن طشتری نہ جانے کس قدر لاگت سے تیار ہوتی ہو گی... چنانچہ وہ یہاں آ گئے... لیکن ہم ان کے راستے کی دیوار بنے ہوئے تھے... جب کہ وہ چاہتے تھے... انھیں اڑن طشتری مرمت کرتے ہوئے کوئی نہ دیکھے... لہٰذا انھیں ہمیں گہری نیند سلانا پڑا... اس کے بعد انھوں نے

اڑن طشتری کی مرمت کی... اور وہ اڑنے کے قابل ہو
گئی... پھر اسے ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے اڑا دیا گیا۔"

"ایک منٹ۔" شوکی نے بات کاٹ دی۔

"ہوں... کہو... کیا کہنے چاہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید
حیران ہو کر بولے۔

"جب اڑن طشتری شہر جلبان کی پہاڑیوں سے اڑی
ہو گی... تو کیا اس قدر آواز نہیں گونجی ہو گی۔"

"ضرور گونجی ہو گی۔"

"تب پھر یہ خبر شہر میں کیوں نہیں اڑی؟"

"اس لیے کہ... ہم سب تو اس وقت گہری نیند میں
غرق تھے... اور وہاں صرف زمبوٹا کے ماہرین تھے
نگران فوجیوں کو بھی سلا دیا گیا تھا... خبر شہر تک
کس طرح جاتی۔"

"ہوں... ٹھیک ہے... اب آگے چلیے۔" شوکی مسکرا

"اڑن طشتری تو اڑ گئی... اس کے بعد ماہرین اگر
چاہتے تو نہایت آسانی سے اس جگہ سے غائب ہو
سکتے تھے... لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا... اگر وہ
ایسا کرتے تو..."

انسپکٹر جمشید رک گئے... ان کے چہرے پر بلا کی

طاری ہو گئی... اسی وقت ان سب نے انسپکٹر کامران
مرزا کے چہرے پر بھی حیرت کا بالکل ویسا ہی عالم دیکھا:
"کک... کیا بات ہے... کیا کوئی عجیب بات ہو
گئی۔"

"عجیب نہیں... بہت عجیب..." وہ بڑبڑائے۔

"لیکن ہمیں تو یہاں دور دور تک کوئی عجیب بات محسوس
نہیں ہوئی۔" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"سنو! اڑن طشتری کے اڑ جانے کے بعد ماہرین وہاں
سے غائب نہیں ہوئے تھے... جب کہ اگر وہ چاہتے تو
ضرور غائب ہو سکتے تھے، اور ہم ان کی گرد کو
بھی نہ پہنچ سکتے... لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا...
بلکہ انھوں نے خود کو بھی نیند میں مبتلا کر لیا اور سو
گئے... ہم اٹھے... اور ان سب کو ہسپتال لے جانا پڑا،
وہاں جا کر وہ ہوش میں آئے تھے... ٹھیک ہے۔"
یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"ہاں! بالکل ٹھیک ہے... تو پھر... آپ کو حیرت
کس بات پر ہے۔"

"وہ زمبوٹا کے آدمی تھے... ٹھیک ہے..." انسپکٹر
جمشید بولے۔

"بالکل ٹھیک... اس سے کس کو انکار ہے۔" آصف نے کہا۔

"اگر وہ غائب ہو جاتے تو ان کا کیا حرج تھا۔"

"بالکل کوئی حرج نہیں تھا... پھر... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہی کہ اگر وہ غائب ہو جاتے۔ تو ان کا تو بے شک حرج نہیں تھا... لیکن... الزام وناٹس پر آتا... کہ اس کے ماہرین نے نہ جانے کیا کارروائی کی کہ چٹان غائب ہو گئی اور خود ماہرین بھی غائب ہو گئے... لیکن دنیا وناٹس سے یہ سوال کرتی... اور وناٹس کوئی جواب نہ دے پاتا... اس طرح زمبوٹا والے وناٹس کو شدید الجھن میں مبتلا کر دیتے... لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا... وہ غائب نہیں ہوئے، اور اس طرح وناٹس پر کوئی الزام نہیں آیا... گویا اس کا غائب نہ ہونا وناٹس کے حق میں بہت اچھا ہوا... سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو بھلا وناٹس سے کیا ہمدردی ہے... وناٹس بھی تو زمین پر واقع ہے... جیسے زمین کے دوسرے ملک ان کے دشمن ہیں اس طرح وناٹس والے دشمن ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان ماہرین کو وناٹس سے کیا ہمدردی

ہو سکتا ہے... یہ سب ان سے سوچے سمجھے بغیر ہوا ہو۔"

"ایسے کام سوچے سمجھے بغیر نہیں کیے جایا کرتے... باقاعدہ پروگرام ترتیب دیا جاتا ہے اور اس پر حرف بہ حرف عمل کیا جاتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"گویا اب ہمیں ایک اور بات سوچنا پڑے گی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! ضرور سوچو... ویسے میرے اور انسپکٹر کامران کے ذہن میں اس سوال کا جواب آ چکا ہے... اور بہت بڑی حقیقت کھل کر ہماری آنکھوں کے سامنے آ گئی ہے... کیوں انسپکٹر کامران مرزا... میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"بالکل نہیں۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"تب پھر آپ ہمیں سوچنے کی زحمت سے بچا لیں نا... وہ حقیقت جو کھل کر آپ کی آنکھوں کے سامنے آ گئی ہے... پہلے ہی بتا دیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"تم تو بس یہ چاہتے ہو... پکی پکائی مل جائے۔" فرزانہ

نے جل کر کہا۔

"تم دونوں کے دماغ نے ترکیبوں کا اکھاڑا ہیں

لیکن ہمارے دماغ ایسے نہیں..." آفتاب جھلا کر اس

طرف پلٹا۔

"اچھا بھائی... پوچھ لو پھر،" فرزانہ مسکرائی۔

"نہیں بھئی... ہم نہیں بتائیں گے... ذہنوں پر ز

دینے کا کام جاری رکھو اور کام بھی کرتے رہو۔"

"کام... کیسا کام... ہم تو اس وقت بالکل فارغ

ہیں۔" آفتاب بولا۔

"ہمارا کام ابھی ختم نہیں ہوا... اصل کام تو اب

شروع ہوتا ہے... ہمیں اس وادی کو ختم کرنا ہوگا

ورنہ پوری دنیا تباہ ہو جائے گی۔"

"لیکن ہم اس وادی کو کس طرح ختم کر سکتے ہیں

لہروں کی دیوار کو ہم پار کر نہیں سکتے... اڑن طشتر

کا ہم کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔" اشفاق نے منہ بنا

"ابھی بات مکمل نہیں ہوئی... فرزانہ نے جو بات

کر دی ہے... پہلے اس کو سن لو... درمیان میں

ونٹاس کے ماہرین کا ذکر آ گیا تھا... ہاں تو... یہاں

کر فرزانہ نے سوال اٹھایا ہے تو آخر انھوں نے ا

شتری کی مرمت کس طرح کی ہو گی... صاف ظاہر ہے...

انھوں نے اسے کسی نہ کسی طرح کھولا ہو گا..."

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

❁

"ہاں! کھولے بغیر اس کی مرمت وہ کس طرح کر سکتے تھے،

ظاہر ہے... اس کی مشینری اس کے اندر ہے... باہر تو کچھ

بھی نہیں ہے۔"

"اُف مالک... یہ خیال ہمیں کتنی دیر سے آیا... کم از کم

اڑن طشتریوں کے دیس میں ہی آ جاتا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"چلیے خیر... آ تو گیا... اس دیس میں جانا ہمارے لیے

اب کوئی مشکل نہیں۔"

"ہاں... مشکل ہے تو لہروں کی دیوار کے اس پار جانا۔"

"لہروں کی دیوار کے بارے میں بھی میں نے سوچ لیا

ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی... کیا مطلب... آپ نے کیا سوچ لیا۔"

"یہ کہ اب ہم دو پارٹیوں کی صورت میں روانہ ہوں گے

ایک پارٹی اڑن طشتریوں کی طرف پہاڑ کے راستے جائے گی
دوسری پارٹی غار کے ذریعے باس کے ہیڈ کوارٹر کا رخ کرے
گی... اس طرح لہروں کی دیوار ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں
بنے گی۔"

"بہت خوب... میرا خیال ہے... ان حالات میں اس سے
بہتر کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی۔" منور علی خان نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے... اب مہربانی فرما کر دو پارٹیاں
ترتیب دے لیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ترتیب دینے کی کیا ضرورت ہے... سیدھی سی بات
ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کون سی بات سیدھی ہے بھئی... وضاحت کرو۔" آفتاب
نے جھلا کر کہا۔

"تم کیوں جلے جا رہے ہو۔" فاروق نے بھی بھنا کر کہا۔

"ہاں اور کیا... جلنے کا کام فرزانہ کی جوتی کے حوالے
کروں۔" مکھن بولا۔

"ارے... خبردار... جو میری جوتی کے بارے میں کچھ کہا۔"
فرزانہ نے چلا کر کہا۔

"خبردار... میں تم لوگوں کو اس مرحلے پر باتوں کی کسی
جنگ کی اجازت نہیں دے سکتا... دیکھتے نہیں... کس قدر نازک

پروگرام شروع ہونے والا ہے... ہاں... جب یہاں سے
ہو جائیں... اس وقت جتنی جی چاہے باتیں کر لینا۔"
بیگم جمشید نے غرا کر کہا۔

"بہت بہتر... آپ ہمیں ڈرائیں تو نہ۔" شوکی کانپ کر
بولا... اور سب مسکرا دیے۔

"ہاں فاروق تم کیا کہہ رہے تھے... بالکل سیدھی سی
بات ہے۔"

"ہم تین پارٹیاں ہیں... ڈیڑھ ڈیڑھ پارٹی ہو جاتے
ہیں۔" فاروق بولا۔

سب ہنس پڑے...

"اس طرح تو شوکی برادرز پارٹی کو توڑنا پڑے گا۔" پروفیسر
داؤد مسکرائے۔

"نہیں ہمارے دشمن۔" مکھن نے بڑے بوڑھوں کے
انداز میں کہا۔

"بھئی توڑنے سے اچھا تقسیم کرنا پڑے گا۔"

"نہیں... اس طرح مزا نہیں آئے گا... میرا خیال ہے...
پارٹیاں ترتیب دینے کا کام میرے سپرد کر دیں۔" خان
رحمان بولے۔

"چلو ٹھیک ہے... بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"دونوں پارٹیوں کے لیڈر انسپکٹر کامران مرزا اور تم ہو۔ یعنی ایک پارٹی کے سربراہ تم اور دوسروں کے انسپکٹر کامران مرزا۔"

"چلو منظور ہے... اب باقی لوگوں کی تقسیم ہو جائے۔"

"انسپکٹر کامران مرزا کی پارٹی کے باقی ممبران تمہاری ماتحتی میں روانہ ہوں گے... جب کہ تمہاری پارٹی کے ممبران انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک... لیکن شوکی برادرز پھر بھی رہ گئے۔"

"شوکی اور اخلاق تمہارے حصے میں اور مکھن اشفاق انسپکٹر کامران مرزا کے حصے میں۔"

"اور... اور پروفیسر عقلان انکل کا کیا کریں۔" شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"ان... ان کو... ان کو آدھا آدھا تقسیم کر لیں۔" خان رحمان نے بے چارگی کے عالم میں بولے۔

ان کی کھی کھی شروع ہو گئی...

"ہم... مجھے کوئی اعتراض نہیں بھئی... پوری دنیا کے لیے اگر میرے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہو گا۔" پروفیسر عقلان بولے۔

ان کے لیے قرعہ اندازی... نہیں... بلکہ انھیں ہم

طرف مقرر کر دیا اور پوری طرح چوکس کھڑے رہنے کا اشارہ کیا... خود وہ سٹینڈ کے گرد چکر کاٹنے لگے... ان کی نظریں دور تک دیکھ رہی تھیں... ادھر پروفیسر صاحبان اوپر پہنچ کر اپنے کام میں مصروف ہو چکے تھے... اب ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اڑن طشتری کو کھول ڈالیں... ان کو کھول کر ہی ان کا کچھ بگاڑ سکتے تھے...

وقت بہت آہستہ آہستہ گزرنے لگا... وہ بتوں کی مانند کھڑے تھے... ہونٹ بالکل بند تھے... کسی کو بولنے کی اجازت نہیں تھی... پروفیسر صاحبان بھی آواز پیدا کیے بغیر کام میں مصروف تھے... اچانک پروفیسر غوری کے ہاتھ سے کوئی چیز چھوٹ گئی... وہ اڑن طشتری کے ساتھ ٹکرائی اور نیچے کی طرف چلی... ٹکرانے کی آواز گونجی اور ان کے دل دھک دھک کرنے لگے... انسپکٹر جمشید تیزی سے آگے بڑھے اور گرنے والی چیز کو کیچ کر لیا... پھر خود سٹینڈ پر چڑھ کر وہ آلہ انھوں نے پروفیسر غوری کو تھما دیا...

ایسے میں انھوں نے ٹیلا نما عمارت میں سے ایک میں روشنی ہوتے دیکھا... اس کا مطلب یہ تھا کہ اڑن طشتری سے آلہ ٹکرانے کی آواز اس عمارت میں موجود لوگوں نے سن لی تھی... گویا ان کا کوئی نہ کوئی تعلق اس اڑن طشتری سے تھا...

وہ ہوشیار ہو گئے... انسپکٹر جمشید نے انھیں وہیں چوکس کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور خود اس عمارت کی طرف جھک کر تیزی سے بڑھنے لگے... ابھی وہ عمارت سے کافی فاصلے پر تھے کہ انھوں نے دس دشمنوں کو آگے بڑھتے دیکھا... انھوں نے پستول نکال لیا... لیکن اس کی شعاع تو ختم ہو چکی تھی... پھر بھی انھوں نے پستول ہاتھ میں لے لیا... اس سے لوہے کی کسی وزنی چیز کا کام تو لیا ہی جا سکتا تھا... یہ سوچ کر انھوں نے پہلے تو اسے نال کی طرف سے پکڑ لیا... پھر کچھ سوچ کر دستے کی طرف سے پکڑا اور ٹریگر دبا کر دیکھا... اس میں سے کوئی شعاع نہ نکلی... شاید اسے دوبارہ چارج کرنا پڑتا تھا اور چارج کرنے کا طریقہ انھیں معلوم نہیں تھا...

اتنے میں دس آدمی ان کے نزدیک آ گئے... اب وہ بھی انھیں دیکھ چکے تھے... اچانک ان میں سے ایک نے کہا:

"کیا تم یہ سمجھتے ہو... کہ تم لوگوں کے یہاں آ جانے کی باس کو خبر نہیں ہوئی ہو گی۔"

انسپکٹر جمشید اب بھی کچھ نہ بولے... اس پر اس نے کہا:

"اس خیال میں نہ رہنا... جب بھی کوئی اس پہاڑ پر چڑھتا ہے... باس کو فوراً خبر ہو جاتی ہے... گویا اس وقت باس پوری طرح تم لوگوں کی طرف متوجہ ہے... کیوں باس... میں غلط تو نہیں کہہ رہا..."

"بالکل نہیں... نمبر ا... بالکل نہیں۔"

باس کی آواز نے انھیں چونکا دیا... گویا معاملہ پوشیدہ نہیں تھا...

"اگر تمھیں خبر ہو چکی تھی تو اپنے ساتھیوں کو جگایا کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جب تک میں جگانے کی ضرورت نہ محسوس کرتا... اس وقت تک کس طرح جگا سکتا تھا... اب بھی دیکھ لو... باقی عمارتوں کے لوگ سوتے ہوئے ہیں... حالاں کہ میرے صرف ایک بٹن کے دبانے پر وہ سب جاگ جائیں گے۔"

"تو تم انھیں جگاؤ گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"نہیں... نہ انھیں جگاؤں گا اور نہ انھیں تم پر حملہ کرنے کی اجازت دوں گا... پہلے تم لوگ اپنی سی کوشش کر لو... اس بھول میں بھی نہ رہنا کہ میں تم لوگوں کی طرف سے بے فکر ہو گیا تھا... مجھے پورا یقین تھا کہ تم ایک بار پھر آؤ گے... اور نصف لوگوں

کے یہاں نظر آنے کا یہ مطلب ہے کہ بقیہ نصف غار کی
طرف سے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے... خیر
پروا نہیں... میں ان کا بھی شایانِ شان استقبال کروں
گا... شکست تم لوگوں کا مقدر بن چکی ہے... اس دیس
میں تم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے... لیکن اب میں تم
لوگوں کو زندہ واپس نہیں جانے دوں گا... پہلے تو
میں نے سوچا تھا کہ شاید تم عقل سے کام لے لو...
اور واپس چلے ہی جاؤ... لیکن میرا دوسرا خیال ہی ٹھیک
نکلا... نمبر ایک... واپس لوٹ جاؤ... ابھی ان لوگوں سے
دور رہو... جب تک میں اشارہ نہ کروں... اس وقت
تک ان کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔"

"اوکے باس۔" نمبر ایک نے کہا۔

اور پھر واپس لوٹ گئے... انسپکٹر جمشید بھی اپنے
ساتھیوں کی طرف چل پڑے:

"میرا خیال ہے... اب تو ہم بول سکتے ہیں۔" آفتاب
نے ان کے نزدیک پہنچنے پر کہا۔

"ہاں! اب خاموش رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ
مسکرائے۔

"شکر ہے اللہ کا... اس نے ہماری زبانوں کو
بولنے کی مہلت تو عطا فرمائی... ہم تو اتنی سی دیر میں خود
کو گونگا محسوس کرنے لگے تھے۔"

"گونگے آدمی ویسے بہت اچھے ہوتے ہیں... ان
سے دوسروں کے کانوں کو کوئی تکلیف پہنچنے کا امکان
نہیں ہوتا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن انکل... ہم کیا کریں... ہم اللہ کے فضل
سے ایک ایک زبان کے مالک ہیں۔" آصف بولا۔

"بلکہ... آفتاب کی ایک زبان تو دس زبانوں کے برابر
ہے... بلکہ اس پر بھی بھاری ہے..." فرحت نے
شوخ آواز میں کہا۔

"بہتر ہو گا کہ تم اپنی زبانوں کی بات کرو...
اور میری زبان کو بس معاف ہی رکھو۔" آفتاب
نے جل بھن کر کہا...

"میں نے کہا تھا نا... کہ گونگا ہونا یہاں بہت
اچھا رہے گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"لیکن... کیا فائدہ انکل..." شوکی بولا۔

"سر... میں... پروفیسر عقلان صاحب کے چہرے
پر شدید الجھن دیکھ رہا ہوں۔" ایسے میں شاہد

کی آواز ابھری۔

ان سب نے اوپر دیکھا...

شاید کی بات بالکل درست تھی...

جلدی ہی انھیں پروفیسر غوری کی پیشانی پر بھی شدید الجھن دکھائی دی...

ں پارٹی میں شامل کریں گے، جو اڑن طشتریوں کی طرف ئے گی... کیوں کہ پروفیسر صاحبان کی اس طرف ضرورت دہ ہو گی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہوں... یہ ٹھیک رہے گا۔"

"اس طرح تو پھر تینوں پروفیسر صاحبان کو..." فاروق کہتا رک گیا۔

"نہیں بھئی... ان میں سے ایک تو کم از کم دوسری طرف جائیں گے... وہاں بھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آ سکتا ہے ان کی ضرورت محسوس ہو۔"

"خیر... یہ طے رہا کہ پروفیسر عقلان اڑن طشتریوں کی جانے والی پارٹی کے ساتھ جائیں گے۔" خان رحمان لے۔

"اب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کون سی پارٹی اڑن طشتریوں ن جائے گی... اور کون سی غار کے راستے باس کے کوارٹر تک۔"

"اس بارے میں ٹاس کر لیں۔" محمود نے کہا۔

"بھئی اس میں ٹاس کی کیا ضرورت ہے... میں اڑن ریوں کی طرف چلا جاتا ہوں... انسپکٹر کامران مرزا باس کی ... اور اگر انھیں اس پر کوئی اعتراض ہے تو اس کے الٹ۔"

"اعتراض کیسا" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"تو پھر بسم اللہ کریں" محمود نے کہا۔

"ابھی نہیں... میں نے اس کے لیے رات کا وقت مناسب خیال کیا ہے... آپ کا کیا خیال ہے... انسپکٹر کامران مرزا!"

"بالکل ٹھیک..." وہ بولے۔

"تب تو... تب تو ہمارے پاس بہت وقت ہے" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کس بات کے لیے" پروفیسر داؤد بے چینی کے عالم میں بولے۔

"جی بس... باتوں کے لیے ہی"

"نہیں بھئی... اس سے کہیں بہتر ہے... ہم اپنے اللہ سے اپنی کامیابی کے لیے دعا کریں... اس کے ساتھ سجدے میں گر جائیں..."

"آپ... آپ ٹھیک کہتے ہیں"

"تھوڑی دیر بعد سب نماز میں مصروف ہو چکے تھے اور پھر گڑگڑا کر اس مالکِ حقیقی سے دعا کر رہے تھے... ایسے میں ان سب کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے... ابھی وہ عبادت میں مصروف تھے کہ ایک بار پھر اڑن طشتری کا شور سنائی دیا... وہ واپس آ گئی تھی... انھوں نے اڑن طشتری

دھند کی طرف اترتے دیکھا اور پھر... رات کے ساڑھے بارہ بجے کے قریب دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہی تھیں...

انسپکٹر جمشید اپنی پارٹی کو لے کر سیدھے اس رسی تک پہنچے... جس کے ذریعے وہ پہاڑ پر چڑھے تھے... رسی اور ہکون کی مدد سے اب اوپر چڑھنا پہلے کی نسبت بہت آسان تھا۔ اور پھر اب راستے میں کسی رکاوٹ کا امکان بھی نہیں تھا... لہٰذا وہ چڑھتے چلے گئے... پھر خلا کو عبور کرنے کا مرحلہ پیش آیا... لیکن بھلا ان کے لیے یہ بھی کیا مشکل تھا۔ خلا کو عبور کر کے وہ ڈھلوان پر پہنچے اور رسی پکڑ کر باری باری پھسلتے چلے گئے... اب وہ پہاڑ کے اس طرف دھند کے نیچے موجود تھے... دھیمی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور اس دھیمی روشنی میں دھند گویا لہروں کی طرح تیر رہی تھی... وہ ان لہروں میں سے گزرتے اڑن طشتریوں کی طرف بڑھنے لگے... یہاں تک کہ ان ٹیلا نما عمارات تک پہنچ گئے... عمارات کے دروازے بند تھے، گویا... باس کے ساتھی گہری نیند میں غرق تھے... شاید ان عمارات کے اندر آوازیں نہیں جاتی تھیں... کیوں کہ ان کے پاس وہ بستول نہیں تھے... جن سے آواز سلب ہو جاتی

تھی... ایسا پستول ابھی تک انھوں نے صرف زیاماٹا کے پاس دیکھا تھا... باس کے محافظ دستے کے پاس پستول ضرور تھے... لیکن شاید ان سے صرف شعاع نکلتی تھی...

وہ عمارات کے پاس سے بھی گزرتے چلے گئے... ابھی تک ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے روانہ ہونے سے پہلے ان سے کہ دیا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں کریں گے... کیوں کہ اس وادی میں ہونے والی ہر بات باس کے ہیڈ کوارٹر میں ضرور سنی گئی ہے... اور اس وجہ سے سویا ہوا باس بھی جاگ سکتا ہے اور اس بات میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ جب تک وہ سویا ہوا تھا، اس وقت تک ان کے لیے سکون تھا...

آخر وہ پہلی اڑن طشتری کے سٹینڈ تک پہنچ گئے... اڑن طشتری سٹینڈ پر موجود تھی...

پروفیسر غوری اور پروفیسر عقلان نے انسپکٹر جمشید کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا، انھوں نے سر ہلا دیا... اور وہ دونوں اپنے آلات والے تھیلوں کے ساتھ اوپر چڑھتے چلے گئے... یہ چھوٹے چھوٹے خفیہ بیگ وہ اپنے جسموں کے ساتھ چمٹا کر لاتے تھے...

انسپکٹر جمشید نے ان سب کو اڑن طشتری کے چاروں

ایک خیال

انسپکٹر کامران مرزا اپنی پارٹی کے ساتھ غار میں فر کر رہے تھے... ایک جگہ انھیں وہی چھڑی پڑی ل گئی... جس سے روشنی پھوٹتی تھی... اس کی روشنی ں آخر وہ غار کے اختتام تک پہنچ گئے... یہاں جگہ تھی... جہاں زیاماٹا نے انگلی کے ذریعے ستا کھولا تھا۔

ان سب نے غار کی دیوار کا بغور جائزہ لیا، ر جگہ انگلی کا دباؤ ڈال کر دیکھا، لیکن راستا نہ لنا تھا، نہ نکلا... یہاں تک کہ ان کے چہروں ر اکتاہٹ کے آثار نظر آنے لگے...

"حیرت ہے... ہم لوگوں کے سامنے زیاماٹا نے لی کا دباؤ ڈالا تھا اور راستا کھل گیا تھا... لیکن ب نہیں کھل رہا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"یہ بھی تو ضروری نہیں کہ ہم میں سے کسی کی انگلی عین اس
جگہ پر پڑی ہو... دراصل ہمیں بالکل وہ جگہ تلاش کرنی چاہیے
ایک چوٹی کے برابر وہ جگہ... کون سی ہے... سوال تو یہ
ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں... ٹھیک ہے... لیکن ہم چوٹی کے برابر اس جگہ
کو کس طرح تلاش کریں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ فرزانہ بتائے گی۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ہم... ہیں... اچھا ٹھیک ہے... یہ مشعل مجھے دے
دیں۔" وہ بولی۔

انسپکٹر کامران مرزا نے مشعل اس کے ہاتھ میں دے
دی... اب اس نے اس کی روشنی میں غار کی دیوار
کے ایک ایک انچ کا جائزہ لیا... لیکن وہ جگہ نظر نہ آئی۔

"کمال ہے... آخر زیاباٹا کو وہ جگہ کس طرح نظر آ
جاتی ہے... اس کی تو آنکھوں پر کوئی عینک بھی نہیں
تھی... کہ شاید اس کے شیشوں میں سے وہ جگہ اسے
نظر آ جاتی ہو گی۔"

"عینک کوئی ضروری چیز نہیں... آج کل آنکھوں میں
بھی ننھے ننھے شیشے لگ جاتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"اوہ ہاں... یہ بات بھی ہے... لیکن اب ہم اس قسم

کے شیشے کہاں سے لائیں۔" مکھن نے منہ بنایا۔

"ایک بات طے ہے۔" محمود نے اعلان کرنے والے
انداز میں کہا۔

"اب جب تک ہم پوچھیں گے نہیں... تم بتاؤ گے
نہیں... کہ کیا بات طے ہے۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"نہیں... ایسی کوئی بات نہیں... میں ضرور بتاؤں گا...
طے یہ ہے کہ وہ جگہ ہے اس دیوار پر ہی... زیاباٹا کا قد
بھی ہم جانتے ہیں کتنا ہو گا... اس نے ہاتھ زیادہ اوپر
بھی نہیں اٹھایا تھا۔"

"ہاں پھر... کہتے کہتے رک کیوں جاتے ہو۔" پروفیسر داؤد
بے تابانہ بولے۔

"تا کہ سسپنس پیدا ہو جائے۔" اکرام مسکرایا۔

"جی ہاں... بات دراصل یہ ہے کہ سسپنس کے بغیر
ہمارا کھانا بھی تو ہضم نہیں ہوتا۔"

"ارے باپ رے... تم نے کھانے کا نام کیوں لے
لیا۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن انکل... شام کے وقت ہم پورا ایک ہرن اور
پھل کھا چکے ہیں... لیکن اب بھی آپ کو بھوک لگی ہے۔"
آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں... ابھی تو نہیں... لیکن دن نکلنے پر تو لگ ہی
جائے گی۔"

"پروا نہ کریں... دن نکلنے پر دیکھ لیں گے۔" خان
رحمان بولے۔

"ہاں محمود... تم کیا کہ رہے تھے؟"

"میں کہ رہا تھا... دیوار ہمارے سامنے ہے... ہم بر
ایک ترتیب سے انگلیوں سے دباؤ ڈالنا کیوں نہ شروع
کر دیں... کسی نہ کسی کی انگلی تو اس جگہ آ ہی جائے گی۔"

"شاید ایسا ہو جائے... اور ہو سکتا ہے... ایسا نہ ہو
تاہم یہ کام بہت مشکل ہو گا... اور اس میں وقت بھی
بہت لگے گا... جب کہ زیاماٹا نے فوراً ہی انگلی اس
جگہ رکھ دی تھی... آخر کیسے... ہم یہ کیوں نہ سوچیں۔"
فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ضرور سوچیں... لیکن اگر اس نے آنکھوں میں لگے
شیشوں کی مدد سے اس جگہ کو دیکھا تھا تو ہماری ترکیب
دھری کی دھری رہ جائیں گی۔" اشفاق بولا۔

"ایک منٹ... مجھے ایک کوشش اور کر لینے دیں۔" ایسے
میں فرزانہ نے چونک کر کہا۔

پھر وہ مشعل کو لے کر آگے بڑھی... اس نے اس

مشعل کو اوپر نیچے... دائیں بائیں کر کے دیکھا... مطلب یہ کہ
اس کی روشنی دیوار پر مختلف زاویوں سے ڈالتی رہی... اچانک
اس کے منہ سے نکلا:

"اوہ!"

"کیا ہوا۔" انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔

"دیوار میں مجھے ایک بالکل سیاہ نقطہ نظر آیا تھا... چونٹی
کے برابر۔"

"پھر... وہ... وہ کہاں ہے۔"

"بس ایک لمحے کے لیے نظر آیا تھا... پھر شاید مشعل کی
روشنی کا زاویہ بدل گیا ہے۔"

"تب پھر اس زاویے سے روشنی دیوار پر ڈالو۔" محمود
نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"میں یہی کروں گی... فکر نہ کرو۔" اس نے کہا اور پھر
روشنی ڈالنے لگی... اس مرتبہ اس کا مشعل والا ہاتھ بہت
دھیمے انداز میں حرکت کر رہا تھا... اور پھر وہ چلائی:

"ہم... میں نے اسے پکڑ لیا ہے۔"

"پکڑ لیا ہے... لیکن تم نے تو... فرزانہ کسی چیز کو بھی
نہیں پکڑ رکھا..." پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

"میرا مطلب ہے... میری نظریں... اس جگہ پر جم کر رہ

گئی ہیں... محمود... آگے آؤ..."

"ہاں کہو... میں آگے آ گیا ہوں" وہ بولا۔

"بالکل اس انداز میں مشعل پکڑ کر کھڑے رہو... میں لگ بڑھ کر دباؤ ڈالتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور مشعل اس کے ہاتھ سے لے لی... جوں ہی فرزانہ آگے بڑھی... ٹھٹک کر رک گئی...

"کیوں... اب کیا ہوا۔"

"آگے بڑھتے ہی نقطہ غائب ہو گیا۔"

"اوہ... تو پھر واپس آؤ۔"

وہ واپس آ گئی... پھر پہلی جگہ کھڑی ہوئی...

"ہاں! اب نظر آ رہا ہے... محمود... تم قدم یہاں رکھ کر کھڑے رہو... میں مشعل ہاتھ میں لے کر آگے بڑھتی ہوں اور نقطہ پر مسلسل نظر رکھے رہوں گی۔"

"یہ... ٹھیک رہے گا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

اب وہ آگے بڑھی، ساتھ میں بڑبڑا بھی رہی تھی:

"مم... میں... میں اسے برابر دیکھ رہی ہوں... شاید اس بار یہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکے گا۔"

اور پھر فرزانہ اسی انداز میں حرکت کرتے ہوئے

دیوار تک پہنچ گئی... اس نے کانپتی آواز میں کہا:

"ہوشیار... میں انگلی کا دباؤ ڈالنے لگی ہوں... ہو سکتا ہے... اس طرف دشمن موجود ہوں۔"

وہ جلدی جلدی ادھر ادھر ہو گئے... اور پوزیشن سی لے لی... اسی وقت فرزانہ نے انگلی کا دباؤ ڈال دیا... ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی... اور پھر راستا نمودار ہو گیا... دوسری طرف کوئی بھی نہیں تھا... انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... فوراً راستا عبور کر گئے... ان کے دوسری طرف پہنچنے کے بعد بھی راستا کھلا ہی رہا...

"جب بیاباٹا نے راستا کھولا تھا تو اس طرف آ جانے کے بعد یہ خود بخود بند ہو گیا تھا..." انسپکٹر کامران مرزا نے سرگوشی کی۔

"ہو سکتا ہے... ہم سب کے اس طرف آنے کے بعد اس نے پھر کچھ کیا ہو۔" محمود نے بھی دبی آواز میں کہا۔

"خیر... اس کے کھلے رہنے سے ہماری صحت پر کیا برا اثر پڑتا ہے... کھلا رہنے دیں۔" خان رحمان بولے۔

"اگر یہ بند ہو جاتا تو ہم اسی وقت اس کا جائزہ لے لیتے کہ اس طرف سے کیسے کھلتا ہے... تاکہ بعد میں ضرورت کے وقت ہم کام نکال سکتے۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"لیکن اب ہم کیا کر سکتے ہیں... آؤ... آگے چلیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

وہ سب آگے کی طرف چل پڑے... پہلے جب وہ آئے تھے... تو زیانانا تو ان کے ساتھ تھی ہی... دس محافظ بھی آ گئے تھے... لیکن اب کوئی نہیں تھا... اس لیے وہ بلا کھٹکے آگے بڑھتے چلے گئے اور پھر ہیڈ کوارٹر کے سامنے پہنچ گئے۔ ہیڈ کوارٹر کا دروازہ بند تھا... باہر کوئی محافظ نہیں تھا... البتہ عمارت کے گرد سنہری رنگوں کا دھواں سا پھیلا ہوا تھا۔

"پروفیسر صاحب... کیا یہ دھواں پہلے بھی تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"نہیں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"پھر... آپ کے خیال میں اس کا کیا مطلب ہے۔"

"شاید یہ حفاظتی تدبیر ہے... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باس کو ہمارے اس طرف داخلے کی اطلاع مل گئی ہو۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ... اگر باس کو اطلاع ہو گئی ہے... تو ہم سب خطرے میں ہیں۔" اشفاق نے کہا۔

"اور ہم خطرے میں ہوتے کب نہیں۔" مکھن نے منہ بنایا۔

"ہاں... بالکل... خطرے کا اور ہمارا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"ایک تو ہر بات میں چولی دامن کا ساتھ نکل آتا ہے۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"یوں کام نہیں چلے گا... ہم یہاں آگے بڑھنے کے لیے آئے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا اور عمارت کی طرف قدم اٹھانے لگے:

"ایک منٹ انکل۔" ایسے میں مکھن بول اٹھا۔

"کیا بات ہے مکھن۔"

"آپ کا آگے بڑھنا مناسب نہیں۔"

"تو پھر... ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"میرا... میرا مطلب ہے... پہلے میں کیوں نہ آگے بڑھ کر دیکھوں... ہو سکتا ہے... مجھے کوئی نقصان پہنچے... لیکن اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ پارٹی کا ایک بے کار آدمی بے کار ہٹے گا... کام کا آدمی نہیں۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"میں اپنی پارٹی کے کسی آدمی کو بے کار خیال نہیں کرتا۔" انسپکٹر کامران مرزا سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"پھر بھی انکل... میرا خیال ہے... مکھن نے ٹھیک ہی کہا ہے... آپ ہم میں سے کسی کو اجازت دیں۔" محمود بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے... میں خود کو تو بچا لوں... اور اپنی پارٹی کے کسی فرد کو خطرے میں ڈال دوں۔"

"اس وقت اس کی ضرورت ہے انکل۔" فاروق نے کہا۔

"نہیں... یہ بات میرے ضمیر کے خلاف ہے۔"

"لیکن... میرے ضمیر کے خلاف نہیں۔"

یہ کہتے ہی مکھن نے اچانک عمارت کی طرف بے تحاشا دوڑ لگا دی...

"ارے ارے... رک جاؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا چلا اٹھے۔

اس وقت تک وہ سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے تھے، جب کہ اس وقت ان کے منہ سے بلند آواز نکل گئی...

لیکن ان کی آواز بے کار گئی... مکھن اس وقت عمارت کی سیڑھی تک پہنچ چکا تھا... جونہی وہ سیڑھیاں چڑھ کر دروازے تک پہنچا... اس طرح اچھلا جیسے کسی نے کوئی گیند پوری طاقت سے اچھال دی ہو۔

اور وہ گویا ہوا میں اڑتا ہوا ان کے سروں پر سے ہوتا ہوا دور جا گرا... وہ دم بخود رہ گئے... پھر پلٹ کر مکھن کی طرف دوڑے... انھوں نے دیکھا... وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو گیا تھا...

"مکھن کی جگہ بے ہوش مجھے ہونا تھا... لیکن اس نے یہ گوارا نہیں کیا..." انسپکٹر کامران مرزا جذباتی آواز میں بولے۔

"تو کیا ہوا انکل... ہم سب آپ کی خاطر اپنی جانیں قربان

کرنے کے لیے تیار ہیں۔" اشفاق بولا۔

"میری خاطر نہیں بھئی... ملک کی خاطر... پوری دنیا کی خاطر۔" وہ مسکرائے۔

"تب پھر اعتراض کیسا؟" محمود مسکرایا۔

"اعتراض میں نے کب کیا بھئی... میں نے تو دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے... ہم عمارت میں داخل نہیں ہو سکتے... نہ جانے ہمارے ساتھی کہاں تک پہنچے۔" پروفیسر داؤد نے سرد آہ بھری۔

"ان کا آپ فکر نہ کریں..." محمود بولا۔

"پروفیسر صاحب... یہاں سے شاید آپ کا کام شروع ہوتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ہاں ضرور... جہاں تک میرا خیال ہے... اس سنہرے دھوئیں کو ہٹانا ہو گا... جب تک ہم اسے نہیں ہٹائیں گے... اس وقت تک اندر داخل نہیں ہو سکیں گے۔"

"تم لوگوں کو اندر داخل ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے بھئی... ہم خود باہر آ جاتے ہیں۔" اچانک انھوں نے باس کی آواز سنی۔

"اوہو... مسٹر باس... آپ جاگ رہے ہیں۔" فاروق چہکا۔

"ہاں! اور کیا کروں۔" وہ بولا۔

"تو آپ ہمارے مقابلے پر آرہے ہیں... آیئے... آیئے ہمیں بہت خوشی ہوگی۔" فاروق چہکا۔

"مجھے مقابلے پر آنے کی ضرورت نہیں... میں ہر کام بیٹھے بیٹھے کر لینے کا عادی ہوں... بہت شدید ضرورت پڑنے پر اس عمارت سے باہر نکلتا ہوں۔"

"چلیے خیر... آپ اپنے محافظوں کو ہی ہمارے مقابلے پر بھیج دیں... ہم ان سے ہی گزارہ کر لیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"ضرور... کیوں نہیں... وہ آرہے ہیں... اس طرف دیکھیں۔"

"کس طرف..." انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"اپنے دائیں طرف۔"

انھوں نے نظریں اٹھائیں... دائیں طرف سے وہی دس محافظ چلے آرہے تھے... اور ان کے ہاتھوں میں پستول بھی تھے... شعاعی پستول... انھوں نے غور سے ان کی طرف دیکھا... وہ سر سے پیر تک زمبوٹا کے باشندے نظر آرہے تھے... ان کی چال ڈھال بھی زمینی انسانوں جیسی نہیں تھی... ان کے نزدیک آکر وہ رک گئے...

"کیا یہ ہم پر شعاعی پستول چلائیں گے مسٹر باس۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بے خوف ہو کر پوچھا۔

"ہاں... پہلے ہم نے کوشش کی تھی کہ تم لوگوں کو ہلاک کیا جائے... کیوں کہ لاشوں کو اٹھا کر لے جانا جان جوکھوں کا کام ہے... لیکن اب ہمارے لیے یہ کام آسان ہے... تم لوگوں کی طرف سے بار بار الجھن مول لینا زیادہ مشکل ہے۔"

"ٹھیک ہے... پھر ہم بھی تنگ آچکے ہیں... اب فیصلہ ہو ہی جائے۔"

"ان شعاعوں کے آگے بھلا تمھاری کیا دال گلے گی۔" باس ہنسا۔

"دال نہ گلے... ہم تو گل سکتے ہیں۔" مکھن نے منہ بنایا... وہ ہوش میں آچکا تھا۔

"روگوفنا... انھیں ختم کر دو... یہ میرے لیے دردِ سر بنتے جا رہے ہیں۔"

"اوکے باس... یہ کام کیا مشکل ہے۔" ان میں سے سب سے اگلے نے کہا... ساتھ ہی اس نے وحشیانہ انداز میں دانت نکال دیے... پھر وہ ان کی طرف قدم اٹھانے لگے... ایسے میں اچانک انسپکٹر کامران مرزا نے چلا کر کہا:

"میرے پیچھے آؤ... اس قدر تیز... کہ کیا کبھی تیز دوڑے ہو گے۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے دوڑ لگا دی... وہ سب ان کے پیچھے دوڑ پڑے... یہ جانے بغیر کہ اس دوڑ کا کیا مقصد ہے... انسپکٹر کامران مرزا کیا چاہتے ہیں... ویسے ان کا رخ غار کی طرف تھا... ان کے ساتھ ہی دس کے دس محافظ بھی دوڑنے لگے... ایسے میں باس کی طنزیہ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"بس انسپکٹر کامران مرزا... بھاگ نکلے... لیکن تمھارا خیال غلط ہے۔"

"کون سا خیال۔" انسپکٹر کامران مرزا نے دوڑتے دوڑتے کہا۔

"یہ خیال کہ غار کا راستا اب تک کھلا ہوگا... تم لوگوں کے اس طرف آتے ہی میں نے اسے بند کر دیا ہے، اور اب تم اسے افراتفری کے عالم میں نہیں کھول سکو گے۔"

"اچھا... کمال ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے شوخ آواز نکلی۔

"شاید تمھیں یقین نہیں آیا... لیکن اتنی بات سن لو... میں غلط بیانی کا عادی نہیں ہوں۔"

"نہیں! مجھے یقین آ گیا ہے... کہ تم وہ راستا بند کر چکے ہو۔"

"تب پھر... دوڑ کیوں رہے ہو... ان محافظوں سے مقابلہ کرو نا۔"

"یہ مقابلہ ہی تو کر رہے ہیں۔" فاروق بول اٹھا۔

"اچھا... مقابلہ اس طرح کیا جاتا ہے۔" باس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مقابلے کا ایک انداز یہ بھی ہے۔"

"باس ہمیں باتوں میں لگانا چاہتا ہے... اس سے باتوں میں مت الجھو... صرف اور صرف میرے پیچھے آنے کی کوشش کرو... اور ہاں... پروفیسر صاحب کا کیا حال ہے... وہ زیادہ پیچھے تو نہیں۔"

"ہاں... پیچھے رہ تو گئے ہیں۔" خان رحمان نے دوڑتے دوڑتے مڑ کر دیکھا۔

"اچھا... تم لوگ اسی سمت میں دوڑتے رہو... دوڑتے رہو... میں انھیں لے کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا واپس مڑے اور پوری رفتار سے دوڑتے ہوئے پروفیسر داؤد کے پاس پہنچ گئے... انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... تیزی سے جھکے اور انھیں کندھے پر اٹھا کر پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے... یہ کیا کر رہے ہو بھئی۔"

"وہ... آپ تک پہنچ جائیں گے۔" انھوں نے کہا۔

"تو کیا ہوا... میری خاطر تم خود کو خطرے میں نہ ڈالو
مجھے اٹھا کر تم زیادہ تیز نہیں دوڑ سکو گے۔"

"مجھے امید ہے... میں اپنے ساتھیوں تک پہنچ جاؤں
گا۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن اس میں کیا حرج ہے کہ میں ان کے ہاتھ
لگ جاؤں... اور تم سب بحفاظت نکل جاؤ۔"

"نہیں پروفیسر صاحب... ہم نکل جانے کے لیے نہیں
دوڑ رہے۔"

"تو پھر..." ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم ان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔"

"مقابلہ... اس طرح مقابلہ کیا جاتا ہے۔" انھوں نے
حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں... دشمن کے پاس شعاع والے پستول ہیں...
ہمارے پاس ایسے پستول نہیں ہیں... دوسری قسم کے یعنی
زمینی قسم کے ہوتے تو یہاں وہ بے کار ثابت ہوتے...
ان حالات میں لڑنے کا طریقہ بالکل مختلف ہونا چاہیے تھا...
سو میں نے یہ طریقہ نکال لیا۔"

"لیکن بھئی... اس سے آخر کیا ہو گا... ہم کس طرح

بچ سکیں گے۔" وہ بولے۔

"بس دیکھتے جائیے۔"

انھوں نے دوڑ جاری رکھی... یہاں تک کہ اشفاق تک
پہنچ گئے... وہ اپنے ساتھیوں میں سب سے پیچھے تھا۔

"تو بھئی اشفاق... میں کم از کم تم تک تو پہنچ ہی گیا۔"

"آپ آگے نکل جائیں... میری فکر نہ کریں۔" اشفاق بولا۔

"نہیں... اب میں اتنا تیز بھی نہیں دوڑ سکتا... کہ اور
آگے نکل جاؤں... تاہم درمیانی فاصلہ بہت ہے... اور
اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی... یہی ہماری کامیابی
کا ثبوت ہے۔"

"لیکن... ہمیں کس سمت میں دوڑنا ہے انکل... یہ تو
آپ ہی بتائیں گے... اور ظاہر ہے... پیچھے رہ جانے کی
صورت میں آپ کس طرح بتا سکیں گے۔" اشفاق بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں... میں یہاں سے بھی انھیں
ہدایات دے سکتا ہوں۔"

"آخر ہم کب تک دوڑیں گے... وہ ہمیں آ لیں گے...
پھر ہم خود کو ان کے پستولوں سے نہیں بچا سکیں گے۔"

"میں نے ایک داؤ کھیلا ہے... اور ان حالات میں اس
کے علاوہ کوئی اور داؤ کھیلا ہی نہیں جا سکتا تھا..."

اب اس میں ہار بھی ہو سکتی ہے اور جیت بھی... بہر داؤ موافق بھی بیٹھ سکتا ہے اور الٹ بھی پڑ سکتا انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

پھر اچانک انھوں نے چلا کر کہا:

"بائیں طرف مڑتے چلے جاؤ... لیکن بہت غیر محسوس پر... ایسے کہ محافظ یہ اندازے نہ لگا سکیں کہ ہمارا بدل گیا ہے۔"

سب سے آگے اس وقت خان رحمان تھے... ان نے فوری طور پہ ہدایت پر عمل کیا اور رخ بدلنا دیا... باقی لوگ تو تھے ہی ان کے پیچھے... لہٰذا ان رخ خود بخود بدلنے لگے...

"انکل... آپ کہاں تک پہنچ چکے ہیں۔"

"فکر نہ کرو... میں اس وقت اشفاق کے ساتھ دو رہا ہوں..."

"تو کیا... اشفاق سب سے پیچھے ہے۔"

"ہاں!" انھوں نے کہا۔

"لیکن یہ تو لمبا آدمی ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"تیز دوڑنے سے میری پسلیوں میں درد ہونے لگتا ہے

ن نے منہ بنا کر کہا۔

کوئی بات نہیں بھئی... پھر بھی تم بہت تیز دوڑ رہے ...دیکھو نا... دشمن درمیانی فاصلہ کم نہیں کر پائے۔" انسپکٹر ن مرزا بولے۔

ان کا رخ تبدیل ہوتا گیا... دوڑتے دوڑتے انھیں دیر ہو گئی... ان کے سانس پھولنے لگے... پھر درمیانی اور بڑھ گیا... دشمن نظروں سے اوجھل ہونے لگا...

بس بھئی... رک جاؤ... دشمن بہت پیچھے رہ گیا ہے..."

کامران مرزا نے اعلان کیا۔

کیا ہوا انکل... یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ وہ بہت رہ گئے ہیں... لیکن ہم کیوں رکیں۔"

اس لیے کہ میں چاہتا ہوں... وہ بدستور ہمارا تعاقب رہیں۔" وہ مسکرائے۔

آخر کیوں... آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔" اکرام نے ہو کر کہا۔

بس یہ نہ پوچھو۔" انھوں نے جواب دیا۔

بہت بہتر... نہیں پوچھتے۔"

اب چوں کہ وہ سب رک گئے تھے... اس لیے جلد ن پہ نظر آنے لگے... انھیں رکا دیکھ کر... ان کی

رفتار تیز ہو گئی ...

"وہ ... وہ آ رہے ہیں انکل" محمود چلایا۔

"پروا نہ کرو ... ابھی وہ بہت دور ہیں ... تم اتنی دیر تک سانس لے لو" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"جی بہتر ... بہت بہت شکریہ انکل ... سانس لینا میرے لیے بہت ضروری ہے" اشفاق نے خوش ہو کر کہا۔

پھر دشمن جونھی نزدیک پہنچا ... اور انھوں نے اس بات کا خطرہ محسوس کیا کہ کہیں وہ شعاعی پستول کی زد میں نہ آ جائیں ... انسپکٹر کامران مرزا چلا اٹھے:

"دوڑ پھر جاری۔"

وہ بھاگ نکلے ... دس کے دس محافظ حیران رہ گئے، وہ تو سمجھے تھے ... بس ... مار لیا میدان ... لیکن میدان تو ابھی بہت دور تھا ... بلکہ لمحہ بہ لمحہ دور ہوتا جا رہا تھا ... ان بے چاروں کو کیا معلوم تھا کہ مقابلے میں انسپکٹر کامران مرزا کی عقل کام دکھا رہی ہے ...

درمیانی فاصلہ ایک بار پھر بڑھنے لگا ... کیوں کہ دشمن تو اب تک مسلسل دوڑتا رہا تھا ... جب کہ انھیں کچھ دیر کے لیے سانس لینے کا موقع بھی مل گیا تھا ... لہٰذا بہت جلد کافی فاصلہ بڑھ گیا ... ایک بار پھر وہ نظروں سے

اوجھل ہو گئے۔

"اب ادھر دائیں طرف مڑنا شروع کرو خان رحمان ... اور رفتار پہلے سے بڑھا دو" انھوں نے چلا کر کہا۔

"کیا کہا ... رفتار پہلے سے بڑھا دوں" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! اس لیے کہ اب میں اپنی اصل تجویز پہ عمل شروع کر رہا ہوں" وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب انکل ... کیا اب تک آپ نقلی تجویز پہ عمل تے رہے ہیں" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں بھئی ... یہ بھی اصل تجویز کا ہی ایک حصہ تھا، ن اب جو تجویز شروع ہوئی ہے ... وہ اصل حصہ ہے" وں نے کہا۔

"ہمارے پلے تو پڑا نہیں ... آپ کیا کہہ رہے ہیں" ن بولا۔

"فکر نہ کرو ... ابھی پڑ جائے گا ... تم دوڑ جاری رکھو۔"

"وہ تو خیر ... جاری ہے۔"

وہ دوڑتے رہے ... دشمن اب دور دور تک نظر آ رہا تھا ... اچانک انھیں ایک عمارت نظر آئی ... وہ اٹھے:

"ہائیں... یہاں تو ایک اور عمارت بھی ہے... ہمارا تو خیال تھا... اس وادی کے اس حصے میں باس کے ہیڈ کوارٹر کے علاوہ اور کوئی عمارت نہیں ہے۔" محمود نے حیرت زدہ انداز ہو کر کہا۔

"اور یہی خیال مجھے اس طرف لایا ہے۔" انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنی۔

"جی.. کیا مطلب؟"

ان سب کے منہ سے نکلا۔

کیا کہا

"خیر تو ہے... پروفیسر صاحبان؟" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"یہ... یہ گرم ہو رہی ہے۔" پروفیسر غوری بولے۔

"کیا کہا... گرم ہو رہی ہے؟"

"ہاں... اور تپش میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے... اگر چند منٹ تک اور یہی حال رہا تو ہم اس پر نہیں ٹھہر سکیں گے... اور اس طرح ہم ناکام ہو جائیں گے۔"

"اوہ... یہ تو واقعی بہت پریشانی والی بات ہو گئی..." فرحت بڑبڑائی۔

"آپ نے کیا کہا پروفیسر صاحب... چند منٹ اور..." انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"ہاں... صرف چند منٹ اور اگر یہی حالت رہی تو..."

"تب پھر آپ... ان چند منٹوں کو ضائع کیوں کرنے لگے؟ تو زندگی کے یہ چند منٹ کام میں لے آئیں... انھیں ہاتھ سے جانے نہ دیں۔" انھوں نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"ہوں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو...؟" پروفیسر غوری بولے۔

دونوں پروفیسر صاحبان ایک بار پھر سے جُت گئے... کبھی وہ دایاں پاؤں اٹھاتے... تو کبھی بایاں پاؤں... اس کی تپش سے بچنے کے لیے انھیں ایسا کرنا پڑ رہا تھا... ان کے چہروں سے اب پسینہ بہت تیزی سے ٹپک رہا تھا...

ادھر نیچے والوں کی نظریں اوپر جم کر رہ گئی تھیں، ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے... چند منٹ کے اندر کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہونے والا تھا... اور پھر پروفیسر غوری بول اٹھے:

"نہیں بھئی... اب یہ بہت زیادہ گرم ہو چکی ہے... معاملہ ہماری برداشت سے آگے بڑھ چکا ہے... ہمیں اب نیچے آنا پڑے گا... ورنہ ہم جل جائیں گے۔"

"تب پھر... آ جائیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

اور وہ دونوں نیچے اترنے لگے... ان کے چہرے لٹک گئے... وہ ناکام ہو گئے تھے... پروفیسر صاحبان نیچے آ کر لیٹ گئے اور لمبے لمبے سانس لینے لگے...

"کیوں نہ میں دوڑ کر اگلی اڑن طشتری کو دیکھ آؤں، اگر وہ گرم نہ ہوئی تو آپ لوگ اس پہ چڑھ کر اپنا کام شروع کر سکیں گے۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"ترکیب اچھی ہے... کیوں پروفیسر صاحبان۔" انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں بالکل..." وہ ایک ساتھ بولے اور آصف نے انسپکٹر جمشید کا اشارہ پا کر دوڑ لگا دی۔

وہ سب اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے... جلدی آصف سٹینڈ پہ چڑھتا نظر آیا... اوپر چڑھ کر اس نے اڑن طشتری کو چھوا اور پھر واپس اترنے لگا... اب وہ ان کی طرف آ رہا تھا... لیکن اس کی رفتار میں زیادہ تیزی نہیں تھی۔

"میں سمجھ گیا... وہ بھی گرم ہو چکی ہے... شاید اس وقت تمام اڑن طشتریاں گرم ہو چکی ہیں... یا گرم کر دی گئی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"تب پھر... اب ہم کیا کریں۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے... جب تک ہم لوگ ہاں کا کانٹا نہیں نکال لیتے... اس وقت تک کامیابی سے کوسوں دور

رہیں گے۔" منور علی خان بولے۔

"اس کی طرف ہماری دوسری پارٹی جا چکی ہے... ہم اپنے حصے کا کام کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر آپ ہی فرمائیں... ہم کیا کریں۔" پروفیسر غوری بولے... ان کے لہجے میں بلا کی مایوسی تھی۔

"میں نے ترکیب سوچ لی ہے۔"

"کیا کہا... آپ نے ترکیب سوچ لی ہے... لل... لیکن..." آفتاب ہکلایا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے... ترکیب سوچنا تو فرحت کے ذمے ہے... آپ کیوں اپنے ذہن کو تھکا رہے ہیں۔"

"یہ ترکیب نہ فرحت سوچ سکتی تھی نہ فرزانہ... کیونکہ نوعیت اور ہے... آئیے پروفیسر غوری چلیں۔"

"کہاں چلیں۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"اوپر... اڑن طشتری پر"

"کیا کہہ رہے ہو جمشید... اڑن طشتری تو آگ ہو رہی ہے۔" پروفیسر غوری نے جھلا کر کہا۔

"انسانیت موت کی دہلیز پر پہنچ چکی ہے... ان حالات

میں مجھے ایسے انسان یاد آ رہے ہیں... جنھیں دہکتے کوئلوں پر لٹا دیا گیا... مگر انھوں نے لا الہ الا اللہ کہنا نہ چھوڑا، اس وقت ایک شیطانی ذہن پوری دنیا کو نیست و نابود کر دینے پر تلا ہوا ہے... اس کے لیے کیا میں اس جلتی ہوئی اڑن طشتری پر نہیں لیٹ سکتا۔" انھوں نے جذباتی آواز میں کہا۔

"کیا!!!" وہ سب کے سب دھک سے رہ گئے۔

"یہ... یہ آپ نے کیا کہا سر..." شاہد نے کانپ کر کہا۔

"میں اس پر لیٹوں گا... پروفیسر صاحبان میرے جسم پر بیٹھ کر اڑن طشتری کو کھولنے کی کوشش کریں گے۔"

"نہیں... نہیں... نہیں..." پروفیسر عقلان چلائے:

"کیا ہوا پروفیسر صاحب" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"یہ... یہ ہم سے نہیں ہو گا۔"

"کیوں نہیں ہو گا... ایک انسان آپ کے پیروں کے نیچے اگر جل بھی گیا تو کیا ہے... ادھر پوری دنیا جو جل رہی ہے... اس میں مسلمان بھی تو ہیں... کیا آپ ان سب کو جلتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔"

"نہیں!" وہ چلائے۔

"تب پھر... میں اوپر جا کر لیٹ رہا ہوں... آپ نہیں آئیں گے تو بھی میں لیٹا رہوں گا۔" انھوں نے کہا اور سٹینڈ پر چڑھنے لگے۔

"نہیں... نہیں... انکل... ایسا نہ کریں۔" فرحت چلائی۔

انسپکٹر جمشید تیزی سے اوپر چڑھ رہے تھے... فرحت کا جملہ سن کر ان کا ایک پاؤں فضا میں اٹھا کا اٹھا رہ گیا... وہ تیزی سے مڑے اور بولے:

"تو پھر... میں کیا کروں... ہم کیا کریں... جو اس سے محفوظ... اس سے بہتر ترکیب تم بتا دو فرحت بیٹی... ارادے سے باز میں آ جاؤں گا۔"

فرحت لاجواب ہو گئی... اس نے اپنے ذہن کو جھنجوڑا... لیکن اس میں دور دور تک کوئی ترکیب نظر نہ آئی...

انسپکٹر جمشید اب پھر اوپر چڑھ رہے تھے۔ ایسے میں انھوں نے کہا:

"پروفیسر صاحبان... کھڑے کیا سوچ رہے ہیں... آپ جتنی دیر لگائیں گے... میرے جسم کو اتنا ہی زیادہ نقصان پہنچے گا... اور پھر اس دستے کا انچارج اس وقت میں ہوں... آپ

کو میری ہدایات پر عمل کرنا چاہیے... حکم کا لفظ تو خیر میں نہیں بول سکتا۔"

"نن... نہیں... جمشید... تم ہمیں حکم دے سکتے ہو... لیکن ہم سے یہ ظلم نہ کراؤ۔" پروفیسر غوری نے روتی آواز میں کہا... ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

"اس وقت... اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی، یہ بہت ضروری ہے۔"

"اگر ایسا ہے سر... تو پھر میں اڑن طشتری پر لیٹوں گا۔" شاہد نے بلند آواز میں کہا۔

"نہیں بھئی... میں لیٹتا ہوں... یہ کام صرف اور صرف میرا ہے... میں تم سے یہ کام نہیں لوں گا۔" انھوں نے سخت لہجے میں کہا۔

اور پھر وہ اڑن طشتری کے اوپر نظر آئے...

"میں لیٹنے لگا ہوں... اب دیر کرنے کی ذمہ داری دونوں پروفیسر صاحبان پر ہو گی۔"

انھوں نے کہا اور لیٹ گئے... اب وہ انھیں نظر نہیں آ رہے تھے۔

"اب دیر نہ کریں پروفیسر انکل..." فرحت چلائی... اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے...

"باقیوں کی آنکھیں بھی گیلی ہونے لگیں... پھر پروفیسر صاحبان تیزی سے اوپر چڑھنے لگے... سب کی نظریں اوپر اٹھتی چلی گئیں..

اوپر پہنچنے کے بعد پروفیسر غوری کی آواز سنائی دی...

"اُف مالک... اب تو یہ پہلے سے بھی زیادہ تیز گرم ہے۔"

"آپ اپنا کام کریں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا... وہ کمر کے بل لیٹے ہوئے تھے... پروفیسر صاحبان ان کے سینے پہ بیٹھ گئے... اور اڑن طشتری کو کھولنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے... اب وہ اپنے آلات اور دماغ سے بہترین کوشش کر رہے تھے... ان کے رونگٹے کھڑے ہو چکے تھے... ان کے ذہنوں میں بس ایک بات تھی... یہ کہ ہمارے نیچے اڑن طشتری نہیں... جیتے جاگتے... انسپکٹر جمشید ہیں... اور ہمیں جلد از جلد اڑن طشتری کو کھولنا ہے... ورنہ... ورنہ وہ جل جائیں گے... لیکن زبان سے اُف کی آواز تک نہیں نکالیں گے... کیوں کہ ادھر ان کے منہ سے اُف کی آواز نکلی... ادھر وہ دونوں اوپر سے اترے...

"جمشید... تم... کس... حال میں ہو؟" پروفیسر غوری بولے۔

"آپ اپنا کام کریں۔" انھوں نے ان کی آواز سنی۔ آواز سے گھبراہٹ ظاہر نہیں ہو رہی تھی...

[illegible] سے کپکپی تھی... بس پُرسکون سی تھی... ان حالات میں [illegible] سے پُرسکون آواز نکالنا بھی کچھ کم عجیب نہ تھا... دونوں [پرو]فیسر حیرت زدہ رہ گئے... لیکن ان کے اس جملے نے [ا]نھیں بہت حوصلہ بخشا... اور وہ اڑن طشتری میں گم ہو گئے۔

نیچے والوں کا بہت بُرا حال تھا... ان کی آنکھوں [س]ے آنسو جاری تھے... وہ ہونٹ بھینچے ایک دوسرے کے [ہا]تھ پکڑے کھڑے تھے... وہ ایک دوسرے کے ہاتھ بھی بھینچے جا رہے تھے... ایسے میں اچانک انھوں نے پروفیسر [غو]ری کی آواز سنی:

"ہم... ہم کامیاب ہو گئے... اڑن طشتری کھل گئی۔"

"اوہ... اوہ۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

دونوں پروفیسر چند سیکنڈ تک [illegible] اور مصروف رہے، [پھ]ر انھوں نے انھیں اٹھتے دیکھا...

"جمشید... اب تم بھی اٹھ جاؤ۔" پروفیسر غوری نے دکھ [بھ]ری آواز میں کہا۔

انسپکٹر جمشید کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ [ڈ]ر گئے... دونوں چلائے۔

"جمشید..."

وہ اب بھی نہ ہلے...

"اُف مالک... کک... کہیں... کہیں یہ..."

"آپ دیر نہ کریں... انھیں نیچے لڑھکا دیں... ہم ان کو تھام لیں گے۔" نیچے سے منور علی خان نے چیخ کر کہا۔

"اوہ اچھا۔"

دونوں نے انھیں لٹایا اور نیچے سرکا دیا... نیچے منور علی خان، شاہد اور آصف وغیرہ تیار کھڑے تھے... وہ ان کے ہاتھوں پر آ گئے... اور انھوں نے انھیں نیچے لٹا دیا... ایسے میں انھوں نے ان کی کمر کی طرف دیکھا... وہ بیکار ہو چلی تھی... گویا بری طرح جھلس چکی تھی... فرحت نے گھبرا کر ان کی نبض پر ہاتھ رکھا اور پھر چلا اٹھی:

"نبض چل رہی ہے۔"

دونوں پروفیسر صاحبان تیزی سے نیچے اترنے لگے... یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید کے پاس آ کر رک گئے...

"اب... اب ہم ان کے لیے کیا کریں... ہم میں تو کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے... انھیں الٹا لٹا دینا چاہیے... اس طرح کمر کو کچھ تو آرام ملے گا۔" مکھن بولا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ سب بولے۔

انھیں الٹا لٹا دیا گیا...

"یہ صرف بے ہوش ہیں... ہمیں اپنا کام روکنا نہیں چاہیے۔" منور علی خان بولے۔

"اوہ ہاں... اب ہم دوسری اڑن طشتری کی طرف رخ کرتے ہیں... اب یہ کام ہمارے لیے ذرا بھی مشکل نہیں رہ گیا، اب تو ایک منٹ سے زیادہ ایک اڑن طشتری پر نہیں لگے گا۔" پروفیسر غوری بولے۔

"تو پھر آپ دوسری اڑن طشتری کی طرف رخ کریں... ہم انھیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہیں... ان کی ہتھیلیاں اور تلوے سہلاتے ہیں۔" منور علی خان بولے۔

"ٹھیک ہے..." انھوں نے کہا اور دوسری اڑن طشتری کی طرف دوڑ لگائی... وہ اگرچہ اس جگہ سے نظر آ رہی تھی... لیکن... بہت فاصلے پر تھی...

"کیا ہم میں سے ان کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا؟" فاروق بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے... تم اور آفتاب چلے جاؤ۔"

انھوں نے بھی پروفیسر صاحبان کے پیچھے دوڑ لگا دی... باقی لوگ انسپکٹر جمشید کی طرف متوجہ ہو گئے... اچانک انھوں نے آصف کی آواز سنی... وہ چیختی آواز میں کہہ رہا تھا:

"سب لوگ ادھر آ جائیں... فوراً..."

نہ جانے اس کی آواز میں کیا تھا... انسپکٹر جمشید بھول کر وہ سب کے سب دوسری اڑن طشتری کی طرف دوڑ پڑے... لیکن جونہی نزدیک پہنچے، ٹھٹک کر رک گئے... ان کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن نظر آ رہے تھے... ایسے میں شوکی کے منہ سے نکلا:

"ہائیں... یہ لوگ یہاں کب تشریف لے آئے؟"

"ہم سے پہلے ہی یہاں موجود تھے... انھوں نے اس اڑن طشتری کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے... گویا اب پروفیسر صاحبان اس پر اپنی کارروائی نہیں کر سکتے۔"

"اوہ... یہ تو اچھی بات نہیں ہوئی۔" منور علی خان نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھی بات تو واقعی نہیں... لیکن اب ہم انھیں کس طرح سمجھائیں۔"

"سمجھ جاؤ بھئی... بری بات ہے۔" شوکی نے ان کی طرف دیکھا...

وہ سب کے سب انھیں گھور رہے تھے... اچانک ان میں سے ایک نے کہا:

"باس کا حکم ہے... تم لوگوں کو کسی اڑن طشتری کے

...ں نہ آنے دیا جائے۔"

"بس اتنی سی بات... یہ لو ہم پیچھے ہٹ جاتے ہیں... ے بھائی چلیں... ہم کیوں انھیں ناراض کریں۔" آفتاب ...کرایا۔

"پیچھے ہٹنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم لوگ ہٹتے ہٹتے ...ری اڑن طشتری تک پہنچ جاؤ۔"

"اوہ... آپ کا مطلب ہے... ہم کسی اڑن طشتری کی ...ن رخ نہیں کر سکتے۔" آصف بوکھلا کر بولا۔

"ہاں... یہی مطلب ہے۔"

"اگر ہم نے ایسا کیا تو آپ کیا کریں گے؟"

"ہم تم لوگوں کا خاتمہ کر دیں گے۔"

"لیکن کس طرح... تم لوگوں کے پاس تو ہتھیار بھی ...ں ہیں۔"

"ہتھیاروں کی ہمیں ضرورت بھی کیا ہے... ہم تم لوگوں ...یسے ہی کچومر نکال دیں گے۔"

"تب پھر نکال ہی دو... ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔" ...ب نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا دیکھنا چاہتے ہو؟" ان میں سے ایک نے حیران ...ہو کر کہا۔

"کچھ مر۔" وہ بولا۔

"باس کا حکم پورا کر دیا جائے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"کون سا حکم۔" شوکی گھبرا کر بولا۔

"یہی کہ تم لوگوں کو اب زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"اوہو... ایسا ہم نے کیا جرم کر ڈالا ہے... اوریں گڑ گیا... اڑن طشتری کا کھلنا باس کو پسند نہیں آیا۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔" اس نے کہا۔

اور پھر وہ سب ان کی طرف بڑھنے لگے... یہ لوگ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹے... صاف ظاہر ہے... یہ لڑائی ہاتھوں سے لڑی جا سکتی تھی... لہٰذا انھوں نے اپنی آستینیں چڑھا لیں... لیکن اس بات کا انھیں شدت سے احساس تھا کہ ان کی تعداد دشمن میں حد درجے کم تھی اور پھر ان کا سب سے اہم فرد اس وقت کچھ فاصلے پر بالکل بے ہوش پڑا تھا... لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے... بھاگ کر بھی کہاں جا سکتے تھے... وہ تو کامیاب ہونے کے لیے آئے تھے، ناکامی کی صورت میں زندہ لوٹ کر جانا تو انھوں نے سیکھا ہی نہیں تھا...

پھر اچانک سب دشمن ایک ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے... لیکن وہ اس وقت ایک خاص بات بھول گئے تھے... اور وہ

خاص بات تھی منور علی خان اور ان کا عجیب قسم کا ہتھیار... جس کو وہ پہلے ہی نکال چکے تھے... اچانک اسے گھمانے لگے... منور علی خان نے چلا کر کہا:

"سب لوگ بکھر جائیں... دور دور تک پھیل جائیں... ان سے جنگ لڑنے کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں۔"

انھوں نے فوراً ان کی ہدایت پر عمل کیا... اور دور دور تک دوڑتے چلے گئے... لیکن انھوں نے اتنا ضرور کیا کہ دو دو کی ٹکڑیوں میں بٹتے چلے گئے... بالکل الگ الگ نہیں ہوئے... ہاں منور علی خان ضرور بالکل اکیلے رہ گئے تھے... اور ان کی رسی گھوم رہی تھی... دشمن ان کے ہتھیار سے حد درجے خوف زدہ نظر آ رہے تھے، اس لیے ان سے دور ہٹ کر وہ دوسروں کی طرف بڑھ رہے تھے... ان کے خوف سے منور علی خان نے فائدہ اٹھایا... اور ان کا تکونا ہتھیار دشمنوں کے سروں کو چاٹنے لگا...

آفتاب نے جب دوڑ لگائی تو وہ پروفیسر عقلان کے بالکل قریب تھا... اسے نہ جانے کیا سوجھی... ان کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنے لگا...

"یہ... یہ تم کیا کر رہے ہو بھئی۔" وہ گھبرا گئے۔

"اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ جدھر کسی کے سینگ سمائیں گے... اسی طرف نکل جائیں گے... لہٰذا ہم بھی یہی کریں گے... کیا آپ میرے ساتھ نہیں سمانا پسند فرماتے؟"

"پپ... پتا نہیں بھائی... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے... آپ کچھ نہ کہیں۔" آفتاب فوراً بولا۔

وہ بے تحاشا دوڑ رہے تھے کہ ٹھٹک کر رک گئے... ان کے سامنے چار خونخوار قسم کے دشمن کھڑے تھے، ان کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

"کک... کیا بات ہے بھئی۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ابھی تمھیں بات ہی معلوم نہیں۔"

"تت تو... تم... لڑنا چاہتے ہو۔"

"ہاں اور کیا کریں گے۔"

"اچھا پھر تو مجبوری ہے... انکل... آپ کو لڑنے بھڑنے کا کتنا تجربہ ہے۔"

"بالکل ہی نہیں۔" وہ بولے۔

"ارے باپ رے... تب تو ان چاروں سے مجھ اکیلے لڑنا پڑے گا... خیر... آپ ایک طرف ہو جائیں۔"

"یہ... یہ مجھے ایک طرف کاہے کو ہونے دیں گے۔" پروفیسر نفلان ہکلائے۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے... خیر... کنی کترانا تو جانتے ہوں گے آپ۔"

"نہیں... یہ کیا ہوتا ہے۔" وہ بولے۔

"اچھا خیر... اس کو بھی جانے دیجیے۔"

"تب پھر... کریں کیا۔" پروفیسر بولے۔

"تیل دیکھیں... تیل کی دھار دیکھیں۔"

"تت... تیل... تیل یہاں کہاں۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"یوں کام نہیں چلے گا..." آفتاب نے کہا اور ایک ڈبکی لگائی... انکل یوں محسوس ہوا جیسے اس نے پانی کے تالاب میں ڈبکی لگائی ہو... اور پھر ان کے درمیان سے نکل گیا۔

"تم چاروں کے چاروں مجھے ہاتھ لگا کر دکھاؤ۔" اس نے انھیں للکارا۔

اس کے جملے نے انھیں جھلاہٹ میں مبتلا کر دیا، پروفیسر کو بھول کر ایک دم اس پر ٹوٹ پڑے... اس نے ایک اونچی چھلانگ لگائی اور ایک بار پھر ان کے درمیان

سے نکل گیا... نتیجہ یہ کہ وہ آپس میں زور سے ٹکرا گئے۔

"یہ کیا بھئی... تم تو آپس میں ہی لڑنے لگے۔"

وہ بھنا اٹھے... اپنے ناک منہ ملتے پھر اس کی طرف مڑے... تو وہ دوسری طرف پہنچ چکا تھا... وہ تلملا کر اس کی طرف پلٹے... آفتاب نے دانت نکال دیے، انھیں اور بھی غصہ آ گیا... اندھا دھند اس پر جھپٹے... اس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی... جب یہ نزدیک پہنچے تو تڑ سے گرا اور لڑھکتا چلا گیا... اتفاق سے اس وقت ڈھلوان جگہ پر تھا... ڈھلوان کی وجہ سے وہ بہت تیزی سے لڑھکا... جب کہ دشمن اس کی طرف دوڑے تھے... ڈھلوان نے ان کے دوڑنے میں خلل ڈالی اور وہ گرتے پڑتے جب نیچے پہنچے تو آفتاب ان کے استقبال کے لیے تیار تھا... اس کی پہلی ٹھوکر ایک کے ناک پر لگی... وہ اپنا ناک پکڑ کر بیٹھ گیا...

"اب اس ناک کی مرمت ذرا مشکل سے ہو گی۔" وہ چہکا۔

اتنی دیر میں باقی تین اس پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ ایک کا مکا اس کی ٹھوڑی پر لگا... دوسرے کی لات پسلیوں میں اور تیسرے کے سر کی ٹکر کمر پہ... اس ٹکر کے

نتیجے ہی وہ دھب سے گرا... لیکن پھر گرتے ہی پلٹنیاں کھاتا چلا گیا... دشمن حیران رہ گیا... ان کا تو خیال تھا، یہ تین ہاتھ کھا کر وہ ہلنے کے قابل بھی نہیں رہ گیا ہوگا... اب وہ پھر اس کی طرف دوڑے... ایسے میں آفتاب کو نہ جانے کیا سوجھی... خود بھی مڑ کر ان کی طرف دوڑ پڑا... وہ گھبرا گئے... لیکن جب تک وہ سنبھلتے... وہ ان میں سے ایک کے سینے پر سر کی زبردست ٹکر مار چکا تھا... وہ دھڑام سے گرا...

اب اس کے مقابلے پر صرف دو رہ گئے تھے...

"آؤ آؤ... تم دونوں بھی آؤ... کیا یاد رکھو گے... کس نفس سے پالا پڑا تھا۔"

دونوں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا، اور پھر دو طرف سے اس پر لپکے... وہ یک دم نیچے بیٹھ گیا... دونوں کے جسم دھڑام سے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور الٹ کر گرے...

"اب کچھ دیر دم لے لو... یہ نہ کہتے پھرنا... کہ ہمیں تو ذرا بھی سانس نہیں لینے دیا گیا۔" اس نے شوخ میں کہا۔

دونوں آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے کہ ایک

سر پر آفتاب کے پاؤں کی ٹھوکر لگی... اور وہ لمبا لیٹ گیا، اُدھر دوسرا اٹھ چکا تھا...

"اب چونکہ صرف تم باقی رہ گئے ہو... اس لیے میں تم سے باقاعدہ مقابلہ کروں گا۔"

"تت... تو کیا... اب تک تم بے قاعدہ لڑ رہے تھے؟" پروفیسر عقلان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جج... جی... بس... یہی سمجھ لیں۔" اس نے کہا اور دشمن کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

اس نے اچھل کر اس کے منہ پر مکا مارا... آفتاب نے بازو آگے کر دیا... دشمن کی کلائی اس کے بازو سے ٹکرا گئی... ساتھ ہی آفتاب نے ایک لات اس کے پہلو پر رسید کر دی... اس کے قدم لڑکھڑا گئے... آفتاب نے موقع غنیمت جانا... فوراً ہی ایک اور لات رسید کی... اب وہ دھڑام سے گرا اور پھر نہ اٹھ سکا...

"لیجیے انکل... یہ چاروں تو اب کچھ دیر تک فرمائیں گے آرام... آیئے ہم ذرا دوسروں کی طرف توجہ دیں... کہیں ہمارا ایک ساتھی مشکل میں نہ ہو۔"

"ہاں! یہی میں بھی کہنے والا تھا۔" پروفیسر خوش ہو کر بولے۔

"تب پھر... کہا کیوں نہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"تم نے موقع ہی نہیں دیا۔"

"خیر کوئی بات نہیں... آئندہ کچھ کہنے کا ارادہ ہو تو مجھے بتا دیا کریں... تھوک کے حساب سے موقع دے دیا کروں گا۔"

"شش... شکریہ..." وہ ہکلائے۔

"ویسے انکل... میری ایک تجویز ہے۔" اچانک آفتاب نے کہا۔

"جلدی کہو۔" پروفیسر بولے۔

"یہ... یہ سب لوگ تو... مم... مگر... نہیں... میں تجویز آواز سے نہیں بتا سکتا۔"

"تو پھر... کس طرح بتاؤ گے؟"

"لکھ کر... یا پھر اشاروں میں... لیکن جہاں تک میرا خیال ہے... تجویز کو اشاروں میں سمجھانا بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے... میں کان میں کہوں گا۔"

"اچھا بھائی... کہو۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

اور آفتاب نے ان کے کان سے منہ لگا دیا۔

ان کی دوڑ

"کیسا خیال انکل" فرزانہ چونکی۔

"باس کے ہیڈ کوارٹر کے آس پاس میں نے اور کوئی عمارت نہیں دیکھی تھی... میں نے سوچا... یہ دس محافظ دھند کے نیچے تو نہیں سوتے ہوں گے... ان کے رہنے اور آرام کرنے کے لیے بھی کوئی عمارت تو موجود ہو گی۔ پہلی بار جب وہ سامنے آئے تھے، اس وقت بھی اسی سمت سے آتے دکھائی دیے تھے... جس سمت سے اس مرتبہ آئے تھے... لہٰذا میں نے جان لیا کہ کوئی نہ کوئی عمارت ان کے لیے بھی ضرور موجود ہے... یہی وجہ تھی کہ میں سب کا رخ تبدیل کراتا چلا گیا اور آخر ہم اس عمارت تک پہنچ گئے... اس پوری وادی میں چند ڈھلوان جگہیں تو ضرور ہیں... آڑ وغیرہ لینے کے لیے اور کچھ نہیں ہے... اب

پہلی عمارت ایسی نظر آئی ہے... لہٰذا ہم ان دس آدمیوں سے خوب اچھی طرح نبٹ لیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"بہت خوب... آپ کا خیال بہت ہی اچھا رہا... لیکن ہمیں اب تیاری کر لینی چاہیے... وہ لوگ نظر آنے ہی والے ہوں گے۔" اکرام نے پُرجوش آواز میں کہا۔

"ہاں بالکل۔"

اور وہ جلدی جلدی عمارت میں داخل ہو گئے... اس میں کئی کمرے تھے... بیرونی دروازہ انھوں نے کھلا چھوڑ دیا... وہ انھیں کھلا ہی ملا تھا... چھت کا بھی جائزہ لیا... پھر انسپکٹر کامران مرزا نے انھیں مختلف حصوں میں چھپا دیا... اب وہ دشمنوں کا انتظار کر رہے تھے... اگر ان کے پاس بھی شعاع والے پستول ہوتے تو انھیں اس بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں تھی... مشکل یہی تھی کہ وہ بالکل نہتے تھے... اور دشمنوں کے پاس جدید ترین ہتھیار تھا... گولی والے ہتھیار تو یہاں ویسے ہی بے کار تھے۔

چھت پر انسپکٹر کامران مرزا موجود تھے... اچانک ان کی آواز گونجی:

"دشمن اب نظر آنے لگے ہیں... مقابلے کے لیے تیار

ہو جائیں... میں پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ ہماری ہر ممکن کوشش
ان کے پستول حاصل کرنے کی ہو گی... اگر ہم نے انھیں
پستولوں سے محروم کر دیا، پھر ہم انھیں بھاگنے پر مجبور
کر دیں گے... لیکن نہیں... ہم انھیں بھاگنے نہیں دیں
گے... ان کا تو کام ہی ختم کرنا بہتر رہے گا... کیوں کہ
جس قدر دشمن کم ہو جائیں بہتر رہے گا۔"

وہ انتظار کرتے رہے... ان کے دل دھڑک رہے
تھے... آخر انھوں نے قدموں کی آوازیں صاف سن لیں،
پھر روگوف کی آواز سنائی دی:

"دروازہ تو بالکل اسی طرح کھلا ہے... جس طرح ہم چھوڑ
کر گئے تھے... اس کا مطلب ہے... وہ اس طرف نہیں
آئے تو پھر گئے کہاں... یہاں سے تو آدمی کسی طرف بھی
نہیں جا سکتا... گھوم پھر کر آخر واپس ہیڈ کوارٹر کی
طرف ہی آنا پڑتا ہے... یہاں سے آگے اگر وہ گئے
ہیں تو پھر اس وقت تک ہیڈ کوارٹر تک پہنچ چکے
ہوں گے۔"

"ہوں... بات ٹھیک ہے... لیکن کیوں نہ ہم ایک نظر
عمارت کو دیکھ لیں... کہیں وہ لوگ اندر چھپے ہوئے نہ ہوں،
ہمارے پاس پستول ہیں... ہمیں ان سے کوئی خطرہ تو ہے

ہیں۔" کوئی بولا۔

"بالکل ٹھیک... آؤ دیکھ لیتے ہیں۔" روگوف نے کہا۔

ان کے اندر داخل ہونے کی آوازیں سنائی دیں...

"اندر والے کمرے جن کے تو کھلے پڑے ہیں...
ان کمروں میں کوئی نہیں ہو سکتا... اگر وہ آئے ہوتے
تو کمروں کے دروازے ضرور بند ہوتے۔" روگوف بولا۔

"کمروں کو اندر سے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔"
ی آدمی نے کہا۔

"بس... تم ہی دیکھو... ہمیں ضرورت نہیں۔" روگوف
نے جھلا کر کہا۔

"جی بہتر! میں ہی دیکھ لیتا ہوں... آپ یہیں ٹھہریں۔"

یہ کہہ کر وہ پہلے کمرے میں داخل ہوا... یہاں
ر اور فاروق دروازے کے پیچھے دیوار سے لگے کھڑے
ے... جونھی دشمن اندر داخل ہو کر دیوار کی طرف مڑا،
ور کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی... اس کے پستول والے
ہاتھ پر زور سے لگی... فاروق پہلے ہی تیار تھا... اس نے
پستول کی طرف چھلانگ لگائی... وہ اچھل کر دور گرا تھا،
محمود نے بجلی کی سی تیزی سے دروازہ بند کر کے
ی لگا دی... باہر والوں کو اس وقت ہوش آیا جب

انھوں نے چٹخنی لگنے کی آواز سنی:

ادھر فاروق پستول اٹھا کر اس کا رخ دشمن کی طرف کر چکا تھا... اس کا رنگ اڑ گیا... منہ کھل گیا:

"تم تو جاؤ بھائی... بہت عیش کر لی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ٹریگر دبا دیا... شعاع اس کے سینے سے ٹکرائی... وہ کٹے ہوئے تنے کی طرح اوندھے منہ گرا... اور ساکت ہو گیا... اسی وقت روگوف کی آواز سنائی دی...

"تو تم سب لوگ اس کمرے میں چھپے ہوئے ہو... اور تم نے ہمارے ایک ساتھی کو قابو میں کر لیا ہے... میں تم لوگوں کو وارننگ دیتا ہوں... فوراً اس کو چھوڑ دو، دروازہ کھول دو... پستول پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکل آؤ... ورنہ جو حشر ہم تم لوگوں کا کریں گے... اس سے اس عمارت کی دیواریں تک لرز اٹھیں گے۔"

"ہم نے آج تک دیوار کے لرزنے کا منظر نہیں دیکھا، اچھا ہی ہے... آج دیکھ لیں گے۔" فاروق چہکا۔

"لیکن وہ منظر بہت ہولناک ہو گا... تم لوگوں کو دیکھنے کی فرصت نہیں ہو گی۔" روگوف نے غرّا کر کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں... ہم آنکھیں بند کر کے دیکھ لیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"کیا کہا... آنکھیں بند کر کے دیکھ لو گے۔" روگوف نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! تم ہی تو کہہ رہے ہو... کہ بہت ہولناک منظر ہو گا... ان حالات میں اس سے بہتر ترکیب کیا ہو سکتی ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے دیکھیں۔"

"اندر سے صرف تمھاری آواز کیوں آ رہی ہے... کہیں تم اکیلے تو اندر نہیں ہو۔"

"یہ بھی ایک ہی رہی... چلو بھئی... اب تم بات کرو۔" فاروق نے کہا۔

"میں کیا بات کروں... تم دوسروں کو موقع دو تو کوئی بات کرے نا۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

اسی وقت محافظوں میں سے ایک نے چلا کر کہا:

"ارے... روگن کہاں گیا۔"

"کیا..." روگوف چلایا۔

"ہاں! وہ ابھی ابھی میرے ساتھ موجود تھا... اب نہیں ہے۔"

"ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو گا... یا پھر اسے دھند نگل گئی ہو گی... کیوں کہ آسمان بے چارہ تو اس بستی میں نگلنے کا کام انجام نہیں دے سکتا۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہو... یہ... اس کمرے کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے... اس کا مطلب ہے... ان کے کچھ ساتھی اس کمرے میں بھی تھے... انھوں نے ہی بیٹھے ہی بیٹھے ہمارے ایک ساتھی کو گھسیٹ لیا... اور اب وہ ان کے قبضے میں ہو گا۔" روگوف نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بس... پھر... تم تو گئے کام سے... ہماری ترکیب لاجواب رہی۔"

"کیا مطلب... کون سی ترکیب۔"

"ابھی تک تم جان ہی نہیں سکے... کہ کون سی ترکیب۔ ارے میاں جاؤ... تمھیں کس نے اس دیس کا محافظ مقرر کر دیا۔"

"میرے سیارے کی حکومت نے..."

"اس کا مطلب ہے... باس نے مقرر نہیں کیا۔"

"نہیں... باس تو خود حکومت کے مقرر کردہ ہیں۔"

"خیر ہوں گے، ہمیں کیا... اب تم لوگ اپنے پستول

پھینک دو۔" محمود نے کہا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو... ہم پستول کیوں پھینک دیں۔"

"اس لیے کہ تمھارے دو ساتھی اور دو پستول اس وقت ہمارے قبضے میں ہیں۔"

"تو کیا ہوا... ہم تو آزاد ہیں... اور ہمارے پاس آٹھ پستول موجود ہیں... اور تم لوگوں کے لیے تو صرف اک پستول کافی ہے۔"

اٹھیں"

"لیکن اس سے پہلے ہم ان دونوں کو ختم کر

"پرواہ نہیں۔" اس نے کہا پھر گرج کر بولا: ناں

"چلو... دروازہ توڑ دو۔"

"بہتر روگوف... اس سے کیا ہو گا۔" ایک ساتھی بولا

"کیوں... کیا ہوا۔"

"جونھی دروازہ ٹوٹے گا... اندر سے شعاع فائر کی جائے گی... اور ادھر دوسرے کمرے سے بھی۔"

"تب پھر... ہم کیا کریں۔"

"فوراً عمارت سے باہر نکل کر پوزیشن لے لیں... ارے وہ... وہ۔" ساتھی ہکلانے لگا۔

"اب کیا ہوا۔"

"جوکا بھی غائب ہے۔"

"اُف... جلدی باہر نکلو... کہیں باری باری ہم سب نہ غائب ہو جائیں۔" روگوف نے چلّا کر کہا... اور پھر وہ ساتوں کے ساتوں باہر کی طرف دوڑ پڑے... لیکن ان کا بُرا وقت آ گیا تھا... چھت پر انسپکٹر کامران مرزا موجود تھے... اور اس وقت تک ایک پستول ان تک پہنچایا جا چکا تھا... وہ پہلے ہی تیار تھے... جونہی وہ لوگ باہر نکلے... انھوں نے شعاع فائر کرنا شروع کر دی... ایک ایک کر کے وہ گرتے چلے گئے... جلد ہی میدان صاف ہو گیا... لہذا انھوں نے بلند آواز میں کہا۔

"محافظ کام آ گئے... اب ہم باہر نکل سکتے ہیں۔"

وہ باہر نکلے... باہر سات لاشیں موجود تھیں... تین عمارت کے اندر تھیں... اور اب ان کے پاس دس پستول تھے...

"کیا اب ہم ان دس پستولوں کی مدد سے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر سکتے ہیں انکل۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتے... باس سے بات کر لیتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"یہ... یہ باس ہماری سمجھ میں نہیں آیا انکل۔" فرزانہ

نے منہ بنایا۔

"کیوں... کیا ہوا...؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بڑے سکون اور اطمینان سے اپنے ساتھیوں کو دیکھتا ہے... اور انھیں خبردار نہیں کیا۔"

"ہاں! یہ بات ہم نے پہلے بھی محسوس کی تھی... خیر... ہیڈ کوارٹر کی طرف چلتے ہیں۔"

"کیا خیال ہے مسٹر باس... ہم ہیڈ کوارٹر کی طرف آئیں؟" خان رحمان بولے۔

"آؤ نہ آؤ... ایک ہی بات ہے۔" باس کی آواز سنائی دی۔

"ایک ہی بات کس طرح۔"

"ایک ہی بات کیسے... ہمیں تو یہ بات کسی طرح بھی ایک بات محسوس نہیں ہو رہی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"میں اپنے سوئے ہوئے ساتھیوں کو جگا رہا ہوں۔"

"کیا کہا... سوئے ہوئے ساتھیوں کو جگا رہے ہیں..."

"کیا بات ہوئی۔" مکھن نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! وہ چار ماہ سے سوئے پڑے ہیں۔"

"کیا... چار ماہ سے سو رہے ہیں۔" اکرام چلّایا۔

"ہاں ایسی بات ہے۔"

"لیکن... ان کی آنکھ کیوں نہیں کھلی؟"

"انھوں نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ انھیں چھ
ماہ کے لیے سلا دیا جائے... چناں چہ میں نے انھیں سلا
دیا۔"

"لیکن وہ چھے ماہ کے لیے کیوں سونا چاہتے تھے؟"

"اس وادی کی تیاری کے سلسلے میں انھیں بہت
محنت کرنا پڑی تھی... وہ بہت تھک گئے تھے...
لمبی مدت تک آرام کرنے کے خواہش مند تھے..." اس بار
باس نے کہا۔

"لیکن اب آپ انھیں جگا رہے ہیں... وہ برا نہیں
مانیں گے؟"

"نہیں... انھوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر اس دوران ان
کی ضرورت پڑ جائے تو جگا لیے جائیں۔"

"اور آپ اب ان کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں؟"

"ہاں... بالکل۔" باس نے کہا۔

"لیکن کیوں... ان کی ضرورت کیا پڑ گئی؟"

"تم لوگوں کے مقابلے میں بھیجنے کے لیے اب میرے
پاس وہی ساتھی رہ گئے ہیں... اگر تم نے انھیں بھی

شکست دے دی تو پھر مجھے تم لو...
...نا پڑے گا۔"

"اوہ... اچھا... تو یہ بات ہے۔"
...بتے... میرے دوستو... عمارت سے
"ہاں... ہے تو یہی بات...
...خطرے ہیں... ہیں ان میں سے
ساتھیوں سے مقابلہ اتنا آسا...
...دیکھ سکتا... ابھی ان کے نصف
تمھاری زندگی کی حیرت انگیز
...برف لڑائی بھڑائی میں مصروف
ہیں... کیوں کہ اس کے ب...
تم لوگوں کو ہی نبٹنا پڑے گا۔"
گے۔"

...بھی لڑائی ہو رہی ہے؟"
"تب تو بہت خوف ناک
...نے اب تک ایک اڑن طشتری کو
...رکھا۔

"لیجیے... ان کی تو ہو...
...فتح کر لیا ہے... کیا مطلب
مسٹر باس... کیا تمھار...
...ہیں کامیاب ہو گئے ہیں... اگرچہ
"اچھا... کامران مرزا نے
...کی طرح گرم کر دیا تھا... اور
"تو اور ان کے ہوں
...بنا دیا تھا..." باس نے جلدی
"اچھا تو پھر ہم ہیڈ...
انھیں جگا لو... تاکہ ہم...
...طرح کامیاب ہوئے۔" محمود نے حیران
لڑائی بھی لڑ ہی لیں

"ضرور... کیو...
...رشید کے جذبے کی وجہ سے... انھوں نے بے
وہ ہیڈ...
...جرأت کا مظاہرہ کیا... اڑن طشتری کے اوپر

تھے... آخر وہ ہیڈ کوارٹر کے سا

"ہاں! یہی بات ہے ... بند تھا...

"لیکن... ان کی آنکھ ... نہیں ہوئے مسٹر باس۔"

"انھوں نے مجھ سے ... نیند کی کیفیت دور کر دی ہے

ماہ کے لیے سلا دیا جائے ... لباس بھی پہننا ہے۔"

دیا۔" ... واہ ... فاروق نے خوش ہو کر

"لیکن وہ چھے ماہ کے ... لہجے میں حیرت تھی۔

"اس وادی کی تیاری ... نام دراصل کسی ... دل کا بھی

محنت کرنا پڑی تھی... وہ ... اٹک کر کہا۔

لمبی مدت تک آرام کرنے ... ہو۔" باس نے جل کر کہا۔

باس نے کہا۔ ... ذرا کم ہی سمجھ میں آتی

"لیکن اب آپ انھیں جگا

مانیں گے۔" ... ہیں تو آ جاتی ہیں۔" فاروق

"نہیں... انھوں نے کہ

کی ضرورت پڑ جائے تو جگا ... کی تیاری تو نہیں کر رہے

"اور آپ اب ان کی ضرورت

"ہاں... بالکل۔" باس نے کہا۔ ... جب کہ سوئے ہوئے

"لیکن کیوں... ان کی ضرورت کیا ... رہے ہیں۔"

"تم لوگوں کے مقابلے میں ... بھیجنے ... یہ عقل ضرور ہے

پاس وہی ساتھی رہ گئے ہیں... اگر تم

لوگوں کے پاس۔"

"جی بس... جو آپ سمجھ لیں۔"

"لو بھئی... یہ تیار ہو گئے... میرے دوستو... عمارت سے باہر ہمارے بدترین دشمن کھڑے ہیں... ہیں ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں دیکھ سکتا... ابھی ان کے نصف ساتھی اڑن طشتریوں کی طرف لڑائی بھڑائی میں مصروف ہیں... ان سے بھی شاید تم لوگوں کو ہی نپٹنا پڑے گا۔"

"ارے... تو کیا ادھر بھی لڑائی ہو رہی ہے۔"

"ہاں! بالکل... انھوں نے اب تک ایک اڑن طشتری کو فتح کر لیا ہے۔"

"ایک اڑن طشتری کو فتح کر لیا ہے... کیا مطلب"

"وہ اس کو کھولنے میں کامیاب ہو گئے ہیں... اگرچہ اڑن طشتری کو ہم نے آگ کی طرح گرم کر دیا تھا... اور اس پر ٹھہرے رہنا ناممکن بنا دیا تھا..." باس نے جلدی جلدی بتایا۔

"تب پھر... وہ کس طرح کامیاب ہوئے۔" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"انسپکٹر جمشید کے جذبے کی وجہ سے... انھوں نے بے مثال ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کیا... اڑن طشتری کے اوپر

لیٹنا گئے... اور دونوں سائنس دانوں کو اپنے جسم پر بٹھا لیا... ان دونوں نے اپنی بہترین کوششیں صرف کر دیں اور اڑن طشتریاں کو کھول ڈالا۔"

"اوہ... اوہ۔" ان سب کے منہ سے نکلا... وہ سکتے میں آ گئے... اسی وقت فرزانہ چلائی:

"اور... اور میرے ابا جان۔"

"جھلسے پڑے ہیں... لیکن ابھی زندہ ہیں۔"

"اف مالک..." ان کے منہ سے نکلا۔

"اب اڑن طشتریوں کے محافظوں اور تم لوگوں کے ساتھیوں میں جنگ ہو رہی ہے۔"

"اور پلّہ کس کا بھاری ہے۔"

"ابھی تو ابتدا ہے... کچھ نہیں کہہ سکتا... اب ادھر بھی جنگ شروع ہو رہی ہے... کیوں نہ میں دونوں طرف کے لوگوں کو جنگ کے مناظر دیکھنے کی سہولت مہیا کر دوں... ادھر کا منظر وہ لوگ دیکھ سکیں گے اور اُدھر کا آپ لوگ۔"

"اس سے بہتر بات کیا ہو گی۔" وہ بول اٹھے۔

"اچھا... ہیڈ کوارٹر کی چھت پر بڑی سکرینیں نمودار ہونے والی ہیں... ان پر تم لوگ مناظر دیکھ سکو گے... ایسی ہی

سکرینیں ادھر عمارات پر نمودار ہوں گی۔" باس کی آواز لہرائی۔

اور پھر انھوں نے سکرینیں ابھرتی دیکھیں... ایک منٹ بعد ان پر لڑائی کا منظر نظر آنے لگا... ابھی انھیں اس منظر میں محو ہوئے چند سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ عمارت کا دروازہ کھلا... اور وہ لڑائی کا منظر بھول گئے... اسی طرف متوجہ ہو گئے... عمارت سے نکلنے والے صرف تین افراد تھے... لمبے قدوں والے... مضبوط جسموں والے... ان کے نقوش زمبوٹا کے باشندوں جیسے تھے... لباس بھی ان جیسے تھے... لیکن اس وقت ان کے جسموں کے گرد نیلے رنگ کی دھند نظر آ رہی تھی... اس دھند کو دیکھ کر وہ چونکے... یہی دھند ہیڈ کوارٹر کے ارد گرد تھی... دھند دیکھتے ہی انسپکٹر کامران مرزا نے چلّا کر کہا:

"خبردار... ہم میں سے کوئی ان پر کوئی چیز پھینک کر نہیں مارے گا... شعاعی پستول سے بھی فائر نہیں کیا جائے گا... اگر ان لوگوں کو شعاعی پستولوں سے نقصان پہنچ سکتا تو باس اتنا لمبا چوڑا دعویٰ نہ کرتا۔"

"لیکن انکل... یہ بھی تو ہو سکتا ہے... کہ لمبا چوڑا دعویٰ صرف ہمیں دھوکا دینے کے لیے کیا گیا ہو۔" محمود نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو تجربے کے طور پر ایک فائر کر کے دکھا دیتا ہوں... تاکہ تمھارا اطمینان ہو جائے... مجھ سے دور ہٹ جاؤ... اور بائیں طرف کھڑے ہو جاؤ۔"

انھوں نے ایسا ہی کیا... اب انسپکٹر کامران مرزا نے ان میں سے درمیانی آدمی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا... ساتھ ہی وہ گر کر لڑھک گئے...

شعاع اس کے جسم سے ٹکراتی نظر آئی... لیکن بجھ کر رہ گئی... اس کا کچھ بھی نہ بگڑا۔

"یہ تو تھا شعاع کا انجام... اب میں پستول پھینکتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے پستول کھینچ کر مارا... اور وہ لڑھک گئے...

پستول درمیانی آدمی کے لگتے ہی پلٹا اور اسی رفتار سے ان کے سر پر سے گزر گیا... اگر وہ کھڑے رہتے تو ان کے سر سے ٹکراتا...

وہ بہت دور جا کر گرا... کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی... کیوں کہ شعاع والے پستول تو ان کے پاس نو اور تھے... لیکن... وہ ان کے کس کام کے تھے...

"پستول جیبوں میں رکھ لو... یہ لڑائی ہماری زندگیوں

کی واقعی ایک عجیب لڑائی ثابت ہو گی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے پرسکون آواز میں کہا۔

"لیکن انکل... ان حالات میں ہم کیا کر سکیں گے... آخر ہم کس طرح لڑیں گے... یہ باس تو ایسا لگتا ہے... جیسے ہمارے ساتھ بلی چوہے کا کھیل کھیل رہا ہو۔" فرزانہ نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں... کہ باس ہمارے ساتھ بلی چوہے کا کھیل کھیل رہا ہے... لیکن فرزانہ کیا تم نے کبھی ایک بات نوٹ نہیں کی۔"

"کک... کون سی بات انکل۔" وہ ہکلائی۔

"کبھی کبھی... چوہا بلی کے شکنجے سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوتا ہے... اور بلی سر پٹک کر رہ جاتی ہے۔"

"ایسا ہوتا ہو گا انکل... پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"اگر باس ہمارے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہا ہے... تو بھی ہمارے بچ نکلنے کا امکان موجود ہے۔"

"ضرور امکان ہو گا... لیکن چوہا صرف بھاگ سکتا ہے... بلی کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"چوہا دراصل عقل مند نہیں ہوتا... ورنہ وہ نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

"آپ دونوں تو بلّی اور چوہوں کے پیچھے ہی پڑ گئے"
اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ ہاں! ہمیں اس کی ضرورت نہیں تھی... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمیں ان کا مقابلہ صرف اور صرف عقل سے کرنا ہو گا... بہتر ہو گا ہم تین حصوں میں بٹ جائیں... یہ تین ہیں نا... اس لیے"

"ٹھیک ہے انکل" وہ بولے۔

"ہم کل نو ہیں... میرے ساتھ اشتیاق اور مکھن آ جائیں... خان رحمان کے ساتھ محمود اور اکرام... اور پروفیسر صاحب کے ساتھ فاروق اور فرزانہ... اور تینوں پارٹیاں الگ میدان میں الگ ہو جائیں"

انھوں نے جلدی جلدی انسپکٹر کامران مرزا کی ہدایات پر عمل کیا... ایسے میں اندر سے آنے والوں میں سے ایک نے ہنس کر کہا:

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا"

"کیا مطلب... کچھ بھی کیوں نہ ہوا..." انسپکٹر کامران مرزا پاس نو... توجہ تھے۔

"تم لوگ بے شک الگ الگ، پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے... لیکن جب تک ہم نہ چاہیں... تم الگ الگ ہم سے کس طرح لڑ سکتے ہو"

"کیا کہنا چاہتے ہو مسٹر... ایک تو ہمیں تم لوگوں کے نام معلوم نہیں"

"میں چوین ہوں... یہ مانکٹ اور یہ راڈل..."

"شکریہ مسٹر چوین... اب ذرا وضاحت کر دو... تم کیا کہنا چاہتے ہو"

"فرض کیا ہم تینوں تمھارے ایک ہی گروپ کی طرف بڑھتے ہیں... تو تم ہم سے الگ الگ جنگ کس طرح کر سکو گے..."

"اوہ... ہاں... واقعی... خیر میرے ذہن میں ایک دوسری ترکیب ہے..." انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"چلو... دوسری ترکیب آزما لو" چوین نے کہا۔

"وہ یہ ہے کہ صرف میں ان تینوں سے مقابلہ کروں، باقی لوگ موقع اور محل کے منتظر رہیں... اور موقع دیکھ کر وار کریں... ورنہ مجھے ہی ان سے ٹکرانے دیں"

"یہ... یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہو گا انکل... بابس کے الفاظ یاد کریں... ان کا کہنا ہے کہ یہ جنگ ہولناک ترین ہو گی اور شاید ہماری زندگی کی آخری جنگ بھی ہو گی"

"دشمن تو ایسی باتیں کیا ہی کرتے ہیں... ہم کیا کر سکتے
ہیں... ہتھیار تو ڈالنے سے رہے... مقابلہ کریں گے،
چاہے جو بھی ہو۔"

"ٹھیک ہے... ہم تین پارٹیوں کی صورت میں ہی لڑیں
گے۔" محمود نے کہا۔

"شکریہ۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

چوبن، مانٹگ اور راڈل تینوں مسکراتے ہوئے پروفیسر
داؤد، فاروق اور فرزانہ والے گروپ کی طرف بڑھے...
انسپکٹر کامران مرزا کی پیشانی پر بل پڑ گئے...

"یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں... ہم گروپوں کی صورت میں
ان سے نہیں لڑ سکیں گے... یہ تو صرف اس وقت ممکن
ہوتا... جب ہم ان پر کسی چیز سے وار کرنے کی پوزیشن
میں ہوتے، لہذا میں آگے بڑھ کر ان کا راستا روکتا
ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی، اور
ان تینوں کے راستے میں آ گئے... وہ زور سے ہنسے...
پھر ان کی طرف قدم اٹھانے لگے... انسپکٹر کامران مرزا اپنی
جگہ کھڑے رہے... آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کی کوشش
نہیں کی۔

ان کے ساتھی بے چینی کے عالم میں انھیں دیکھتے
رہے... ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے... آخر
وہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گئے...

"انسپکٹر کامران مرزا... تم تو میرے صرف ایک ہاتھ کی
مار ہو۔" چوبن نے کہا۔

"کیا اس نیلی دھند کی وجہ سے۔"

"ہاں! اس کی موجودگی میں تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"تو کیا میں دست بدست لڑائی بھی نہیں لڑ سکوں گا۔"

"نہیں... کوشش کر کے دیکھ لو... لو ہم نے اپنے ہاتھ
باندھ لیے... تمھارے خلاف کچھ بھی نہیں کریں گے۔"
چوبن نے کہا۔

انسپکٹر کامران نے بے چارگی کے عالم میں ایک نظر اپنے
ساتھیوں پر ڈالی... پھر بڑی سکرینوں کی طرف دیکھا، وہاں
بھی جنگ کا منظر تھا... اور پھر اچانک آگے بڑھ کر چوبن
کا بازو کلائی پر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا... انھیں ایک
زبردست جھٹکا لگا اور وہ دور جا کر گرے...

ان کے ساتھیوں کی چیخ گم ہو گئی... خوف زدہ
انداز میں انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا...
وہ گرنے کے بعد اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے... پتھریلی

زمین پر گرنے کے باعث شاید انھیں شدید چوٹ آئی تھی۔

"ان کے جسموں میں بالکل اس انداز کا کرنٹ دوڑ رہا ہے... جس انداز کا مسٹر جگنو کے جسم میں دوڑ رہا تھا" انھوں نے تکلیف دہ انداز میں کہا۔

"گویا نہ تو ہم ان کے جسموں کو ہاتھ لگا سکتے ہیں اور نہ ان پر کسی چیز سے وار کر سکتے ہیں... ان حالات میں بھلا ہم کیا مقابلہ کریں گے" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"اس کے باوجود ہمیں مقابلہ کرنا ہو گا" اکرام عجیب سے انداز میں بولا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو اکرام؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اکرام نے ان تینوں کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے... یہ آپ کیا کر رہے ہیں انکل" فاروق چلا اٹھا۔

لیکن اکرام نے تو جیسے سنا ہی نہیں... دوڑتا ہوا سیدھا ان تینوں کی طرف گیا اور مانکٹ سے ٹکرا گیا... فوراً دو باتیں ہوئیں... پہلی تو یہ کہ اکرام کافی بلندی تک اچھلا اور تیر کی طرح فضا میں اڑتا ہوا بہت دور جا کر گرا... ادھر مانکٹ اکرام کے ٹکرانے سے لڑکھڑا گیا... چونکہ وہ چوہن

کے بالکل قریب کھڑا تھا... اس لیے اس سے ٹکرا گیا، اور اس ٹکرانے کا نتیجہ خوف ناک نکلا... ایک زور دار دھماکا ہوا، بجلی سی کڑکی، دونوں اچھل کر گرے... راڈل البتہ اپنی پھرتی کی وجہ سے بچ گیا... اس سے پہلے کہ اکرام اس سے ٹکراتا... وہ ایک طرف ہٹ گیا... شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کیا نتیجہ نکلنے والا ہے...

انھوں نے چوہن اور مانکٹ کو ساکت دیکھا تو جوش میں بھر گئے...

"انکل اکرام" محمود چلا اٹھا۔

"زندہ باد" انھوں نے نعرہ لگایا۔

لیکن اکرام تو ساکت پڑا تھا... اور یہ وقت بھی ایسا نہیں تھا... کہ وہ قریب جا کر اس کی خبر لیتے... ادھر دشمن بھی ساکت پڑے تھے... گویا اب میدان میں صرف راڈل موجود تھا... ایسے میں اس نے کہا:

"جو خطرہ تھا... وہ تو گیا نکل... اب میں اکیلا تم سب کے مقابل ہوں، کیوں کہ اب میرا کوئی ساتھی نہیں رہ گیا... جس سے ٹکرا جانے کا خوف مجھے ہو گا۔"

"تت... تو کیا... یہ دونوں مر چکے ہیں؟"

"نہیں... انھیں زبردست چوٹ آئی ہے... البتہ..."

ان کے جسموں میں جو کرنٹ دوڑ رہا تھا... وہ ختم ہو گیا ہے... ہاں نیلی دھند اب بھی ان کی حفاظت کرے گی۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"خیر... جب تک وہ ہوش میں آئیں... ہم آپ سے جنگ کر لیتے ہیں۔"

"مجھ سے جنگ کرنا اب تم لوگوں کے بس کی بات نہیں رہی۔"

"ایسی کون سی بات ہے... آؤ... میں تیار ہوں!" انسپکٹر کامران مرزا پرسکون آواز میں بولے... اب وہ سیدھے کھڑے ہو چکے تھے...

راڈل کچھ کہے بغیر ان کی طرف بڑھنے لگا...

"سب لوگ ایک طرف رہیں... کوئی مسٹر راڈل سے نہ ٹکرائے... ہو سکے تو اکرام کی خیریت معلوم کر لیں" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

وہ الجھن میں پڑ گئے... اکرام کے پاس جا کر دیکھنا بھی ضروری تھا... لیکن لڑائی کے اس منظر سے نظریں ہٹانا بھی ان کے لیے ممکن نہیں تھا... ان کی اس کیفیت کو پروفیسر داؤد نے بھانپ لیا... چنانچہ انھوں نے کہا:

"تم لوگ یہیں ٹھہرو... میں اکرام کے پاس جاتا ہوں۔"

"شکریہ انکل۔" ایک ساتھ بولے۔

پروفیسر داؤد نے اس طرف دوڑ لگا دی... اسی وقت راڈل انسپکٹر کامران مرزا تک پہنچ گیا... اور ان پر جھپٹا... وہ پیچھے کی طرف اچھلے... راڈل کے ہاتھ فضا میں جھول کر رہ گئے... وہ جھلا کر آگے بڑھا... انسپکٹر کامران مرزا نے زور سے پیچھے کی طرف چھلانگ لگائی... یہ دیکھ کر راڈل نے ان پر باقاعدہ چھلانگ لگا دی... اور یہی انسپکٹر کامران مرزا چاہتے تھے... انھوں نے بھی فوری طور اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی... نتیجہ یہ کہ راڈل منہ کے بل سے گرا... اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی، دیکھ کر ان کے ساتھی جوش میں بھر گئے... خان رحمان کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

"بہت خوب!"

راڈل سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا... چند سیکنڈ تک ان کی طرف دیکھتا رہا... پھر جھومتا جھامتا آگے بڑھا، انسپکٹر کامران مرزا اپنی جگہ ساکت کھڑے رہے... آخر نزدیک پہنچ کر پھر ان پر اچھلا... اس مرتبہ وہ غوطہ کھا گئے... اور راڈل اوندھے منہ گرا... وہ اٹھا تو

ناک سے خون بہتا نظر آیا... اس نے ہاتھ کی پشت سے
صاف کیا... تو چہرہ اور بھی بھیانک لگنے لگا۔

"ہم... میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"ہائیں... تو کیا اس سے پہلے تم زندہ چھوڑنے
کے لیے حملہ کرتے رہے ہو۔"

"ہم بھی... ہم بھی آرہے ہیں راڈل..." چوہان
کی آواز سنائی دی...

انھوں نے ان دونوں کی طرف دیکھا... وہ بھی قدم
اٹھاتے نظر آئے... اسی وقت پروفیسر داؤد ان تک پہنچ
گئے اور بولے۔

"اکرام ٹھیک ہے... لیکن اس وقت اٹھنے کے قابل نہیں...
ہوش میں ہے اور اس نے پیغام دیا ہے کہ میری کوئی
فکر نہ کریں... جنگ جاری رکھیں، فتح تک لڑتے رہیں۔"

"ان شاء اللہ ہم لڑیں گے اور فتح حاصل ہونے تک
لڑیں گے... یا پھر مرجائیں گے... اپنے گھروں کو نہیں
جائیں گے۔" خان رحمان نے جذباتی آواز میں کہا۔

"اب ان دونوں سے تو تم لوگ بھی نمٹ سکتے ہو...
کیوں کہ ان کو چھونے سے اب کرنٹ نہیں لگے گا... بس
کوئی چیز اٹھا کر انھیں نہ پھینک ماریں۔" انسپکٹر کامران

مرزا جلدی جلدی بولے۔

"لیکن انکل... کم از کم ایک چیز ہم ضرور پھینک کر
سکتے ہیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب... کون سی چیز۔" انسپکٹر کامران مرزا کے لہجے
میں حیرت در آئی... لیکن اسی وقت راڈل نے ان پر
چھلانگ لگا دی... وہ پوری طرح ہوشیار تھے... دائیں
ان لڑھک گئے... لیکن یہی ان کی غلطی تھی... شاید
راڈل پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا... کہ وہ اس طرف
لڑھکیں گے... لہذا راڈل بھی اسی طرف گرا اور پھر
اس کا مکا پوری قوت سے ان کی ٹھوڑی پہ لگا...
مکے میں نہ جانے کتنا زور تھا... وہ کمر کے بل
گرے ساتھ ہی راڈل نے ان پہ چھلانگ لگا دی،
اب وہ ان کے سینے پہ تھا... لیکن اس سے پہلے کہ
اس کے ہاتھ ان کے گلے پہ جھپٹتے... انھوں نے پورا زور
لگا کر کروٹ لی... راڈل الٹ گیا، ان کی ٹانگیں اس
کی پسلیوں میں لگیں اور وہ دور جا کر گرا... انسپکٹر
کامران مرزا فوراً ہی اٹھے... لیکن اسی وقت چوہان اور
... نے پیچھے سے ان پر چھلانگ لگائی، وہ دوسری
طرف سے بے خبر تھے... اور ان کے ساتھی بھی لڑائی

میں کچھ اس درجے محو تھے کہ ان دونوں کی طرف دھیان نہ دے سکے... حالانکہ وہ اعلان کر چکے تھے کہ ہم آ رہے ہیں... انسپکٹر کامران مرزا منہ کے بل دھڑام سے گرے... دونوں ان پہ چھا گئے... راڈل یہ دیکھ کر گویا اڑتا ہوا ان کی طرف آیا... ٹھیک اسی لمحے خان رحمان بلا کی رفتار سے دوڑ پڑے اور اس کے راستے میں آ گئے... راڈل پورے زور سے ان سے ٹکرایا... خان رحمان کی دل دوز چیخ فضا میں گونجی اور وہ بہت دور جا کر گرے... لیکن اتنا ضرور ہوا کہ راڈل بھی زور سے گرا... اور اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا نے ان دونوں کو اپنے اوپر سے اچھال دیا... ابھی وہ اٹھ ہی رہے تھے کہ دونوں نے پھر چھلانگ لگائی... انسپکٹر کامران مرزا پوری طرح ہوشیار تھے... فوراً لڑھکنی کھا گئے... دونوں دھب سے زمین پہ گرے اور ان کے منہ سے چیخیں نکل گئیں... اتنے میں انسپکٹر کامران مرزا اٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے... انھوں نے چلا کر کہا۔

"ان دونوں کو سنبھالو... میں راڈل کو دیکھتا ہوں"

یہ کہہ کر وہ راڈل کی طرف بڑھے... باقی سب نے ان دونوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا... وہ ذرا بھی خوف زدہ نظر نہیں آ رہے تھے... اور اسی بات پر ان سب کو حیرت ہو رہی تھی... ایسے میں ان کی نظریں پروفیسر پہ پڑیں... وہ دور بہت دور ان کی طرف سے پیٹھ کیے بیٹھے تھے... انھیں بہت حیرت ہوئی... تاہم وہ خاموش رہے اور اس طرف سے نظریں بھی ہٹا لیں...

"تم... سب بچے مل کر ہم دونوں کا بال بیکا نہیں کر سکو گے" چوبن ہنسا۔

"یہ بعد کی بات ہے جناب... آپ حملہ کریں" محمود نے منہ بنایا۔

"ہمیں حملہ کرنے کی کیا ضرورت ہے... حملہ کرو تم" ناٹک نے کہا۔

"چلیے ہم ہی سہی... چلو بھئی... ترکیب نمبر ۱۳" فاروق نے کہا۔

ترکیب نمبر تیرہ کا مطلب یہ تھا کہ چاروں طرف سے ان پر حملہ شروع کر دو... سب سے پہلے محمود نے چوبن کی طرف قدم بڑھے... اس نے ایک مکا تاک کر اس کی ناک پر دے مارا... محمود ذرا سا ترچھا ہو گیا اور اس کے مکے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا، لیکن

اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی... جب اس نے دیکھا.... چوپن ذرا بھی نہیں لڑکھڑایا تھا... بلکہ محمود ہی کے قدم لڑکھڑا گئے اور وہ دھڑام سے گرا...

ادھر فاروق بلا کی تیزی سے جھکا تھا... اور مانکٹ کی ایک ٹانگ پکڑ کر اس نے گھسیٹنا چاہتا تھا... لیکن اس کے کندھے پر مانکٹ کی دوسری ٹانگ لگی اور وہ بھی دوسری طرف الٹ گیا... ایسے میں فرزانہ حرکت میں آئی اور چوپن کی گردن سے لٹک گئی، اتنی دیر میں مانکٹ کی ایک لات مکھن کے اور دوسری اشفاق کے لگی... دونوں دور تک لڑھکتے چلے گئے اور ساکت ہو گئے... چوپن نے ایک چکر کاٹا اور خود کو جھٹکا دیا... فرزانہ دور لڑھک گئی۔

چوپن اور مانکٹ نے میدان صاف دیکھا تو انسپکٹر کامران مرزا کی طرف بڑھے... وہ راڈل کو جھکائی پر جھکائی دے رہے تھے اور راڈل ان پہ گرنے کے لیے پر تول رہا تھا... راڈل نے جو اپنے دونوں ساتھیوں کو آتے دیکھا تو خوش ہو کر بولا:

"بہت خوب... یہ کام دکھایا ہے تم نے۔"

"ابھی کیا ہے... ابھی تو ہم کام دکھائیں گے۔" یہ کہہ کر دونوں نے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دوڑ لگا دی اور کچھ اس تیزی سے دوڑے کہ انسپکٹر کامران مرزا بھی ان کی طرف منہ کیے بغیر نہ رہ سکے... ادھر کمر کی طرف سے راڈل نے حملہ کیا... یہ بات پہلے ہی ان کے ذہن میں تھی کہ اس کی طرف سے حملہ ہو گا... لہذا وہ یک دم اونچا اچھل گئے... راڈل اپنے زور میں آگے بڑھ گیا... ادھر سے وہ دونوں پورے زور سے چلے آ رہے تھے.... نتیجہ یہ کہ دونوں اس سے پورے زور سے ٹکرائے... راڈل بھی دھڑام سے گرا، اور وہ بھی... ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا اگر فائدہ نہ اٹھاتے تو یہ ان کی غلطی ہوتی... وہ بلا کی تیزی سے جھکے اور گرے ہوئے چوپن کو اٹھا لیا... یہاں تک کہ دونوں ہاتھ سر سے بلند کر دیے.... اور پھر انھوں نے چوپن کو راڈل پر دے مارا...... ساتھ انھوں نے لڑھک کر اپنی جگہ چھوڑ دی...

چوپن جونہی راڈل سے ٹکرایا... اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ کسی گیند کی

طرح اونچا اچھلا...

جب چوپن گرا... تو اس کی آخری چیخ نے فضا کو تھرا دیا...

چوپن ہمیشہ کے لیے ساکت ہو چکا تھا...

عین اسی وقت انھوں نے پروفیسر داؤد کو اٹھ کر دوڑتے دیکھا...

نہیں رک سکتے

"اس وقت سب لوگ جنگ میں مصروف ہیں... انکل منور علی خان کا رسی والا ہتھیار دشمنوں میں کھلبلی مچا رہا ہے... وہ ان سے دور بھاگ کر ہمارے دوسرے ساتھیوں سے الجھنے کی کوشش کر رہے ہیں... ہمارے پیچھے جو چار دشمن آئے تھے... انھیں ہم ٹھکانے لگا چکے ہیں... اس وقت ہماری طرف کوئی متوجہ نہیں... اگر آپ ان طشتریوں کا رخ کر لیں تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا..." آفتاب نے اشاروں میں سمجھایا۔

"ہم... میں اکیلا" پروفیسر غوری ہکلائے۔

"نہیں... آپ اکیلے نہیں... پہلی بات تو یہ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں پروفیسر عقلان انکل تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں... اور کسی نہ کسی طرح

مجھے جن سے انھیں نکال کر یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں/
ہو سکتا ہے۔ اس کام کے لیے مجھے بہت پاپڑ بیلنا پڑیں...
لیکن آپ فکر نہ کریں، میں بیل لوں گا اور ان شاء اللہ
پروفیسر عقلان انکل آپ کے پاس پہنچ جائیں گے... آپ
سیدھے دوسری اڑن طشتری کی طرف چلے جائیں، اور
اپنا کام شروع کر دیں۔"

"اور... اور اڑن طشتریاں اس وقت آپ کی طرف گرم
ہوں گی۔" پروفیسر بولے۔

"ہاں! لیکن اب آپ کو ان پر زیادہ وقت نہیں صرف
کرنا پڑے گا... کیا یہ بات ٹھیک نہیں؟"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

"اور اگر... آپ ان کی تپش برداشت نہ کر سکیں تو
پھر مجھے اشارہ کر دیجیے گا... میں انکل کی طرح اڑن
طشتری پر بیٹھ جاؤں گا۔"

"ن... نہیں... یہ تم سے نہیں ہو سکے گا... خیر تم
جاؤ... میں ادھر کا رخ کرتا ہوں... پروفیسر عقلان کو جلد
از جلد بھیجنے کی کوشش کرنا... کیوں کہ یہ کام اکیلے آدمی
کے بس کا نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے... آپ اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جائیں۔"

یہ کہ کر آفتاب اس طرف بڑھا، جس طرف میدان گرم
تھا... اچانک اس نے دیکھا... پروفیسر عقلان چار آدمیوں
کے درمیان گھرے ہوئے تھے اور ان چاروں سے
بری طرح چپٹ رہے تھے... انھیں بھلا لڑائی بھڑائی
کا تجربہ کہاں تھا... یہ دیکھتے ہی وہ تیر کی طرح ان
کی طرف بڑھا اور اس زور سے ایک دشمن سے ٹکرایا
کہ وہ چاروں شانے چت گرا...

"جیتے رہو۔" پروفیسر عقلان بولے۔

تین دشمن اپنے چوتھے ساتھی کا انجام دیکھ کر
اس کی طرف مڑنے پر مجبور ہو گئے...

"پیس کر رکھ دو اسے۔" ایک غرایا۔

"میں گندم نہیں ہوں... اور نہ گھن ہوں... جسے تم پیس
کر رکھ دو گے۔" آفتاب نے شوخ آواز میں کہا۔

تینوں نے ایک ساتھ اس پر حملہ کیا... وہ بلا
کی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکل گیا اور وہ بہت
بھونڈے انداز میں آپس میں ٹکرا گئے... وہ اپنے
سر اور ناک منہ پکڑ کر پیچھے ہٹے...

"دیکھ کر لڑو بھئی... کیا اللہ میاں نے آنکھیں نہیں
دیں تمھیں۔" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا... ساتھ ہی وہ

پروفیسر عقلان کی طرف بڑھا اور ان کے کان پر منہ رکھ کر بولا:

"انکل... ادھر دیکھیے... دو... دوسرے پروفیسر انکل جا رہے ہیں... آپ بھی... جلدی کریں۔"

"اوہ" ان کے منہ سے نکلا۔

ادھر تینوں حملہ آور آفتاب پر ٹوٹ پڑے... پروفیسر عقلان گھبرا گئے، اور ان کے قدم وہیں جم گئے... جیسے کہہ رہے ہوں... ان حالات میں میں تمہیں چھوڑ کر کس طرح جا سکتا ہوں... یہ بات محسوس کر کے آفتاب نے سر کو جھٹکا دیا... یہ اشارہ تھا کہ آپ جائیں... میری پروا نہ کریں... آخر وہ اس طرف مڑ گئے اور غیر محسوس طور پر اس طرف بڑھنے لگے...

آفتاب پر اب تین طرف سے لاتیں اور مکے برس رہے تھے... وہ جان بوجھ کر کم ہاتھ چلا رہا تھا تاکہ دشمن مزے میں آ جائیں... اور پروفیسر عقلان کو بھول جائیں...
ایسے میں اس نے فرحت کی آواز سنی:

"ہیلو... کیوں مار کھا رہے ہو بھئی۔"

ساتھ ہی فرحت نے اچھل کر ایک دشمن کی کمر پر لات دے ماری... وہ اوندھے منہ گرا... اسی وقت آفتاب

کے سینے پر ایک زور دار لات لگی... وہ الٹ گیا... فرحت کے مقابلے میں دو دشمن تھے... وہ ان دونوں کے درمیان میں تھی... اچانک دونوں نے اس پر چھلانگ لگائی... وہ بلا کی تیزی سے ان کے پیچھے سے نکل گئی... دونوں زمین سے ٹکرائے۔ اس وقت تک آفتاب بھی اٹھ چکا تھا... ایک کی کمر پر اس نے اور دوسرے کی کمر پر فرحت نے چھلانگ لگائی... لیکن اس وقت وہ دونوں اچانک سیدھے ہو چکے تھے... لہٰذا وہ دھڑام سے گرے... دشمن بھی بلا کی تیزی سے ان کی طرف پلٹے... ادھر وہ گرنے کے فوراً بعد تیار ہو چکے تھے... بس ان دونوں کی ٹانگیں پورے زور سے ان کے پیٹ میں لگیں، وہ بھینسے کی طرح ڈکرائے اور گر گئے...

اب ان چاروں میں سکت نہیں رہ گئی تھی... وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے دوسروں کی طرف مڑے... ایسے میں انھوں نے شوکی کو بے تحاشا دوڑتے دیکھا... وہ اس طرح دوڑ رہا تھا، جیسے موت اس کے تعاقب میں ہو...

"بزدل... شوکی... جناب سے بھاگ رہا ہے۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"ایسی بات ہو تو نہیں سکتی۔" فرحت بڑبڑائی۔

"دیکھ نہیں رہیں... جس طرف وہ بھاگا جا رہا ہے...

میدان اس طرف صاف ہے... وہاں تو لڑائی ہو ہی نہیں رہی
"ہوں... ہو سکتا ہے... لیکن میرا دل نہیں مانتا۔"
"خیر... ہم کیوں وقت ضائع کریں... آؤ... اپنے ساتھیوں کی
مدد کریں۔"

چلتے چلتے انھوں نے چاروں دشمنوں کے سروں پر
ایک ایک ٹھوکر اور رسید کر دی تاکہ وہ جلد پھر نہ لڑنے کے
قابل ہو جائیں...

"نہیں آفتاب... میرا دل نہیں مان رہا... آؤ... ذرا ہم بھی
تھوڑی سی بزدلی دکھائیں..." فرحت نے عجیب سے لہجے میں
کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ذرا دیکھیں تو سہی... یہ کہاں جا رہا ہے۔"

"یہاں ہماری زیادہ ضرورت ہے... ادھر دیکھو... انکل شاہد،
آصف اور اخلاق دس بارہ دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں...
اور زبردست جنگ لڑ رہے ہیں... باقی تمام دشمن انکل منور
علی خان کے گرد جمع ہو چکے ہیں اور کسی طرح ان کی رسی
پکڑ لینے کے چکر میں ہیں... لیکن رسی تو کسی کو نظر تک نہیں
آ رہی... اور نہ رسی کے سرے پہ بندھی ہوئی تکون چیز... کس
قدر تیزی سے گھما رہے ہیں انکل... اب تک نہ جانے کتنے سر

...ٹ چکے ہیں۔"
"یہ منظر کیا شوکی نہیں دیکھ چکا ہو گا؟" فرحت نے منہ بنایا۔
"ہاں! بالکل... اس لیے تو بھاگ نکلا ہے۔"
"تب پھر تم مجھے بھی بزدلی کا طعنہ دینے کے لیے تیار
...جاؤ۔" فرحت بولی۔
"کیا کہہ رہی ہو فرحت... تم اور بزدل... ہو ہی نہیں
...نہیں۔"

"تو پھر آؤ۔" فرحت نے کہا اور اس طرف دوڑ لگا دی
...طرف شوکی دوڑا جا رہا تھا... اب آفتاب کو بھی مجبوراً
...کا ساتھ دینا پڑا... اچانک دونوں نے شوکی کو رکتے
...اور پھر وہ دھک سے رہ گئے... چار پانچ آدمی اس پر
...پڑے تھے... اس سے پہلے وہ جھکے ہوئے کچھ کر رہے
...اور اندھیرے کی وجہ سے وہ انھیں نہیں دیکھ سکے تھے...
"دیکھا... میں کہتی تھی... وہ ضرور کسی وجہ سے بھاگ
...ہے۔" فرحت بولی۔
"حیرت ہے... لیکن یہ بے چارہ... ان لوگوں سے اکیلا
...طرح ٹکرائے گا..."
"بات ٹکرانے کی نہیں... صرف جذبے کی ہے... کوئی جذبہ
...اسے اس طرف لے کر گیا ہے۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتی ہو... میں غلطی پہ تھا۔"

اور پھر وہ دونوں بھی نزدیک پہنچ گئے... شوکی ان کے درمیان بری طرح پٹ رہا تھا... اس پہ تابڑ توڑ مکے اور لاتیں برس رہی تھیں...

"گھبرانا نہیں شوکی... ہم آ گئے ہیں۔" فرحت چلائی۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ دشمنوں پہ ٹوٹ پڑے... وہ کل چار تھے... اور ان چاروں سے نبٹ لینا ان کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا... ایسے میں ان کی نظریں بے ہوش انسپکٹر جمشید پہ پڑیں...

"یہ... یہ یہاں کیسے پہنچ گئے تھے؟" آفتاب ہکلایا۔

"مم... میں نے ان چاروں کو انھیں گھسیٹ کر اس طرف لاتے دیکھ لیا تھا... اس لیے میں اس طرف دوڑا تھا... یہ ان کا گلا گھونٹ رہے تھے... میں ان کے درمیان میں کود پڑا۔ کیوں کہ... کیوں کہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔" شوکی نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

آفتاب سناٹے میں آ گیا... اس کا سر جھک گیا۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یار شوکی... مم... مجھے معاف کر دو۔"

"معاف کر دوں... لیکن مجھے... تم نے کہا کیا ہے...

مجھے تو تم دونوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے... کہ عین وقت پہ ان کی... ورنہ یہ تو میرا نکال دیتے بھرکس۔"

"اس کے باوجود میں تم سے معافی مانگنے پہ مجبور ہوں، جہاں تک تعلق ہے شکریہ ادا کرنے کا... وہ تم بعد میں کرتے رہنا۔" آفتاب نے کہا۔

"بات کیا ہے... معافی کس بات کی مانگ رہے ہو۔" شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دراصل اس نے تمھیں بھاگتے دیکھ کر بزدل کہا تھا... جب کہ میں نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں... تم ضرور کسی وجہ سے بھاگ رہے ہو۔"

"تب پھر معافی کس بات کی... بزدل تو میں ہوں۔"

"نہیں بھئی... اس وقت یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ تم بزدل ہرگز نہیں ہو... مجھے معاف کر دو۔"

"اچھا معاف کیا... میرا خیال ہے... ہمیں انکل کو جنگل کی طرف لے جانا چاہیے... تاکہ یہ ہماری نظروں کے سامنے رہیں۔"

"ہاں! بات ٹھیک ہے۔"

انھوں نے حملہ آوروں کے سروں کی پچھ اور مرمت پھر مل کر انھیں اٹھایا... اور اس طرف چل پڑے،

نزدیک پہنچ کر انھوں نے انھیں ایک طرف لٹا دیا... اور آگے بڑھے... آصف، شاہد اور اخلاق لہولہان نظر آ رہے تھے، ان کے گرد اب قریباً بیس آدمی تھے... دوسری طرف منور علی خان ابھی تک کامیاب اپریشن کر رہے تھے... انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ آصف وغیرہ کی مدد کریں، چناں چہ وہ بھی اس محاذ پر کود پڑے... ان کی اچانک آمد نے ان کے ساتھیوں کے مردہ تنوں میں جان ڈال دی... اور وہ پھر سے پُر جوش انداز میں لڑنے لگے...

اچانک منور علی خان کے آس پاس شور گونجا... انھوں نے مڑ کر دیکھا... ان کے گرد موجود دشمن افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے... انھیں بھاگتا دیکھ کر ان کے گرد موجود دشمن بھی دل ہار بیٹھے اور بھاگے... اب ان سب نے ان کا تعاقب شروع کیا... تعاقب کے دوران بھی انھوں نے بے شمار دشمنوں کو گرا دیا... لیکن جس شان سے منور علی خان تعاقب کر رہے تھے، وہ ان کے بس کا بھی روگ نہیں تھا... ان کی رسی اب بھی بھگوڑے دشمنوں کے سروں پہ چمک رہی تھی... اور ان کے سروں کو چاٹ رہی تھی... وہ دھڑا دھڑ گر رہے تھے...

گرنے... بھاگنے اور تعاقب کرنے کا یہ عمل جاری رہا، دشمن بھاگ کر جاتا بھی کہاں... اس وادی کے چاروں طرف تو پہاڑ تھے... فرار کا اگر راستا تھا تو اس کے آگے لہروں کی دیوار تھی... اور پھر فرار کا راستا کھوجنے کا بھی مسئلہ تھا... لہٰذا وہ وہیں چکر کھاتے رہے اور گرتے رہے اور مرتے رہے... یہاں تک کہ دو گھنٹے کے تعاقب میں تمام ہی دشمن مارے گئے... یا زخمی ہو گئے...

اب وہ سب ایک جگہ جمع ہوئے... انسپکٹر جمشید کا جائزہ لیا گیا... ان کی نبض پہلے سے بہتر محسوس ہوئی لیکن وہ اب بھی بے ہوش تھے...

"اب ہمیں پروفیسر صاحبان کی طرف چلنا چاہیے... تاکہ انھیں بھی کچھ حوصلہ ہو۔" منور علی خان بولے۔

"ہوں... ٹھیک ہے... لیکن ہم انکل جمشید کو ساتھ لے کر جائیں گے۔"

انسپکٹر جمشید کو اٹھا کر وہ دوسری اڑن طشتری تک پہنچے... لیکن پروفیسر صاحبان یہاں سے فارغ ہو کر تیسری کی طرف جا چکے تھے... لہٰذا انھیں اس طرف بڑھنا پڑا... دونوں پروفیسر صاحبان اس پر موجود

"ہاں پروفیسر صاحبان... کیا رہا؟"

"ہم دوسری کو بھی کھول چکے ہیں... اور اب تیسری کی باری ہے۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے... یہاں کل سات اڑن طشتریاں ہیں..." منور علی خان نے چاروں طرف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہوں شاید اتنی ہی ہوں... فکر کی کوئی بات نہیں، ہم اب زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔"

"اور کیا... یہ اب بھی اتنی ہی گرم ہیں؟" آصف نے پوچھا۔

"بس... کچھ نہ پوچھیں۔"

"ٹھیک ہے... نہیں پوچھتے... آپ کام کریں۔" شوکی مسکرایا۔

پروفیسر صاحبان کا کام جاری رہا... وہ اس دوران چاروں طرف کا جائزہ لیتے رہے، منور علی خان کا زہر والا ہتھیار اب بھی ان کے ہاتھ میں لٹک رہا تھا، اور تکونا پھل خون سے سرخ تھا... کبھی کبھی وہ انسپکٹر جمشید کو بھی ہلا جلا کر دیکھ لیتے...

اسی طرح وہ ایک ایک کر کے چھٹی اڑن طشتری تک پہنچ گئے... اور اب صرف ایک کشتی باقی رہ گئی تھی، چھٹی پہ اپنا کام مکمل کر کے وہ ساتویں کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ٹھٹک کر رک گئے... وہی تیز آواز بلند ہو رہی تھی... جو انھوں نے جنگل کے سرے پر سنی تھی...

"ارے... مارے گئے... اب تو ہم بالکل اڑن طشتری کے قریب ہیں... ہمارے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے۔"

"وہ... وہ پستول..." آصف نے چلا کر کہا اور انسپکٹر جمشید کی طرف چھلانگ لگا دی... دوسرے ہی لمحے وہ پستول نکال کر نیلا بٹن دبا چکا تھا...

اچانک آواز سلب ہو گئی... انھیں ہلکی سی شوں شوں بھی اب سنائی نہیں دے رہی تھی...

"حیرت انگیز... بہت حیرت انگیز۔" آفتاب بولا۔

لیکن اس کے یہ الفاظ بھی کوئی کس طرح سن سکتا تھا... ادھر ساتویں اڑن طشتری کا نچلا حصہ انھوں نے آگ کی طرح روشن ہوتے دیکھا...

"اُف... کیا... کیا یہ اب اڑے گی۔" آصف نے کہا۔

دوسرے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر

رک گئے... اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے... اڑن طشتری کسی بڑے غبارے کی طرح اوپر اٹھنے لگی... اس کا نچلا حصہ بجھ سا گیا...

"میں... میں سرخ بٹن دبانے لگا ہوں... شاید اب آواز بند ہو چکی ہے۔" آصف نے اشارہ کیا۔

"ابھی نہیں... ٹھہر جاؤ... ابھی نہیں۔" دوسروں نے جوابی اشارہ کیا... لیکن پھر شوکی نے اسے اشارہ کیا کہ بٹن دبا دو۔

جونہی اس نے بٹن دبایا... کان پھاڑ دینے والی آواز سنائی دینے لگی... لیکن اب اس میں وہ شدت نہیں تھی جو اڑن طشتری کے اڑتے وقت ہوئی تھی... اس وقت شوکی نے چیخ کر کہا:

"باس کے ارادے نیک نہیں لگتے... اس شکست نے شاید اسے بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے... کہیں یہ اڑن طشتری ہم پر گولہ باری نہ کرے۔"

"تب پھر... ہم کیا کر سکتے ہیں... یہاں تو پناہ لینے کی کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔" منور علی خان بولے۔

"کیوں نہیں ہے انکل... فوراً چھوٹی اڑن طشتری کے نیچے پہنچ جائیں۔"

"اوہ... اوہ ہاں... بالکل ٹھیک۔" انھوں نے چلا کر کہا۔

سب کے سب بھاگے... لیکن انسپکٹر جمشید کو اٹھانا نہیں بھولے تھے... انھوں نے اڑن طشتری کے نیچے پہنچ کر دم لیا... اس وقت تک اڑن طشتری بلند ہو چکی تھی اور اب ان کی طرف بڑھ رہی تھی...

اچانک تڑاتڑ شروع ہو گئی... گولیاں اڑن طشتری کے چاروں طرف برسنے لگیں... لیکن کوئی گولی ان تک نہیں پہنچ رہی تھی...

"بھئی واہ... اسے کہتے ہیں... اپنا جوتا اپنا سر [illegible] نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن... ہم باس کی چال کو سمجھے نہیں۔" آصف [illegible]

"کیا مطلب؟"

"اس نے اس طرح ایک اڑن طشتری بچا لی... ہم اس میں اپنا کام نہیں کر سکے۔"

"لیکن کب تک... یہ کب تک فضا میں رہے گی... آخر اس کا ایندھن ختم ہو جائے گا... اور اسے اپنے سٹینڈ پر آنا پڑے گا... اس میں ایندھن بھرنے والے سب مارے جا چکے ہیں یا زخمی ہو چکے ہیں اور ان کے لاشے اس میدان میں پڑے ہیں... بلکہ شاید اس اڑن طشتری

کی فائرنگ ان کے جسموں کو چھید رہی ہو گی۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے... مطلب یہ کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"بکرے کی ماں تم نے اڑن طشتری کو کہا یا باس کو۔" شوکی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اڑن طشتری کو۔" اس نے کہا۔

"ہم... میں... یہ کیا ہو رہا ہے بھئی... میں کہاں ہوں۔" ایسے میں انھوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔ سب ان کی طرف مڑے... انھوں نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ شوکی بولا:

"آپ ہم سب کے ساتھ ہیں... فکر نہ کریں... آپ کا کیا حال ہے۔"

"کمر تک شدید ترین جلن ہے۔"

"ہاں... وہ تو واقعی ہو گی... کیا آپ کو یاد ہے... آپ کس طرح بے ہوش ہوئے تھے۔" آصف بولا۔

"ہاں کیوں نہیں... میں اڑن طشتری پر لیٹ گیا تھا... پھر... کیا... پروفیسر صاحبان کامیاب ہوئے یا نہیں۔"

"جی ہاں... آپ کی قربانی رنگ لا کر رہی... وہ اس وقت تک چھے اڑن طشتریوں کو بے کار کر چکے ہیں..."

"اور یہاں ہیں کل کتنی۔"

"صرف سات۔"

"ساتویں کا کیا بنا۔" انھوں نے گھبرا کر پوچھا۔

"ساتویں اس وقت ہمارے سروں پر ہے... اور گولیاں برسا رہی ہے... لیکن ہم نے بھی ایک اڑن طشتری کے نیچے پناہ لے رکھی ہے... اور بالکل محفوظ ہیں... اللہ کی مہربانی ہے۔"

"بہت خوب... دوسری طرف کی بھی کوئی خبر ہے یا نہیں۔"

"ایک ٹیلا نما عمارت کی چھت پر کچھ دیر پہلے دو سکرینیں ابھری تھیں... ان پر اس طرف کا منظر دکھائی دیا تھا... لیکن اتنی فرصت ہی کسی کو نہیں تھی... کہ اس طرف دیکھ سکے... کیوں کہ ہم سب کو تو ایک ہولناک جنگ لڑنا پڑ رہی تھی۔"

"اوہ... تو پھر جنگ کا کیا رہا۔"

"میدان ہمارے ہاتھ رہا... سب لوگ مارے جا چکے یا زخمی ہو گئے ہیں... مقابلہ کرنے کے قابل اب کوئی نہیں رہا۔"

"بہت خوب... اس کا مطلب ہے... اس طرف تو اب صرف ایک اڑن طشتری رہ گئی ہے... لیکن باقیوں کے ساتھ

"آپ لوگوں نے کیا کیا ہے پروفیسر صاحب۔" وہ بولے۔

"ہم نے ان کے ساتھ پوری پوری کارروائی کر ڈالی ہے... یہ اڑن طشتریاں اڑنے کے قابل نہیں رہیں... جونہی انھیں اڑانے کی کوشش کی جائے گی... یہ پھٹ جائیں گی، اڑانے کی کوشش نہ کی گئی... تب بھی... یہ چند روز بعد پھٹ جائیں گی۔"

"ہوں... ٹھیک ہے... اب ساتویں کا کیا ہو گا؟"

"جب تک اس کا ایندھن ختم نہیں ہو جاتا... وہ ہمارے سروں پہ رہے گی... پھر اتر آئے گی... یا کہیں گر جائے گی... دونوں صورتوں میں ہی اس کی تباہی ہو گی... فکر نہ کریں۔"

"اللہ کا شکر ہے... اب دوسری طرف کا کچھ حال معلوم ہو جائے..... تو بے فکری ہو۔"

"اس سے نبٹ لیں... پھر اس طرف توجہ دیں گے۔" آصف نے کہا۔

"لیکن کس طرح توجہ دیں گے... ہم لہروں کی دیوار کس طرح پار کر سکتے ہیں۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے..." شوکی بولا۔

"پہلا کام اس اڑن طشتری سے نجات حاصل کرنا ہے...

اور یہ اطمینان کر لینا کہ اگر ہم یہاں شکست بھی کھا جائیں، تب بھی... باس اب کبھی اڑن طشتریوں کو نہیں اڑا سکے گا۔"

"اس بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں... کیونکہ... ہم تینوں نے سر جوڑ کر یہ پہلے ہی بہت غور کر لیا تھا... اور کچھ ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ان کو بنانے والا بھی اب ان کی مرمت نہیں کر سکے گا... ان کو تباہ ہونا پڑے گا۔"

"لیکن انکل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے جب اڑن طشتریوں کو اندر سے دیکھا نہیں تھا تو پہلے ہی سے ان کا علاج کیسے تلاش کر لیا تھا..." شوکی نے اعتراض کیا۔

"بھئی بے شک ہم ان کی ساخت سے ناواقف تھے، لیکن ان کی کارکردگی کے اصولوں اور قوانین سے تو واقف تھے نا... اور یہ بھی واضح کر دوں کہ یہ قوانین پوری کائنات کے لیے ایک جیسے ہیں اب خواہ دنیا والے کوئی ہتھیار بنائیں یا کسی دوسرے سیارے کی مخلوق... ان میں اصول یہی کارفرما ہوں گے، البتہ مشینری اور میٹریل کی بدولت وہ ایک دوسرے سے بہتر یا کم تر ہو سکتے ہیں،

اور انھیں اصولوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم نے ان
اڑن طشتریوں کا توڑ قبل از معائنہ ہی دریافت کر لیا
تھا... بس مسئلہ تھا تو انھیں کھولنے کا جو کہ اب اللہ
کے کرم سے حل ہو چکا ہے۔"

"حیرت ہے... باس نے یہ سب کچھ ہوتے کیسے دیکھ لیا!"

"وہ کر بھی کیا سکتا تھا... ہمارے سب راستے اس نے
بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی، لیکن ہم نے بھی اپنی
ہر کوشش کر ڈالی... اب بھی ہو سکتا ہے... باس کا یہ خیال
رہا ہو کہ ان اڑن طشتریوں میں کی جانے والی خرابی ان
کے ماہرین فوراً درست کر دیں گے... شاید اس نے یہ
سب کچھ اس لیے اطمینان اور سکون سے دیکھ لیا۔" آصف
کہتا چلا گیا۔

"ہوں... بات ٹھیک ہے... اب دیکھیں... اس اڑن
طشتری کا پروگرام کب ختم ہو۔"

انھوں نے اوپر کی طرف دیکھ کر کہا... چاروں طرف
گولیاں برس رہی تھیں... اور اگر وہ اس اڑن طشتری
کے نیچے نہ پہنچ جاتے تو کب کا چھلنی ہو چکے تھے۔

ایک گھنٹا تک اڑن طشتری کا یہ عمل جاری رہا...
پھر وہ سٹینڈ کی طرف چلی گئی... سٹینڈ پر ٹک گئی اور

...ن کی آگ بجھ گئی۔

"اب آپ دونوں حضرات اس کا بھی تیا پانچا کر سکتے
...ں... باس کی یہ کوشش بھی ناکام ہو چکی ہے۔"

"ضرور... کیوں نہیں۔"

دونوں پروفیسر صاحبان اڑن طشتری پر چڑھ گئے،
...ر پانچ منٹ بعد اپنا کام کر کے نیچے آ گئے...

"اس حصے میں ہمارا کام ختم ہو گیا ہے... ہمیں اب
...ر دوسرے حصے میں پہنچ جانا چاہیے... اس وقت تک
...ارے ساتھی نہ جانے کیا کچھ کر چکے ہوں گے... اور
...ر کام باقی رہ گیا ہے... وہ ہم مل کر کر ڈالیں گے۔"
...تاب نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن... سوال یہ ہے کہ ہم اس طرف جائیں کس طرح۔
...ر ڈھلوان پر چڑھ کر... پہاڑ پر پہنچ کر... نیچے اتر کر
...ر کے راستے جانے کی کوشش کریں تو بہت وقت ضائع
...ر گا... لہروں کی دیوار ہم عبور کس طرح کریں۔" فرحت
...ل۔

"بھئی یہاں رک کر باتیں کرنے کی بجائے... ہمیں لہروں
...دیوار کی طرف اپنا سفر شروع کر دینا چاہیے... وہاں پہنچ
...ر دیکھیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

منور علی خان اور شاہد انھیں اٹھانے کے لیے آگے بڑھے لیکن انھوں نے ہاتھ اٹھا دیا:

"نہیں... میں اب چل سکتا ہوں... شکریہ۔"

آخر وہ سب وہاں سے روانہ ہوئے... لاشوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے انھیں عجیب سا احساس ہو رہا تھا... ان میں زخمی بھی تھے... کچھ زخمیوں نے انھیں کھا جانے والی نظروں سے بھی دیکھا... لیکن کر کچھ نہ سکے... اڑن طشتریوں کی وادی کے اس حصے سے ان کی واپسی ہو رہی تھی...

"کیا آپ کو یقین ہے پروفیسر صاحبان... ان لوگوں کو اگر مہلت مل گئی تو بھی یہ ان کو مرمت نہیں کر سکیں گے۔"

"ہاں بالکل... بس دراصل خوش فہمی کی بنیاد پر ہی تو مارا گیا۔" پروفیسر غوری مسکرائے۔

"کیا مطلب۔" وہ چونکے۔

"اس کی پہلی خوش فہمی تو یہ تھی کہ اڑن طشتریوں کو ہم کھول نہیں سکیں گے... اور جب کھل گئیں تو وہ دوسری بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا۔"

"اور دوسری خوش فہمی کیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

کر وہ پھر آگے چل پڑے... یہاں تک کہ لہروں کی دیوار تک پہنچ گئے۔

"اب ہمیں اس دیوار کو پار کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن کس طرح... جونہی کوئی اس کے نزدیک پہنچے گا... اچھل کر بہت دور جا گرے گا۔" منور علی خان بولے۔

"آصف... تم میرا ہاتھ پکڑ لو... تمھارا ہاتھ آفتاب... اسی طرح ہر کوئی دوسرے کا ہاتھ پکڑے۔" انسپکٹر جمشید بولے... ایسا معلوم ہوا... جیسے انھوں نے منور علی خان کا جملہ سنا ہی نہ ہو...

"جی... آپ کیا کرنا چاہتے ہیں انکل۔" آصف نے بے چین ہو کر کہا۔

"کچھ نہیں... جو کہہ رہا ہوں... اس پر عمل کرو۔" وہ بولے۔

آصف نے فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا... اور پھر سب نے ہاتھ پکڑ لیے... اس طرح ان کی ایک لائن بن گئی...

"اب میرے پیچھے چلے آؤ... میں دیوار پار کر رہا ہوں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں انکل۔" وہ دھک سے رہ گئے۔

"کچھ نہیں... چلے آؤ۔"

"آپ... آپ۔" آفتاب اٹک کر رہ گیا۔

"میں سمجھ گیا... شاید تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کہیں میں ذہنی طور پر بیمار تو نہیں ہو گیا۔ جل جانے کی وجہ سے... فکر نہ کرو... ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"تب پھر... اس دیوار کو ہم کس طرح عبور کر سکتے ہیں۔"

"بھئی تم میرا کمال تو دیکھو۔" انھوں نے جھلّا کر کہا۔

اب کسی میں یہ اعتراض کرنے کی ہمت نہ رہی، انسپکٹر جمشید چلتے ہوئے لہروں کی دیوار کے بالکل نزدیک پہنچ گئے اور پھر رکے بغیر... جھجکے بغیر دیوار پار کر گئے... کچھ بھی نہ ہوا... پھر تو وہ سبھی پار کر گئے... کسی کو کوئی جھٹکا نہ لگا...

دوسری طرف آ کر آصف نے حیرت زدہ انداز میں کہا:

"یہ... یہ کس طرح ہو گیا انکل۔"

"ہم جب پہلی مرتبہ اس دیوار کے قریب پہنچے تھے

اور جھٹکا لگا تھا تو میں نے... یاد ہے... کیا کیا تھا۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ج... جی ہاں... یاد ہے... آپ نے پیچھے کی طرف دوڑ لگا دی تھی... اور یاس کو دھیان میں لگانے کے لیے... ہم نے آپس میں جنگ شروع کر دی تھی... اور پھر آپ نے واپس آ کر یہ بتایا تھا کہ آپ اس خیال سے دوڑ لگائی تھی کہ آخر زیاباٹا کس طرح دیوار پار کرنے میں کامیاب ہوئی... اس کے پاس ضرور کوئی چیز ہو گی... گویا آپ بے ہوش زیاباٹا کے پاس سے وہ چیز لینے کے لیے دوڑے تھے... لیکن پھر آپ ناکام لوٹے تھے... آپ نے بتایا تھا کہ زیاباٹا کے پاس سے کوئی ایسی چیز نہیں ملی۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا تھا... واقعی اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی... لیکن... اس کے بالکل قریب دیکھا ایسی چیز موجود تھی... میں نے اسے اٹھا لیا تھا... اور یہاں پہنچ کر تم لوگوں کو اس کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔"

"لیکن کیوں انکل۔"

"اس لیے کہ... میں نے سوچا... ابھی ایسی چیز سے

کام لینے کا موقع نہیں آیا... لہٰذا اب موقع آیا تھا... اس لیے میں دیوار عبور کر گیا۔"

"گویا وہ چیز آپ کی جیب میں ہے۔"

"ہاں! اس کے ہوتے ہوئے جھٹکا نہیں لگ سکتا۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن! آپ کو یہ کیسے پتا چل گیا... کہ وہ ایسی چیز ہے... جس کے ذریعے دیوار عبور کی جا سکتی ہے۔"

"ذیاباٹا کے بالوں میں اس کی موجودگی سمجھ میں نہیں آئی تھی... لہٰذا میں نے پہلے ہی اس کلپ کو دیکھ لیا تھا... دیوار کے پاس پہنچ کر مجھے اس کلپ کا خیال آیا تھا... پہلی بار جب اس سے ملاقات ہوئی تھی... اس وقت کلپ اس کے بالوں میں نہیں تھا.... دوسری بار جب وہ ہمارے سامنے آئی... تو دیوار پار کر کے آئی تھی... اس وقت میں نے اس کے بالوں میں وہ کلپ دیکھا... اور وہی کلپ اس کے بالوں کے قریب گرا پڑا مجھے نظر آ گیا تھا... میں نے جان بوجھ کر ذیاباٹا کے پاس ٹھوکر کھائی... اور کلپ پر گرا... اس حالت میں بھلا باس کس طرح یہ جان سکتا تھا کہ میں نے کوئی چیز اٹھائی ہے۔"

"اوہ... بہت خوب۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اب وہ آگے بڑھے... دھند کی وجہ سے وہ زیادہ دور تک دیکھنے کے قابل نہیں تھے... بس پاس کی چیزیں نظر آ رہی تھیں...

"جہاں تک میرا خیال ہے... ہمارے ساتھی اس وقت تک باس کے دس محافظوں سے تو ضرور ٹکرا چکے ہوں گے اور انھیں شکست بھی دے چکے ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"گویا اب صرف باس رہ گیا ہے۔"

"اور ذیاباٹا بھی... کیوں کہ وہ ابھی زندہ ہے۔"

اچانک انھیں ایک عمارت نظر آئی... وہ ٹھٹک کر رک گئے... لیکن پھر آس پاس کوئی ہل چل محسوس نہ کر کے آگے بڑھے... انھوں نے دیکھا... عمارت کے پاس چند لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

"میرا اندازہ درست نکلا... یہ انھی محافظوں کی لاشیں ہیں اور یہ عمارت ضرور ان کی رہائش کے لیے ہو گی۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"اندازہ اور آپ کا درست نہ نکلے..." آصف مسکرائے۔

"نہیں بھئی... ایسا بھی ہو جاتا ہے۔" وہ بولے۔

اب وہ عمارت سے بھی آگے بڑھے... بہت محتاط انداز میں قدم اٹھا رہے تھے...

"ایک مشکل یہ ہے کہ باس کی نظروں سے ہم نہیں بچ سکتے... وہ اس پوری وادی پر نظر رکھے ہوئے ہے۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"اس کے باوجود ہم نے اتنی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں..." آصف نے کہا۔

"یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔" اخلاق بولا۔

"ہاں! اس میں کیا شک ہے۔"

عین اسی وقت انھوں نے ایک دل ہلا دینے والی چیخ سنی... وہ کانپ گئے...

"اُف مالک... یہ کس کی چیخ تھی۔" شوکی لرزتی آواز میں بولا۔

"کم از کم ہمارے کسی ساتھی کی آواز تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔" منور علی خان نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو... آوازیں پہچاننے کے ماہر جو ہوئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تب پھر... یہ آواز ضرور کسی دشمن کی ہو گی... اور جہاں تک میرا خیال ہے... یہ چیخ چیخنے والے کی آخری

چیخ تھی۔" پروفیسر غوری نے کہا۔

"بالکل ٹھیک... میں بھی یہی کہتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے... جنگ زور شور سے جاری ہے، ارے مگر۔" آصف کہتا کہتا رک گیا۔

"یہ ارے مگر یہاں کہاں سے ٹپک پڑا۔" شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"دس محافظ تو پہلے ہی مارے جا چکے ہیں... تو پھر... کیا یہ... باس کی چیخ تھی۔" آصف نے جلدی جلدی کہا... وہ سب حیران رہ گئے... کیوں کہ امکان اسی بات کا تھا۔

"تب تو ہمیں تیز تیز قدم اٹھانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ان کے قدم تیز ہو گئے... لیکن پھر اچانک وہ ٹھٹک گئے... اور قدم سست پڑ گئے... انھیں دور ایک آدمی بیٹھا نظر آ رہا تھا...

"یہ... یہ کون ہو سکتا ہے۔" شوکی نے سرگوشی کی۔

"جہاں تک... میرا خیال ہے... یہ... یہ پروفیسر صاحب ہیں۔"

عین اسی وقت انھوں نے اس شخص کو اٹھ کر دوڑتے دیکھا...

"ارے... یہ انھیں کیا ہوا... اچانک اٹھ کر دوڑ کیوں پڑے۔" شاہد چلایا۔

"اب ہم بھی نہیں رک سکتے... آؤ دوستو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ان کی طرف دوڑ لگا دی۔

دوسری بوتل

راڈل اور مانکٹ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چین کی لاش کو دیکھا اور پھر ان کی خونخوار نظریں انسپکٹر کامران مرزا کی طرف اٹھ گئیں... لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان کی طرف بڑھتے... انھوں نے پروفیسر داؤد کی آواز سنی، وہ بلند آواز میں کہہ رہے تھے:

"ایک منٹ انسپکٹر کامران مرزا... کہیں میری حسرت دل میں نہ رہ جائے۔"

وہ ان کی طرف مڑنے پر مجبور ہو گئے... انھوں نے بات ہی عجیب کہی تھی... ادھر ان کی توجہ دونوں دشمنوں کی طرف بھی تھی... کہ کہیں وہ موقعے سے فائدہ اٹھا کر حملہ نہ کر دیں، لیکن وہ بھی پروفیسر داؤد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے... پروفیسر ہاتھ کمر کی طرف کیے کھڑے تھے۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں." انسپکٹر کامران مرزا نے حیرت زدہ انداز میں کہا.

"مجھے بھی ان سے دو دو ہاتھ کر لینے دیں." وہ بولے.

"جی کیا فرمایا... آپ اور ان سے دو دو ہاتھ کریں گے."

"ہاں! میرے دل میں بھی حسرت ہے کہ میں بھی ان سے مقابلہ کروں."

"نہیں پروفیسر صاحب... آپ نہیں جانتے... یہ دونوں کس قدر خطرناک ہیں... ان کا تیسرا ساتھی بھی کچھ کم خطرناک نہیں تھا... ان کے مقابلے میں دس محافظ تو صابن کا جھاگ ثابت ہوئے تھے... لیکن یہ لوہے کے چنے ہیں جن کو چبانا آسان نہیں."

"چبانے کی ایک آدھ کوشش کر کے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے." وہ مسکرائے.

"نہیں پروفیسر صاحب... آپ ہمارے لیے بہت زیادہ قیمتی ہیں..." انھوں نے انکار میں سر ہلایا.

"میں یہ مقابلہ ضرور کروں گا." انھوں نے تیز

لہجے میں کہا.

"لیکن میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا."
انسپکٹر کامران مرزا نے گھبرا کر کہا.

"انسپکٹر کامران مرزا... میں بڑا ہوں یا تم."

"جی آپ."

"چھوٹے بڑوں کا کہنا مانا کرتے ہیں... کیا تم نے بچپن میں یہ سبق نہیں پڑھا تھا."

"پڑھا تو تھا... لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ آپ ور کو خطرے میں ڈال رہے ہیں... جب کہ اس کی ئی ضرورت نہیں ہے."

"ضرورت ہے... بالکل ہے... لیکن تم اس ضرورت نہیں سمجھ گئے... اس لیے میں تمھیں حکم دیتا ہوں، میرے راستے سے ہٹ جاؤ... خبردار... جو تم نے مجھے روکنے کی کوشش کی." انھوں نے سخت لہجے میں کہا اور آگے بڑھنے لگے...

انسپکٹر کامران مرزا ساکت رہ گئے... شاید ان سے اس قدر سخت لہجے میں آج تک کسی نے بات نہیں کی تھی... ان کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا...
پروفیسر صاحب ان کے پاس سے گزر کر عین راڈل

کے پاس جا کھڑے ہوئے...

"میں تم پر ایک چیز پھینک کر مارنا چاہتا ہوں... کیا تم خود کو اس چیز سے بچا سکتے ہو؟" وہ بولے۔

"ہمیں خود کو بچانے کی ضرورت نہیں... یہ چیز الٹا کر خود آپ کو لگے گی۔" راڈل نے کہا... اب مانگٹ بھی بالکل اس کے ساتھ کھڑا تھا۔

"میں اس رخ سے وار کروں گا کہ یہ عین تمہارے سینے پر لگے گی۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"ناممکن... جس طرف سے جی چاہے... وار کریں... کوئی چیز ہم سے نہیں ٹکرائے گی۔" اس گہری نیلی دھند سے ٹکرا کر واپس چلی جائے گی۔"

"چلو... تجربہ ہی سہی... اگر میں ناکام رہا... تو تم مجھ پر وار کر سکتے ہو۔"

"ہمیں ایک بوڑھے پر وار کرتے شرم آئے گی... آپ اپنا وار کریں۔" راڈل بولا۔

"دیکھے... تیار ہو جاؤ... بہتر ہو گا کہ اس وار سے بچنے کی تیاری کر لو... میں تم لوگوں کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا... میرا وار خطرناک ہو گا۔"

"آپ بہت خوش فہمی میں مبتلا ہیں پروفیسر...

"ہاں کہ آپ جانتے ہیں... جو چیز بھی ہم سے ٹکراتی ہے، اسی طاقت سے واپس پلٹ جاتی ہے... اور یہ ان لہروں کی وجہ سے ہے جو نیلے رنگ کے دھوئیں کی شکل میں ہمارے گرد پھیلی ہوئی ہیں..."

"میں جو چیز پھینک کر ماروں گا... وہ تمہارے اس دھوئیں کو عبور کر جائے گی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا... ہمارے سائنس دانوں نے ہمیں بہت اطمینان دلا رکھا ہے۔"

"اچھا تو پھر یہ لو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے ہاتھ سامنے آ گئے... اب سب نے دیکھا... ان کے ہاتھ میں صرف ایک بوتل تھی... اس کے منہ پر کارک بھی نہیں تھا... نیلے رنگ کی بوتل...

"یہ کیا... یہ تو صرف ایک بوتل ہے۔" مانگٹ ہنسا۔

"ہاں! یہ صرف ایک بوتل ہے... لو... بوتل کا وار سہنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اتنا کہتے ہی انھوں نے بوتل کو ایک جھٹکا مارا، بوتل تو ان کے ہاتھ میں ہی رہی... لیکن اس میں سے نیلے رنگ کا ایک سیال سا نکل کر راڈل اور

مانکٹ پر فوارے کی شکل میں گرا... ساتھ جھٹکا لگنے سے ہی اس نے فوارے کی شکل اختیار کی تھی... ورنہ وہ صرف راڈل پر گرتا...

دونوں کو نہ تو کوئی جھٹکا لگا... نہ ان کا کچھ بگڑا... البتہ ان کے منہ سے بلند قہقہہ ضرور نکلا:

"بس پروفیسر... کر لیا تم نے وار" راڈل بولا۔

"ہاں کر لیا... اور دیکھ لو... بوتل میرے ہاتھ میں ہی رہ گئی" پروفیسر مسکرائے۔

"اس سے تو بہتر تھا... آپ یہ بوتل ہم پر پھینک مارتے... تاکہ یہ پلٹ کر آپ کو تو جا لگتی... اور کو معلوم تو ہو جاتا کہ ہم کیا ہیں"

"تو میں اب بوتل پھینک مارتا ہوں... کیا خیال ہے"

"ضرور... کیوں نہیں" مانکٹ بولا۔

پروفیسر داؤد نے بوتل کو منہ کی طرف سے پکڑا اور راڈل پر کھینچ ماری... بوتل ٹھیک اس کی پیشانی پر لگ کر ٹوٹ گئی اور نیچے گری... راڈل کی پیشانی پر خون چھلک آیا:

"یہ... یہ کیا... بوتل واپس کیوں نہیں پلٹی۔ ارے! وہ... وہ نیلی دھند کو کیا ہوا" راڈل چلایا۔

"کیا!!!" مانکٹ نے بھی بلند آواز میں کہا۔

ان کے چہروں پہ حیرت کا ایک سمندر نظر آیا...

ادھر پروفیسر کے چہرے پر سرخی جھلکنے لگی:

"میرا تجربہ کامیاب رہا... میں اس نیلی دھند کا بغور جائزہ لیتا رہا تھا... اس میں سے ہلکی سی بُو بھی میں نے اٹھتے ہوئے محسوس کی تھی... اور پھر میں نے جان لیا کہ یہ کن گیسوں کا مجموعہ ہے... بس میں نے فوراً اس بوتل میں چند سیال گیسوں کا آمیزہ تیار کیا، اور اس دھند پر پھینک مارا... دونوں آمیزے ٹکرائے اور دھند غائب ہو گئی... تم اس تبدیلی کو محسوس بھی نہ کر سکے... کیوں کیسی رہی" یہ کہہ کر وہ انسپکٹر کامران مرزا کی طرف مڑے اور مسکراتے ہوئے بولے:

"یہ تھے وہ دو دو ہاتھ... کیا اب بھی تمہیں اعتراض ہے انسپکٹر کامران مرزا"

"نن... نہیں... میرا دماغ نہیں چل گیا کہ اب بھی اعتراض کروں... آپ نے تو کمال کر دیا..."

"اور دوسرا کمال میں اس طرف دیکھ رہا ہوں..." پروفیسر داؤد نے ان کے پیچھے کی طرف اشارہ کیا:

وہ ایک ساتھ مڑے... اور پھر ان کے منہ

سے ایک ساتھ نکلا:

"ارے! آپ لوگ آ گئے۔"

انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ان کے نزدیک پہنچ چکے تھے...

"ہاں! اور کیا کرتے... اس طرف ہمارا کام ختم ہو چکا تھا۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"بہت خوب... لیکن اس طرف ابھی ہمارا کام باقی ہے۔" خان رحمان بولے۔

"کوئی بات نہیں... اب ہم مل کر کام ختم کریں گے پروفیسر صاحب... کیا آپ ایسی ایک بوتل اور بنا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں! کیوں نہیں۔"

"تو پھر... مہربانی فرما کر بنا دیں... اتنی دیر میں ہم ان دونوں سے دو دو ہاتھ کر لیں۔"

"بہت بہتر۔" یہ کہہ کر پروفیسر صاحب مڑنے لگے... لیکن اسی وقت راڈل نے چھلانگ لگائی اور انھیں گردن سے پکڑ لیا...

"میں اب انھیں دوسری بوتل تیار نہیں کرنے دوں گا۔" وہ غرایا۔

"انہیں چھوڑ دو مسٹر راڈل..." انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہرگز نہیں... اب ان کی گردن اس وقت چھوٹے گی، جب یہ آخری سانس لے چکے ہوں گے۔"

انسپکٹر جمشید نے ایک چھلانگ لگائی... لیکن فوراً ہی مانگٹ ان کے راستے میں آ گیا... ادھر انسپکٹر کامران مرزا جھپٹے... وہ اور مانگٹ ایک دوسرے میں الجھ کر رہ گئے... نتیجہ یہ کہ انسپکٹر جمشید راڈل تک پہنچ گئے... ان کا دایاں ہاتھ اٹھا اور پوری قوت سے راڈل کے سر پر لگا... ان کے ہاتھ پر سخت چوٹ لگی... ان کے منہ سے چیخ نکل گئی... انھوں نے جان لیا... اس نے سر پر فولادی خول چڑھا رکھا ہے۔

"بس... یا اور وار کرو گے انسپکٹر..." راڈل ہنسا... ادھر پروفیسر داؤد کا برا حال تھا... انھوں نے منہ سے کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکے... انسپکٹر جمشید بے تاب ہو گئے... انھوں نے پھر ہاتھ اٹھایا اور اس بار سر کی بجائے گردن پر وار کیا... لیکن ان کا انداز ایسا تھا جیسے وار سر پر ہی کر رہے ہوں... ہاتھ سر پر گرتا محسوس ہوا تھا، لیکن لگا گردن پر... راڈل کے منہ سے چیخ نکل گئی... پروفیسر داؤد کی گردن اس کے ہاتھ

سے نکل گئی... وہ گردن پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتا چلا گیا... لیکن
انسپکٹر جمشید نے اس کو موقع دینا مناسب نہ سمجھا...
فوراً ہی گردن پر دوسرا وار کیا... اس بار وہ دھب
سے گرا... تیسری ٹھوکر اس کی ریڑھ کی ہڈی پر لگی...
اور وہ ساکت ہو گیا...

"یہ ابھی ہوش میں ہے انکل" آفتاب چلایا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے اس کی پیٹھ کی ہڈی
پر ٹھوکروں کی بارش کر دی... یہاں تک کہ اس کے
منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی... اس سے پہلے وہ
ہلکی ہلکی چیخیں مارتا رہا تھا... انسپکٹر جمشید اسے چھوڑ
کر پیچھے ہٹ گئے...

"یہ... اب نہیں اٹھ سکے گا۔" انھوں نے کہا۔

دوسری طرف انسپکٹر کامران مرزا اور ہانگ میں موت
اور زندگی کی لڑائی ہو رہی تھی... ان کے ہاتھ اور پیر بجلی
کی طرح حرکت کر رہے تھے... وہ سب یہ خون ریز لڑائی
دیکھنے میں محو ہو گئے... اچانک انسپکٹر کامران مرزا جھکے
اور اس کو سینے سے پکڑ کر دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا...
پھر ان کے ہاتھ بلند ہوتے چلے گئے... جب انھوں نے

ک کو جھٹک کر مارا تو ایک زور دار سی آواز پیدا ہوئی..
س کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی چیخ بھی نکلی... چند سیکنڈ
ک اس کا جسم تڑپا اور ساکت ہو گیا... خون اس کے
سر سے ابل رہا تھا...

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر چاروں
رف نظریں دوڑائیں... ہر طرف سناٹا تھا... موت کا سناٹا،
گویا اس دھند کے میدان میں اب ان کے علاوہ کوئی
اور موجود نہیں تھا... ایسے میں باس کی سرسراتی آواز
ابھری:

"بہت خوب... میں نے اتنی حیرت انگیز لڑائی آج
پہلی بار دیکھی ہے... تم لوگوں نے کمال کر دیا... میرے
بھی ساتھی ختم کر دیئے۔"

"اور اب تمھاری باری ہے مسٹر باس۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں ضرور کیوں نہیں... تم جیسے بہادر دشمنوں
سے جنگ کر کے ضرور مزا آئے گا... میں آ رہا ہوں،
زیادہ دیر میرا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

"اپنے ساتھ زیاباٹا کو بھی لیتے آئیے گا مسٹر باس۔"
فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ اس قابل نہیں کہ لڑ سکے... شدید زخمی حالت

میں ہے۔"

"لیکن وہ یہ لڑائی دیکھ تو سکتی ہے۔" آفتاب بولا۔

"ہاں ضرور... خیر... میں انھیں بھی لا رہا ہوں۔" باس کی آواز آئی۔

وہ انتظار کرنے لگے... ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے... ایک آخری مرحلہ باقی تھا... اس کے بعد کام ختم... لیکن یہ آخری مرحلہ آسان تھا یا مشکل... اس بارے میں وہ ابھی کچھ اندازہ نہیں لگا سکے تھے۔

اور پھر ہیڈ کوارٹر کا دروازہ کھلا... ایک لمبے قد کا زمبوٹائی نیاماٹا کو پکڑے باہر نکلا... زمبوٹائی کا حلیہ بہت خوف ناک تھا... تاہم اس کا قد و قامت زیادہ نہیں تھا... لیکن اس کے باوجود نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر انھیں خطرے کا احساس ہوا... اس نے نیاماٹا کو عمارت کی سیڑھیوں پر بٹھا دیا اور خود ان کی طرف آنے لگا... وہ خالی ہاتھ تھا... جسم پر کوئی خول بھی نہیں تھا... نہ جسم کے گرد نیلی دھند تھی... نیلی دھند کا اب یوں بھی کوئی فائدہ نہیں تھا... پروفیسر داؤد کے تجربے نے اسے ناکام بنا کر رکھ دیا تھا... اور اب تو وہ ایسی ایک اور بوتل تیار کرنے میں مصروف تھے۔

"میرا خیال ہے... اب پروفیسر انکل کو آمیزہ تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔" محمود نے کہا۔

"تیار کر لینے میں کوئی حرج بھی تو نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"میری ایک تجویز ہے انسپکٹر صاحبان۔" باس کی آواز گونجی۔

"ہم سن رہے ہیں۔"

"آپ سب کے سب مجھ سے ایک وقت میں ہی مقابلہ کر لیں... گویا میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں کہ آپ سب مل کر مجھ پر حملہ کریں۔"

"آپ کو اپنے اوپر اتنا اعتماد ہے۔"

"ہاں! بالکل ہے..." اس نے کہا۔

"لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہم میں سے صرف ایک آدمی بھی آپ کا مقابلہ کر سکے گا۔" منور علی خان نے منہ بنایا۔

"یہ بات سوچے سمجھے بغیر کہی گئی ہے... جب کہ میں نے بات خوب سوچ سمجھ کر کی تھی... دیکھیے نا... میں آپ لوگوں کو بہت دیر سے لڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں... میں جان چکا ہوں کہ آپ لوگوں

کا لڑنے کا انداز اور طریقہ کیا ہے... لیکن آپ کو یہ قطعاً
معلوم نہیں کہ میرا انداز کیا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا... باس کی بات
میں بہت وزن تھا... ایسے میں شوکی بول اٹھا:

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا مسٹر باس... لیکن اگر ایک
آدمی ہماری طرف سے آپ کے مقابلے میں آگیا...
اور آپ نے اس سے مقابلہ کیا تو ہم سب بھی
آپ کے لڑنے کے انداز کو بھانپ لیں گے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"لہٰذا ہم ایک ساتھ حملہ نہیں کریں گے... میں اکیلا
آپ سے مقابلہ کروں گا۔" انسپکٹر جمشید آگے بڑھتے
ہوئے بولے۔

"نہیں انکل... آپ نہیں... آپ کی کمر زخمی ہے۔
آپ نے آگ کی طرح جلتی اڑن طشتری پر لیٹ کر
پروفیسر انکل کو اڑن طشتری کھولنے کا جو موقع فراہم
کیا... وہ کیا کم بڑی قربانی ہے، کہ اب آپ یہ
مقابلہ بھی کریں... باس سے ابا جان لڑیں گے۔"
آفتاب نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"بہت خوب آفتاب... تمہاری بات پسند آئی...

انسپکٹر جمشید آپ پیچھے ہٹ آئیں۔"

"میں بھی یہی کہتا ہوں۔" منور علی خان بولے۔

"میں ٹھیک ہوں... کوئی خاص کمزوری محسوس نہیں
کر رہا۔"

"کچھ بھی ہو... یہ مقابلہ آپ نہیں کریں گے۔"
پروفیسر غوری نے پرزور لہجے میں کہا۔

اور ان سب کی ضد کے آگے انسپکٹر جمشید کو ہتھیار
ڈالنا پڑے... وہ پیچھے ہٹ گئے...

"ایک منٹ... صرف ایک منٹ۔" باس نے عجیب سے
لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب... یہ ایک منٹ کیا بات ہوئی۔"

"اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھ لیں... میں تم سب
کو زمین دکھانے میں صرف ایک منٹ لگاؤں گا۔"

"بہت بلند بانگ دعوے کر رہے ہیں مسٹر باس۔"
خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"یہ دعوے نہیں ہیں... اعلانات ہیں۔
ہم نے تمہاری خواہش کے پیش نظر گھڑیاں بھی
دیکھ لیں... اب کوئی کام بھی دکھاؤ گے یا باتیں
ہی کرتے رہو گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

اچانک باس ان کی طرف دوڑ پڑا... وہ کچھ اس تیزی
سے دوڑا کہ انسپکٹر کامران سنبھلنے کی بہترین کوشش
کے باوجود اس کی لپیٹ میں آ گئے... اور زور
سے لڑکھڑا گئے... ادھر وہ ان سے ٹکرا کر آگے بڑھ
چکا تھا۔ نہ صرف بڑھ چکا تھا بلکہ پوری قوت سے
خان رحمان کے پیٹ سے ٹکرا چکا تھا... ایک تو
اس کی رفتار... اور دوسرے اس کے سر کی سختی
خان رحمان دھڑام سے گرے... اتنی دیر میں انسپکٹر
کامران مرزا سنبھل چکے تھے... لیکن اب وہ بڑھتے...
تو اس وقت تک باس کے ہاتھ اور پیر بجلی کی طرح
ان کے ساتھیوں پر برس چکے تھے... اور ان میں کھلبلی
سی مچ چکی تھی... دراصل انھیں ایک فی صد بھی
امید نہیں تھی کہ باس اس طرح ان پر حملہ آور ہو
گا... جب تک انسپکٹر کامران مرزا اس سے ٹکراتے
ان میں سے کئی نیچے لیٹ چکے تھے... آخر کار
انسپکٹر کامران مرزا نے اس کا راستہ روکا... دونوں
آمنے سامنے ہوئے... اور ایک ساتھ اچھلے... ان
کے سر آپس میں ٹکرائے... ایک زور دار آواز ابھری
جو ناریلوں کے ٹکرانے سے بھی بلند تھی... دونوں

نیچے گر گئے... باس ان سے پہلے اٹھا اور پھر ان کے
ساتھیوں پر ٹوٹ پڑا... ان میں پھر قیامت سی
مچ گئی... ایسے میں محمود نے چلّا کر کہا:
"یہ حضرت کچھ زیادہ ہی انوکھے طریقے سے لڑ
رہے ہیں... آؤ... ہم بھی اپنے مورچے بنا لیں۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے،
اور فاصلے فاصلے پر کھڑے ہو گئے... لیکن وہ دو دو
کی ٹولیوں میں کھڑے ہوئے تھے... ایسے میں منور علی
خان کی آواز ابھری:
"کاش... آپ سب لوگ ہٹ جائیں... اور صرف
مجھے ان حضرت سے مقابلہ کر لینے دیں... چند منٹ
کے اندر اندر انھیں بھیگی بلی نہ بنا دیا تو میرا نام بھی
منور علی خان نہیں۔"
"اوہو اچھا... تب تو میں بھی درخواست کروں گا
مجھے بھیگی بلی بنا ہی دیں۔" باس نے چہک کر کہا۔
"مسٹر باس... ... منٹ پورا ہو چکا ہے۔" پروفیسر
داؤدی نے اعلان کیا۔
"اوہ... گویا میں اپنا دعویٰ پورا نہ کر سکا... خیر
کوئی بات نہیں... ہاں تو یہ صاحب جو کچھ کہ رہے

تھے... آپ سن ہی چکے ہیں... میرا خیال ہے... آپ سب انھیں ایک موقع دے ہی دیں۔" باس نے کہا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"کیا آپ نے یہ بات اس لیے کہی ہے... کہ آپ کے خیال میں میں باس کے مقابلے میں کمزور پڑ رہا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں... میرے خیال میں تو آپ بالکل بھی کمزور نہیں پڑ رہے... میں تو صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ منور علی خان کو کوئی حسرت نہ رہ جائے۔"

"بہت اچھا... یونھی سہی... ہم سب ذرا دیر کے لیے پیچھے ہٹ جاتے ہیں... چلو منور علی خان... دو دو ہاتھ کر لو۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

رسی والا ہتھیار پہلے ہی ان کے ہاتھ میں تھا، پیچھے ہٹ کر انھوں نے رسی کو گھمانا شروع کیا...

ایک ایک قدم باس کی طرف بڑھنے لگے... باس نے ہتھیار کو مسکرا کر دیکھا اور بولا:

"میں آپ کو اس سے لڑتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔"

"گویا... آپ اس سے خوف زدہ نہیں ہیں۔"

"نہیں... بالکل نہیں... خوف زدہ کیوں ہونا۔" باس نے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔" انھوں نے کندھے اچکائے اور آگے بڑھنے کا عمل جاری رکھا... یہاں تک کہ پھل باس کے سر کے نزدیک پہنچ گیا... ایسے میں باس نے ڈبکی سی لگائی اور ایک جھٹکے میں منور علی خان کی طرف لڑھک گیا... ایسے میں رسی کا پھل آگے رہ گیا تھا... ان حالات میں جو وہ اٹھا... رسی پورے زور میں اس کے گرد لپٹتی چلی گئی... جونھی رسی کا پھل اس کے جسم کے گرد گھومتا نظر آیا... اس نے رسی پر ہاتھ ڈال دیا... رسی جونھی اس کے ہاتھ میں آئی... رسی کے بل باس کے جسم کے گرد لپٹتے چلے گئے، یہاں تک کہ پھل کو اس نے دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا... اس کے ساتھ ہی اس نے رسی کو ایک زوردار جھٹکا مارا... منور علی خان فضا میں اچھلے اور دور جا

گرے... اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے جسم کے گرد
سے رسی کے بل اتار دیے... اس نے مسکراتے ہوئے
کہا۔

"تمھارے ساتھی کی حسرت پوری ہو گئی... اب کیا پروگرام
ہے۔"

"کوئی پروا نہیں... ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔" انسپکٹر
کامران مرزا نے اس کی طرف چھلانگ لگاتے ہوئے
کہا۔

دونوں ایک بار پھر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے
تھے... پھر وہ ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگے...

"اب ہم ذرا پُرسکون انداز میں مقابلہ کیوں نہ کر
لیں۔" باس نے ہنس کر کہا۔

"ضرور... کیوں نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

باس نے ہاتھ اٹھائے اور انگلیاں پھیلا دیں...
گویا یہ دعوت تھی کہ وہ بھی ہاتھ اٹھائیں... انھوں
نے فوراً ہاتھ آگے کر دیے... دونوں نے انگلیوں میں
انگلیاں پھنسا لیں اور لگے زور لگانے... دونوں ایک
دوسرے کے ہاتھ مروڑنے کی بھرپور کوشش کر رہے
تھے... لیکن اچانک باس نیچے جھکا... اور انھیں اپنے

دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا... انسپکٹر کامران مرزا اس کی طاقت
پر حیرت زدہ رہ گئے... اسی وقت اس نے ایک
زوردار جھٹکا مارا... انسپکٹر کامران مرزا دور جا کر گرے
اور انھیں یوں لگا جیسے ان کا ہر جوڑ الگ ہو گیا
ہے...

"انسپکٹر کامران مرزا تو اب اٹھ نہیں سکیں گے۔" باس
نے پرسکون آواز میں کہا۔

"نہیں بھئی... ایسی کون سی بات ہے... انھیں اتنی
زوردار چوٹ تو نہیں آئی۔" خان رحمان بولے۔

"پہلے ان سے بات کر لو... میری طرف بعد میں
توجہ دینا۔" اس نے منہ بنایا۔

انھوں نے ان کی طرف دیکھا...

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں... میں نہیں اٹھ سکتا۔" انسپکٹر
کامران مرزا نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اوہ... اوہ۔" وہ دھک سے رہ گئے۔

"ابھی ہم زندہ ہیں... ہم آخری دم تک لڑیں
گے۔" خان رحمان بولے۔

ان کے ساتھ اکرام اور شاہد بھی آگے بڑھے،
پروفیسر صاحبان بھی نہ رہ سکے... پھر نیچے کس طرح

رہ جاتے...

"ایک ساتھ حملہ کرنا بہتر ہو گا... اس صورت میں ہم باس کو ضرور چھاپ لیں گے۔" محمود پر جوش انداز میں بولا۔

"یہ بھی کر دیکھو۔" اس نے فوراً کہا۔

وہ سب اس کے چاروں طرف ہو گئے... اور چکر کاٹنے لگے:

"یہ... یہ کیا کر رہے ہو۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"یہ بھی مقابلے کا ایک طریقہ ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

"ایسی کی تیسی اس طریقے کی۔" اس نے جھلا کر کہا اور پھر جھپٹ کر ایک مکا خان رحمان کے جبڑے پر دے مارا... وہ بلا کی رفتار سے پیچھے ہٹے... لیکن پھر بھی مکے سے بچ نہ سکے... اور جبڑا پکڑ کر بیٹھتے چلے گئے... ایسے میں اس کی ایک لات ان کی کمر پر پڑی... وہ منہ کے بل زمین پر گرے... منہ اس زور سے پتھریلی زمین سے ٹکرایا کہ ناک سے خون بہ نکلا اور وہ وہیں لیٹ گئے... یہ دیکھ کر ان کے ساتھی اس جگہ سے ہٹنے لگے... کہ کہیں وہ پیروں تلے نہ آ جائیں...

اس دوران باس اکرام کو گلے سے پکڑ کر اوپر اٹھا چکا تھا... دوسرے ہی لمحے اس نے اسے شاہد پر دے مارا... دونوں دھڑام سے گرے... اور پھر نہ اٹھ سکے... ایسے میں پروفیسر داؤد، پروفیسر غوری اور پروفیسر عقلان اس کے سامنے آ گئے...

"اس بوڑھی دیوار کو گرائے بغیر تم بچوں کی طرف نہیں بڑھ سکتے۔" پروفیسر داؤد نے جذباتی انداز میں کہا۔

"یہ کیا مشکل ہے۔" باس نے کہا اور تابڑ توڑ ان کے ہاتھ رسید کر دیے... وہ بے چارے بھلا کیا ان واروں کو برداشت کرتے... گرتے چلے گئے... اب آفتاب، فرحت، فرزانہ، شوکی اور اشفاق اس کے مقابلے پر تھے... انھیں اور تو کچھ نہ سوجھا... یک دم زمین پر گر کر اس کی ٹانگیں مضبوطی سے پکڑ لیں اور پھر آفتاب چلایا:

"ہم اسے ہلنے جلنے نہیں دیں گے... بس اس کے سر پر کسی چیز سے وار کیے جاتے رہیں۔"

لیکن وار کون کرتا... آفتاب نے ادھر ادھر دیکھا اور حیرت زدہ رہ گیا... سب لیٹے نظر آئے...

"اب رہ ہی کون گیا ہے بے وقوف۔" باس ہنسا۔

"ہائیں... کک... کوئی نہیں رہ گیا۔" شوکی نے کانپ کر کہا۔

ساتھ ہی اس کے سر پر باس کا ہاتھ لگا... پھر ان پر تابڑ توڑ ہاتھ پڑنے لگے... جلد ہی وہ بھی لیٹے نظر آئے...

"اب رہ گئے صرف انسپکٹر جمشید... وہ میرے مقابلے پر آئے ہی نہیں... لیکن انھیں بھی بے کار کرنا ضروری ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھا... لیکن پھر ٹھٹک کر رہ گیا... اس کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی...

آخری دیوار

محمود، فاروق، آصف اور مکھن انسپکٹر جمشید کے سامنے دیوار بنے کھڑے تھے... اور محمود کے ہاتھ میں اس کا ننھا سا چاقو تھا... اس کے چہرے پر ایک خوف ناک چمک تھی...

"اس ننھی سی دیوار کو گرائے بغیر تم ان تک نہیں پہنچ سکتے مسٹر باس۔"

"اس دیوار میں کیا رکھا ہے..." باس مسکرایا۔

"کچھ رکھا ہے یا نہیں... جب تک ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہیں... تم انھیں ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔" محمود نے کہا۔

"تو میں تمھیں پیروں پر کھڑے رہنے ہی نہیں دوں گا۔"

"کوشش شروع کرو... اب باتوں میں وقت ضائع کیا
کرنا۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

اس نے سب سے پہلے محمود کی طرف توجہ
دی... شاید اس لیے کہ اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔
اس کے دائیں ہاتھ کا مکا محمود کی ٹھوڑی کی طرف
پیکا... وہ جھک گیا... اور ایک قدم آگے بڑھ کر چاقو
والا ہاتھ چلایا... چاقو کی نوک باس کی ران میں اتر
کر نیچے بڑھتی چلی گئی...

"اوہو... اچھا۔"

یہ کہتے ہی اس نے محمود کی پیشانی پر ایک مکا
مارا... وہ دوسری طرف الٹ گیا... چاقو اس کے ہاتھ
میں رہ گیا تھا... وہ چلایا:

"فاروق یہ لو۔"

ساتھ ہی اس نے چاقو اس کی طرف اچھال
دیا... لیکن اس کی بجائے چاقو باس نے دبوچ لیا...
باس ہنسا، اور چاقو کا وار فاروق پر کیا... چاقو اس کا
گال کاٹتا چلا گیا... اس حالت میں بھی اس نے باس
کے پیٹ میں ایک زوردار ٹکر دے ماری... اس کے
قدم ہل گئے... یہ پہلا موقع تھا... جب اسے لڑکھڑاتے

دیکھا گیا... اور اس موقعے سے آصف نے فائدہ اٹھایا...
اس نے فوراً اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی...
بس پھر کیا تھا... وہ دھڑام سے گرا... لیکن گرتے گرتے
بھی اس نے چاقو کا وار آصف کی طرف کر دیا...
چاقو کی نوک آصف کی پنڈلی کو چیرتی چلی گئی اور
وہ مخالف سمت میں گرا... ادھر مکھن نے اس کے گرتے
ہی اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑ لیے اور اپنے
ہاتھ زمین سے لگا دیے:

"اب تم سر زمین سے نہیں اٹھا سکو گے۔"

"لیکن کب تک... یہ لو۔"

یہ کہہ کر اس نے مکھن کی کلائی پر چاقو کا وار
کیا... مکھن کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ اس کے
بال چھوڑنے پر مجبور ہو گیا...

عین اسی وقت کسی نے باس کے چاقو والے
ہاتھ پر اپنے پیر کی ٹھوکر ماری، یہ ٹھوکر اس زور
سے لگی کہ چاقو دور اڑتا چلا گیا... اور باس کو اپنا
ہاتھ شل ہوتا محسوس ہوا... اس نے سر گھمایا، تو
انسپکٹر جمشید اس کے سر پر کھڑے تھے...
ان کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی،

پھر ان کے لب ہلے:

"ہیں... زخمی ضرور ہوں... میری کمر جھلس ضرور گئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمھارے مقابلے میں ایک دو ہاتھ بھی نہ چلا سکوں... کھڑے ہو جاؤ مسٹر باس... میں تمھیں اٹھنے کی مہلت بھی دیتا ہوں۔"

"نہیں... میں گرایا گیا ہوں... اگر تم اسی حالت میں دبوچنا پسند کرو تو میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔"

"میں تمھیں اٹھنے کی مہلت دے رہا ہوں... اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ... اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

باس اٹھ گیا... اس کی ران پر کپڑے سرخ ہو چکے تھے...

"زخمی میں بھی ہو چکا ہوں... زخمی تم بھی ہو... بلکہ شاید... سبھی زخمی ہیں۔" باس نے سب پر ایک نظر ڈالی...

"ہاں... لیکن جو کام... اس آخری دلاور نے کیا ہے... وہ بھی انوکھا تھا... یہ بالکل کمزور اور نحیف تھے تمھارے مقابلے پر... لیکن دیکھ لو... تم ان کے ہاتھوں گر گئے... ہم اسے اللہ کی قدرت کہتے ہیں۔"

"کہتے ہو گے... مقابلے کی بات کرو۔" باس غرایا۔

پہلی بار اس کے لہجے سے جھلاہٹ ٹپکی... اس نے الٹے ہاتھ کا مکا ان کے چہرے پر دے مارا... وہ جھک گئے... اور اس کی زخمی ران پر ٹھوکر رسید کر دی...

وہ بلبلا اٹھا... اور جواب میں اچھل کر ان کی کمر کی طرف آیا... دوسرے ہی لمحے ان کی کمر پر اس کی زوردار لات لگی... وہ دھب سے منہ کے بل گرے...

اس نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی... اور ان کی کمر پر گرا... انسپکٹر جمشید کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا... سر زور سے گھوما... لیکن انھوں نے سر کو ایک جھٹکا مارا۔

باس پھر ان کی کمر پر گرنے کے لیے اچھل چکا تھا، انھوں نے اسے اپنے اوپر آتے دیکھا... پلک جھپکنے میں وہ پلٹنی کھا گئے... باس زمین پر گرا... ساتھ ہی اس کی کمر پر ان کی ٹھوکر لگی... وہ منہ کے بل دھڑام سے گرا... یہ ایک بہترین موقع تھا... انھوں نے فوراً اس کے سر پر دوسری ٹھوکر ماری... اس نے اس وار سے بچنے کی لاکھ کوشش کی... لیکن ٹھوکر پیشانی کے عین درمیان میں لگی... اس نے آنکھیں بند کر لیں... اسی

وقت دوسری ٹھوکر پیشانی پر لگی... اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی... لیکن کھول نہ سکا... ادھر ان پر جنون سا سوار ہو گیا تھا... پیشانی کا پیچھا چھوڑ کر وہ اس کی پسلیوں میں ٹھوکریں مارتے چلے گئے...

یہاں تک کہ باس کا جسم ساکت ہو گیا... انھوں نے جھک کر نبض ٹٹولی... بہت مدھم چل رہی تھی...

اب انھوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف چند قدم اٹھائے... لیکن پھر منہ کے بل گرے اور بے ہوش ہو گئے...

❀

وہ نہ جانے کب تک بے ہوش رہے، پھر انھیں اپنا جسم جلتا محسوس ہوا۔

"میرے دوست... تم... تم ٹھیک تو ہو۔"

ان کے کانوں سے خان رحمان کی آواز ٹکرائی۔

انھوں نے آنکھیں کھول دیں...

"بس... زندہ ہوں... یہ نہیں معلوم... کہ جسم کہاں کہاں سے ٹوٹا پھوٹا ہے... اور کہاں کہاں سے درست

بات ٹھیک ہے۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" خان رحمان بولے۔

"ارے مگر... وہ... وہ زیاماٹا کہاں ہے؟"

"باس کے گرنے کے بعد اس نے لہروں کی دیوار کی طرف فرار کی کوشش کی تھی... لیکن میں نے اسے بالوں سے پکڑ لیا... اب اس طرف بے ہوش پڑی ہے۔" انھوں نے بتایا۔

"اور باس۔"

"باس تو یہ تمھارے برابر میں پڑا ہے... لیکن اس کے ہوش میں آنے کے امکانات بہت کم ہیں... شاید یہ اسی حالت میں ختم ہو جائے۔"

"لیکن خان رحمان... میں اسے اپنے ملک زندہ حالت میں لے جانا چاہتا ہوں... اس کو بھی اور زیاماٹا کو بھی بلکہ راڈل، چوپن اور رانکٹ کو بھی میں ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

"ان میں سے چوپن مر چکا ہے... راڈل اور رانکٹ شدید زخمی ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"اس کے باوجود میں ان لوگوں کو ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن کیوں؟" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"ابھی میں وجہ نہیں بتا سکتا خان رحمان... کیا سب لوگ ہوش میں آ چکے ہیں؟"

"کچھ آ گئے... کچھ آ رہے ہیں... پروفیسر صاحبان اس عمارت کا اندر سے جائزہ لے چکے ہیں... ان کا کہنا ہے کہ یہ کنٹرول روم ہے۔"

"کنٹرول روم۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اس جگہ سے ان اڑن طشتریوں کو اڑایا جاتا رہا ہے... اور اس عمارت میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"زمبوٹا سے بات چیت کرنے کے آلات تو موجود ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! موجود ہیں... لیکن ہم زمبوٹا کو کیوں خبردار کریں کہ ہم یہاں کیا کارروائی کر چکے ہیں۔"

"اوہ ہاں ٹھیک ہے... تم تو جاسوس ہوتے جا رہے ہو۔"

"بس تمہیں دیکھ کر رنگ پکڑ لیا ہے میں نے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ہائیں... تم خود کو خربوزہ کہہ رہے ہو اور ساتھ میں مجھے بھی۔" وہ بولے۔

"نن... نہیں تو... میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی۔"

"انسپکٹر کامران مرزا کا کیا حال ہے؟"

"مم... میں ٹھیک ہوں... آپ کی طرف آ رہا ہوں..."

انھوں نے ان کی آواز سنی۔

پھر وہ سب ان کی طرف سمٹتے چلے گئے۔

"پروفیسر صاحب... کیا ہم اس اڑن طشتری سے کام لے سکتے ہیں... جس سے ہم پر گولیاں برسائی گئی تھیں؟"

"ہاں کیوں نہیں... ہم تیزی سے اندر موجود تمام آلات کا جائزہ لے چکے ہیں... لہٰذا تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اسے اڑنے کا قابل تو بنا سکتے ہیں لیکن پھٹنے سے نہیں روک سکتے... اس لیے ہم اس میں اپنے ملک تک سفر کر سکتے ہیں۔"

"اور ساتھ میں ہم کچھ قیدیوں اور ایک دو لاشوں کو بھی لے جانا چاہتے ہیں۔"

"ان میں بہت جگہ ہے... ہم لوگ آسانی سے جا سکیں گے۔"

"لیکن ابا جان... ہم اتنی وزنی لاشیں کس طرح اٹھائیں گے؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اگر ہم اس دھند کو کسی طرح ختم کر دیں تو شاید

ان کے وزن عام رہ جائیں گے... آپ کا کیا خیال ہے پروفیسر صاحب۔"

"بالکل ٹھیک... ہم یہ تجربہ بھی کر چکے ہیں... اس دھند کو ہم وقتی طور پر ہٹا سکتے ہیں... اور پھر مسلط کر سکتے ہیں... صرف دو بار دو بٹن دبانے کی دیر ہے۔"

"بہت خوب... اور لہروں کی اس دیوار کو بھی ختم کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تب پھر کام شروع کر دینا چاہیے... سب سے پہلے اڑن طشتری کی مرمت کریں... پھر اس دیوار کا کام تمام کریں، اس کے بعد دھند کو ہٹائیں... تاکہ ہم ان لاشوں کو اڑن طشتری میں منتقل کر سکیں۔"

ان سب نے اپنا اپنا کام شروع کر دیا... اڑن طشتری میں ایندھن بھرا گیا پھر باس راڈل، چوچن، مانگٹ اور نیاباٹا کو سوار کیا گیا پھر وہ خود بھی اس میں بیٹھ گئے... صرف پروفیسر داؤد ریموٹ کنٹرول روم میں رہ گئے... آخر میں وہ بھی برآمد ہوئے... ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پلیٹ نما چیز تھی... اس میں مختلف بٹن لگے ہوئے تھے... آخر وہ بھی ان کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے۔

"ہاں بھئی... اجازت ہے... میں اسے سٹارٹ کر دوں۔"

"بالکل۔" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

انھوں نے ایک بٹن دبایا... شوں شوں کی ہلکی سی آواز ان کے کانوں میں آنے لگی...

"یہ ہلکی آواز صرف اس کے اندر آ رہی ہے... ورنہ باہر تو کان پھاڑ دینے والا شور موجود ہے۔" پروفیسر غدری بولے۔

"ہوں... چلیے شکر ہے... اندر اتنی آواز سنائی دے رہی ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے انکل... یہ لوگ اڑن طشتریوں کو انسانوں کے بغیر ہی اڑاتے رہے ہیں۔"

"ہاں! سب کچھ ریموٹ سسٹم سے ہوتا رہا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"تب تو واقعی... یہ زمبوٹائی ہم سے بہت ترقی یافتہ لوگ ہیں... لیکن کیا ہم پھر اڑن طشتریاں بنا لیں گے۔" آصف نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں بھئی... اب ہم انھیں اس کی مہلت نہیں دیں گے۔"

"جی... مہلت نہیں دیں گے... وہ کیسے... بھلا ہمارا زمبوٹا پر کیا زور، ہم ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"پوری دنیا مل کر زمبوٹا کا مقابلہ کرے گی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن کیسے... کیسے مقابلہ کرے گی؟"

"انسان چاند پر اتر چکا ہے... تو کیا زمبوٹا پر نہیں اتر سکتا؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہوں... بات تو ٹھیک ہے۔"

"ہم یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ہی ان اڑن طشتریوں کو تباہ کیوں نہیں کر دیتے۔" محمود نے کہا۔

"نہیں! اس طرح ہماری یہ اڑن طشتری بھی تباہ ہو گی اور پھر ہمارے لیے وطن واپس جانے کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ لٹک گئے۔

"کیوں! تم اداس کیوں ہو گئے۔"

"اس لیے کہ ہم ان کے پھٹنے کے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔"

"خیر... وہ تو تم دیکھ ہی لو گے۔" پروفیسر غوری مسکرائے۔

"جی... وہ کیسے؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہم نے ان کے پھٹنے کا وقت لیٹ کر دیا ہے...

جب ہم اپنے شہر پہنچ جائیں گے اور اپنا کام کر چکیں گے تو ہم سب مل کر یہ منظر دیکھیں گے... جونہی اڑن طشتریوں کی وادی میں کھڑی اڑن طشتریاں پھٹیں گی... اسی وقت یہ اڑن طشتری بھی پھٹ جائے گی..."

"ارے باپ رے... اگر ٹائم آگے پیچھے ہو گیا۔" اشفاق نے گھبرا کر کہا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" پروفیسر عقلان ہنس پڑے۔

"گویا انھیں تباہ کرنے کے لیے اس کنٹرول روم کو تباہ کرنا ضروری ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں جمشید، اس کے بغیر یہ تباہ نہیں ہوں گی، البتہ اڑ ہرگز نہیں سکیں گی... کیوں کہ ہم ان پر ہاتھ صاف کر چکے ہیں... پہلے مرحلے پر ہم نے یہی کام کیا تھا کہ یہ اڑنے کے قابل بھی نہ رہیں... لیکن جب ہم نے دشمنوں پر قابو پا لیا اور ہیڈ کوارٹر ہمارے قبضے میں آ گیا تو اس وقت ہم نے اس دوسرے پروگرام پر عمل کیا..." وہ روانی کے عالم میں کہہ رہے تھے کہ اس وقت آواز اور زیادہ ہو گئی، اور پھر اڑن طشتری تیر کی طرح اوپر اٹھنے لگی... پھر گہری دھند کے بادلوں میں سے گزر گئی، اور فضا میں بلند ہو گئی۔ اس کے فوراً بعد اس کا رخ ایک سمت میں ہو گیا... انھیں

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پانی پر تیر رہے ہوں...

"کیا ہم اپنے ملک سے اس اڑن طشتری میں رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ضرور... کیوں نہیں... چند منٹ بعد ہی ہم ان سے بات کرنے کے قابل ہو جائیں گے... لیکن مشکل یہ ہے کہ ملک بھر تو افراتفری پھیل چکی ہو گی۔"

"ہم اس کے سوا کر ہی کیا سکتے تھے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

ٹھیک تین منٹ بعد پروفیسر غوری نے رابطے کی کوشش شروع کر دی، اور پھر فضائیہ کے کنٹرول روم سے ان کا رابطہ قائم ہو گیا... انھوں نے پرسکون آواز میں کہا:

"ہیلو... ہیلو... کنٹرول روم... فضائیہ۔"

"یس... آ... آپ... آپ... ہم سے مخاطب ہیں..." دوسری طرف سے لرزتی کانپتی آواز میں کہا گیا... اس میں حیرت بھی شامل تھی۔

"یس... جو کچھ میں کہ رہا ہوں... غور سے سنیے... اس اڑن طشتری پر زمبوٹا کی بجائے، ہمارا قبضہ ہے، میں پروفیسر غوری بول رہا ہوں... آپ مجھے ضرور جانتے ہوں گے... میرے ساتھ پروفیسر داؤد اور پروفیسر عسقلان بھی ہیں، ان کے علاوہ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا

اور ان کے سبھی ساتھی ہیں... آپ کنٹرول روم میں فوری طور پر ذمے دار آفیسرز کو بلا لیں... کیوں کہ ہم اس لیے کہ اپنے ملک کی سر زمین پر اتریں گے... یہ باہر کا منظر ٹیلی ویژن پر دکھانے کا انتظام فوری طور پر کر لیا جائے تو بہتر رہے گا... پوری دنیا کے ملکوں کو یہ اطلاع دے دی جائے کہ ہم نے اڑن طشتری پر قبضہ کر لیا ہے۔"

"یہ... یہ ہم کیا سن رہے ہیں۔" دوسری طرف سے بے یقینی کے عالم میں کہا گیا۔

"آپ نے جو سنا ہے... بالکل درست ہے... وقت ضائع نہ کریں... ہم چند منٹ تک اپنے ملک کے اوپر پہنچ جائیں گے۔"

"ہم... ہم ابھی اطلاعات نشر کرتا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور پھر وہ نیچے ہونے والی کارروائی کی آوازیں بھی سنتے رہے... ملک میں کھلبلی ہی کھلبلی مچ گئی... ادھر وہ اپنے ملک کی فضا پر پہنچے، ادھر اشارہ موصول ہوا:

"آفیسر آ چکے ہیں... بات کر سکتے ہیں۔"

"میں پروفیسر غوری بول رہا ہوں... میرے ساتھ

پروفیسر داؤد، پروفیسر عقلان اور انسپکٹر جمشید وغیرہ ہیں۔
ہم اس اڑن طشتری پر قبضہ کر چکے ہیں... اب ہمیں اپنے
ملک کی سرزمین پر اترنا ہے... کیا آپ لوگ میری آواز
پہچانتے ہیں۔"

"جی نہیں... بہتر ہو گا کہ آپ انسپکٹر جمشید سے بات
کرا دیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں۔" پروفیسر غوری مسکرائے اور انسپکٹر
جمشید کو اشارہ کیا... وہ ان کے نزدیک آ گئے... اور
بولے:

"ہیلو سر... یہ میں ہوں... انسپکٹر جمشید۔"

"لیکن بھئی... ہم کس طرح یقین کر لیں... اچھا بھلا
میں کون ہوں۔" نیچے سے کہا گیا۔

"آپ آئی جی شیخ نثار احمد ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"تمھارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ تم لوگ ہی ہو؟"

"جب بارش ہوتی ہے... ہمیں گزرے دن یاد آتے
ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن پھولوں سے محبت کرنے والے غمگین ہو
جاتے ہیں۔" نیچے سے آواز آئی۔

باقی لوگ یہ جملے سن کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ

سکے... ادھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"تب پھر آپ کس سوچ میں ہیں؟"

"بالکل ٹھیک جمشید... یہ تم ہی ہو... تمھارے
علاوہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا... یہ تینوں جملے صرف میرے
اور تمھارے درمیان طے ہوئے تھے... تو تم واقعی اس
اڑن طشتری پر قبضہ کر چکے ہو۔" آئی جی صاحب چہک
کر بولے۔

"اب ہمیں نیچے اترنے کے لیے اشارات دیے جائیں...
اترنے کے لیے ایئرپورٹ ہی مناسب رہے گا... ہمارے ساتھ
قیدی بھی ہیں۔"

"اوہ... اچھا... تم فکر نہ کرو۔"

چند منٹ بعد ان کے اترنے کے انتظامات مکمل کر
لیے گئے... اس دوران اڑن طشتری شہر پر منڈلاتی رہی اور
عوام نظریں اوپر اٹھائے اسے دیکھتے رہے... شاید ان
لوگوں کو ٹیلی ویژن کے ذریعے بتا دیا گیا تھا کہ یہ اڑن
طشتری شہر پر کوئی گولا باری نہیں کرے گی... یہی
وجہ تھی کہ جلد ہی سب لوگ ایئرپورٹ کی طرف
دوڑ رہے تھے... ان میں ایک ایسا جوش اور جذبہ تھا،
کہ شاید ہی کبھی دیکھنے میں آیا ہو گا... پولیس کو آیندہ

پیش آنے والی مصیبت کا انداز ذرا بعد میں ہوا... جب سارے شہر کی پولیس ایرپورٹ پر پہنچی، تو وہاں عوام کا قبضہ ہو چکا تھا اور باوجود دھمکیوں کے... وہ وہاں سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھے... آخر کار... اڑن طشتری بالکل سیدھی نیچے اتری اور زمین پر ٹک گئی... اندر صرف سرکاری آفیسرز موجود تھے... وہ سب اڑن طشتری کی طرف دوڑ پڑے... اس کے ساتھ گاڑیاں لگا دی گئیں، تاکہ اڑن طشتری کے فاتح ان میں بیٹھ کر کانفرنس روم تک جا سکیں اور قیدیوں کو بھی لے جایا جا سکے... باہر لوگوں کے ایک عظیم ہجوم کو بار بار یہ بتایا جا رہا تھا کہ جو کچھ بھی یہاں ہوگا... اس کو ٹیلی ویژن پر دکھایا جائے گا... لہٰذا آپ سب اپنے اپنے گھروں، اپنے دوستوں کے گھروں یا ہوٹلوں میں چلے جائیں اور پورے سکون سے ساری کارروائی کو دیکھیں... لیکن ان بار بار کی ہدایات کے باوجود کوئی چلنے کو بھی تیار نہ ہوا... سب لوگ اڑن طشتری کو قریب سے دیکھنے کے لیے حد درجے بے تاب تھے... اگرچہ ٹیلی ویژن پر ساری کارروائی دکھائی جا رہی تھی...

عوام کا معاملہ پولیس پر چھوڑنا پڑا... ہیلی کاپٹروں

کے ذریعے پولیس ایرپورٹ پر اتاری گئی... تب کہیں جا کر معاملہ کنٹرول میں آیا...

ادھر کانفرنس روم میں جب وہ داخل ہوئے... انتہائی پر جوش انداز میں ان کا استقبال کیا... خود صدرِ مملکت نے آگے بڑھ کر انھیں گلے سے لگایا... انھوں نے دیکھا... سبھی ملکوں کے اونچے درجوں والوں نمایندے وہاں موجود تھے... شاید ہی کوئی ملک ایسا بچا ہو، جس کا نمایندہ اس وقت کانفرنس روم میں موجود نہ ہو... اخباری نمایندے بھی تمام ملکوں کے تھے... ٹیلی ویژن کمپنیوں کے نمایندے بھی موجود تھے... غرض وہاں کس ملک نے شرکت نہیں کی تھی... اس سوال کا جواب دینا سب سے زیادہ مشکل تھا... مہمانوں کو کشاں کشاں سٹیج تک لایا گیا... اور پھر وہ سب سارے ہال کے سامنے کھڑے تھے... لوگ انھیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے، کیوں کہ... یہ وہ لوگ تھے... جنھوں نے اس آفت پر فتح حاصل کی تھی... جو ساری دنیا کے لیے مصیبت عظیم بنی ہوئی تھی... ایسے میں صدر مملکت آگے بڑھے، اور انھوں نے یہ الفاظ ادا کیے:

"میں اپنی قوم کے ان سدا بہار ہیروز کو یہ بتانا

اور ان سے یہ درخواست کرنا چاہوں گا کہ اس وقت صرف اس ہال میں موجود لوگ ہی نہیں... پوری دنیا کے لوگ آپ لوگوں پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں اور یہ سننے کے لیے بے چین ہیں کہ آخر اڑن طشتری کس طرح فتح کی گئی... اور باقی اڑن طشتریوں کا کیا بنا... لہٰذا اب مزید لوگوں کے صبر کا امتحان نہ لیا جائے۔ اور تفصیلات بیان کی جائیں۔"

انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں پر نظریں دوڑائیں پھر ان کی نظر پروفیسر داؤد پہ جم گئی... وہ بولے:

"پروفیسر صاحب... کیا آپ تفصیلات بیان کرنا پسند کریں گے؟"

"مجھے تو معاف ہی رکھو۔" انھوں نے فوراً کہا۔

باقی دو پروفیسر صاحبان نے بھی نفی میں سر ہلا دیے... اب انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا، وہ مسکرا دیے اور بولے:

"ایک ہی بات ہے... آپ ہی اس ذمے داری کو نبھائیں۔"

انسپکٹر جمشید نے سر جھکا دیا اور بولے:

"اچھی بات ہے... جیسے آپ لوگوں کی مرضی...

سب سے پہلے تو میں دنیا کے لوگوں کو یہ بتانا پسند کروں گا کہ ہم نے صرف ایک اڑن طشتری کو فتح نہیں کیا... بلکہ چھے ...ر اڑن طشتریوں کو فتح کر لیا ہے... یہی نہیں... اڑن طشتریوں کے دیس کے بھی ہم اللہ کی مہربانی سے فاتح بن کر لوٹے ہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا... ان کے منہ پہ ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے... تالیوں کا یہ طوفان دو منٹ بعد تھما... شاید پوری دنیا کے انسان اس وقت تالیاں بجا رہے تھے... جب کہ جن کے لیے تالیاں بجائی جا رہی تھیں... ان کے چہروں پہ ناگواری ظاہر ہو رہی تھی... تالیوں کا شور دبتے ہی انسپکٹر جمشید بولے:

"میں معافی چاہوں گا... یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تالیاں بجانا... مسلمانوں کا شعار نہیں... مسلمان تو خوشی کے موقعے پر صرف یہ کہتا ہے... اللہ... تیرا شکر ہے، بہرحال... اب آگے سنیے..."

وہ اپنی مہم کی تفصیلات سناتے چلے گئے... تمام تفصیلات لوگوں نے اس طرح سنیں جیسے کہ دنیا کی دلچسپ ترین فلم وہ دیکھ رہے ہوں یا دلچسپ ترین

کہانی سن رہے ہوں... اور پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"اس اجلاس کے خاتمے پر اڑن طشتری کو پھر اڑایا جائے گا... اور اسے صحرا میں لے جایا جائے گا... پھر ان اڑن طشتریوں کے پھٹنے کا وقت ہو جائے گا... اور ٹی وی کیمروں کے ذریعے دنیا کے لوگ اس کے پھٹنے کا منظر دیکھ سکیں گے... اور یہ خیال کر لیا جائے گا کہ باقی اڑن طشتریاں بھی پھٹ چکی ہیں... پھر چوں کہ وہاں دھند کا سمندر بھی ختم ہو چکا گا، اس لیے ہمارے ہیلی کاپٹر جا کر ان کی تباہی کا یقین کریں گے... یوں یہ کہانی ... جس نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، ختم ہو جائے گی، لیکن اس کہانی کا ایک اور پہلو ہے... جس کو ساری دنیا کے سامنے لانا از حد ضروری ہے اور آج میں اپنی اس فاتح ٹیم کی ذمے داری پر یہ پہلو سامنے لا رہا ہوں... ہو سکتا ہے... کچھ لوگوں کو بعد میں یہ شکایت پیدا ہو کہ یہ کچھ اچھا نہیں ہوا... یا اچھا نہیں کیا گیا... اس بات کو راز رکھا جانا چاہیے تھا... لیکن میں جانتا ہوں... راز رکھنے میں بہت نقصانات ہیں... آج یہ حقیقت دنیا کے سامنے آ ہی جانا چاہیے... آپ لوگوں کو یاد ہو گا کہ ہمارے ملک کے ایک شہر جلبان میں ایک عجیب چٹان ابھری

تھی... یا نمودار ہوئی تھی... سنہری چٹان... اس چٹان کے بارے میں دنیا بھر کے ملکوں کے ماہرین نے جاننے کی کوشش کی... لیکن حقیقت نہ معلوم ہو سکی... ماہرین کی ٹیمیں بری طرح ناکام ہو گئیں... لیکن آخری ٹیم... جو ونٹاس کی طرف سے روانہ ہوئی... ناکام نہیں رہی۔"

"کیا... کیا مطلب۔" بے شمار آوازیں ابھریں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ایک صاحب چلائے۔

"کیوں جناب... ہو کیوں نہیں سکتا... ہونے میں کیا رکاوٹ ہے؟"

"اگر ونٹاس کے ماہرین کی ٹیم نے یہ جان لیا تھا کہ سنہری چٹان کیا چیز ہے... تو پھر وہ دنیا کے سامنے اس بات کو کیوں نہیں لائی؟"

"اس لیے کہ زمبوٹا کے باشندوں نے اس ٹیم کی جگہ لے لی تھی... اور دراصل آخری ٹیم جس نے اس چٹان کا مسئلہ حل کیا، وہ ونٹاس کی نہیں... زمبوٹا کی تھی... لہٰذا ونٹاس کی ٹیم کو یا ونٹاس کو الزام ہم کیسے دیں۔"

"اوہ... یہ تو ٹھیک ہے... تو پھر۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"آخری ٹیم... جس نے سنہری چٹان کا معائنہ کیا تھا، دراصل زمبوٹا کی ٹیم تھی اور اس نے اس چٹان کی

خرابی کو دور کر دیا تھا۔"

"کیا کہا... چٹان کی خرابی" بے شمار آوازیں ابھریں۔

"میرا مطلب ہے... اڑن طشتری کی خرابی کو" وہ مسکرائے۔

"یہ کیا بات ہوئی" لوگ چلائے۔

"وہ چٹان دراصل چٹان نہیں... اڑن طشتری تھی... اس میں کوئی خرابی ہو گئی تھی... جس کی وجہ سے وہ پرواز کے دوران شہر جلبان کے پہاڑی علاقے میں گری اور نصف کے قریب زمین میں دھنس گئی... وہ کچھ اس طرح دھنسی کہ بالکل چٹان نظر آنے لگی..."

"اوہ... اوہ" لوگوں کی حیرت کیا پوچھنا۔

"اب چونکہ وہ اڑن طشتری تھی... لہذا دنیا کے لوگ کس طرح اس کی حقیقت کو جان سکتے تھے... ہاں... زمبوٹا کو معلوم تھا... لہذا اس کی خرابی کو دور کرنے کے لیے اسی کے ماہرین کام آئے... ان ماہرین نے ہماری موجودگی میں کام شروع کیا، لیکن ہماری موجودگی میں وہ اڑن طشتری کو کھول نہیں سکتے تھے... لہذا انھوں نے ہمیں کسی گیس کے ذریعے گہری نیند میں مبتلا کر دیا... پھر اڑن طشتری کو ٹھیک کر کے وہ خود بھی گہری نیند میں غرق ہو گئے... انھوں نے خود پر بھی وہی گیس آزمائی تھی،

تاکہ ہم لوگ ان پر شک نہ کر سکیں... کہ ہمیں انھوں نے نیند میں مبتلا کیا تھا... اور اسی دوران اڑن طشتریوں کے حملے شروع ہو گئے... ہم سنہری چٹان کو بھول گئے اور ان کے چکر میں پڑ گئے... یہ بات ہمیں اڑن طشتریوں کے دیس میں جا کر سمجھ میں آئی کہ چٹان تو دراصل اڑن طشتری تھی... ایک دوسری اہم بات جو غور کرنے پر معلوم ہوئی... وہ یہ تھی کہ اس ٹیم نے ہمیں بے ہوش کرنے کے بعد دراصل اڑن طشتری کو کھولا تھا، صاف ظاہر ہے... وہ اس کی مرمت کھول کر ہی کر سکتے تھے... اور ہمارے سامنے وہ اس کو کھول نہیں سکتے تھے... وہ تو یہ ظاہر کر کے آئے تھے کہ چٹان کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں گے... لیکن حقیقت تو انھیں پہلے ہی معلوم تھی... وہ تو اس کی خرابی دور کرنے آئے تھے... چنانچہ خرابی دور کر دی گئی... اور وہ غائب ہو گئی... یعنی اڑ گئی... گویا وہ پہلا تجربہ تھا... جب اڑن طشتری کو دنیا پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا... لیکن اچانک کسی خرابی کی وجہ سے وہ حملہ آور نہ ہو سکی... اس کے بعد حملے شروع ہوئے... اور دنیا کو ہلا کر رکھ دیا گیا... وہ تباہی مچی

کہ گزشتہ عالم گیر جنگ میں بھی نہ ہوئی ہوگی!

ان حالات میں اڑن طشتریوں کی تلاش میں ٹیمیں روانہ کی گئیں... ہم بھی روانہ ہوئے... راستے کے واقعات میں آپ کو سنا ہی چکا ہوں... بتانا صرف یہ ہے کہ ہم نے وہاں سے زمبوٹا کے لوگوں کو گرفتار کیا ہے... اور ان کو اپنے ملک میں لائے ہیں... اس موقعے پر یہ بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو بھی آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

"ضرور... ضرور۔" بے شمار آوازیں ابھریں۔

انسپکٹر جمشید نے منتظمین کی طرف دیکھا، کچھ لوگ فوراً ہال سے نکل گئے... اب بے تابانہ انداز میں انتظار شروع ہوا... آخر ہال کا دروازہ کھلا اور قیدی اندر داخل ہونے لگے... سب سے پہلے باس داخل ہوا... اس کے پیچھے نیاماٹا تھی اور پھر دوسرے لوگ... انھیں سٹیج پر ایک لائن میں کھڑا کر دیا گیا...

ہال کے تمام لوگ ہی نہیں... دنیا بھر کے لوگ ان کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے

تھے... دنیا کے لیے یہ منظر کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک دوسرے سیارے کی جیتی جاگتی مخلوق کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے....

ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

بارش

"آپ اس وقت زمبوٹا کے لوگوں کو دیکھ رہے ہیں۔
یہی وہ لوگ ہیں... جو ہماری پوری دنیا پر قبضہ کرنے
کے خواب دیکھ رہے ہیں اور ایک ہولناک تباہی کا شکار
بنا چکے ہیں... اور آئندہ بھی بناتے رہنے سے باز
نہیں آئیں گے... میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں،
ان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔"
"انھیں ختم کر دیا جائے... ان کی بوٹیاں نوچ لی
جائیں... انھیں کتوں کے آگے ڈال دیا جائے۔" لوگ
چلائے۔
"میں صرف ان کی نہیں... پورے زمبوٹا کی بات کر
رہا ہوں۔"
"زمبوٹا... پورا زمبوٹا..." بڑبڑاہٹ پھیل گئی۔

"ہاں! پورا زمبوٹا... صرف ان لوگوں کو ہلاک کرنے سے کیا
ہو گا۔"
"لیکن جناب... ہم زمبوٹا سے کس طرح ٹکر لے سکتے
ہیں... وہ تو ہم سے سائنس میں بہت آگے ہے... اگر
ایسا نہ ہوتا تو ہم تو فضا میں ان اڑن طشتریوں سے
نہ لے لیتے۔"
"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے... کہ زمبوٹا سائنس میں ہم
سے بہت آگے ہے... لیکن اس کے باوجود ہمیں
ان کا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا... ورنہ یہ تو پوری دنیا
ہڑپ کر جائے گا۔"
"اوہ!" ہال کے لوگ سوچ میں ڈوب گئے... لیکن
کسی کے ذہن میں کوئی بات نہ آ سکی...
"اگر آپ اجازت دیں... مناسب سمجھیں تو میں کچھ
عرض کروں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"ضرور... ضرور... کیوں نہیں۔"
"تو پھر سنیے... زمبوٹا کو ختم کرنے کی ترکیب میرے
پاس ہے۔"
"اور... وہ کیا۔" وہ ایک ساتھ بولے۔
انسپکٹر جمشید نے منہ سے ایک عجیب سی آواز

نکالی ... فوراً ہی ہال میں چند آدمی داخل ہوئے ... ان کے
ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے بیگ تھے ...

"یہی وہ لوگ ہیں ... جن پر آپ کو اپنا تجربہ کرنا
ہے۔" انسپکٹر جمشید نے آنے والوں سے کہا اور اشارہ بائیں طرف
کی طرف کیا ...

"او کے سر۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا اور قیدیوں کے
قریب آ کر رک گئے ... ہر ایک کے ساتھ ایک آدمی کھڑا
ہو گیا ... قیدی پوری طرح جکڑے ہوئے تھے ... اس طرح کہ
ایک قدم اٹھانا بھی ان کے لیے ناممکن بنا دیا گیا تھا، اور
نہ وہ ہاتھ ہلا سکتے تھے ... ان کو قابو میں رکھنے کے
لیے بھی عجیب و غریب آلات اور سلوشن استعمال کیے
گئے تھے ... کیوں کہ خطرہ تھا ... کہیں یہ فرار نہ ہو جائیں
اور ساری مہم کرکری نہ ہو جائے ...

آنے والوں نے اپنے بیگ کھولے اور اپنے کام
میں مصروف ہو گئے ... انھیں اس کام میں قریباً تیس
پینتیس منٹ لگے ... اور پھر ہال کے لوگوں اور دنیا
بھر کے لوگوں کے منہ سے مارے حیرت کے چیخیں نکل
گئیں ... ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے
کھلے رہ گئے ... جسم ساکت اور حواس گم ہو گئے ... ان
کے دماغ سائیں سائیں کرنے لگے ... دل حرکت کرنا بھول گئے،
کلیجے کھڑے ہوتے چلے گئے ... وہ بتوں کی مانند ساکت
ہو گئے ... اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ سب کے سب
کسی جادوئی دیس میں پہنچ کر پتھر کے ہو گئے ہوں ...

"اُف مالک ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" صدر صاحب کے
منہ سے کافی دیر کے بعد نکلا۔

"یہ تت ... یہ تو ... سب میک اپ میں تھے ... اور ... اور
یہ تو ہماری ہی دنیا کے انسان ہیں۔" ایک اور آواز ابھری۔
"بلکہ ان میں سے کئی چہرے تو جانے پہچانے ہیں۔"
... جی صاحب بولے۔

"جی ہاں! نہ صرف جانے پہچانے ... بلکہ ان سے ہمارا
واسطہ پڑتا رہا ہے ... باس سے ملیے ... یہ دنیا بھر میں سی
... کے نام سے مشہور ہیں۔"

"اوہ ... اوہ۔" لوگوں کے منہ سے نکلا۔

"... ان سے ملیے ... ان کا نام یوں تو زیابانا ہے ... لیکن
دراصل انھیں اشمار... کہتے ہیں۔"

"اُف۔"

"اور راڈل ... مانک اور ... کے اصل نام مارکوش،
... انگ اور کیکڑی ہیں۔"

"ارے باپ رے۔"

ان کے علاوہ بھی اس وادی میں جن لوگوں سے کام لیا گیا... آپ کے سامنے ہے... یہ بھی مشہور قسم کے لوگ ہیں... وہاں کسی سائنس دان کی موجودگی کی ضرورت تھی... سائنس دان تو اپنا کام مکمل کر چکے تھے... اب تو کام کرنے والوں کی وہاں ضرورت تھی... اور بابا جیسے آدمی کی بھی... جو اس سارے منصوبے کو ہم جیسوں سے بالکل محفوظ رکھے... اور یہی وجہ تھی کہ قدم قدم پر ہمیں موت اور زندگی کی جنگ لڑنا پڑی..."

انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے... حاضرین پر موت کا سناٹا طاری تھا... آخر ایسے میں کسی نے کہا:

"سوال یہ ہے کہ اب دنیا کو کیا کرنا چاہیے... ایک بات بالکل کھل کر ساری دنیا کے لوگوں کے سامنے آ گئی... ساری حکومتیں جان چکی ہیں... اب ان سب کو کرنا کیا ہے۔"

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی... آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں عرض کر دوں۔"

"ضرور... کیوں نہیں۔" آوازیں ابھریں۔

"پوری دنیا مل کر ونٹاس کا بائیکاٹ کر دے... ہر قسم کا بائیکاٹ... پوری دنیا اس سے کٹ جائے اور اس کے خلاف متحد ہو جائے... بلکہ اس کو تہس نہس کرنے کے لیے ایک ہو جائے... اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا جائے... بس... میری تجویز تو یہی ہے... باقی ماہرین جانیں... ان کا کام... دنیا کے سیاست دان جانیں... ان کا کام جانے... ہم نے دنیا کو آئینے کی طرح ایک حقیقت دکھا دی ہے... نتیجہ نکالنا اور آئندہ کیا کرنا ہے... یہ سوچنا دنیا کے ماہرین کا کام ہے۔"

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی... شاید اس وقت ساری دنیا کے لوگ ہی خاموش تھے... ایسے میں فرزانہ بول اٹھی:

"لل... لیکن ابا جان... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی... ونٹاس نے خود اپنے شہروں پر بھی تو اڑن طشتریوں کے حملے کرائے تھے... آخر کیوں... اپنے شہروں کو کون تباہ کرتا ہے۔"

"خود کو ہر قسم کے شک سے محفوظ رکھنے کے لیے... کوئی یہ شک نہ کر سکے کہ یہ کام ونٹاس کا ہے... ذرا سوچیں، اگر تمام دنیا میں اڑن طشتریاں تباہی پھیلائیں

اور صرف ونٹاس محفوظ رہتا... تو کیا لوگ یہ خیال نہ کرتے کہ ہم نہ ہوں... یہ اڑن طشتریاں ونٹاس کی سازش ہیں... اس شک سے بچنے کے لیے اپنے ملک پر بھی حملے کرائے گئے... لیکن ان حملوں کا ایک دردناک پہلو بھی ہے۔" یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی۔

"اور وہ کیا۔"

"یہ کہ... زیادہ تباہی مسلمان علاقوں میں کرائی گئی۔"

"اوہ... اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا... ہونٹ نفرت سے بھنچ گئے۔

"اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ باس اس دوران میں اپنے ساتھیوں کی مدد کیوں نہیں کرتا رہا... اپنی اصول پسندی کی وجہ..." آصف بولا۔

انسپکٹر جمشید کے اشارے پر قیدیوں کو لے جایا جانے لگا... باس نے تین چار مرتبہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو... سمجھ لوں گا تم سے...

وہ مسکرا کر رہ گئے۔

دوسرے دن پوری دنیا ایک بار پھر ٹیلی ویژن سیٹوں کے سامنے بیٹھی تھی... وہ سب بھی انسپکٹر جمشید کے گھر موجود تھے... ٹی وی سیٹ ان کے سامنے تھا... اور وہ خاموش تھے... بیگم کامران مرزا اور شوکی کے والدین کو بھی یہیں بلا لیا گیا تھا... خان رحمان کے بیوی بچے اور پروفیسر داؤد کی بیٹی شائستہ بھی آ چکے تھے... چاروں بیگمات باورچی خانے میں دھڑا دھڑ چیزیں تیار کرنے میں مصروف تھیں... ایسے میں فاروق کی آواز لہرائی:

"بھئی یوں تو کام نہیں چلے گا۔"

"تو پھر... جس طرح کام چل سکتا ہے... بتا دو۔" آفتاب نے کہا۔

"آخر ہم کب تک منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے رہیں گے۔" فاروق بولا۔

"نن... نہیں تو... میں نے تو منہ میں نہیں ڈالیں گھنگھنیاں۔" مکھن نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں بھئی... ہم جانتے ہیں... تم محاورات اور ضرب الامثال کو سمجھتے ہو۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اوہو اچھا... مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔" مکھن نے

چونک کر کہا۔

"ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"لیکن میرا ٹیلی ویژن یا فلم میں کام کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"خیر وہاں تو تمھیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اس سے اچھی بات اور ہو بھی کیا سکتی ہے۔"

"ہونے کو ہو بھی سکتی ہے..." آصف مسکرایا۔

"کک... کیا چیز۔" پروفیسر داؤد نے بے دھیانی کے عالم میں کہا۔

"جی... بات۔"

"بات... لیکن کون سی بات۔"

"آپ باتوں کے دوران ادھر ادھر کہاں کھو جایا کرتے ہیں انکل۔" شوکی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کسی ایجاد کے خیال میں ڈوب جاتا ہوں... دراصل میں۔" وہ بولے۔

"اوہ تب تو ٹھیک ہے۔" اشفاق نے کہا۔

"کیا ٹھیک ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ... یہی... ڈوب جانا۔"

"ہائیں... کیا کہہ رہے ہو بھئی... ڈوب جانا اچھی بات ہے۔" خان رحمان بولے۔

"جی... وہ... سائنسی خیال میں ڈوب جانے کی بات ہو رہی ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اوہ تب تو ٹھیک ہے... میں تو گھبرا ہی گیا تھا۔"

"مجھے ایک خیال ستا رہا ہے۔" ایسے میں فرحت نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

"اللہ کا شکر ادا کرو کہ صرف ایک خیال ستا رہا ہے... اگر ایک ہی وقت میں دس بیس خیالات ستاتے تو کیا ہوتا۔" پروفیسر غوری نے پریشان ہو کر کہا۔

"اوہو... کوئی یہ تو پوچھ لے وہ خیال ہے کیا..." پروفیسر عقلان بولے۔

"تو آپ خود ہی پوچھ لیں نا۔" منور علی خان بولے۔

"ہم... ہیں... ہاں کیوں نہیں... میں پوچھ لیتا ہوں، ارے مگر... پوچھوں کیا... میرے ذہن سے تو بات نکل گئی۔" وہ بولے۔

"لیجیے... اتنی جلدی نکل گئی انکل... حیرت ہے۔" اخلاق بولا۔

"میں یاد دلا دیتا ہوں... فرحت کو کوئی خیال ستا

رہا تھا۔" شاہد مسکرایا۔

"خیالات ستائیں میری بچی کے دشمنوں کو۔" منور علی خان بولے۔

"اوہو انکل... پہلے خیال کو سن لیں۔" محمود بولا۔

"ہاں واقعی... وہ خیال سن لینا چاہیے... پتا نہیں کیا خیال ہے وہ... کس قسم کا خیال ہے وہ... اچھا خیال ہے یا برا خیال ہے وہ۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"خوب ہے... خیال کی گردان کر کے رکھ دی... بے چارہ خیال بھی کیا سوچتا ہو گا۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"کک... کون کیا سوچتا ہو گا۔" پروفیسر داؤد چونکے۔

"جی... خیال۔"

"ہاں... کیا ہوا خیال کو۔"

"خیال کو تو شاید کچھ نہیں ہو سکتا... ہاں خیال ہمیں نہ ہو جائیں۔" مکھن نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" اکرام بول اٹھا۔

"بس جان چکے ہم فرحت کا خیال۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے... اگر آپ جان چکے ہیں تو پھر ہمیں بھی بتا دیں۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا..." انسپکٹر جمشید نے بھنا کر کہا۔

"اوہ انکل... معاف کیجیے... میں آپ کا مطلب غلط سمجھ گیا... ہاں تو آپ کا کیا مطلب تھا۔" آصف گھبرا کر بولا۔

"مطلب یہ کہ اگر تم لوگوں کی زبانیں نہ رکیں تو پھر شاید کل شام تک بھی یہ نہ جان سکیں کہ فرحت کو کیا خیال ستا رہا ہے۔"

"ہوں... بات تو ٹھیک ہے... تب پھر ہمیں فرحت کو مہلت دے ہی دینی چاہیے کہ وہ اپنا خیال ظاہر کرے، ہاں فرحت کہو... وہ کیا خیال ہے... جو تمہیں ستا رہا ہے، ہم اس خیال کی ایسی کی تیسی کر دیں گے۔" فاروق بولا۔

"لو... اب یہ خیال کی ایسی کی تیسی کر دیں گے... ہے کوئی تُک۔" آصف نے کہا۔

"اب کیا خاک بتاؤں۔" فرحت نے جھنجلا کر کہا۔

"کک... کیوں... اب کیا ہو گیا۔"

"مم... میں بھول گئی... کہ کیا خیال تھا وہ۔"

"دھت تیرے کی... کتنا غلط خیال تھا... جو فرحت کے ذہن سے نکل گیا۔"

"شکر ہے اللہ کا۔" بیگم جمشید نے باورچی خانے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"کس بات پر شکر کیا ہے تم نے بیگم۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی اس بات پر کہ کوئی غلط خیال فرحت بیٹی کے ذہن سے نکل گیا... یہ شکر کا مقام نہیں ہے تو اور کیا ہے۔"

"ہاں... آپ ٹھیک کہتی ہیں... میں بھی تائید کرتی ہوں۔" بیگم کامران مرزا بولیں۔

"اے بہن... کچھ میں بھی تو سنوں... آپ کس سلسلے میں ان کی تائید کر رہی ہیں... کیوں کہ تائید کرنے کے معاملے میں میں بھی کنجوس نہیں ہوں۔"

"امی جان... آپ نے کیا فرمایا۔" مکھن چونکا۔

"میں نے تائید کی بات کی ہے... معاوضہ لینے کی نہیں۔" انھوں نے فوراً کہا۔

اور وہ سب مسکرا دیے...

"اب جب کہ فرحت کے ذہن سے نکل گئی ہے بات تو میں بتا دیتی ہوں۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ... تت... تت... تو..." فرحت ہکلائی۔

"تت... تت... تو... یہ کیا بات ہوئی۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"اس کا مطلب ہے... بات فرحت کے ذہن سے نکل کر فرزانہ کے ذہن میں آ گھسی... گویا فرزانہ کے ذہن نے اس کی بات چرا لی۔" آصف نے کہا۔

"ہائیں... چوری کا الزام اور فرزانہ پر... یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"نہیں کر سکتے تو نہ کرو... ویسے میں نے فرزانہ پر نہیں، فرزانہ کے ذہن پر الزام لگایا ہے... تم اونچا تو نہیں سننے لگے۔" آصف نے تلملا کر کہا۔

"ن... نہیں تو... میرے کان تو بالکل ٹھیک ہیں۔"

"فرزانہ... بتاؤ... وہ کیا خیال ہے۔"

"یہ کہ وانٹس کو کافی وقت مل گیا ہے... کیا اس کے ماہرین اڑن طشتریوں کو ٹھیک کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور کیا وہ اس وقت اس وادی میں نہیں پہنچے ہوئے ہوں گے۔"

"بے شک پہنچے ہوئے ہوں... فکر کی ضرورت نہیں... ہم نے بھی وہ کام کیا ہے کہ اب اڑن طشتریاں پھٹ کر

رہیں گی... اگر انھوں نے ان کو چھیڑنے کی کوشش کی... تو ہو سکتا ہے... وہ وقت سے پہلے پھٹ جائیں۔"

"اوہ... لیکن اب کیا وقت سے پہلے پھٹیں گی وہ بے چاریاں... صرف ایک منٹ باقی ہے۔" محمود نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"ایک منٹ، اوہو اچھا... تب تو وقت بہت نزدیک آ گیا۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا خاک نزدیک آ گیا... ایک منٹ بھی مجھے تو ایک سال کے برابر محسوس ہو رہا ہے۔"

اسی وقت تینوں بیگمات کھانے پینے کی چیزوں سے لبریز ٹریز اٹھائے میز تک پہنچ گئیں...

"ہمارا خیال ہے... کچھ منہ بھی ہلاتے رہنا چاہیے۔" بیگم جمشید بولیں۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے امی جان... ہم نے یہ اتنی بہت سی باتیں منہ ہلائے بغیر ہی کر ڈالیں۔"

"بھئی ان کا اشارہ کھانے پینے کے ذریعے منہ ہلانے سے ہے۔" بیگم کامران مرزا بولیں۔

"اس کام کے لیے ہم ابھی تیار نہیں ہیں آنٹی... اس لیے کہ جب تک دھماکا نہیں ہو جاتا... ہم کچھ نہیں

پی سکتے۔"

"اور اگر دھماکا کل تک بھی نہ ہوا تو۔" شوکی کی والدہ ہیں۔

"جی نہیں... دھماکا اگر ہوا تو آج ہی ہو گا... ورنہ نہیں ہو گا۔" پروفیسر داؤد نے انھیں گھورا۔

"تت... تو... آپ مجھے گھور کیوں رہے ہیں۔"

"اوہ ہاں... واقعی... مجھے گھورنا نہیں چاہیے... آپ نے تو یہ بات انجانے میں کہی ہے۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔"

"اور لیجیے صاحبان... ایک منٹ بھی ہوا چاہتا ہے۔" ...نے بلند آواز میں اعلان کیا۔

وہ سب یک لخت خاموش ہو گئے... ان کی نظریں ...رین پر جم کر رہ گئیں... سکرین پر اڑن طشتری بالکل صاف ...ظر آ رہی تھی... اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا... دور ...ت دور لوگ نظر آ رہے تھے... اور یہ سب ماہرین تھے ...رنہ پبلک کو تو اس طرف آنے ہی نہیں دیا گیا تھا... کیوں کہ ...و معلوم نہیں تھا... اڑن طشتری پھٹ کر کتنے فاصلے تک مار ...رے... اس کے ٹکڑے کہاں کہاں تک پہنچیں...

دھک... دھک... ان سب کے دل زور زور سے

دھڑک رہے تھے... چند سیکنڈ کے اندر یہ فیصلہ ہونا تھا
ان کے سائنس دان کامیاب ہوتے ہیں یا ناکام رہتے ہیں
اگر یہ ناکام رہتے تو وناٹس اڑن طشتریوں پہ قابض ہو کر
ان کی خرابی کو دور کر سکتا تھا اور اس وادی کے بجائے
وہ ان کا ہیڈ کوارٹر اپنے ملک میں قائم کرتا... کیوں کہ اب
بات راز نہیں رہ گئی تھی...

اچانک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا... انھوں نے
دیکھا... اڑن طشتری لاکھوں ٹکڑوں میں بٹ کر ادھر یک گئی
اور پھر انھوں نے بارش کی مانند اس کے ٹکڑوں کو گرتے
دیکھا...

یہ بارش کئی سیکنڈ تک جاری رہی... اور اس بارش کی
آواز بھی بہت عجیب تھی۔

اللہ حافظ

پوری دنیا کے ممالک کے سربراہوں کا اجلاس ان
کے ملک میں ہو رہا تھا... اس اجلاس میں انھیں مہمان خصوصی
کے طور پہ بلایا گیا... اگرچہ ان کا یہاں کوئی کام نہیں تھا،
لیکن اس پورے معاملے کے ہیروز وہ تھے... اس لیے
سب ان سے ملاقات کرنے کے خواہش مند تھے... ملاقات
کا پروگرام اجلاس کے بعد رکھا گیا... اجلاس میں یہ طے کیا
جانا تھا کہ اب وناٹس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے... اس
وقت یہاں وناٹس کا صدر موجود نہیں تھا... نہ ہی اس
کو دعوت دی گئی تھی... ان کے ملک کے صدر کہہ رہے
تھے:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ وناٹس نے پوری
دنیا کے ساتھ بہت عظیم زیادتی کی ہے... بلکہ

اسے ایک المناک ظلم کہنا چاہیے... اس میں بھی کوئی شک نہیں رہ گیا کہ وہ پوری دنیا کو اپنا غلام بنا لینے کا خواب دیکھ رہا ہے... اور یہ منصوبہ اسی لیے ترتیب دیا گیا تھا... ایک زمانے سے اڑن طشتریاں دنیا کے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھیں... ساری دنیا کے ممالک ان سے خوف زدہ تھے اور یہی خیال کیا جاتا رہا کہ یہ اڑن طشتریاں کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہیں... دنیا بھر کے اس خیال کو ونٹاس نے عملی شکل میں اپنایا اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ آخر کار خود کو اڑن طشتریوں کو تباہ کرنے کے قابل ثابت کر دے گا اور ان کے خوف سے ساری دنیا اس کے سامنے جھک جائے گی، پھر وہ جو چاہے گا کرے گا... کوئی اس کو روکنے والا، پوچھنے والا یا ٹوکنے والا نہ ہوگا، وہ سب کا آقا جو ہوگا... اور جو ذرا بھی چوں کرے گا... اس کی فضا پر فوراً کوئی اڑن طشتری منڈلانے لگے گی، وہ خوف زدہ ہو کر ونٹاس کو اطلاع دے گا، ونٹاس اپنی شرائط منوا کر اڑن طشتری کو بھگانے

پر مجبور کر دے گا... اگر ہمارے ہیروز کامیاب نہ ہوتے تو ساری دنیا اس شکنجے میں کس دی جاتی اور کوئی بل بھی نہ سکتا... لیکن اللہ نے بہت بڑا احسان کیا اور ہم اب اس قابل ہیں کہ ونٹاس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکیں... پوری دنیا اس سے نفرت محسوس کر رہی ہے... اور یہاں جو فیصلہ بھی کیا گیا... اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں گے... لہٰذا آپ سب لوگ غور کریں... اور سوچیں کہ اس کے خلاف کیا قدم اٹھایا جائے۔" اتنا کہہ کر ان کے صدر بیٹھ گئے... اسی وقت انشارجہ کے صدر اٹھے اور کہنے لگے:

"ونٹاس پوری دنیا کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے... پوری دنیا کو چاہیے کہ اس سے تعلق توڑ لے۔"

"لیکن جناب... صرف تعلق توڑ لینے سے تو کام نہیں چلے گا... وہ پھر سے اڑن طشتریاں بنا لے گا۔" ایک اور صدر بولے۔

"ہوں! بالکل ٹھیک... ضرورت ہے کوئی ٹھوس قدم اٹھانے کی۔"

"تب پھر... ٹھوس قدم ایک ہی ہو سکتا ہے۔" ایک صدر

صاحب بولے۔

"فرمایئے... وہ کیا ہو سکتا ہے۔"

"یہ کہ ہم سب مل کر اس پر حملہ کر دیں... چاروں طرف سے... ایک ایسا حملہ جس کو روکنا ونتاس کے بس کا روگ نہ ہو... اور ونتاس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں... وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ جائے... ان ریاستوں کا انتظام پڑوسی ملکوں کے ہاتھوں میں آ جائے... ونتاس کی موجودہ انتظامیہ کو گرفتار کر لیا جائے اور دنیا کی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا جائے... اور موت کی سزا سنائی جائے۔"

یہ تجویز سن کر سب لوگ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے... پھر ایک صدر بولے:

"تجویز معقول ہے... اگر ہم نے اب اس کے خلاف قدم نہ اٹھایا تو یہ روز بروز طاقت ور ہوتا جائے گا اور پھر پوری دنیا کے خلاف کوئی سازش کرے گا... کیوں کہ یہ اپنی اس ہوس سے باز نہیں آ سکتا... ان حالات میں یہی فیصلہ مناسب لگتا ہے۔"

"میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔"

پھر تو سبھی طرف سے تائید تائید کی آوازیں ابھرنے لگی... کئی منٹ بعد خاموشی طاری ہو سکی۔

"گویا... سب لوگ اس پر حملہ کرنے کے حق میں ہیں۔"

"ہاں... بالکل۔" بیسیوں آوازیں ابھریں۔

"تو پھر یہ طے رہا... پروگرام جنگ کے ماہرین ترتیب دیں گے... ہر قوت بروئے کار لائی جائے گی اور بہت جلد ہم اس کے حصے بخرے کر دیں گے۔"

اس فیصلے کے بعد ان سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ ہاتھ ملا ملا کر تھک گئے... آخر وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہوئے...

شام کے اخبارات میں ونتاس کی ایک خبر لگی... اس خبر کے مطابق اس نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے دنیا بھر سے اپنی زیادتی کی معافی مانگی تھی... یہ خبر پڑھ کر وہ دھک سے رہ گئے...

"کیا خیال ہے انکل... ونتاس کو معاف کر دیا جائے گا...؟"

آصف نے پریشان ہو کر کہا... اس کا رخ خان رحمان کی طرف تھا۔

"ہرگز نہیں... معافی کا کیا سوال... لاکھوں انسان ان اڑن طشتریوں کا شکار بن گئے... ہزاروں عمارتیں تباہ ہو گئیں... بڑے بڑے منصوبے اڑا دیے گئے... انسانی جسموں کے ٹکڑے اڑ گئے اور ونتاس صرف معافی مانگ کر بچ جائے... یہ

ہو ہی نہیں سکتا..."

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی... انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے صدر صاحب کہ رہے تھے:

"ہیلو جمشید... تم نے وناش کی خبر پڑھی۔"

"جی ہاں... ہم اس پر ہی تبصرہ کر رہے تھے۔"

"پھر... تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔"

"یہ کہ وناش کو ہرگز معاف نہ کیا جائے... وہ یہ معافی ایک بڑی تیاری کے لیے مانگ رہا ہے... لیکن اس بڑی تیاری کے بعد پوری دنیا کو مصیبت میں ڈال دے گا... اور اس وقت کسی کی ایک نہیں سُنے گا... لہٰذا اس وقت سے بہتر ہے کہ ہم اس کا کانٹا ہی نکال دیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے جمشید۔" صدر صاحب نے کہا۔

"اور باقی لوگوں کا۔"

"میں سبھی سے بات کر رہا ہوں... تاکہ کوئی بھی اس کو معاف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے... آپ اپنی اس مہم کو جاری رکھیے... یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔" انھوں نے کہا۔

دو گھنٹے کے بعد صدر صاحب نے انھیں پھر فون کیا اور بولے:

"سب لوگ وناش کی کوئی بات ماننے یا سننے کے لیے تیار نہیں... اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہو کر رہے گا۔"

"شکریہ سر... یہ بہت ضروری ہے۔"

"ہاں! تم فکر نہ کرو۔"

یہ کہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا...

"میرا خیال ہے... اب ہم لوگوں کو اپنے اپنے گھروں کا رخ کرنا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے انکل۔"

"کیوں بھئی... ہو کیوں نہیں سکتا... ہونے کو اس میں کیا مشکل ہے۔"

"ابھی دو چار دن تک تو نہ آپ لوگ دفتر جا سکتے ہیں نہ ہم سکول... تھکن اترنے میں کچھ وقت تو لگے گا... لہٰذا آپ سب لوگ یہیں رہ کر تھکن اتارتے رہیں۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"تمھارا گھر تھکن اتارنے کا کوئی دفتر تو نہیں ہے..." آصف بولا۔

"نہیں... ہے تو نہیں... کہیے ہو تو بنا لیتے ہیں۔"

"میں محمود کی تجویز منظور کرتا ہوں۔" اچانک انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"گگ... گویا... آپ یہاں تھکن اتاریں گے۔" آصف نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں بھئی... آج کل تھکن اتارنا بہت ضروری کام ہے۔" وہ مسکرائے۔

"تب تو ہم آپس میں اتنی باتیں کریں گے... اتنی باتیں کریں گے کہ باتیں کر کر کے تھک جائیں گے۔" فاروق چہکا۔

"گویا اس کے بعد ہمیں باتوں کی تھکن اتارنا پڑے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے۔

"نن... نہیں... آپ فکر نہ کریں... ہم باتوں کی تھکن ساتھ ساتھ اتارتے رہیں گے اور جونہی آپ حکم دیں گے، چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"چلو پھر تو ٹھیک ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اطمینان کا سانس لیا۔

"اس سے پہلے کہ ہم باتوں کے طوفان سے ٹکرائیں... محاورات کے تھپیڑے کھائیں اور ضرب الامثال کے جھکڑ برداشت کریں... ہمیں چاہیے... اس کا فیصلہ کر لیں۔" شوکی نے دبی

[illegible]ی آواز میں کہا۔

"اس کا... اس کا کس کا۔" پروفیسر داؤد حیران ہو کر [illegible]بولے۔

"جی... اسی کا... بس۔" شوکی شرما گیا۔

"اسی کا... آخر کس اسی کا... یہاں تو پتا نہیں کتنے [illegible]سی کے موجود ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"گگ... کیا کیا... اسی کے موجود ہیں... کک... کہاں۔" [illegible]پروفیسر غوری گھبرا گئے۔

"میں سمجھ گیا... شوکی کا اشارہ کس کی طرف ہے۔" خان رحمان مسکرا دیے۔

"چلیے... اگر آپ سمجھ گئے تو آپ بتا دیں۔" مکھن جلدی سے بولا۔

"نہیں انکل... آپ نہ بتایئے گا... آخر شوکی کیوں نہ بتائے... اسے اتنا شرمانے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" آصف بول اٹھا۔

"چلو بھئی شوکی، گھبراؤ نہیں... اور بتا دو۔" منور علی خان نے اسے حوصلہ دلایا۔

"جی... جی بہتر... میں دراصل اس کی بات کر رہا تھا... یعنی کہ سس۔" وہ پھر اٹک گیا۔

"تو شوکی بھائی تم دراصل یعنی کہ سس کی بات کر رہے تھے... واقعی بہت حیرت ہوئی سن کر..." فرحت نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"آپ... آپ... میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔" شوکی نے اسے گھورا۔

"ارے نہیں... ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"آخر یہ سسس... کیا بلا ہے... جلدی کہو شوکی۔" شوکی کی والدہ بول پڑیں۔

"جی... جی... وہ سس سہرا۔"

"سہرا۔" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں سہرا... ہم اس کو بھول نہیں گئے کیا... آخر اس مہم کا سہرا کس کے سر باندھا جائے گا۔" شوکی نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ... واقعی۔" وہ چلائے۔

پھر یک لخت خاموشی چھا گئی... آخر انسپکٹر جمشید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"یہ... یہ تو بہت ٹیڑھا مسئلہ ہے۔"

"ٹیڑھے مسئلوں کو سیدھے مسئلے بنانا ہی تو ہمارا کام ہے پھر کیا ہم اپنے ایک مسئلے کو سیدھا نہیں کر سکتے۔" منور علی

بولے۔

"بات یہ بھی ٹھیک ہے... اچھا شوکی... ذرا تم ہی بتاؤ تمہارے خیال میں سہرا کس کے سر بندھنا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میں کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہا... سر گھومتا محسوس ہوتا ہے... اب اس پر غور کرتا ہوں۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم سب کو سر جوڑ کر غور کرنا ہو گا۔" اشفاق نے کہا۔

"اتنے بہت سے لوگ آپس میں اپنے سروں کو بھلا کس طرح جوڑ سکتے ہیں۔" آصف نے اسے گھورا۔

"خیر یہ اتنا مشکل بھی نہیں... محاورۃً سر جوڑ لیں۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے... سب مل کر سوچیں... تین منٹ کی مہلت دی جاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اعلان کیا۔

اور وہ سوچ میں گم ہو گئے... پھر تین منٹ گزر گئے... آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"تین منٹ گزر چکے ہیں... اب میں ہر ایک سے باری باری پوچھوں گا... انسپکٹر کامران مرزا... آپ کی کیا رائے ہے۔"

"میری رائے میں تو سہرا آپ کے سر بندھنا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انسپکٹر جمشید شرما گئے... اور بولے :

"مذاق نہ کریں... اور اپنی رائے دیں۔"

"میں رائے دے چکا... اگر آپ جلتی اڑن طشتری پر نہ لیٹتے... اور اتنی بڑی قربانی نہ دیتے تو ہم اس کامیابی کو چھو بھی نہیں سکتے تھے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" منور علی خان بول اٹھے۔

"اور محمود، آصف، فاروق اور شوکی کے بارے میں کیا خیال ہے... آخری وقت انھوں نے مجھے باس کے چنگل سے بچنے کا موقع فراہم کیا تھا... اور یہ اپنی جان پہ کھیل گئے تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یوں تو پھر فرزانہ بھی پیچھے نہیں رہی تھی۔" خان رحمان نے کہا۔

"اور منور علی خان کہاں جائیں گے... جن کا ہتھیار رنگ لایا تھا۔" اکرام بولا۔

"شوکی کا ایک کارنامہ سب بھول گئے... اس کے بغیر ہم اس وادی میں شاید کبھی بھی کامیاب نہ ہوتے اور وہ کارنامہ تھا... نیاپاٹا کا پستول اڑا لینا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ واقعی۔"

"لیکن ہم... پروفیسر صاحبان کو بالکل بھول گئے... اصل کام تو ان کا ہے... اڑن طشتریوں کو اور کنٹرول روم کو اپنی کچھ ایجادات کے ذریعے... ایسی ایجادات... جن کی ہوا تک وناٹس کو نہیں لگ سکی... اور اگرچہ اس کے پاس کئی گھنٹے تھے کہ ان ایجادات کو وہ ناکام بنا کر اڑن طشتریوں کو بچا لیتا... لیکن اس کے سائنس دانوں کی تمام کوششیں بے کار ہو گئیں... اور وہ وادی اڑ کر رہی... ان حالات میں تو ان کے علاوہ سہرا کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں... لیکن بھئی... اس عمر میں ہم کیا سہرا باندھیں گے، سہرا تو نوجوانوں کے سروں پہ اچھا لگتا ہے۔" پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔ دوسرے مسکرا دیے...

"تب پھر آپ ہی فرما دیں... کس کے سر باندھا جائے۔"

"میری ایک تجویز ہے۔" پروفیسر غوری بول اٹھے۔

"ضرور بتائیں۔"

"ہم سب ایک ایک سہرا باندھ لیں... آخر اس میں کیا حرج ہے۔"

ان کی تجویز پہ سبھی ہنس پڑے... عین اسی

"ایک صاحب نے... بوڑھے سے تھے... آپ کی بجائے... غلطی سے میرا دروازہ کھٹکھٹا دیا تھا... ان کے پاس آپ لوگوں کے لیے ایک خط تھا... کہنے لگے... بیٹی یہ خط آپ ہی ادھر دے دیں... میں کچھ جلدی میں ہوں۔"

"لائیے... دیکھتے ہیں... کیسا خط ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انھوں نے خط لے کر کھولا... اور میز کے درمیان میں رکھ دیا... پھر جو سب ایک ساتھ جھکے اس خط پر تو ناریلوں کے ٹکرانے کی آواز تو گونجنی ہی تھی... سب کے منہ بن گئے... لیکن پھر فوراً خط پر جھکنے پر مجبور ہو گئے... اس پر لکھا تھا:

"میں جا رہا ہوں... اور ساتھ میں زیاماٹا
کو بھی لے جا رہا ہوں... اتنی بڑی فتح
کے بعد یہ ہلکا سا چپت وصول کریں...
تاکہ منہ کا ذائقہ بدل جائے۔"

باس

ان کے منہ کھل گئے... آنکھیں پھیل گئیں... کئی سیکنڈ تک ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا... آخر فرزانہ کے

وقت گھنٹی بجی... وہ سب چونک اٹھے:

"ہائیں... یہ اس وقت گھنٹی کس نے بجا دی۔"

"یہ تو ہم دیکھ کر ہی معلوم کر سکتے ہیں۔" آصف نے کہا۔

"اور یہ دیکھنے کا کام ہے محمود کا۔"

"ہاں... ضرور... کیوں نہیں۔" محمود نے کہا اور اٹھ کر دروازے کی طرف چلا گیا۔

اب وہ سب خاموش تھے... اور دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے... آخر دروازہ کھلا اور انھوں نے ایک آواز سنی:

"السلام علیکم۔"

یہ آواز بیگم شیرازی کی تھی:

"اوہ... اس مرتبہ ہم انھیں تو بھول ہی گئے... ایسے موقعوں پر ہم انھیں بھی تو اپنے ہاں بلا لیا کرتے ہیں... آئیے بہن... بہت بہت شکریہ... آپ نے خود آ کر ہمیں اپنی غلطی کا احساس دلا دیا۔"

"لل... لیکن... میں اس لیے نہیں آئی ہوں۔" انھوں نے بوکھلا کر کہا۔

"تب پھر... کس لیے آئی ہیں؟"

ہونٹ ہلے:

"تت... تو... مسٹر باس فرار ہو گیا ہے۔"

"ایک منٹ... پہلے اس کی تصدیق تو کر لیں۔"

انھوں نے چیف سپرنٹنڈنٹ کو فون کیا... اور پھر ریسیور رکھ دیا:

"ہاں! یہ خبر درست ہے... وہ دونوں فرار ہو گئے ہیں... افسوس... اس طرف ہمیں خود توجہ دینی چاہیے تھی۔"

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی... ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"ان حالات میں ہم کیا کسی کے سر سہرا باندھیں۔"

"گویا سہرے کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔" فرحت بولی۔

"خیر کوئی بات نہیں... آئندہ مشترکہ مہم کے اختتام پر ہم سہرے کے حق دار کے سر پر ایک کی بجائے دو سہرے باندھ دیں گے۔" فاروق بول اٹھا...

اور وہ سب غمگین انداز میں مسکرانے لگے۔

تین ماہ بعد دنیا کے ممالک اپنے بدترین دشمن پر چڑھائی کر رہے تھے اور اسے اسی تباہی سے دوچار کر چکے تھے... جس میں اس نے پوری دنیا کو مبتلا کیا تھا...